
JUNE 2011
شعاع
www.paksociety.com
www.Paksociety.com


English
SHAMPOO
+
CONDITIONER
English
EGG
SHAMPOO
go fresh...
English
BLACK SHINE
SHAMPOO
+
CONDITIONER
go fresh...
English
HAIR TREATMENT
SHAMPOO
go fresh...
English
AMLA
SHAMPOO
+
CONDITIONER
go fresh...


لیجیے کچھ Fresh Fruits اپنی جلد کیلئے بھی
Care
فیرنس وینشنگ کریم
اور لیجیے کچھ Extra بھی
FREE


Black Beauty
COLOGNE TALC
Black Beauty
COLOGNE TALC


MelaFree
Olinza
Scar Cream
Olinza
Olinza Sunblock SPF 60
Olinza Prickly Heat Lotion
Olinza Hair Compound

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

کرن

بانی و مدیر اعلیٰ ـــــ محمود ریاض

مدیرہ ـــــ رضیہ جمیل

مدیر منتظمہ ـــــ ایمن ریاض

مدیرہ اعزازی ـــــ امتہ الصبور

وائس چیئرمین ـــــ شاہین رشید

اشتہارات ـــــ خالد فخر خانی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

MEMBER
APNS
CPNE

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ کرن
37 اردو بازار کراچی





ناولٹ

افسانے

نظمیں غزلیں

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

مستقل سلسلے

جون 2011
جلد 25 شمارہ 10
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
پاکستان (سالانہ) 600 روپے
[illegible] 4000 روپے
[illegible] 5000 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: [illegible] کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaamonthly@yahoo.com, info@khawateendigest.com

شعاع کا جون کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

اس وقت جبکہ پاکستان اپنے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہے۔ سیاسی بساط پر نئے نئے سیاسی اتحاد بنانے، روٹھنے اور منانے کا سلسلہ بڑے تسلسل اور کامیابی سے جاری ہے۔ عوام کے حالات بد سے بدترین ہوتے جا رہے ہیں تو اس سے بھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہے کیونکہ دہشت گردی، مہنگائی، بے روزگاری اور لوڈ شیڈنگ کے ستائے ہوئے عوام میں احتجاج کی سکت بھی باقی نہیں رہی ہے۔ پہلے بجلی گھنٹوں کے حساب سے جاتی تھی اب یہ سلسلہ دنوں پر محیط ہو گیا ہے۔ دو دو دن اور بعض علاقوں میں ہفتہ بھر بجلی غائب رہتی ہے۔ اس پر مستزاد گیس کی لوڈ شیڈنگ بھی جاری ہے۔ کتنے کارخانے بند ہو گئے کتنے مزدور بے روزگار ہوئے۔ اس کا حساب رکھنے کی کسی کو فرصت ہے نہ ضرورت۔

نیا بجٹ آنے کو ہے۔ مزید ٹیکسوں کی نوید پہلے ہی سنا دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- آسیہ رزاقی کا مکمل ناول ۔ تلاش ختم، انتظار باقی،
- نایاب جیلانی کا مکمل ناول ۔ دوسرا پہر،
- سلویٰ علی بٹ کا مکمل ناول ۔ دل کے رستے دشوار بہت تھے،
- سائرہ عارف کا ناولٹ ۔ میری صبح کا ستارہ،
- عالیہ بخاری اور آمنہ ریاض کے ناول،
- ثمینہ عظمت علی، عظمیٰ افتخار، حنا قریشی، کاشفہ حسین اور مشا خالد کے افسانے،
- مشہور شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ ۔ دستک،
- بیٹھ کر سیرِ دو جہاں کرنا ۔ قرۃ العین حیدر کی کتاب پر تبصرہ،
- وہ جو ہم سے بچھڑ گئے ۔ معین اختر اور لیاقت سولجر کی یاد میں،
- شاعری سچ بولتی ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کو مزید بہتر بنانے کے لیے آپ کے ذہن میں تجاویز و مشورے ہوں گے۔ آپ ہمیں ضرور لکھیں۔ ہم آپ کی آراء کی روشنی میں پرچا ترتیب دیتے ہیں۔ شعاع کے اس شمارے کے بارے میں آپ اپنی رائے ضرور لکھیے گا۔ آپ کی رائے ہمارے لیے بہت قیمتی اور سب سے مقدم ہے۔

حمد باری تعالیٰ

ہر اک امکاں کا عنواں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو
بڑے تخلیق ساماں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

ہر اک صورت سے [illegible] کیا کیا
عجب سے [illegible] ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

کہاں ہے [illegible] ہر اک آنکھ روشن کیسے ہوتی ہے
ہر سو نور افشاں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

مسلسل پھوٹتی رہتی ہیں شاخیں زندگانی کی
فروغِ باغِ امکاں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

وگرنہ کچھ ثبوت اپنے ہی ہونے کا نہیں ملتا
جوازِ اصلِ ایماں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

زمین و آسماں میں ہے بپا اک جشنِ موسیقی
ازل سے زمزمہ خواں ہیں ترے رنگ اور تری خوشبو

روحی کنجاہی

نعت رسول مقبولؐ

نعتِ حضرتؐ مری پہچان ہے سبحان اللہ
یہی دنیا یہی ایمان ہے سبحان اللہ

جس سے پہلے کسی تخلیق کا عنواں بھی نہ تھا
وہ مرے شعر کا عنوان ہے سبحان اللہ

میں گناہ گار و خطا کار مگر اُن کی یاد
مہرباں مجھ پہ ہر آن ہے سبحان اللہ

جس پہ مرکوز ہیں سب نکتہ وروں کی نظریں
ایک اُمّی کا دبستان ہے سبحان اللہ

جو بنو سعد کے ریوڑ کا محافظ تھا کبھی
وہ دو عالم کا نگہبان ہے سبحان اللہ

جو چٹائی پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھا ہے
دین و دنیا کا وہ سلطان ہے سبحان اللہ

یاد ہے بات مجھے حضرتِ صدیقہؓ کی
آپؐ کا خلق بھی قرآن ہے سبحان اللہ

حفیظ تائب

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

ادارہ

قاضیوں کا ذکر

2308۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جسے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا (جج) مقرر کیا گیا' اسے (گویا) بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔"

فوائد و مسائل : لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے' لیکن یہ بہت نازک ذمہ داری ہے' کیونکہ صحیح فیصلوں سے معاشرے میں امن و سکون قائم رہتا ہے اور غلط فیصلوں کا نتیجہ بدامنی اور فساد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ غلط فیصلے سے کسی بے گناہ کی جان بھی جا سکتی ہے اور ایک آدمی کا حق دوسرے کو مل سکتا ہے' اس لیے جج کو اپنی اس ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے صحیح فیصلے تک پہنچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنا ضروری ہے۔ "بغیر چھری کے ذبح ہونے" سے اس منصب کی نزاکت اور اس فریضے کی انجام دہی کی مشکل کی طرف اشارہ ہے' اس کے باوجود معاشرے میں اس منصب کا وجود ضروری ہے' اس لیے جس شخص میں صلاحیت موجود ہو' اسے یہ ذمہ داری قبول کرنا اور اسے انصاف کے ساتھ کما حقہ ادا کرنا ضروری ہے۔

منصب طلب کرنا

2309۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے قاضی کا منصب طلب کیا' وہ اپنی جان کے حوالے کر دیا جاتا ہے' اور جسے اس (منصب کو قبول کرنے) پر مجبور کیا گیا' ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔"

حضرت علیؓ کے لیے دعا

2310۔ حضرت علیؓ سے روایت [illegible] فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ [illegible] یمن روانہ فرمایا تو میں نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے روانہ فرما رہے ہیں کہ ان کے فیصلے کروں' حالانکہ میں جوان ہوں' (تجربہ کار نہیں) مجھے تو معلوم نہیں فیصلہ کیسے کیا جاتا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

"اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو (صحیح بات پر) قائم فرما۔" وہ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت کبھی شک پیش نہیں آیا۔

فوائد و مسائل : ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں قاضی مقرر کرنا مسلمانوں کے سربراہ (خلیفہ) کا فرض ہے۔ کسی منصب کے لیے اس شخص کو مقرر کرنا چاہیے جس میں اس سے متعلق فرائض انجام دینے کی اہلیت موجود ہو۔ اگر ایک شخص محسوس کرے کہ وہ [illegible] ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا جو اس [illegible] جا رہے ہیں تو اسے حق حاصل ہے [illegible] سے انکار کر [illegible] اپنی کمزوری یا مشکلات بیان [illegible] نہیں ہوتا۔ [illegible] اس کی [illegible] رہنمائی [illegible] کے حق میں دعا کرنا [illegible] ہے۔

[illegible] انصافی اور رشوت بڑا گناہ ہے

2311۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو بھی قاضی' لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے' قیامت کے دن وہ اس حال میں حاضر ہو گا کہ ایک فرشتے نے اسے گدی سے پکڑ رکھا ہو گا' پھر آسمان کی طرف سر اٹھائے گا' اگر اللہ نے فرمایا۔ اسے پھینک دے تو فرشتہ اسے (جہنم کے) گڑھے میں پھینک دے گا (جس میں وہ چالیس سال تک گرتا چلا جائے گا۔")

صحیح فیصلہ کرنا

2312۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم (بے انصافی) نہ کرے۔ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔"

فوائد و مسائل : جب انسان صحیح کام [illegible] تو اسے اللہ کی طرف سے توفیق اور مدد [illegible] اسی طرح قاضی اگر صحیح فیصلہ [illegible] تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے اور [illegible] تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے [illegible] کے باوجود غلطی بھی ہو جائے تو [illegible] جب قاضی کا ارادہ بے انصافی [illegible] اللہ کی تائید و نصرت حاصل نہیں رہتی [illegible] شیطان کو ورغلانے کا موقع مل جاتا [illegible] اور قاضی غلط فیصلہ کرکے ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اچھا کام اللہ کی توفیق و عنایت سے ہوتا ہے' اس لیے فرائض کی انجام دہی میں اللہ سے مدد مانگتے رہنا چاہیے۔

رشوت لینا

2313۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔"

فوائد و مسائل : رشوت دینے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے جب کوئی شخص غلط موقف پر ہونے کے باوجود اپنے حق میں فیصلہ کرانا چاہتا ہے۔ اس طرح رشوت دینے والا حق دار کا حق بھی مارتا ہے اور قاضی کو بھی گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ دگنا گناہ اسے اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ رشوت لینے والا دنیا کے معمولی سے مفاد کے لیے ایک بے گناہ پر ظلم کرتا ہے اور اس سے اس کا حق چھین لیتا ہے' حالانکہ اسے مقرر ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ دوسروں کو ظلم سے روکے۔ اس لحاظ سے اس کا گناہ دوسرے ظالم سے کہیں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے' اس لیے وہ بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے محروم ہونا' اللہ کا کسی بندے کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے اپنی رحمت سے محروم کرنا ہے۔ لعنت کا مطلب کسی کو یہ بددعا دینا بھی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے۔ (راشی) رشوت دینے والے کو [illegible] لینے والے کو اور (رائش) ان دونوں کے [illegible] معاملہ طے کرانے والے کو کہتے ہیں۔ یہ سب گناہ گار ہیں۔

باب 3۔ حاکم کا اجتہاد کرکے صحیح فیصلہ کرنا

2314۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کرکے صحیح بات تک پہنچ جائے تو اس کے لیے دو ثواب ہیں۔ اور جب فیصلہ کرے لیکن اجتہاد کرنے میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک ثواب ہے۔"

فوائد و مسائل : اجتہاد کے لفظی معنی کوشش کرنا ہیں۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ دلائل و شواہد کی روشنی میں اخلاص کے ساتھ پیش آمدہ مسئلے میں صحیح موقف تک پہنچنے کے لیے پوری توجہ اور کوشش سے سوچ بچار کی جائے' اور یہ فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ اپنی طرف سے صحیح فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اس کوشش اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح بات سمجھ میں آ جانا اللہ کا فضل ہے' جس کے نتیجے میں حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے' یا مسئلہ پوچھنے والے کو صحیح مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور مسلمان کو فائدہ پہنچانا ایک نیکی ہے' لہٰذا اجتہاد کرنے والے کو اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ یہ ثواب اللہ کی خاص رحمت ہے۔ جس شخص سے اجتہاد میں غلطی ہو جائے اور اس کے نتیجے میں کسی کو غلط مسئلہ بتایا جائے یا حق دار اپنے حق سے محروم ہو جائے تو اجتہاد کرنے والے قاضی یا عالم کو گناہ نہیں ہو گا' کیونکہ اس نے صحیح بات کو سمجھنے کی پوری کوشش کی ہے' لہٰذا اسے اس کوشش کا ثواب بہرحال ملے گا۔ اگر بعد میں آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ عالم سے مسئلہ معلوم کرنے میں غلطی ہوئی ہے تو انہیں اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اور غلطی کرنے والے عالم کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے کہ اس نے جان بوجھ کر غلط مسئلہ نہیں بتایا۔

جنتی اور جہنمی فیصلہ کرنے سے متعلق احکام و مسائل

2315۔ حضرت ابو ہاشم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن بریدہؒ کی وہ حدیث نہ ہوتی جو انہوں نے اپنے والد (حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قاضی تین (طرح کے) ہیں۔ دو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ (ایک) وہ آدمی (ہے) جس نے حق معلوم کر لیا' پھر اس کے مطابق فیصلہ دیا تو وہ جنت میں جائے گا۔ (دوسرا) وہ آدمی (ہے) جس نے (حق سے) لاعلم ہوتے ہوئے لوگوں میں فیصلہ کیا' وہ جہنم میں جائے گا۔ (تیسرا) وہ آدمی (ہے) جس نے فیصلہ کرتے ہوئے ظلم سے کام لیا' وہ بھی جہنم میں جائے گا۔" (اگر یہ حدیث نہ ہوتی) تو ہم کہتے کہ قاضی جب اجتہاد سے کام لے (اپنی پوری کوشش کرے) تو وہ جنتی ہے۔

فوائد و مسائل: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ روایت قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت کی تحقیق میں کافی شافی بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ بنا بریں جج کا عہدہ بہت بڑی ذمے داری کا حامل ہے۔ جج کے لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کرتے وقت اسے یقین ہو کہ صحیح بات یہ ہے' پھر اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ سرسری سماعت کے بعد فیصلہ دے دینا' جبکہ معاملے کی پوری طرح چھان بین کر کے حق معلوم نہ کر لیا ہو' جائز نہیں۔ جب یقین ہو جائے کہ حق فلاں فریق کا ہے' پھر فیصلہ دوسرے کے حق میں دے دیا جائے' یہ ظلم ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ اس ناانصافی کی وجہ بعض اوقات کوئی وقتی دنیوی مفاد ہوتا ہے۔ یہ مفاد رشوت میں شامل ہے جس کی وجہ سے لعنت پڑتی ہے۔ اجتہادی غلطی معاف ہونے کے باوجود حق تبدیل نہیں ہوتا' اس لیے جب معلوم ہو جائے کہ غلطی ہوئی ہے تو قاضی کو اپنے پہلے فیصلے یا فتوے سے رجوع کر لینا چاہیے۔

باب 4۔ فیصلہ کرنے والے کو غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں دینا چاہیے

2316۔ حضرت ابوبکرہ (نفیع بن حارث بن کلدہ ثقفی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قاضی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے' جبکہ وہ غصے میں ہو۔"

(استاذ) ہشام نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ "فیصلہ کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرے جبکہ وہ غصے میں ہو۔"

فوائد و مسائل: غصے کی حالت میں انسان کی ذہنی حالت درست نہیں رہتی اور جذبات کی وجہ سے معاملات کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا ممکن نہیں رہتا' اس لیے خطرہ ہوتا ہے کہ اس حالت میں دیا ہوا فیصلہ درست نہیں ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے معصوم تھے کہ جذبات یا غصے میں غلط فیصلہ دیں' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایسی حالت میں بھی فیصلہ دیا ہے' جبکہ کسی شخص کی کسی نامناسب بات کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراضی محسوس فرما رہے تھے۔

باب 5۔ جج کے فیصلہ کر دینے سے حرام چیز حلال اور حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی

2317۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے پاس اپنے تنازعات [illegible] اور میں ایک انسان ہی ہوں۔ شاید [illegible] دلیل کو دوسرے کی نسبت [illegible] اور میں تو جو کچھ (فریقین اور [illegible]) سنتا ہوں اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں' [illegible] اس کے بھائی کے حق میں [illegible] لے۔ میں تو اسے آگ کا ایک [illegible] ہوں۔ قیامت کے دن وہ اسے لے کر [illegible]"

فوائد و مسائل: قاضی کو فریقین کے دلائل' گواہوں کی گواہی اور دیگر قرائن کی روشنی میں صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود اگر اس سے غلط فیصلہ ہو گیا تو اسے گناہ نہیں ہوگا۔ اگر ایک شخص کو معلوم ہے کہ اس معاملے میں میرا موقف درست نہیں' لیکن قاضی اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے تو اس سے اصلی حقیقت میں فرق نہیں پڑتا' لہٰذا اس کے لیے وہ چیز لینا جائز نہیں' جسے قاضی اس کی [illegible] ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں [illegible] اصول بیان فرمایا ہے۔ "قاضی کا فیصلہ ظاہراً [illegible] باطناً نہیں۔" اس کا یہی مطلب ہے [illegible] فیصلے سے کسی دوسرے کی چیز حلال [illegible] "اگر جھوٹے گواہوں کی مدد سے [illegible] لیا جائے کہ فلاں عورت سے نکاح ہو چکا [illegible] ہو گئے ہیں' اس عورت سے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو [illegible] ہوگا اور قیامت والے دن اسے اس کی سزا ملے گی۔ اسی طرح اگر قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ فلاں عورت کو طلاق ہو چکی ہے' جبکہ حقیقت میں مرد نے طلاق نہ دی ہو تو مرد اپنی اس بیوی سے ازدواجی تعلقات رکھنے پر اللہ کے ہاں مجرم نہیں ہوگا۔

ناجائز حاصل کیا ہوا مال قیامت کے دن سزا کا باعث بھی ہوگا اور رسوائی کا سبب بھی' جب مجرم سب لوگوں کے سامنے اپنے جرم کے ثبوت سمیت موجود ہوگا اور اسے اس کے مطابق سرعام سزا ملے گی۔

دوسرے کا حق لینا

2318۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں تو محض ایک انسان ہوں۔ شاید تم میں سے ایک شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت بہتر طور پر بیان کر سکتا ہو' لہٰذا جس کو اس کے بھائی کے حق میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر دے دوں تو میں اسے (جہنم کی) آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔"

فوائد و مسائل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنے اور فیصلہ کرنے کے مکلف تھے۔ کسی کے حق سے ٹکڑا کاٹ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا حق دار کا حق تھا اسے پورا نہیں دیا یا بلکہ کچھ حصہ غلطی سے دوسرے کو دے دیا گیا۔

باب 6۔ کسی کی چیز کا دعویٰ کرنا

2319۔ حضرت ابوذر (جندب بن جنادہ غفاریؓ) سے روایت ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

"جو شخص اس چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں تو وہ ہم میں سے نہیں ہے' اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔"

فوائد و مسائل: "ہم میں سے نہیں۔" کا مطلب ہے کہ اس کا یہ عمل مسلمانوں کا عمل نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔ "جہنم میں ٹھکانا بنا لینا چاہیے۔" کا مطلب یہ ہے کہ اسے یقین ہونا چاہیے کہ وہ جہنم میں جائے گا' لہٰذا اس سے بچنے کے لیے اسے اس گناہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور اگر یہ گناہ ہو گیا ہے تو حق دار کو اس کا حق واپس کر کے توبہ کر کے جہنم سے بچ جانا چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے۔ "جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اللہ اسے (جہنم کی) آگ پر حرام کر دیتا ہے۔" یہ نہیں کہ اسے اس کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی بلکہ یہ مطلب ہے اسے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا عذاب نہیں ہوگا۔

2320۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے کسی مقدمے میں ظلم میں (ظالم کی) مدد کی' وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضی کا مستحق رہتا ہے حتیٰ کہ (اس گناہ سے) باز آ جائے۔"

فوائد و مسائل: لوگوں کے آپس کے اختلافات میں ہر شخص کو چاہیے کہ اس شخص کی حمایت کرے' جس کا موقف درست ہو اور جو غلطی پر ہو اسے سمجھائے اور منع کرے۔ ظالم کی حمایت اور مدد کرنا بڑا گناہ ہے۔ حق کی حمایت میں دوستی یا رشتے داری کے تعلقات کو رکاوٹ

نہیں لینے دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو، معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمہاری نسبت اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔"

باب 7۔ گواہی پیش کرنا مدعی کا فرض ہے اور مدعا علیہ کے ذمے قسم کھانا ہے

2321۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر لوگوں کو محض ان کے دعوے کی بنا پر چیز دے دی جائے تو لوگ دوسرے افراد کے جان و مال پر دعوے کریں لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمے ہے۔"

فوائد و مسائل: آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ اس میں گواہ کا قابل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ اس لیے خرید و فروخت کے موقع پر گواہ بنا لینا ضروری ہے، خاص طور پر جبکہ سودا قیمتی ہو یا ادھار کی رقم اتنی زیادہ ہو جس کے ادا ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں جھگڑا ہونے کا امکان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اور اپنے مردوں میں سے دو مرد گواہ مقرر کر لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو۔" جس کسی مقدمے میں مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور وہ اللہ کی قسم کھا کر اپنے موقف کے برحق ہونے کی گواہی دے گا۔ مدعی کی قسم پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے گواہ پیش کرنا ہی ضروری ہے۔

2322۔ حضرت اشعث بن قیس سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"زمین کا ایک ٹکڑا میری اور یہودی کی مشترکہ ملکیت تھا۔ اس نے میرا حصہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ [illegible] نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

"کیا تیرے پاس کوئی گواہ ہے؟"

میں نے کہا۔ "جی نہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے کہا۔ "قسم کھاؤ۔"

میں نے کہا۔ وہ تو (جھوٹی) قسم کھا کر میرا مال لے لے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

فوائد و مسائل: جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ کسی کی چیز ناجائز طور پر حاصل کرنے کے لیے اس پر جھوٹا دعوا کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قاضی گواہوں اور شواہد کی بنا پر اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ کرنے کا مکلف ہے۔ اگر اس نے اپنی سمجھ کے مطابق قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ گناہ گار نہیں، خواہ وہ فیصلہ حقیقت میں غلط ہو لیکن اگر مدعی کو معلوم ہے کہ یہ دعوا جھوٹا ہے تو اس کے لیے کسی کی چیز لینا جائز نہیں، خواہ اس کے حق میں فیصلہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت اور خوشنودی سے بات نہیں کرے گا، بلکہ غضب کے ساتھ [illegible] کے طور پر یا محاسبے کے لیے بات کرے گا۔ [illegible] صفت ہے۔ وہ جب چاہتا ہے [illegible] چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، ناہم اس [illegible] صفت ہے مشابہ نہیں [illegible] زیادہ ہوں گے اور گناہ کم اور [illegible] کے گناہ معاف کر کے انہیں [illegible] گا جبکہ عادی مجرم اور [illegible] اس معافی سے محروم [illegible] گے۔

آخرِ شب کے ہم سفر

مصنفہ: قرۃ العین حیدر

تبصرہ: آمنہ زریں

ادیب اپنے عہد کا امین ہوتا ہے۔ اس [illegible] رونما ہونے والے واقعات کو حساس [illegible] مشاہدے اور تازہ فکر کی بدولت [illegible] کی صورت کہانی میں ڈھال [illegible] گزر جائیں ـــ خود ادب [illegible] لفظ ـــ کہانیاں ـــ کردار زندہ [illegible]

ادیب اپنے [illegible] میں ظہور ہونے والے واقعات، پیدا ہونے [illegible] رقابات اور مفقود ہوتے ہوئے [illegible] کو کس طرح محسوس کرتا ہے ـــ اسی طرح سپرد قلم کرتا ہے ـــ ہمارے عہد میں تو خیر واقعات کی [illegible] ہی ٹوٹ گئی ہے ـــ بجائے انتخاب کے موضوعات انتشار کا شکار ہیں ـــ کیونکہ واقعات اس تیزی سے رونما ہو رہے ہیں کہ لکھنے والا ایک واقعے پر یکسوئی سے سوچنے کے عمل سے گزرتا ہے ـــ کہ دوسرا رونما ہو جاتا ہے ـــ

خیر!

پاک و ہند کی تقسیم ایک ایسا بڑا واقعہ تھی جس نے اپنے زمانے کی سب سے بڑی ہجرت کو جنم دیا۔ اس ہجرت نے جدائی، دہشت، فساد، قتل و غارت اور اپنوں کو اجنبی ہوتے دیکھنے کا غم عام کیا۔ اس موضوع نے لکھنے والوں کو مختلف طرح سے تحریک دی اور سب نے اپنے مشاہدے اور تجربے کو قلم بند کیا۔

"قرۃ العین حیدر" اردو ادب کا ایک بڑا نام ہیں۔ ان کی تحریر اپنے زمانے کی تہذیب، واقعات اور مسائل کی عکاس ہے ـــ سادگی ـــ برجستگی ـــ لطافت اور شائستگی ان کی تحریر کے ساتھ مربوط اور مشروط ہیں ـــ!

"آخرِ شب کے ہم سفر" کی کہانی کا زمانہ 39ء سے شروع ہوتا ہے ـــ اور مقام ہے ڈھاکہ!

اس کہانی کے سبھی کردار واضح نقوش کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی مرکزی کرداروں میں "ریحان دا" دیپالی سرکار اور اوما رائے شامل ہیں۔ باقی سب ان کی تکون کے نئے زاویے بنتے ہیں!

یہ کہانی انقلاب کے مدعی، منتظر اور مددگار عناصر کی کہانی ہے۔

نوجوانی عموماً خواب دیکھنے کا بہترین زمانہ ہے۔ انقلاب کا خواب بھی اسی نوجوانی کی سرشاری ـــ قوت اور ہمت کے بل بوتے پر دیکھا جاتا ہے۔

19 سالہ دیپالی سرکار ـــ انقلاب لانے کی غرض سے سرشار ـــ اپنے ساتھیوں کی خفیہ کارگزاری کو بہم مدد پہنچانے کی کوشش میں اپنے ہی گھر سے بیش قیمت ـــ نایاب ساڑھیاں چرا رہی ہے۔

یہ اس کہانی کا پہلا منظر ہے!

اور آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا ـــ کہ کیسے آپ زمانہ جدید سے نکل کر بلیک اینڈ وائٹ 39ء میں پہنچ چکے ہیں!

قرۃ العین حیدر کی جزئیات نگاری دھیرے سے آپ کو اسی ماحول میں لے جا کھڑا کرتی ہے ـــ اور ان کی کمال کی منظر نگاری کی بدولت آپ کو لگتا ہے ـــ کہ آپ بھی دہلیز پر کھڑے، کھلے کواڑوں سے وہ سارا منظر جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ـــ

اور یہی ایک ادیب کے فن کی معراج ہے ـــ!

کہ وہ اپنے عہد کو ـــ لفظوں کی مدد سے ایسی زندگی عطا کر دے ـــ کہ جب کبھی ہم ماضی میں جھانکنا چاہیں تو

اس کے لیے ہمیں خشک حوالوں کے علاوہ بھی کوئی ذریعہ مل جائے!

پڑھتے پڑھتے آپ کو احساس ہوتا ہے کہ کہانی کار کو ڈرامے کی صنف سے خاص لگاؤ ہے۔ کیونکہ مناظر کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ ہر تفصیل نمایاں رہے۔ بظاہر ایک عام سے واقعے کی مدد سے ایک بڑے واقعے کا ظہور کر دینا۔ محض کہانی لکھنے سے تعلق نہیں رکھتا۔

نوجوانی کے جوش سے مچلتی انقلاب لانے کی سرتوڑ کوششیں۔ جان ہتھیلی پر رکھے رہنے کی سرپھری حرکتیں... اور پھر الگ منزلوں کی جانب سفر بالکل سادہ، منطقی اور فطری انداز میں ہم اس سفر کی ہر منزل پر آگاہی کے نئے در سے گزرتے ہیں۔

اور ہم پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ تبدیلی کے عمل سے گزرنا بہت کٹھن مرحلہ سہی لیکن فطری ہے۔

آیئے کچھ اقتباسات دیکھتے ہیں۔

”ڈھاکہ شہر کے ایک درمیانی درجے کے رہائشی علاقے میں آم اور کیلے کے درختوں میں چھپی وہ ایک پرانی وضع کی سفید کوٹھی ہے۔ اس کی دیواریں کائی سے سبز ہو چکی ہیں اور روشن دانوں اور کھڑکیوں میں کئی جگہ پر شیشوں کی جگہ ٹین کے کنستر کے ٹکڑے اور دفتیاں لگی ہیں۔ سامنے کے برآمدے میں ایک سرے پر بانس کی مضبوط چٹائیاں کھڑی کر کے ایک کمرہ بنا دیا گیا ہے۔ کمرے کے دروازے پر نیلے رنگ کی آدھی ساڑی کا پردہ ٹنگا ہے۔ اندر ایک بیچ ایک میز اور طبی معائنے کا اونچا سا پلنگ بچھا ہے۔ جس کے گدے کا نیلا چمڑا جگہ جگہ سے ادھڑ گیا ہے۔ دواؤں کی الماریاں اور تام چینی کی چلمچی کا اسٹینڈ ایک دیوار کے برابر لگا ہوا ہے۔ میز کے پیچھے بڑا کیلنڈر آویزاں ہے۔

برآمدے اور کشادہ ہوا دار کمروں کے سرخ روغنی فرش بافراط پانی سے دھوئے جانے کی وجہ سے صاف ستھرے اور چمکیلے ہیں۔“

یہاں سے آپ کہانی کے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ہر کردار کی [illegible] سے منظر کشی کے بعد آپ خود کو اس گھر اور ماحول میں محسوس کرتے ہیں۔ یہ آپ کے تخیل کی مدد سے ہے لیکن ایک باکمال تخیل کے ذریعے!

1857ء کے بعد عیسائیت کو حکومت کا مکمل تعاون حاصل ہو چکا تھا۔ کالا پادری چوراہوں اور سڑکوں پر تبلیغ کرتا پھر رہا تھا اور مولویوں سے مناظرے کر رہا تھا۔ ہندو اور مسلمان ’دیسی عیسائیوں کو کالے کرسچین‘ اور ’پلپلی صاحب‘ کہہ کر خوش ہو لیتے تھے لیکن تبدیلی مذہب کے بعد مظلوم اچھوتوں اور افلاس زدہ بے شمار افراد کی زندگی بدل جاتی تھی۔

شری رام کرشن کے چیلے اور سوانح نگار مہندر ناتھ گپتا نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے مائیکل مدھوسودن دت سے دریافت کیا کہ وہ عیسائی کیوں ہو گئے۔ تو انہوں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا ”اس کی خاطر“

روزی نیہرجی۔ دیپالی سرکار کی دوست اسی دیسی عیسائی طبقے کی نمائندہ ہے۔ اور اس کے ذہنی رجحانات کو اس طبقے کا حصہ ہونے پر کسی قسم کی [illegible] لی۔ وہ اپنے آپ میں ایک عبرت ہے!

”لیکن زندگی کا دھارا اچانک ایک دم [illegible] رخ بدل لیتا ہے۔ ایک انسان کے [illegible] سمت قدم اٹھانے سے اس کی ساری [illegible] کا مستقبل مختلف ہو جاتا ہے [illegible]“

اگر آپ کا [illegible] پڑھنے کے دوران مدد گار رہے [illegible] کے پادری والد کا یہ جملہ آپ [illegible]

”[illegible] ہم سے شرم آتی ہے۔ وہ ہم سے ہمیشہ [illegible] وہ بڑے آدمی کی بیوی ہے۔ ہم دیسی کرسچین غریب لوگ ہیں۔ مگر ہمارے مرنے کے بعد شاید ہماری قدر کرے۔ ہم اس کے ماں باپ تھے۔“

اس کہانی میں جنریشن گیپ جیسا مسئلہ بھی فطری سادگی سے بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح وقت کی کچھ

مرحلے طے کرنے کے بعد اپنے بزرگوں کو للکارتے تھے۔ جھٹلانے والے انقلاب کے داعی نوجوان... بزرگی کی مسند پر بیٹھتے ہی اپنی نوجوان نسل کو احسان فراموش ہونے کا طعنہ اسی آسانی سے دیتے ہیں۔ جیسے انہیں ملا کرتا تھا!

وقت کے سفر میں مسافروں کے بہت لئے [illegible] خواب دیکھنے والی آنکھوں کو سراب [illegible] محروم ہوتے دیکھنا... [illegible] ایک ایسا تجربہ ہے جو آپ کو مجبور [illegible] طول بھی... حیرت زدہ [illegible] حقیقت سمجھ کر قبول کر لینے کا [illegible] ہے۔

زندگی [illegible] کو لطافت و شائستگی سے بیان کرنے [illegible] کا منظر ہے۔ انقلاب کے مدعی ہونے [illegible] ہی ہیں نا۔ گو ان کی زندگی مشقت سے [illegible] رہی ہوتی ہے۔

دیپالی سرکار اور ریحان دا کے جذباتی میلان کو ہم سمجھے۔ پھر دیپالی نے شک کیا۔ تو ہمیں بھی شک ہونے لگا۔ پھر کیا ہوا؟؟ پھر اوہارائے میدان میں آ گئیں۔ اور انہوں نے وہ کیا جو انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن انہوں نے جو چاہا۔ وہی کیا!

”یہ یاد رکھو کہ برطانوی سرمایہ داری ہندوستان کے قحط‘ غلامی‘ قرضے‘ ذات پات بندی اور فرقہ وارانہ کشمکش کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کلکتہ اور ڈھاکہ‘ جواب ڈاکوؤں اور مفلس ماہی گیروں کا دیس ہے۔ مغلوں اور نوابوں کے عہد میں کتنے اہم تجارتی علاقے تھے۔ یورپ میں 200 برس تک سب سے زیادہ خونریز لڑائیاں لڑی گئیں وہ ہندوستان کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لیے لڑی گئی تھیں۔“

ریحان دا‘ دیپالی سرکار کو بریف کر رہا ہے ذرا دیکھیے اس عہد کا نوجوان اپنے عصری مسائل‘ اسباب اور ان کی ہلاکت خیزی سے آگاہ تھا۔ اور آج کا نوجوان؟؟؟

جستجو‘ دریافت کا محرک ہوتی ہے۔ اور دریافت جستجو کا خاتمہ... کیا پاکستان کے حصول کی جستجو اس کے حصول کے بعد [illegible] ختم ہو گئی؟ [illegible] کی منزل کیا ہے؟

[illegible] ہو گا کہ سترہویں صدی میں ہندوستان [illegible] فولاد کا پیداواری [illegible] سارے یورپ کے فولاد کے [illegible] سے برتر تھا؟“

”یہ خود کفیل ہندوستانی سوسائٹی جو مہابھارت کے زمانے سے لے کر مغل عہد تک قائم رہی تھی اسے انگریزی سرمایہ داری نے تباہ کر دیا۔“

یہ پرانے حقائق... ہمیں ایک دفعہ پھر سے نئے محسوس ہوتے ہیں اور اک ہلچل سی پیدا کرتے ہیں۔ کیا آج ہم بھی یورپ اور امریکہ کے سرمایہ دار نظام کا شکار نہیں بن رہے؟ کیا ہماری حیثیت ”مارکیٹ“ کی نہیں بن چکی؟ ہماری خواہشات کو ہماری ضروریات بنا کر بیچا نہیں جاتا؟؟

سندر بن... دریا میں بہتی ناؤ... درختوں اور پرندوں کا ذکر آپ کو مبہوت کر دیتا ہے۔

”پھولوں کے ایک کنج میں سے ناؤ گزرنے لگی تو اس نے اوپر جھکی ہوئی ڈالیوں میں سے چند پھول توڑ کر اس کے بالوں پر سجا دیے۔“

”کشتی اب درختوں کی سرنگ میں سے گزر رہی تھی۔“

”تازہ ڈان اخبار“ نواب صاحب نے کہا ”نمبر میاں سے پوچھو... وہ تو نہیں اٹھا لے گئے۔ ان سے کہنا ہمیں پاکستان کا نقشہ چاہیے۔“

”حضور پاکستان کا نقشہ تو نمبر میاں نے اس میں سے کاٹ کر باہر برآمدے میں دیوار پر لگا دیا ہے۔ فرمایئے تو اکھیڑ لاؤں۔ مگر دیوار خراب ہو جائے گی۔!“

اس وقت کو محسوس کرنا... جب پاکستان محض ایک خواب تھا... ایک خیال... کہ اس کا مجوزہ نقشہ اخبار میں چھپا... اور نکل کر دیوار کی زینت بن گیا۔ کیسا خواب ناک سا لگتا ہے نا... کہ یہی پاکستان ہے۔ جس کے ہم رہنے والے ہیں!

”جس دھرتی پر کھانے کو کم ملے گا وہاں فرقہ وارانہ کشمکش ناگزیر ہے کہ سب ایک دوسرے کے منہ

سے روٹی چھین کر اپنے پیٹ کی آگ بجھانا چاہتے ہیں جیسے یہ جنگل کا قانون ہے۔"

"بیٹی تم کو معلوم ہے کہ سارے ہندوستان کے مسلمان تباہ حال ہیں؟ ایک وقت تھا کہ اسی بنگال کا مسلمان خوش حال اور آسودہ تھا۔ صرف اس صوبے میں ایک لاکھ اسلامی مدارس تھے بیٹی! اب یہاں مسلمانوں کی غربت اور جہالت کی کیا حالت ہے؟ خود تمہارے گرو دیو ٹیگور مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی اور ان کے ساتھ سماجی بے انصافی کا اعتراف کر چکے ہیں۔"

دیپالی اپنی دوست جہاں آرا کے والد سے تقسیم کے موضوع پر بحث کر رہی ہے۔

اس کہانی میں..... اس زندگی میں..... شاید اس کائنات میں سب ہی آنکھیں خواب دیکھنے کی مکلف ہیں۔ مگر کچھ خواب نہ صرف نیند کو پریشان کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی تعبیر پوری زندگی کو پریشان کرتی ہے۔

ایسا ہی ایک خواب یاسمین نے دیکھا۔ اور اس کی بھیانک تعبیر پائی کہ۔ بس.....!

"ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار۔ دیپالی سرکار کے والد کا کردار بھی مختلف نوعیت کا کردار ثابت ہوا۔ غم جھیل جھیل کر زندگی کی سختیوں کے ساتھ ہموار رویہ روا رکھنے والا حقیقت پسند، غیر جذباتی لیکن محبت کرنے والا۔

جب لوہارائے انہیں بیٹی کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ تب ڈاکٹر صاحب کے جوابی جملے شانت کر دینے والے تھے!

"آپ لوہا دیبی..... آپ ولایت میں تیس چار سال اکیلی رہیں۔ آپ کے والد کو کس طرح یقین ہے کہ آپ نے وہاں کوئی ایسی حرکت نہ کی ہوگی جو آپ کو نہ کرنی چاہیے۔"

چارلس بارلو۔ حکمران طبقے [illegible] اس کی خود کلامی مجھے بہت پسند آئی۔ [illegible] کی خود کلامی دراصل اس سے آگاہی کا ذریعہ [illegible] خود کلامی [illegible]

جیسے زندگی کی کہانی کی پرتیں جڑی ہوتی ہیں۔ اور پھر الگ ہوتی جاتی ہیں۔ پہلے ان کا جڑے رہنا ناگزیر۔ پھر ان کا الگ ہونا ناگزیر۔ یہ سب قدرت کے چلتے ہوئے چکر کا حصہ ہے..... مگر ہمیں اس کی خبر اس سے باہر ہونے کے بعد ملتی ہے۔ کیوں۔ کیسے..... پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور یوں۔ اس طرح سامنے آجاتے ہیں.....!

کہانی کے دلچسپ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ملکی، تاریخی، تمدنی حقائق سے جڑے ہونے کی وجہ سے وہ غیر معمولی حد تک دلچسپ ہو جاتی ہے۔ اور سن 39ء سے شروع ہونے والی اس کہانی کے کردار چونکہ ڈھاکہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے 71ء کا المیہ بھی اس کہانی کا حصہ ہے۔

سقوط ڈھاکہ، سانحہ مشرقی پاکستان 71ء کے دسمبر کی 16 تاریخ کا المیہ۔ ہم اخباروں میں مختلف طریقوں سے دہراتے ہیں۔

مگر یقین کیجیے۔ کہ 71ء کے المیے کا جو دردناک منظر نامہ اس کہانی میں شامل ہے۔ وہ ایک بار پڑھنے والا تجربہ ہے.....!

آنسو بھی فطری بے ساختگی کا اظہار [illegible] سانحے کے بیانیے پر آپ اس [illegible] ہیں گے!

کتاب کے اختتام [illegible] کہانی۔ کہانی کار کے اسلوب [illegible] گے۔ اور خود کو قرۃ العین [illegible] کا متلاشی بھی پائیں گے! سوچنا [illegible] ہمیں اس تجربے کی [illegible] کو محرومی کو محسوس کیا؟

[illegible] سوچنا چاہیے۔

ہمیں کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ تاکہ ہم جو پہلے ہی محدود دائرے میں محدود وقت کے لیے رہنے آئے ہیں۔ تھوڑا سا آگے بڑھ کر سوچ سکیں۔ اس سوچ کو پانے کے لیے۔ جس کی بنا پر ہم "اشرف" ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے۔

"لاکھوں برس سے سورج اسی طرح طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور طلوع [illegible]

دستک

دستک

شاہین رشید



فیصل کپاڈیا (اسٹرنگس)

"جی کیسے ہیں آپ؟"

"الحمدللہ [illegible]"

"آج کے [illegible] واحد بینڈ ہے جو کہ نہ صرف [illegible] ہے بلکہ آج تک قائم و دائم [illegible]"

"[illegible] اللہ کا کرم ہے کہ ہمارا بینڈ پاکستان کا مقبول بینڈ ہے اور آج تک قائم و دائم اس لیے ہے کہ ہم باتوں میں بہت ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی باتوں کو نہ صرف صبر و تحمل سے سنتے ہیں بلکہ قابل عمل باتوں پر اتفاق بھی کرتے ہیں۔ بینڈ اسی وقت ٹوٹتے ہیں جب ایک دوسرے کی بات کو نہ سمجھا جائے۔ ایک دوسرے کی مقبولیت سے حسد کیا جائے۔ الحمدللہ کہ ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کے بینڈ کو قائم ہوئے؟"

"ہمارا بینڈ 1988ء میں قائم ہوا۔ اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ کتنے سال ہو گئے ہیں تقریباً "23 سال" اور ہم دونوں کی دوستی یعنی بلال اور میری دوستی کو بھی 23 سال ہو گئے ہیں۔"

"بینڈ بنانے کا خیال کیسے آیا؟"

"ہم دونوں کامرس کالج میں ساتھ پڑھتے تھے۔ میوزک کا شوق تو ہم دونوں کو ہی تھا تو یوں ہی ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ ایک بینڈ بنایا جائے۔ اس زمانے میں میوزیکل بینڈ بنانے کا خاصا رواج تھا۔ چنانچہ سوچا اور پھر اپنی سوچ کو عملی جامہ بھی پہنا دیا۔"

"میوزک سے لگاؤ تو خیر انسان کو بچپن سے ہی ہوتا ہے لیکن کچھ لوگوں کو گانا سننے کی حد تک اور کچھ کو گانے کی حد تک۔ آپ کا شوق کیسا تھا؟"

"ہماری فیملی بلکہ خاندان میں کسی کو بھی گلوکاری کا شوق نہیں تھا۔ شوق تو ایسا مجھے بھی کوئی کچھ خاص نہیں تھا لیکن سب کہتے تھے کہ تمہاری آواز اچھی ہے۔ ایک مرتبہ میرے بڑے بھائی کو انڈیا جانے کا اتفاق ہوا تو وہ وہاں سے میرے لیے بطور گفٹ ہارمونیم لے کر آئے۔ انہیں اندازہ تھا کہ میرے اندر میوزک کے جراثیم ہیں۔ اس لیے میں یہی کہوں گا کہ میرے بھائی نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا اور ان کی وجہ سے ہی میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔"

"اب تک آپ کے کتنے البم آچکے ہیں؟"

"جی۔ اب تک پانچ البمز آچکے ہیں۔ ان میں پہلا "اسٹرنگز ون" "اسٹرنگز ٹو" "دور" "دھانی" اور کوئی آنے والا ہے "شامل ہے۔"

"گانے کی ویڈیو بنانے کا رواج بھی شاید آپ کے گروپ نے ہی ڈالا۔"

"جی! پہلے کوئی خاص رواج نہیں تھا۔ جب ہماری پہلی البم ریلیز ہوئی تو ہم نے ایک میوزک چینل کو اپنے پانچ گانے دیے اور یہ گانے بے حد مقبول ہوئے اور ہمارے بینڈ کو بہت زیادہ شہرت ملی۔۔۔ جب ہماری دوسری البم ریلیز ہوئی تو اس کے ایک گانے کی ویڈیو بنا کر ہم نے ایم ٹی وی ایشیا کو بھیجی اور جب یہ ویڈیو چلی تو ہمارے بینڈ کو پوری دنیا میں شہرت ملی۔"

"1992ء کے بعد آپ میوزک کی دنیا سے غائب ہو گئے تھے اس کی کیا وجہ تھی؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم نے 7 آٹھ سال کا گیپ دیا اور 2000ء میں ہماری واپسی ہوئی اور یہ گیپ اس لیے آیا کہ میں "بابا چاہت حسین" سے میوزک کی تربیت حاصل کر رہا تھا ویسے بھی گھر والوں کا کہنا تھا کہ پہلے تعلیم مکمل کرو۔"

"دیکھا گیا ہے کہ جتنے بھی پاپ سنگرز ہیں وہ اپنی البم بھارت میں جا کر نہ صرف ریلیز کرتے ہیں بلکہ تیار بھی وہیں کرتے ہیں۔۔۔ کیوں؟"

"سچی بات بتاؤں۔۔۔ اگرچہ سچی بات کڑوی ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنے ملک میں اپنی چیزوں کی کوئی قدر نہیں ہوتی تھی۔ ہمیں مجبوراً "بھارتی میڈیا" کا سہارا لینا پڑتا ہے کیونکہ صرف بھارت ہی نہیں بلکہ باہر سے آئی ہوئی چیزوں کو پاکستان میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔"

"مجھے یاد ہے کہ جب میں نے آپ سے پہلی مرتبہ انٹرویو کیا تھا تو پوچھا تھا کہ لطیف کپاڈیا مرحوم سے آپ کا کیا رشتہ ہے تو آپ نے کہا تھا کہ کچھ نہیں۔ کیا یہ سوال اب بھی لوگ آپ سے کرتے ہیں۔"

"جی کرتے ہیں مگر پہلے کے مقابلے میں کم [illegible] ہیں اور یہ تو ہوتا ہے نام کا کوئی ایک [illegible] شخصیت سے مل جائے تو لوگ ضرور سوال کرتے ہیں۔ شروع شروع میں تو لوگ مجھے لطیف کپاڈیا صاحب کا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔۔۔ خیر اب تو کافی لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ ان سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ ہاں بھارتی اداکارہ ڈمپل کپاڈیا سے ہماری رشتہ داری ہے۔"

"اور جناب آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے اور ماشاءاللہ بچے کتنے ہیں؟"

"جناب میری شادی 1997ء میں ہوئی اور ماشاءاللہ دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام ارمان ہے اور چھوٹے کا نام جبران ہے اور بیگم صاحبہ کو صرف میوزک سننے کی حد تک شوق ہے۔ گانا گانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"ذاتی طور پر آپ کن لوگوں کی گلوکاری کو پسند کرتے ہیں۔ عموماً جواب آتا ہے کوئی خاص نہیں ہے آپ کیا کہیں گے؟"

"نہیں ایسی بات نہیں۔ فراخ دلی تو یہی ہے کہ جو اچھا ہے اسے اچھا کہا جائے مجھے عابدہ پروین صاحبہ، سونو نگم اور کشور کمار پسند ہیں۔"

سارہ چوہدری

"کیسی ہو۔۔۔؟"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ بہت عرصے کے بعد یاد کیا۔"

"اس لیے کہ میں چاہ رہی تھی کہ [illegible] آئے تو بات کروں۔ اب نیا سیریل [illegible] بات بھی تو دیر سے ہی ہو [illegible] رہا ہے آج کل؟"

"بس اتفاق [illegible] آیا لیکن تیرے پہلو میں تو میں [illegible] ہوں۔ اس کے علاوہ "میری شادی [illegible] ہو گی" ابھی حال ہی میں ختم ہوا ہے اور "رانی بیٹی راج کرے گی" آن ایئر ہے۔"

"تیرے پہلو میں" طویل عرصے سے جاری ہے۔ [illegible] سات سال تو ہو گئے ہیں۔ کیا دل اکتا نہیں گیا؟"

"آپ کا اکتا گیا؟"

"بالکل۔ اب تو دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ رونا پیٹنا، سازشیں، نفرتیں زیادہ، محبتیں کم۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ لوگ اسے پسند کرتے ہیں تو یہ سب چل رہا ہے ورنہ کب کا بند ہو چکا ہوتا۔"

"اتنا لمبا اسکرپٹ۔۔۔ رائٹر کی ہمت ہے؟"

"مزے کی بات بتاؤں۔ اس کا جو فیڈ بیک آتا ہے اور لوگ جو اس میں دیکھنا چاہتے ہیں اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو لکھا جاتا ہے۔ یعنی ناظرین کی خواہش کا احترام کیا جاتا ہے۔"

"دوسری طرف دونوں ڈرامہ سیریلز مختلف [illegible] میری شادی شاہ رخ سے ہو گی اور رانی بیٹی راج کرے گی۔"

"دونوں میں [illegible] کردار پرفارم کر کے اچھا لگا۔"

"مجھے [illegible] سنجیدہ اداکاری پسند ہے اور سنجیدہ اداکاری [illegible] رول نہیں کہ جس میں بہت زیادہ [illegible] ہو۔ جن دونوں ڈراموں کی آپ نے بات کی ہے ان دونوں میں ہی میرے کردار بہت مختلف ہیں۔ "میری شادی شاہ رخ سے ہو گی" میں میرا کردار بہت اچھا اور ہلکا پھلکا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ کردار میری زندگی کے قریب ہے۔ اس لیے مجھے لطف بھی آیا اور "رانی بیٹی راج کرے گی" بھی اچھا ہے سوشل بس کا رول ہے۔"

"سنا ہے کہ آج کل تمہارا رجحان مذہب کی طرف بہت ہو گیا ہے؟"

"ایسا نہیں ہے کہ میں پہلے مذہب سے دور تھی۔ الحمدللہ میں ایک مسلمان ہوں اور مذہب کی بنیادی تعلیم سے آشنا ہوں۔ بات یہ ہے کہ قرآن پاک تو میں نے پڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کو ترجمہ سے نہیں پڑھا تھا۔ اب ترجمے سے پڑھنے لگی ہوں تو احساس ہوا ہے کہ ہم تو اپنی زندگی میں بہت سی باتوں سے لاعلم تھے۔ چنانچہ نہ صرف قرآن پاک ترجمے سے پڑھتی ہوں بلکہ احادیث کی کتابیں بھی پڑھتی ہوں اور فیس بک پہ اسلامی پیج (Page) بھی بنایا ہوا ہے۔"

"کب احساس ہوا کہ قرآن پاک کو ترجمے سے پڑھنا چاہیے؟"

"[illegible] کی وجہ سے۔۔۔ وہ مذہب سے بہت قریب ہیں اور ان کو مذہب کے بارے میں اپنے دین [illegible] بہت معلومات ہیں تو بس ان ہی کی وجہ سے مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی ترجمے کے ساتھ پڑھوں اور آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جب مجھے تھوڑی سی بھی فرصت ہوتی ہے تو میں انٹرنیٹ پہ اسلام کے بارے میں ریسرچ کرتی ہوں۔"

"پھر تو آج کل ٹی وی پہ جو فیشن اور جس قسم کا لباس زیب تن کیے ہوئے دکھایا جاتا ہے اس کے تو تم خلاف ہی ہو گی؟"

"بالکل جی۔۔۔ آج کل جس طرح کا فیشن چل رہا ہے میں اس کے بہت خلاف ہوں اور آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں نے ڈراموں میں کبھی غیر شائستہ لباس نہیں پہنا اور یہ میری ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ میں لباس کے معاملے میں محتاط رہتی ہوں اور کبھی بغیر آستین کے کپڑے نہیں پہنتی۔"

"تمہارا ابھی نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں۔ تمہاری پسند کا عمل دخل ہے؟"

"بالکل جی۔ میری پسند شامل ہے۔۔۔ اور ان کا تعلق شوبز سے نہیں ہے بلکہ وہ بزنس مین ہیں۔"

"ملاقات تو ہوتی ہو گی آئیڈیل ہیں؟"

"جی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ ابھی تک تو آئیڈیل کے بہت قریب ہیں۔ باقی رخصتی کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ ابھی تو بہت محبت کرنے والے خیال رکھنے والے اور صابر و شاکر ہیں۔ آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی اور دلچسپ بات بتاؤں کہ ان کی وجہ سے میں بھی مذہب کے قریب ہو گئی ہوں اور پہلے میں صبح دیر سے اٹھتی تھی لیکن اب فجر کی نماز کے لیے اٹھ جاتی ہوں۔"

"گھرداری سیکھو گی ان کو خوش کرنے کے لیے؟"

"قہقہہ۔۔۔ "نہیں جی۔ گھرداری تو مجھے پہلے سے ہی آتی ہے۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو کام

اور پڑھائی کا بہانہ کر کے گھرداری سے دور رہتی ہیں۔ میں دیسی اور ولایتی دونوں طرح کے کھانے پکا لیتی ہوں اور بہت اچھے پکاتی ہوں۔"

"اب بھی میگزین شوق سے پڑھتی ہو؟"

"پڑھتی تو ہوں... لیکن اب تھوڑی سی تبدیلی آئی ہے۔ اب مذہبی کتابیں اور عام معلومات کی کتابیں زیادہ پڑھتی ہوں۔ حالات حاضرہ سے آگاہ رہنا چاہتی ہوں کیونکہ آج کے دور میں یہ بہت ضروری ہے۔"

آغا شیراز

"کیسے ہو... کیا ہو رہا ہے؟"

"ٹھیک ہوں آپا... اور کام ہو رہا ہے۔"

"ورلڈ کپ ہار گئے... دکھ ہوا؟"

"بہت زیادہ... بہت ہی زیادہ۔"

"چلو خیر، ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ تمہارا تعلق ایران سے ہے۔ ایران کے شہر شیراز سے متاثر ہو کر تمہارے والدین نے تمہارا نام رکھا؟"

"(قہقہہ) "جی آپا! ہو سکتا ہے ویسے مجھے اپنا نام بہت پسند ہے۔"

"تمہاری فیملی میں تو کوئی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔ تم کیسے آ گئے؟"

"میں کیسے آ گیا... اللہ تعالیٰ نے شاید میرے لیے یہی فیلڈ منتخب کی تھی۔ بس اسی لیے آ گیا۔ جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔"



"1996ء میں اس فیلڈ میں آیا۔ جب کرکٹ ورلڈ کپ ہو رہا تھا اور کرکٹ کے وقفے کے دوران کچھ مزاحیہ خاکے پیش کیے جاتے تھے تو میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی کام کروں کیونکہ مجھے ایسا لگتا تھا کہ جو چھوٹی وی پہ دکھایا جا رہا ہے... میں بھی ویسا کر سکتا ہوں۔ اداکاری بھی کر سکتا ہوں اور مزاحیہ کردار بھی۔"

"خود گئے تھے کاظم پاشا کے پاس؟"

"نہیں نہیں... والد صاحب کے ذریعے گیا تھا۔ ان کی کاظم پاشا صاحب سے ہیلو ہائے تھی۔ والد صاحب نے میری ان سے ملاقات کرائی اور یوں کاظم پاشا صاحب نے مجھے اپنے ڈرامہ "کشش" میں بک کر لیا اور یوں 13 جنوری 1997ء کو ڈرامہ کی پہلی قسط آن ایئر ہونے کے بعد میں آرٹسٹ بن گیا اور اس کے بعد ایک اور سیریل "موسم" میں بک کر لیا گیا پھر ایک اور... پھر ایک اور... اور سلسلہ چل پڑا۔"

"پڑھائی کا سلسلہ جاری رہا یا...؟"

"بالکل جاری رہا... الحمدللہ گریجویٹ ہوں۔ میٹرک میں نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے [illegible] اسکول سے کیا۔ انٹر "جسٹ پیرس کالج" سے اور گریجویشن علامہ محمد علی جوہر کالج سے [illegible] بلکہ ہوٹل انڈسٹری میں [illegible] فائیو اسٹار ہوٹل میں جاب [illegible]"

"پھر جاب کیوں چھوڑ دی؟"

"ڈراموں کی [illegible] کرنے لگی تھیں تو جاب کو ٹھیک طرح سے [illegible] دے پا رہا تھا اس لیے چھوڑ دی۔"

"[illegible] بھی تو پروڈیوس کر رہے ہو۔"

"جی ہاں... ایک سیریل "ہم جاں نثار" کیا اور "سچ کیوں نہیں بولتی" ٹیلی فلم کی اور مزید بھی ارادے ہیں اور ڈائریکشن کی طرف بھی آنے کا ارادہ ہے۔ بس دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی دے۔"

"[illegible] اور بیٹا ٹھیک ہیں۔"

"جی... الحمدللہ!"

رضیہ جمیل

خط



خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

السلام علیکم

آپ کو [illegible] اور خوشیوں کے لیے ڈھیر ساری [illegible]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اور ہمارے [illegible] کو ان تمام لوگوں سے محفوظ رکھے جو ہمیں [illegible] لڑوانے اور ہمارے درمیان فساد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نجات دے اور ان کے مذموم ارادوں کو ناکام کر دے آمین۔

پہلا خط شاہ پور چاکر سندھ سے بنت نظیر حسین کا ہے لکھتی ہیں

سب سے پہلے ستارہ شام پڑھا، پلیز آمنہ جی کرداروں کو جلد واضح کریں اس قسط میں ہادی اور لبنیٰ کی گپ شپ پڑھ کر مزا آیا۔ میری نظر کا ستارہ پڑھ کے میرب پر غصہ آیا۔ پہلی نظر کا انعام میں آسیہ رزاقی نے اولاد کی بے حسی اور بھائی کا بہنوں کو حق نہ دینا واضح کیا۔ پڑھ کر ایسا لگا جیسے ہم آج کے دور کی تصویر دیکھ رہے ہیں تو بہنیں یہ کہتی ہیں کہ ایسے ناول پڑھ کر دل پہ بوجھ آ جاتا ہے تو در اصل وہ خود بے حسی کی چادر میں چھپ کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ پلیز اچھے مسلمان بہن بھائیوں کا درد سمجھ کر ان کا درد دور کرنے کا سوچو۔ مریم عزیز کا ناولٹ پرانا تھا پڑھ کر مزا آیا۔ ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ ہادی کا کردار اچھا لگا۔ "دل کے رستے" دوسری قسط پڑھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے، اس میں رومانس بہت تھا منصور اور ارسل کا کردار ہے تو اچھا پر حد میں رہتا تو اور خوب صورت ہوتا یہ ڈائجسٹ کنواری لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں۔ اس لیے ایسی کہانیاں لگایا کریں جس سے لڑکیاں سبق لیں نہ کہ ان کا ذہن بھٹک جائے کیونکہ دین اسلام ہمیں اس سب کی اجازت صرف میاں بیوی تک محدود رکھنے کو کہتا ہے۔ آخر میں سب بہنوں کے نام پلیز اپنے دین کو مت چھوڑیے خاص کر پردے کو رواج دیں اور اس ڈائجسٹ سے اپنے دین کا کام لیں۔ ثم آمین۔

بنت نظیر حسین! خط لکھنے کی ہمت کر لی تھی تو اچھا ہوتا کہ اپنا نام بھی لکھ دیتیں۔ اگر اپنا اصلی نام شائع نہیں کرانا چاہتیں تو کوئی قلمی نام رکھا جا سکتا ہے۔ کوئی ایک شناخت تو ہونا چاہیے نا۔

ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ کہانیوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہونا چاہیے جس سے نوجوان ذہنوں پر غلط اثرات مرتب ہوں۔ ہماری کئی مصنفین تو اس بنا پر ہم سے ناراض بھی ہو جاتی ہیں کہ ہم ان کی تحریروں میں سے قطع و برید کر کے بہت سے حصے حذف کر دیتے ہیں۔ آپ کا پیغام قارئین تک پہنچا دیا ہے۔

شہلا شہزادی نے چوک جمل خانیوال سے لکھا ہے

سب سے پہلے مریم عزیز کا ناول دسترس میں سارے پر معاملہ زبردست تھا خاص کر عمارہ اور زینب کی دوستی اور زینب کی حرکتیں... اف بہت مزہ آیا اور ناظم کے ساتھ بہت اچھا ہوا۔ برے لوگوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

آسیہ رزاقی کا پہلی نظر کا انعام میں ایک بیٹے کی ماں سے اتنی لاتعلقی اور بے حسی پر بہت افسوس ہوا اور ابسد کو تو

بہت اچھا افسانہ... اور آپی پلیز ستارۂ شام اور دیوار شب کے صفحات بڑھا دیں یا پھر آپ نے دو اور قسط وار شروع کر دیے ہیں۔ باقی آئندہ پڑھ کر بہت الجھن ہوتی ہے۔ میری صبح کا ستارہ میں ماہین کے ساتھ ماں کا ایسا سلوک جیسے وہ سوتیلی ہو۔ آپ کو لگتا ہے کہ ماہین کی شادی کاشف سے ہو جاتی ہے۔ اگر ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ افسانے بھی سارے ... مجھے خاص کر کھلتا کسی کا ... کیوں حرا قریشی کا بہت مزہ آیا اور بہت ہنسی آئی۔ ناجیہ کی شاعروں کے بارے میں معلومات اف اف۔

پیاری شمسہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ روحانی مشورے والے کالم کی تجویز نوٹ کرلی ہے۔

تحصیل و ضلع ... سے شیریں محمد خان نے لکھا ہے

سب سے پہلے شعاع پر تبصرہ کروں گی یہ بہت اچھا رسالہ ہے مجھے اس کی تمام تحریریں اچھی لگتی ہیں۔ میں ایک کہانی لکھ رہی ہوں اور چاہتی ہوں کہ آپ مجھے تھوڑا سا طریقہ بتائیں کہ میں کس طریقے سے لکھوں اور کیا میں اپنی کہانی بھیج سکتی ہوں۔ پلیز شائع ضرور کیجیے گا۔

شیریں! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ کہانی بھجوانے کے لیے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہانی صفحے کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور ہمیں بھجوادیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

حنا علی احمد نے کوٹ ناروڑ سے لکھا ہے

ٹائیٹل اچھا تھا۔ سارے افسانے اور ناول بھی اچھے تھے۔ سارے سلسلے بھی پسند آئے میں کہانی ارسال کرنا چاہتی ہوں اگر شائع ہونے کے قابل ہوئی تو کب تک شائع ہوگی۔

پیاری حنا! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ پہلے کہانی بھجوائیں پھر ہم اس سوال کا جواب دے سکیں گے کہ کب شائع ہوگی اور شائع ہوگی بھی یا نہیں۔

انعم، عنبر فیصل آباد سے تشریف لائی ہیں

ناول بے حد خوب صورت تھی ... آنکھیں، میک اپ، ڈریس ... کمان، احمیت لکھا کسی کی ریو ... افسانے تھے باقی سب بھی اچھے تھے۔ سائرہ عارف کا مکمل ناولٹ ٹاپ پر تھا چونکہ قسط وار ہے تو بے صبری سے اس کا انتظار ہے۔ ستارۂ شام ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور نٹ کھٹ سا۔ واہ مزا آگیا۔ بی ویسے شبیہ اور جلال الدین کا زیادہ لگیں۔ صحت اور حسن اور موسم کے پکوان۔ مزے دار تھے۔ شب پر عمل کریں گے۔ تاریخ کے جھروکے پڑھ کر معلومات ملیں۔ سرید خان کا انٹرویو پسند آیا۔

انعم اور عنبر! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کا پچھلا خط شائع نہ ہو سکا ہمیں احساس ہے کہ ہماری قارئین کو خط پوسٹ کرنے میں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خط شائع نہ ہونے پر انہیں کتنی کوفت ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خط شامل ہوں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

حفصہ بتول بہاول پور سے تشریف لائی ہیں

"افسانوں میں" مریم فردوس "کا گمان" بہت اچھا لگا۔ حد سے زیادہ احتیاط بھی بعض اوقات بے احتیاطی بن جاتی ہے۔ "سائرہ عارف" کے ناولٹ "صبح کا ستارہ" میں مجھے حیرت ہوئی کہ یہاں بھی ایسی بھی ہو سکتی ہیں۔ میں نے ایک کہانی پڑھی ... نام "مستانہ الحمد" تھا اس کے ہیرو کا نام ... نور الصبح تھا ہیرو عمر تھا وہ کسی ... تھی۔

ڈیئر آپی! آپ سے گزارش ہے ... "والی اچھی ... آپی ایک اور بات آپ سے ... وار ناول اتنی زیادہ قسطوں ... کہانی بھیجنے کے لیے اپنا نمبر لکھ ... اور خطوط بھی ارجنٹ ڈاک سے ... پلیز پلیز مصنفین کے انٹرویوز کا بھی سلسلہ شروع کریں۔ ہم مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔

پیاری حفصہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ جس کہانی کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کے بارے میں ہمیں تو یاد نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ کسی قاری بہن کو یاد ہو تو وہ ہمیں بتا دیں۔

خط کے لیے فون نمبر لکھنا ضروری نہیں۔ ارجنٹ میل سروس کے ذریعے خط بھجوائے جائیں تو ڈاک میں گم ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہیں۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

سرخشاں بھٹو میرپور بھٹو (آزاد کشمیر) سے لکھتی ہیں

رنگ برنگی پھولوں کو چھیڑتی خوب صورت ... آنکھوں والی نازک سی ٹائیٹل گرل نے ہمارا دل ... شعاع "خواتین" کرن ایک اچھے دوست کی طرح جان کے ساتھ گاؤں میں ہمارا وقت ... مرخسانہ نگار عدنان، فرحت اشتیاق، عمیرہ احمد اور نایاب جیلانی ہماری فیورٹ رائٹرز ہیں۔ پلیز باجی عمیرہ احمد کو کہیں کہ ... اور ان سے کہیں ... دوسری اسٹوری ... ہماری ڈھیر ساری دعائیں ہیں۔

... اس ماہ کی تحریروں پر تبصرے کی طرف ... کی اسٹوری "میری صبح کا ستارہ" پہلی قسط کی ... اس بار بھی شان دار رہی سلویٰ علی بٹ کے مکمل ناول "دل کے رستے دشوار بہت تھے" میں ہمیں منصور کا کردار بہت پسند آیا اور آگے پڑھتے ہوئے باقی آئندہ دیکھ کر میرا منہ بن گیا تھا۔ اب پورا ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔ مریم عزیز اور آسیہ رزاقی نے بھی بہت اچھا لکھا۔

سرخشاں! عمیرہ احمد کی تحریریں ہمیں بھی اتنی ہی پسند ہیں جتنی آپ کو پسند ہیں۔ ہم آپ کی فرمائش ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچا رہے ہیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مہوش عبدالمجید نے رنگ پورہ سیالکوٹ سے لکھا ہے

شعاع ڈائجسٹ ملا۔ ٹائیٹل دلکش تھا۔ معمول کے مطابق ستارۂ شام اور دیوار شب پڑھے۔ دونوں ناول اچھے جا رہے ہیں۔ مگر دیوار شب زیادہ اچھا لگتا ہے۔ افسانوں میں حرا قریشی کا افسانہ سو سو لگا۔ ہما انور نے اچھا لکھا۔ مگر کمال تو عنیقہ محمد کے افسانے نے کر دیا۔ بہت خوب صورتی سے دو صفحات پر انہوں نے ایک گہری کہانی پیش کی۔ سائرہ عارف اور مریم عزیز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ کنیز نبوی کہاں ہیں۔ لکھوائیں۔ شادی کے بعد ان کی کوئی تحریر نظر نہیں آئی اور رخ چوہدری سے بھی۔ عنیقہ محمد بیگ کے ناول کی فرمائش کر رہی ہوں۔ امید ہے جلد پوری کریں گے۔

مہوش! کنیز نبوی تک آپ کی فرمائش پہنچا رہے ہیں۔ ام ... کا ہمیں بھی افسوس ہے کہ شادی کے بعد انہوں نے ... لکھا ہے۔ عنیقہ محمد بیگ اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچائی جا رہی ہے۔

فیصل آباد سے عفت جبیں نے لکھا ہے

اتنی طویل غیر حاضری کی وجہ بڑی خوشگوار تھی۔ میری بہن نزہت اور بھائی کی اکٹھے شادی۔ دو دو شادیوں کی وجہ سے سر کھجانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے شعاع کی طرف۔ ٹائیٹل گرل بہت پیاری اور معصوم لگی اور پھر فہرست پر نظر دوڑاتے ہی دل مکمل اچھلا۔ تین تین مکمل ناول۔ آسیہ رزاقی کا ناول ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ مریم عزیز کا ناول نہایت ہلکا پھلکا لیکن زبردست تھا۔ آج کل کے دور میں جبکہ ہر طرف اتنی ٹینشن ہے۔ تو اس طرح کے ناول پڑھ کر ذہن پر پڑے بوجھ کچھ دیر کے لیے ہٹ جاتے ہیں۔ ہادی کا کردار بہت زبردست تھا اور اس کا فیصلہ بروقت۔ سلویٰ علی بٹ شاید نئی لکھنے والی ہیں۔ لیکن الفاظ پر ان کی گرفت دیکھ کر محسوس نہ ہوا کہ وہ نئی رائٹر ہیں۔ اتنی دلچسپ کہانی پڑھتے پڑھتے "باقی آئندہ" دیکھ کر یوں لگا جیسے منہ میں کڑوا بادام آگیا ہو۔ سائرہ عارف ایک جانا پہچانا نام۔ ہمیشہ کی طرح زبردست کہانی لے کر آئیں۔ افسانوں میں اس بار مریم فردوس کا "گمان" بازی لے گیا۔ حرا قریشی کے افسانے کو پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آگئی۔ باقی شعاع پورا ہی زبردست ہے۔

پیاری عفت! آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ دونوں جوڑوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ شعاع پر تفصیلی تبصرہ اچھا لگا۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

آمنہ اجالا نے ... سے لکھا ہے

ٹائیٹل گرل تو نہیں لیکن اس کی کلائی اور بالوں کے گجرے اور سامنے رکھے خوش رنگ و خوشنما پھول بے تحاشا پسند آئے۔ فہرست میں مریم عزیز کو دیکھ کر خوشگوار حیرت نے آگھیرا اور جھٹ سے ان کا مکمل ناول کھولا۔ دسترس میں ستارے "کافی اچھی تحریر تھی ان کی۔ لیکن کہانی کا پلاٹ کچھ خاص نہیں لگا۔ عمارہ اور زینب کی دوستی پر رشک آیا۔ اس ماہ کی سب سے بہترین تحریر "پہلی نظر ...

انعام "آسیہ رزاقی صاحبہ سب پر بازی لے گئیں۔ واثق کی اولاد و رتبے کی بے رخی، بے حسی و خود غرضی پہ بے تحاشا غصہ آیا اور جہاں اتنے بے حس لوگ ہیں وہیں اس دنیا میں خالہ قیصر سلطانہ جیسے پر خلوص و بے غرض لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔

تیسرا مکمل ناول "دل کے رستے دشوار بہت تھے" سلویٰ علی بٹ نے بھی بہت اچھا لکھا۔ پہلے تو شوق اور تجسس میں پڑھتے چلے گئے لیکن جب آخری صفحے پہ پہنچے تو دل دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ باقی آئندہ ماہ کے الفاظ ہمارا منہ چڑا رہے تھے۔ کہانی اور کرداروں پر ان کی گرفت خاصی مضبوط ہے۔ ہمیں الجھن میں ڈال گئی کہ وہ قبرستان والی عورت آخر کون ہے؟ اور اس سات سالہ بچے کا ذکر بھی دوبارہ نہیں کیا گیا۔ "ستارۂ شام" ہمارا فیورٹ سلسلے وار ناول ہے۔ آپی پلیز جنت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتایا کریں اور ثروت اور ثمینہ کے ماضی سے بھی پردہ اٹھا دیں۔ "دیوارِ شب" عالیہ آپی سے پھر وہی شکایت کہ بہت ہی کم صفحات ہوتے ہیں۔ پلیز کچھ تو تیزی لائیں۔

عنیقہ محمد بیگ نے بہت اچھا لکھا۔ وہ ہمیشہ بہت ہی اچھا اور منفرد لکھتی ہیں۔

پیاری آمنہ! آپ کا شعاع پر پورا پورا حق ہے۔ آپ کی ناراضی اپنی جگہ بجا ہے لیکن کچھ ہماری مجبوریاں بھی ہیں ورنہ اتنی پیاری قارئین کو ناراض کرنا ہمیں کب اچھا لگتا ہے۔ سلویٰ بٹ کی کہانی میں یہ دونوں کردار آگے جا کر واضح ہوں گے۔

بیاض کا سلسلہ بند نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ پچھلے ماہ شامل نہیں ہو سکا تھا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

الفت زہرہ راج نے خانیوال سے لکھا ہے

شعاع میرا پسندیدہ رسالہ ہے میں شعاع کو وقت گزاری کے لیے نہیں پڑھتی بلکہ اس کو سمجھ کر عمل کرتی ہوں۔

ہمارے گاؤں کا نام رڈوالا ہے اس میں پختہ گلیاں ہیں۔ گاؤں کا پانی صاف ستھرا ہے۔ یہاں سے کچھ ہی کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے جہاں سے ضرورت کی ہر شے با آسانی مل جاتی ہے۔ گاؤں کے اردگرد خوب صورت اور ہرے بھرے کھیت ہیں۔ ایک صحیح مریض ... دل ہے جہاں کے لوگ مہمان نواز، رحم دل اور پر خلوص ہوتے ہیں لیکن یہاں پر تعلیم کی کوئی سہولت نہیں۔ اس لیے بچے شہر جا کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آپی نعت خواں فرحان علی قادری کا انٹرویو ضرور شائع کریں۔

الفت! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ کے خوب صورت گاؤں کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی لیکن یہ جان کر افسوس ہوا وہاں تعلیم کی سہولت میسر نہیں ہے کاش ہمارے اہل اقتدار قوم کے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوچ سکیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

فروا سجاد نے ٹیکسلا کینٹ سے شرکت کی ہے

مئی کے شمارے کا ٹائٹل دیکھ کے دل میں ٹھنڈک کا سا احساس پیدا ہوا۔ "صبح کا ستارہ" پڑھ کے دل دکھی سا ہو گیا۔ بد صورت لوگ چاہے کتنے ہی حساس، مہربان، دردمند اور ذہین کیوں نہ ہوں کوئی پذیرائی نہیں۔ شعاع کی تحریروں کا معیار وہ نہیں رہ گیا جو پرانی تحریروں کا تھا۔ رفعت سراج، فائزہ افتخار، تنزیلہ ریاض، راحت جبیں، فاخرہ جبیں، آسیہ مرزا کی تحریریں پڑھنے کو میں ترس گئی ہوں کبھی ان رائٹرز کی تحاریر پڑھنے کے لیے پورا ماہ شدت سے انتظار کیا جاتا تھا۔ اب وہ عالم ہے کہ ہر ماہ شعاع دیکھ کر بھی دل میں کوئی اشتیاق، کوئی ولولہ نہیں ہوتا اور ہاں سائرہ عارف کہاں گم ہیں؟ ... بہت کم رہ گئی ہیں۔ باقی کہانیاں ... تھیں۔ کوئی تحریروں میں خاص ... کامیاب نہیں ہوئی۔

فروا! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ ... آج کل جو مصنفین لکھ رہی ہیں آپ کو متاثر نہیں کر پا رہی ہیں۔ امید ہے ... خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

کراچی سے مسرت الطاف احمد نے لکھا ہے

عالیہ بخاری کا "دیوارِ شب" پڑھ کر اتنا مزا نہیں آیا بس ایویں تھا کہانی بہت بوریت کا شکار ہوتی جا رہی ہے اور اس بار جویا اور معاذ کا کردار تو دکھایا ہی نہیں گیا۔ عالیہ جی پلیز معاذ اور جویا کو زیادہ دکھایا کریں۔ یہ میرے پسندیدہ ترین کردار ہیں۔ "ستارۂ شام" پڑھ کر بہت مزا آیا۔ اس دفعہ "ستارۂ شام" میں کچھ نیا پڑھنے کو ملا۔ کہانی بہت اچھی جا رہی ہے اور یقیناً آگے چل کر مزید اچھی ہو جائے گی۔ ثمینہ، ثنوی اور ہر کردار اپنی جگہ قابل تعریف ہے۔ سائرہ عارف کے ناولٹ "صبح کا ستارہ" نے تو میری جان لے لی۔ سائرہ نے بہت اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور کہانی بہت ہی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ مریم عزیز کا مکمل ناول "دسترس میں ستارے" اس دفعہ ... ۔ "ویل ڈن" مریم عزیز کے بارے میں ... ان کا انداز تحریر بہت خوب صورت ... زینب اور عمارہ کا کردار پسند آیا۔ الله ... کا مکمل ناول "دل کے رستے ..." اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ ... اپنا اپنا ... بگاڑ لیتی ہیں۔ ... سنگ ... بہت متاثر ... کوشش تھی۔ "ویل ڈن" حرا قریشی ... پڑھا تو بے ساختہ منہ سے ... حرا قریشی سے بہت مزے کی ہنستی ... فری اسٹوری لکھی افسانہ۔ پڑھتے ہوئے ... ہونٹوں سے جدا نہ ہوئی "زبردست" نایاب جیلانی اور نبیلہ ابر راجہ نے کیا شعاع کے لیے کوئی تحریر لکھنے سے منع کر دیا اور ہاں اس بار نبیلہ عزیز کی بہت کمی محسوس ہوئی۔

پیاری مسرت! آپ کا افسانہ غزل شعبان نے پڑھا تھا۔ وقتی طور پر ان دنوں تین ماہ کی چھٹی پر ہیں۔ اس دوران اگر آپ کوئی دوسری تحریر لکھ کر بھجوا دیں تو ہم جلد پڑھ کر اس کے بارے میں بتا دیں گے۔ نایاب جیلانی کا مکمل ناول اس ماہ شامل ہے۔ نبیلہ عزیز کا مکمل ناول آپ ان شاء اللہ آئندہ ماہ پڑھ سکیں گی۔

عالیہ بخاری تک آپ کی فرمائش پہنچا رہے ہیں۔ ہماری بہت سی قارئین کو خیام کا کردار بھی بہت پسند ہے اور وہ اس کے بارے میں زیادہ پڑھنا چاہتی ہیں۔ عالیہ بخاری بے حد خوب صورت کردار نگاری کرتی ہیں۔ نانی ستارہ کا کردار ہو یا نگینہ کا، سالار ہو یا خیام سارے ہی کردار اپنی جگہ مکمل ہیں۔ وہ غیر اہم کرداروں کو بھی نظر انداز نہیں کرتیں مثلاً چند سطری کردار ہے مگر ایک بھرپور تاثر کے ساتھ۔

دیگر مصنفین تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

شائستہ ... ڈگری کالج گدو سے لکھا ہے

... مریم عزیز کے ناول "دسترس میں ستارے" پڑھا۔ کہانی میں کوئی اٹریکشن نظر نہ آئی جو ہم کہانی پڑھتے ہی شروع میں رائے دے دیتے ہیں کہ بس ... یہی ہوگا اور وہی ہوتا ہے۔

آسیہ رزاقی کا ناول "پہلی نظر" پڑھا اور ادھورا چھوڑ دیا۔ پتا نہیں کیوں؟ سلویٰ علی بٹ کے ناول "دل کے رستے" پر اگلی ماہ تبصرہ کریں گے (ان شاء اللہ) آمنہ ریاض کا ناول "ستارۂ شام" مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں "تشبیہ العباس" کا کردار مجھے بے حد پسند ہے اور افسانے ابھی نہیں پڑھے۔ پیا، محمود ریاض بہت اچھا لگا۔ انہوں نے جو اک پودا لگایا وہ اک تناور درخت بن چکا ہے اور ہمیشہ ایسے ہی پھولتا پھلتا رہے گا ان شاء اللہ۔

آنٹی جی! راحت جبیں سے کوئی ناول لکھوائیں جن میں دادی ضرور ہوں ان کی دادیاں (کہانیوں میں) مجھے بہت پسند ہوتی ہیں اور فرحت اشتیاق سے تو میں بہت بہت ناراض ہوں۔ دو سال ہونے کو ہیں اور انہوں نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔

پیاری شائستہ! راحت جبیں کا ناول اس ماہ خواتین ڈائجسٹ میں شامل ہے۔ فرحت اشتیاق ہر بار فون کرنے پر یقین دلاتی ہیں کہ وہ قارئین کے لیے ناول لکھ رہی ہیں جو جلد مکمل ہو جائے گا لیکن ـــــ؟

ہمیں افسوس ہے کہ مئی کے شمارے کی کوئی کہانی آپ کو متاثر نہ کر سکی۔

مریم حمزہ نے ڈسکہ سے لکھا ہے

گمان مریم فردوس کا افسانہ پڑھا۔ اچھا لگا۔ "صبح کا ستارہ" سائرہ عارف نے ہمیشہ اچھا لکھا۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ "جو بکھے ہیں سنگ" فیضیہ عامر نے بہت خوب لکھا۔ عنیقہ محمد بیگ کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ عنیقہ کی تحریریں ہر ماہ شائع کریں۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ مریم عزیز نے کمال کا لکھا۔ "پہلی نظر" آسیہ رزاقی نے خوب لکھا۔ سلویٰ علی بٹ کے مکمل ناول نے اتنا متاثر نہ کیا۔ مریم عزیز اور عنیقہ محمد کس شہر سے تعلق رکھتی ہیں؟

مریم عزیز اور عنیقہ محمد بیگ دونوں کا تعلق سیالکوٹ

ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ سلویٰ علی بٹ کی کہانی قسط وار ہے۔ آگے چل کر کہانی واضح ہو گی تو یقیناً "آپ کو پسند آئے گی۔

کرن شبیر نے کراچی سے لکھا ہے

ماننے کی بات ہے کہ جہاں آپ کو بے حد باصلاحیت لکھاریوں کا ساتھ ملا ہے وہیں بے انتہا باذوق قارئین کی بھی کمی نہیں ہے "انتہائی دلچسپ" تبصرے پڑھ کر ہمیں بھی لکھنے کی تحریک ملی۔

اب آتے ہیں مئی کے شمارے کی طرف۔ حسین رنگوں سے مزین شعاع مزا دے گیا۔ "پیارے نبی کی پیاری باتیں" ہماری معلومات میں بے حد اضافے کا باعث ہیں۔ فہرست میں اپنی پسندیدہ مصنفین کے نام پڑھ کر خوشی ہوئی [illegible] گئی۔ "بیاد محمود ریاض" مہوش نے ایک بہت ہی اعلا و ارفع سی ہستی کے بارے میں ہمیں معلومات دیں۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔

شعاع اس بار انفرادیت لیے ہوئے تھا۔ ستارہ شام پڑھا اتنی مکمل منظر کشی "صورت حال کے مطابق مکالمے اور زمان و مکان کا خیال بے حد متاثر کن "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

عنیقہ محمد بیگ "اگر کوزے میں دریا کو بند کرنے کی کوئی واضح مثال ہے تو یہ ان کا افسانہ اہمیت ہے۔ سلویٰ علی بٹ نیا نام "موضوع گو کہ پرانا تھا لیکن مکالمے مزا دے گئے خاص طور پر شاہم اور ارسل کی نوک جھونک تو لطف دے گئی "اس کا باقی تبصرہ ابھی محفوظ ہے۔

"دسترس میں ستارے" مریم عزیز کا مکمل ناول مزا دے گیا۔ تمام مصنفین میں سے اگر میں کسی سے شدید ترین متاثر ہوں تو وہ ہیں رخسانہ نگار عدنان۔ بھئی کیا کہانی کی بنت ہے کیا مکالمے ہیں اور کیا ماحول پیدا کرتی ہیں وہ اپنی کہانیوں میں۔ آسیہ رزاقی نے بھی خوب لکھا بلکہ خوب تر لکھا۔ ہما انور کا افسانہ زبردست۔ مسز صدیقی جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے۔

دوسروں کی دل آزاری کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے "آپی میں نے ایک افسانہ مقابلہ افسانہ نگاری کے لیے بھیجا تھا "اس کا کیا ہوا؟ ضرور بتایئے گا اور ایک اور بات پوچھنی تھی کہ سرورق کی جو ماڈلنگ ہے اس کے لیے کرنا کیا ہو گا مجھے بہت شوق ہے اس سلسلے میں ضرور بتایئے گا۔

کرن! سرورق پر تصویر شائع کرانے کے لیے کسی اچھے اور ماہر فوٹو گرافر سے تصویر بنوا کر بھجوا دیں۔ اگر جاذب نظر ہوئی تو ہم سرورق پر شائع کر دیں گے۔
شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کا افسانہ ابھی پڑھا نہیں۔ تھوڑا انتظار کر لیں۔

زرقا افشین نے جام پور سے شرکت کی ہے

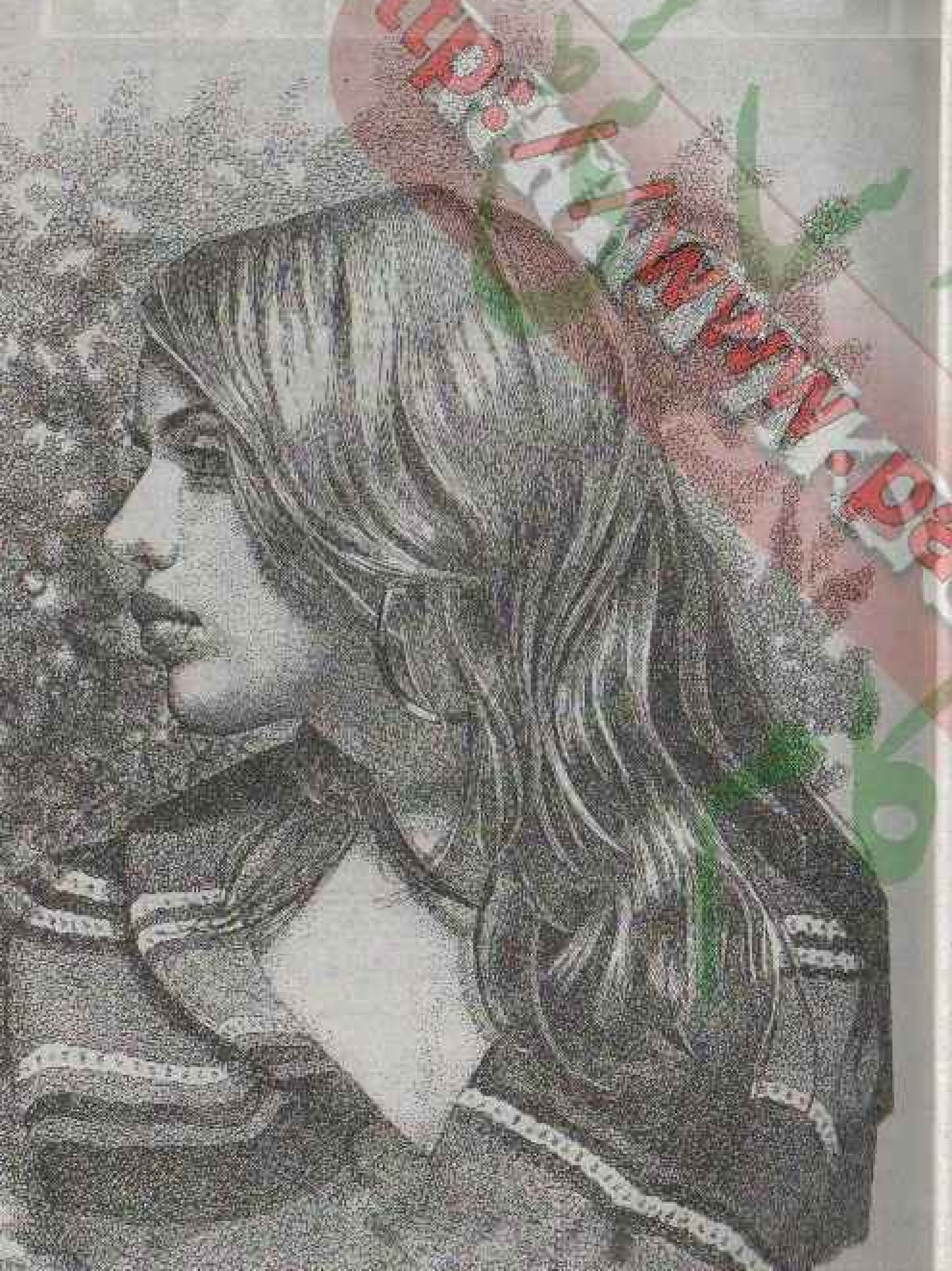
ٹائٹل بے حد پسند آیا "سب سے پہلے دیوار شب پڑھا" اچھا لگا۔ عالیہ جی! اچھی لگے گی تو سالار کو ہی۔ حرا قریشی! آپ کا افسانہ پڑھ کے کسی وجہ سے خراب موڈ ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ مریم فردوس "گمان" پڑھ کے بور نہیں ہوئے۔ "دسترس میں ستارے" مریم عزیز جی بس نارمل سی لگی نہ بہت اچھی نہ۔ اتنی بری بادی کی ابتدا میں ہی بات کر [illegible] زینب تم سے شادی کی وجہ ہمدردی نہیں ہے تو محبت بھی نہیں ہے "کچھ پلے" نہیں پڑی [illegible] کر دیا۔ عنیقہ جی! آپ کا کوئی بھی افسانہ [illegible] برا نہیں لگا۔

آپ کو افسانہ "اک شادی اور [illegible] لکھا تھا" کیا بنا۔

پیاری زرقا! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے خط شائع نہ ہو سکے۔ [illegible] افسانہ موصول نہیں ہوا۔ آپ اپنا افسانہ [illegible] بھجوا دیں۔ قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہو گا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

آمنہ ریاض

ستارۂ شام



دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چند مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چند مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہردم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی شیزوفرینیا کی مریض ہے۔ جس کی حالت اب تک ٹھیک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے ... میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ہادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں ... ڈھونڈنے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے ... ثروت ملنسار اور مجھی خاتون ہیں۔ علی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ہادی کی پہلی ملاقات [illegible] ہو جاتی ہے۔



شبیہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور خفا رہنے والے نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ بچپن سے تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہ تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبینہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بد مزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا سر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں۔ لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے ملنا پسند نہیں جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبہ دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب [illegible] نہیں کرتے۔ ماوی، انیبہ کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے ملانے کی کوشش کرتی ہے [illegible] دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑنے اس لیے ثمینہ ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت [illegible]

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق [illegible] ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق [illegible] بات اکٹھا کر [illegible]

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ [illegible] برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر رحمت کو پیر صاحب کے [illegible] یہ بات جنت پر بھاری تھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ [illegible] کو ماں رو رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

پانچویں قسط

وہ تم اپنے دوست سے کہہ دینا ماوی اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جلال الدین کو پسند کرتی ہے بلکہ پسندیدگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔ وہ در اصل جلال الدین سے محبت کرتی ہے اب سے نہیں اس دن سے جس دن جلال الدین نے اس کی ماں کی جان بچائی تھی۔"

جلال ہکا بکا ثمینہ کو دیکھ رہا تھا جو مطمئن لیکن تھوڑی سی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کسی ماں سے اس کی بیٹی کے متعلق ایسی بات سننا عجیب لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں عجیب لگا ہوگا یہ مشرقی معاشرے کی تدفین ہے لیکن یہ بھی طے ہے کہ جلال [illegible] معاشرے کی ہو یا مغربی معاشرے کی اپنی اولاد کی خوشی کے لیے ہر قدم اٹھانے پر تیار ہو جاتی ہے۔ [illegible] تمہیں آگاہ کروں۔ تم اپنے دوست کے لیے ماوی کی بات کرنے آئے ہو اس کا مطلب تمہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ اتنی دکھ کی بات ہے کہ میں [illegible] پیاری ماوی کو کس طرح بتاتا ہے۔" ثمینہ سر ہاتھوں میں گرائے کہہ رہی تھیں۔

"آنٹی! وہ میں [illegible]" ثمینہ نے اسے ٹوک دیا اور لجاجت سے بولیں۔

"کچھ نہ کہو جلال! مجھے اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔ پلیز تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے سوچنے دو ماوی کو یہ خبر کس طرح دوں۔ [illegible] وہ بہت افسردہ ہو جائے گی۔" وہ بہت فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔

جلال [illegible] وہاں سے نکلا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھوں میں ایسی گتھی تھما دی تھی جس کا سلجھنا مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میرا یقین کرو عبیو! میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں عروش نے واضح طور پر میری طرف اشارہ کر کے اس لڑکے سے کوئی بات کی تھی۔"

تنوی نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ وہ کب سے عبیو کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن عبیو سنجیدہ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس کی تان ایک ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔ تنوی کا سراسیمگی و پریشانی سے برا حال تھا۔

"تمہیں کس بات پر اعتراض ہے آخر؟ عروش کے اس لڑکے سے بات کرنے پر یا تمہاری طرف اشارہ کرنے پر؟" عبیو نے اپنی فائل گود میں رکھتے ہوئے سابقہ انداز میں پوچھا۔ وہ دونوں کلاس کے بعد گراؤنڈ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چونکہ بریک ٹائم چل رہا تھا اس لیے گراؤنڈ میں رش تھا۔

"عبیو! سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا کرتی ہوں۔" عبیو نے سعادت مندی سے کہتے ہوئے فائل بند کی اور اس پر کہنیاں ٹکا کر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھے تفصیلاً بتانا ہوگا کہ تمہاری اور شبیہ العباس کی کیا باتیں ہوئیں؟" یکدم اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ تنوی نے بے ساختہ اپنا سر پیٹ لیا۔

"کتنی بار بتاؤں کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔" عبیو نے سنگ کر پوچھا۔ "کوئی ہوگا جو اس بات پر اعتبار کرے۔ بتاؤ وہ منگیتر دو گھنٹے تک ٹریفک میں پھنسے رہیں۔ گاڑی میں بالکل تنہا ہوں اور آپس میں کوئی رومانٹک بات بھی نہ کریں۔ نہ بھئی نا۔ میں تو اس فاش جھوٹ پر غلطی سے بھی بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

"عبیر! تمہیں کیا لگتا ہے۔ منگیتر آپس میں ہر وقت رومینٹک گفتگو کرتے رہتے ہیں؟ انہیں کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ہوتا؟" تنوی تڑاخ کر پوچھنے لگی۔ عبیر نے چند لمحے سوچا پھر حسرت بھرے لہجے میں بولی۔
"رومینس سے زیادہ ڈھنگ کا کام اور کیا ہو سکتا ہے؟"
"عبیر!"
"یار! مجھے کیا پتا میری کون سی منگنی ہوئی ہے۔"
"پھر میں بتاتی ہوں منگیتر ہر وقت رومینس نہیں جھاڑتے ان کے پاس بھی عقل والی باتیں ہوتی ہیں کرنے کے لیے۔"
"تو میری پیاری سہیلی! یہ ہی تو میں جاننا چاہ رہی ہوں کہ وہ عقل والی باتیں کون سی ہیں جو تم اور شبیہہ آپس میں ڈسکس کر رہے تھے۔"
"عبیر! تم اسی بات کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ عروش والی بات پر دھیان دو نا۔ اس نے دھمکی دی تھی۔ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یقین مانو میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے اسے اپنی طرف اشارہ کرتے دیکھا تھا۔"
"اور میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا تھا کہ گاڑی میں شبیہہ نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔" عبیر نے زور دیتے ہوئے کہا۔ جس وقت شبیہہ کی گاڑی ٹریفک میں پھنسی ہوئی تھی اسی وقت عبیر کی کالج وین ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔
"شبیہہ بھائی نے میرا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا تھا۔" تنوی نے تحمل سے کہا۔
"اللہ اللہ۔" عبیر نے غیر سنجیدگی سے اپنے گال پیٹ ڈالے۔ "تم تو بولڈ نکلیں۔ شکل سے تو بڑی شرمیلی لگتی ہو تنوی!"
تنوی نے اسے بری طرح گھورا پھر اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے ناراضی سے بولی۔
"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔"
"ارے جا کہاں رہی ہو؟"
"دوبارہ تم سے بات نہیں کروں گی۔ جہنم میں جا رہی ہوں میں۔"
"ظاہر ہے میں تو جنت میں ہوں گی۔ جہنم سے جنت کی کال تو خاصی مہنگی پڑ جائے گی۔" [illegible] سنجیدہ نہیں لگ رہی تھی۔
"عبیر! میں پریشانی سے مرنے والی ہو رہی ہوں اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں۔" [illegible]
"کیوں پریشان ہو یار! پریشانی کی بات نہیں ہے عروش صرف ہمیں ڈرا [illegible] رہی تھی۔ تف ہے تم پر۔"
"پھر ہم کیا کریں؟"
"سکون کی زندگی گزاریں۔" عبیر نے ترت کہا۔ "اور عروش کے خوف سے باہر نکل آئیں۔ بتاؤ غلط کام کرے وہ اور خوف زدہ رہیں ہم۔"
ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ان کی کلاس کی [illegible] تیز قدموں سے ان کی طرف آگئی۔
"شکر ہے تم لوگ مل گئیں۔" اس نے [illegible] خوشی سے کہا۔
"ہم کہیں گم ہو گئے تھے کیا؟" عبیر نے معصومیت سے پوچھا تو آرا اس بات پر ہنس دی۔
"ارے نہیں پاگل! تمہیں میم [illegible] نے اسٹاف روم میں بلوایا ہے۔" اس نے تنوی سے کہا۔
"مجھے؟ کیوں؟"

"یہ تو پتا نہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔ تمہیں اسٹاف روم میں بھجوا دوں لیکن تم لوگ کالج کا کونا کونا چھان کر بیٹھی ہو تب تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر میری تو آنکھیں شل ہو گئیں۔"
"اچھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" تنوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔
"نہ بابا! میں تو اب کینٹین جا رہی ہوں۔ تم خود ہی اسٹاف روم چلی جاؤ۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔ "میں مس زرتاشیہ کو بتا دوں گی کہ میں نے ان کا میسج تمہیں پہنچا دیا ہے۔"

⁂

جلال عجب کشمکش کا شکار تھا۔ ایک طرف اسے ثمینہ آنٹی کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا تو دوسری جانب سعدی سے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر وہ کس طرح یقین کر لیتا کہ جس لڑکی میں اس کے دوست کو دلچسپی ہے وہ لڑکی خود اس کو پسند کرنے لگی ہے۔ عجیب [illegible] کا لفظ بھی کس قدر نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔
"آخر یہ پسندیدگی کیا چیز ہوتی ہے؟"
کیا یہ محبت ہوتی ہے یا اسے محبت کی ابتدائی Symptims (علامات) میں شمار کیا جانا چاہیے؟
اوہ جلال۔۔۔ یہ تو لاحاصل طلب سوال ہو گیا اور آخر میں سعدی سے کیا کہوں گا؟ کیا پتا ثمینہ آنٹی کو غلط فہمی ہوئی ہو؟
شبیہہ [illegible] محض غلط فہمی کی بنا پر تو کوئی ماں اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتی اور پھر ثمینہ آنٹی جھوٹ [illegible] کیوں؟
اسے ہادی سے اپنی سڑک کنارے ہوئی وہ ملاقات یاد آ گئی جس میں ہادی بڑے واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی لیکن اس وقت جلال نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔ مگر اسے کم ہادی کے وہ جملے یاد آ جانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جانا چاہیے تھا لیکن جلال تو کشمکش کا شکار تھا۔
وہ بیڈ پر لیٹا کر بیٹھی دیر تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا لیکن جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اٹھ کر آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بغور اپنے عکس کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے اسی طرح خود کو دیکھتا رہا پھر تھوڑی سے پکڑ کر اپنے چہرے کو ذرا سا دائیں رخ پر موڑ کر دیکھا پھر بائیں رخ پر موڑا۔
اتنا برا تو نہیں تھا وہ کہ اپنے پسند کیے جانے پر اس قدر حیران ہوتا لیکن مقابل سعدی تھا جو شکل و صورت میں اس سے کہیں بہتر تھا۔ بہ ہر خیر جلال بھی کم نہیں تھا۔ اچھے نقوش تھے ڈیل ڈول بھی اچھا تھا لیکن اصل وقت وہ معصومیت تھی جسے اس کے دوست بونگا پن اور والدہ ماجدہ اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھولا پن کہا کرتی تھیں۔
اور یہ معصومیت ہی تھی کہ جو تھوڑی بہت خود آگاہی ہر انسان میں ہونا چاہیے۔ اس میں ہر گز نہ تھی۔ البتہ وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اچھی شکل اور بہترین حسب نسب کے باوجود وہ ان لڑکوں کی کیٹیگری میں شمار ہوتا تھا جنہیں دیکھتے ہی لڑکیاں بھائی بنانے کو ترجیح دیتی ہیں اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ لڑکوں کی بہت بڑی محرومی ہوتی ہے اور جلال کو تو اس بات کا احساس اسکول کے زمانے سے ہی دلایا جاتا رہا تھا شاید اسی لیے جلال نے کبھی خود سے بڑھ کر لڑکیوں سے دوستیاں گانٹھنے یا خود کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔
"تم واقعی بہت اچھے ہو جلال! آئی ریئلی لائیک یو۔" اس کے کانوں میں ہادی کے الفاظ گونجے تھے۔ وہ بری طرح جھنجلا گیا۔ ہادی کی باتیں یاد آ جانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر شک و شبہ کی گنجائش تو باقی نہ رہی تھی لیکن سعدی۔ سعدی کو وہ کس طرح مطمئن کرے گا؟ یہ ہی سوچ کر اسے پریشانی جمع پشیمانی نے گھیر رکھا تھا۔
ابھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔ دیکھا سعدی کا نمبر تھا۔ جلال کا ہاتھ بے ساختہ گھبراہٹ کے مارے

سر کی پشت تک چلا گیا لیکن کال تو ریسیو کرنا ہی تھی۔
"ہیلو۔" کھنی کھنی سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔
"جلدی! شکر ہے تو نے فون ریسیو کر لیا۔" سعدی نے چھوٹتے ہی کہا۔
"کیوں؟ خیریت؟"
"یار! میں گاؤں جا رہا ہوں ابا کا فون آیا تھا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے وہاں جلدی بلوایا ہے۔"
"اوہ اچھا۔" اس نے بے دھیانی سے کہا۔
"میں نے پوچھنا تھا تم نے ناویہ کی ممی سے بات کی؟"
جلال یکا یک ہوش میں آیا۔
"ہنن... نہیں سعدی! میں گیا تھا ان کی طرف... لیکن بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" اس نے جلدی سے بات بنائی۔ سعدی کسی اور موڈ میں تھا ورنہ ضرور بھانپ لیتا۔
"آ... اچھا۔" سعدی نے مایوسی سے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا اگر تم نے بات کرلی تھی تو میں ابا جی سے بھی ذکر کرتا اور واپسی پر انہیں ساتھ ہی لے آتا۔ میرا خیال ہے کم سے کم منگنی تو ہو جانی چاہیے۔ پتا ہے روز ناویہ کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ خواب تو نیک ہیں لیکن تمہیں بات کر لینا چاہیے تھی۔"
اس کی لمبی پلاننگ تھی۔ جلال چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر سرسری ہوں ہاں کر کے فون بند کیا اور خالی الذہنی کی کیفیت میں پھر اپنا عکس دیکھنے لگا۔ ہر آن اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تنوی اسٹاف روم سے آئی تو باہر بیٹھی بلاوی نے بتایا کہ مس زرتاشہ وائس پرنسپل کے آفس میں جا چکی ہیں اور انہوں نے تنوی کو بھی وہیں بلوایا ہے۔ وائس پرنسپل کے آفس کا سن کر تنوی کا ماتھا بری طرح ٹھنکا۔ اگر نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں سے متعلق کوئی بات ہوتی تو یہاں اسٹاف روم میں بیٹھ کر بھی کی جا سکتی تھی۔ آخر وائس پرنسپل کے آفس میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا دل چاہا واپس گراؤنڈ میں جائے اور عبیر کو اپنی مورل سپورٹ کے لیے ساتھ چلنے کا کہے لیکن جتنی دیر میں وہ واپس جاتی اور عبیر کی منت سماجت کرکے اسے ساتھ لاتی بریک ٹائم ختم ہو جانا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور وائس پرنسپل کے آفس کی طرف چل دی۔
"مے آئی کم ان ٹیچر!" دروازے میں رک کر اس نے پوچھا۔ مس زرتاشہ کے ساتھ مس سلطانہ بھی موجود تھیں۔
"آ جایئے بچے! ہم تو کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" مس زرتاشہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ اچھی شکل و صورت کی اور خوش مزاج تھیں اور ان اساتذہ میں سے تھیں جنہیں اسٹوڈنٹس بہت پسند کرتے ہیں۔
"وعلیکم السلام بیٹھو۔" مس سلطانہ نے اس کے سلام کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔ تنوی ایک کرسی پر تکلف سے بیٹھ گئی۔ اب اس کی دائیں جانب مس زرتاشہ تھیں سامنے ٹیبل اور ٹیبل کی مخالف سمت میں مس سلطانہ۔
"پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟" مس زرتاشہ نے پوچھا۔ "اور آپ کے پیپرز کیسے ہوئے؟"
"پیپرز بھی اچھے ہوئے ہیں ٹیچر!" تنوی نے کہا۔
"پوزیشن آئے گی؟"
"پوزیشن کے معاملے میں میں کانفیڈنٹ نہیں ہوں ٹیچر! لیکن گریڈ ضرور اچھے آئیں گے۔"
"آپ کو پتا ہے، یہ میری کلاس کی سب سے اچھی بچی ہے۔" زرتاشہ نے مس سلطانہ سے کہا تو وہ مسکرا کر

بولیں۔
"ہاں... اس کو دیکھ کر بھی لگتا ہے کہ یہ ذہین بچی ہے۔"
تنوی اس تعریف پر شرما سی گئی۔ البتہ بولی کچھ نہیں۔
"آپ اس بار آڈیشن کے لیے نہیں آئیں؟ حالانکہ ہم سمجھ رہے تھے ایول ڈرامہ آپ کے بغیر مکمل نہیں ہو گا۔"
"ٹیچر لاسٹ ایئر بھی ڈرامہ کی وجہ سے میری پڑھائی بہت ڈسٹرب ہوا تھا اس لیے میں نے سوچا اس سال رہنے دیتی ہوں۔"
"ہوں... ایسا ہے بچے! ہم نے آپ کو ایک خاص کام کے لیے بلوایا ہے یوں سمجھیے آپ کے انسٹی ٹیوٹ کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" ٹیچر سلطانہ نے تمہید باندھی تو وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئی اور باری باری دونوں کو دیکھا۔
"جی ٹیچر؟"
"آپ فاسٹ ایئر کی عروش مرزا کو جانتی ہیں؟"
عروش کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے عروش کے سلسلے میں بلایا جا رہا ہے۔
"زیادہ تو نہیں جانتی لیکن اتنا پتا ہے کہ عروش ہمیں میں پڑھتی ہے۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
"پچھلے سال اس نے کالج کے ایول فیسٹیول میں آپ کے ساتھ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ کیا اس دوران دوستی نہیں ہوئی اس سے؟" یہ سوال ٹیچر زرتاشہ کی طرف سے آیا۔
"ٹیچر! ہم ریہرسل کے سلسلے میں ملتے تھے۔ ہم دونوں کی الگ الگ فرینڈز تھیں اس لیے زیادہ دوستی نہیں ہو سکی۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔
"لیکن ہم نے سنا ہے آج کل وہ آپ سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہی ہے کیا یہ درست ہے؟"
"دو بار اس نے کہا کہ وہ دوستی کرنا چاہتی ہے لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔"
"کیوں؟"
"مجھے وہ پسند نہیں ہے۔" تنوی نے چند منٹ سوچنے کے بعد پوری سچائی کے ساتھ کہا۔
"پسند کیوں نہیں ہے؟"
"پتا نہیں ٹیچر! بس وہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ عجیب سی باتیں کرتی ہے۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
دونوں ٹیچرز نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر مس زرتاشہ نے کہا۔
"بچے! کیا بہتر نہیں ہو گا کہ آپ ہم سے ذرا کھل کے بات کرو۔"
تنوی بے ساختہ انگلیاں مسلنے لگی۔
"ٹیچر! ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ بطور خاص پوائنٹ آؤٹ کروں کچھ لوگ ہمیں بلاوجہ اچھے لگتے ہیں اسی طرح کچھ لوگ بے وجہ برے بھی لگنے لگتے ہیں۔" اس نے عقل مندی سے بات سنبھالی۔
"دیکھیے بیٹا! جو بات ہم آپ سے کرنا چاہ رہے ہیں ہم چاہتے ہیں آپ اسے غور سے سنیں اور پھر ہمارے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ اچھے اور برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن برے یا کرپٹ لوگوں کی غیر قانونی سرگرمیوں سے گورنمنٹ یا سیمی گورنمنٹ اداروں کی ساکھ اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنا کہ پرائیویٹ اداروں کی ساکھ بگڑ سکتی

ہے۔ آپ کو پتا ہے یہ کالج چند بہترین پرائیویٹ اداروں میں آتا ہے' کیا آپ چاہیں گی کہ کچھ کرپٹ لوگوں کی وجہ سے آپ کے کالج کے نام پر حرف آئے؟" پرنسپل سلطانہ نے کہا۔

تنوی نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شاباش۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی۔" ٹیچر نے مسکرا کر کہا۔ "عروش کس قدر کرپٹ لڑکی ہے' اس کا اندازہ سب ہی کو ہے' لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کی کرپشن کو شروع میں ہی نوٹس نہیں کیا گیا اور اسی چیز سے اسے شہہ ملتی رہی اور اب اس کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی سرگرمیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ ہمارے لیے تو بڑی عجیب صورت حال ہو گئی ہے۔ عروش کے خلاف کھلم کھلا کوئی ایکشن اس لیے نہیں لیا جا سکتا کہ اس طرح معاملہ کالج سے باہر نکلے گا اور سارے شہر میں خوب اچھالا جائے گا' اوپر سے میڈیا والے بھی کسی نہ کسی ایسی خبر کے انتظار میں ہوتے ہیں جسے خوب مرچ مسالا لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اسی لیے ہم اس معاملے کو رازداری سے ہینڈل کر رہے ہیں اور آپ سے بھی توقع کرتے ہیں کہ اپنے انسٹی ٹیوٹ کی ساکھ کا خیال رکھتے ہوئے آپ اس خبر کو باہر جانے نہیں دیں گی۔ ہم چاہتے ہیں بیٹا! آپ پولیس کے سامنے عروش کے خلاف گواہی دیں۔"

ایک لمبی چوڑی تمہید کے بعد جو ٹیچر کے منہ سے نکلا' تنوی کا منہ وہ سب سن کر کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جلال کی ماوی سے اگلی ملاقات چند روز بعد پارک میں ہوئی' حالانکہ اس سے ملا بھیڑ کا خدشہ وہ اپنے دل میں گھر سے لے کر آیا تھا' پھر بھی اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکا گیا اور دور سے اسے آتا دیکھ کر اس نے سوچا کہ وہ ٹریک پر رخ بدل کر مین گیٹ کی طرف چلے جانا چاہیے' مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر عمل کر پاتا۔ ماوی گھاس کے قطعہ کو روندتی اس کے پاس آ گئی۔

"گڈ مارننگ جلال! عجیب آدمی ہو۔ کہاں گم ہو گئے تھے' پتا ہے ایسے تو گدھے کے سر سے سینگ بھی غائب نہیں ہوتے ہوں گے جیسے تم غائب ہوئے' میں ایک روز سوچ رہی تھی ایسے تو گرمسلز غائب ہوتے ہیں [illegible] بتائے' چار دن سب کے سامنے' چار دن انڈر گراؤنڈ' گڈ گاڈ! جلال! کیسے تم بھی۔" اس نے جملہ [illegible] ادھورا چھوڑ دیا اور بغور جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔

جلال ٹھٹکا یا ضرور تھا' لیکن ماوی کے قریب آتے ہی اسے ہوا کے ایک ٹھنڈے معطر جھونکے [illegible] اور وہ لاشعوری طور پر بغور اسے دیکھتا چلا گیا۔ خوب صورت تو بلاشبہ وہ تھی یا شاید نہیں [illegible] آغوش میں ایک ملاحت ضرور تھی۔ بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں جن میں ہر وقت [illegible] لگائے سب سے منفرد دکھاتی تھی۔ چھوٹی سی تیکھی سی ناک' دلکش کٹاؤ دار ہونٹ' رنگت [illegible] کی کلائیاں جھلکاتی' اونچی سی پونی ٹیل جو اس کی لمبی گردن پر بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

جلال کو تعجب سا ہوا' خدا جانے وہ کبھی ہی اتنی خوب صورت' جلال نے کبھی یار اسے بغور دیکھا تھا۔ ساتھ ہی سعدی کے وہ جذباتی جملے کانوں میں گونجنے لگے جو اس نے ماوی کے لیے اس کے سامنے بولے تھے' تب جلال کو شرمندگی نے گھیر لیا اور اس نے گڑبڑا کر نظریں پھیر لیں۔

"ارے۔" ماوی کی متاسف تصدمے سے بھرپور آواز۔ "نظریں چرا رہے ہو' اس کا مطلب تم واقعی۔"

"نہیں' نہیں۔" جلال نے بے ساختہ [illegible] نہیں تو' بس ایسے ہی۔ آپ۔ آپ کیسی ہیں؟"

ماوی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"میں تو بہت اچھی ہوں' آپ اپنے بارے میں بتایے۔" ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے

ہوئے اس نے حسب عادت کمر پر ہاتھ رکھا اور دلچسپی سے جلال کو دیکھا۔

"تم تھے کہاں جلال! ہم تو سمجھے آؤٹ آف ٹاؤن ہو' تب ہی دو بار ملنے نہیں آئے' پارک میں بھی دکھائی نہیں دیے۔ سب خیریت تو رہی نا۔" یکایک وہ کسی قدر فکر مندی سے پوچھنے لگی۔ جلال حیران ہوا' کتنے رنگ تھے اس لڑکی کے مزاج کے' ابھی شرارت' ابھی فکر مندی۔

"میں کچھ مصروف تھا۔" جلال نے جلدی سے کہا' ماوی زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی' پھر چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے کسی اور طرف چلی گئی۔

جلال اسے جاتے دیکھتا رہا' اس کے دل و دماغ پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا۔ ابھی اسی مخمصے کا شکار تھا کہ مخالف سمت سے ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب [illegible]

"السلام علیکم آنٹی!"

"جلال! تم نے ماوی کو [illegible] بتایا نہیں؟" ثمینہ نے اس کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے بے چینی و فکر مندی سے پوچھا۔

"نہیں' نہیں بتایا۔" جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا تم بتا چکے ہو گے۔"

"ہمت ہی نہیں ہوئی۔" ثمینہ نے ٹریک سے چند قدم کے فاصلے پر نصب بنچ پر بیٹھتے ہوئے لاچاری سے کہا۔ "میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے جلال! اس کے والد کے انتقال کے بعد معمولی سے غم سے بھی بچاتی رہی ہوں۔ اب خود بتاؤ جس خبر سے اس کا دل ٹوٹنے کا خطرہ ہو' وہ اسے سنانے کے لیے ہمت کہاں سے جمع کروں؟" ثمینہ نے ٹوٹے بکھرے سے لہجے میں پوچھا۔

"ایک بات کہوں ثمینہ آنٹی! آپ پلیز برا مت مانیے گا' ہو سکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو' کیونکہ بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد بھی مجھے ماوی کے انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔" جلال نے جھجک آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"کیا کوئی ماں محض غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی بات کہہ سکتی ہے؟" ثمینہ نے جھنجلا کر' لیکن کسی قدر متحمل لہجے میں پوچھا۔ "اور مجھے حیرانی ہے اتنے سمجھ دار ہو کر بھی تمہیں میری بات پر شک ہو رہا ہے۔"

"نہیں آنٹی! شک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' لیکن میں غلطی ضرور فیل کر رہا ہوں' میں نے ماوی کو کبھی یہ احساس نہیں دلایا کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا' وہ میری کس بات سے اتنا متاثر ہو گئی کہ مجھ میں دلچسپی لینے لگی۔ یقین کیجئے مجھے بہت افسوس ہو گا اگر کسی لڑکی کا دل میری وجہ سے ٹوٹ جائے گا۔"

"کیا ضروری ہے کہ ماوی کا دل ٹوٹے؟ تم ایک بار اس کے بارے میں غور تو کرو۔"

"آئی ایم سوری آنٹی! میں اپنے دوست کو دھوکا نہیں دے سکتا۔" اس نے لاچاری بھرے انداز میں معذرت کر لی۔

"ماوی کی تمہارے دوست کے ساتھ کوئی کمٹمنٹ تو نہیں تھی کہ تمہارے کسی عمل کو دھوکہ شمار کیا جائے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' لیکن۔"

ثمینہ تلخی سے ہنس دیں۔

"یہ تو محض تمہارے عذر ہیں' چونکہ تمہیں اس میں دلچسپی نہیں ہے اسی لیے۔"

"ایسی بات نہیں ہے ثمینہ آنٹی!" اس نے بے ساختہ کہا' ثمینہ کی تو جیسے دلی مراد بر آئی تھی' چہرے پر روشنی سی

پھیل گئی۔

"ہم... میرا مطلب ہے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ ثمینہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی' میرا ایک کام کرو گے جلال! یہ ساری بات ماوی کو خود بتا دو۔ میں کبھی اتنی ہمت جمع نہیں کر پاؤں گی۔"

"لیکن میں کیسے آنٹی!" اس نے مزید سٹپٹا کر کہا۔

"آج تم سچ ہمارے ساتھ کرو اور وہیں اسے بتا دینا۔ میں کوشش کروں گی کہ اس کے بعد جلد از جلد ماوی کو واپس آئرلینڈ لے جا سکوں' وہ جتنے زیادہ دن یہاں رہے گی اتنا ہی [illegible] ہو گی۔

پلیز جلال بیٹے! انکار نہ کرو' میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔ سچ تمہارا انتظار کریں گے ہم۔" ثمینہ اسے مشکل میں ڈال کے گھٹنوں پر ہتھیلیوں کا بوجھ ڈالتی اٹھیں اور لان کی طرف چلی گئیں۔

جلال سر پکڑ کر اسی بنچ پر بیٹھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماوی نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا انیبہ لان کے جھولے پر اسی کی دہائی میں بننے والی فلمی ہیروئنوں کی طرح اداس پوز بنائے بیٹھی ہوئے ہوئے جھولا جھول رہی تھی۔

ماوی نے پل بھر کے لیے سوچا شرارت سے آنکھیں چمکائیں' پھر کچھ خیال آنے پر فریج سے اورنج جوس کا پیک نکال کر ٹرے میں رکھا ساتھ میں دو گلاس بھی رکھ لیے اور ٹرے اٹھا کر باہر آ گئی۔

"آزاد کروانے والوں نے پاکستان تو آزاد کروا دیا تم کس گہری سوچ میں ہو؟" کچن سے یہاں تک کا راستہ عبور کر کے انیبہ کے سر پر پہنچتے ہوئے اس نے پوچھا۔ انیبہ کسی گہری سوچ میں تھی' بری طرح چونک گئی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایں... تم کب آئیں؟"

"اب تو کئی سال ہو گئے۔ مجھے اس دنیا میں آئے ہوئے۔ ذرا سائیڈ پر ہو کر مجھے بیٹھنے کی جگہ دو۔" انیبہ کے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنا دی' ماوی نے جھولے پر بیٹھ کر ٹرے گھٹنوں پر رکھی اور پیک کھول کر گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔

"سوچ کیا رہی ہو؟" اس نے ایک گلاس انیبہ کو پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"آج پورا ہفتہ گزر گیا ہے ممی کو اسلام آباد گئے ہوئے' بہت یاد آ رہی ہیں۔" اس نے اداسی بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میری ممی بھی مجھے بہت یاد آ رہی ہیں۔" ماوی نے اس سے بڑھ کر اداسی سے کہا۔

"تمہاری ممی کہاں گئی ہیں؟" انیبہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ [illegible] تو ثمینہ آنٹی یہیں تھیں۔

"شازیہ کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔" ماوی نے سنجیدگی سے کہا' پھر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ "کیا بچوں کی طرح اداس ہو رہی ہو' آ جائیں گی ثروت آنٹی! زیادہ اداس ہو تو فون پر بات کر لو۔"

"ابھی فون پر بات کی ہے۔" انیبہ نے سادگی سے کہا ساتھ ہی گلاس لبوں سے لگا لیا۔ وہ کچھ الجھن کا شکار تھی جو اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا بات ہے انیبہ! آخر کس سوچ میں ہو' ثروت آنٹی کون سا بہت دور ہیں تم سے۔ آ جائیں گی کچھ روز تک۔" ماوی نے اس کی سنجیدگی کا نوٹس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے ماوی! در اصل... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ممی پریشان ہیں' لیکن وہ مجھ سے شیئر نہیں کر رہیں۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو جو تم سے شیئر ہی نہ کی جا سکتی ہو۔" ماوی نے خیال ظاہر کیا انیبہ کچھ نا سمجھی میں سر ہلانے لگی پھر جلدی سے بولی۔

"خیر چھوڑو' تم اپنی بات کرو۔"

"اپنی کیا بات کروں؟ تم اپنی کہو فیضان ماما کے بارے میں کچھ سوچا کہ نہیں۔"

"صبح شام انہیں سوچتی ہوں۔" انیبہ نے مسکرا کر کہا۔

"فائدہ؟" ماوی نے بے زاری سے کہا۔ "[illegible] جب تک ان تک تو تم پھر بھی نہیں پہنچا سکتیں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ ماوی! [illegible] تم کیا کرتیں؟" انیبہ نے پوچھا۔

"فوراً جا کر اظہار کر دیتی۔" ماوی نے ترت کہا۔ "میں محبت میں ایک اصول کی قائل ہوں اور وہ یہ کہ یا تو محبت کرو نہیں اور اگر کرو تو [illegible] نہیں۔"

"تم اور تمہارے اصول۔" انیبہ نے کہا تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

دونوں [illegible] گیٹ کی طرف دیکھنے لگیں' چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا' پھر فیضان کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ انیکسی [illegible] کار پارک کرنے کی بس مختصر سی جگہ تھی۔ ماوی کی کار کے بعد جگہ نہ بچتی تھی' اسی لیے فیضان [illegible] اپنی کار پارک کرتے تھے۔

"میں کتنی بھی اداس کیوں نہ ہوں تمہارے ماموں کی شکل نظر آتے ہی فریش ہو جاتی ہوں۔" انیبہ نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا' ماوی اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی' کیونکہ واقعی انیبہ کے چہرے پر رنگ سے اتر آئے تھے۔

فیضان کار سے باہر نکلے اور لڑکیوں کو دیکھ کر خیر سگالی مسکراہٹ اچھالتے انیکسی کی طرف چل دیے۔

"ہائے... کتنے ہینڈسم لگ رہے ہیں نا تمہارے ماموں؟" انیبہ نے محبت کا جہان آنکھوں میں سمو کر فیضان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ماوی نے غضب ناک ہو کر اسے گھورا اور تڑاخ کر بولی۔

"تمہارے لگانے کی کیا ضرورت ہے' ماشاء اللہ نہیں بول سکتی۔" انیبہ اس کی تلملاہٹ پر ہنس دی۔

"تمہیں بڑا غصہ آ رہا ہے' جیسے وہ میرے تو کچھ ہیں ہی نہیں' ابھی ہمارا تو جو دل چاہے گا ہم وہی بولیں گے۔" اس نے اترا کر کہا تھا۔

"اچھا۔" ماوی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا' پھر جھک کر ٹرے گھاس پر رکھی اور کھڑے ہوتے ہوئے حتمی انداز میں بولی۔

"اٹھو۔"

"ہیں... لیکن کیوں؟" انیبہ چونکی۔

"ارے اٹھو تو سہی۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر انیبہ کو گھسیٹا اور برآمدے کی طرف بڑھی۔

"کیا کر رہی ہو ماوی! ہم جا کہاں رہے ہیں؟" انیبہ نے اس کے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے کہا۔

"ابھی تم نے کہا نا' جو تمہارے دل میں ہو گا وہ ہی بولو گی تو چلو فیضان ماما کو جا کر اپنے دل کا حال بتاؤ۔ فیضی ماما!"

انیبہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' لیکن اس سے قبل کہ کچھ بول پاتی ماوی نے فیضان کو آواز دے دی۔ فیضان ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"ماما! یہ انیبہ آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہ رہی ہے۔" اس نے فیضان کے نہیں انیبہ کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ فیضان تو منتظر نظروں سے انیبہ کو دیکھنے لگے' اس کا یہ حال تھا کہ سانس حلق میں اٹک گئی' پیشانی پر پسینہ

دکھائی دینے لگا۔ ایسا لگتا تھا ابھی گھبراہٹ کے مارے لڑکھڑا کر گر پڑے گی۔

فیضان نے اس کے چہرے سے جانے کیا اخذ کیا تھا۔ متفکر سے ہو کر پوچھنے لگے۔

"خیریت تو ہے انیبہ! کوئی پریشانی ہے؟"

"جج ۔۔۔ جی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ ماوی نے گردن موڑ کر اسے گھورا اور آواز دبا کر دانت کچکچا کر بولی۔

"اچھا موقع ہے بول دو بے وقوف۔" انیبہ نے خفیف سا نفی میں سر ہلایا۔ ماوی نے غصے سے اس کا ہاتھ بری طرح دبا دیا۔ انیبہ کی چیخ حلق میں ہی اٹک گئی۔

"تم دونوں نے آپس میں ہی بات کرنا ہے تو مجھے کیوں روکا ہے؟" فیضان الجھ کر بولے۔

"یہ ماوی بھی نا۔ آپ تھکے ہوئے ہوں گے میں پھر بات کر لوں گی ایسی کوئی ضروری بات تو نہیں تھی۔" انیبہ نے بروقت حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن ماوی کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی' جلدی سے بولی۔

"تو ہو۔ اب ایسی غیر ضروری بات بھی نہیں تھی۔ آپ اس سے پوچھیں ماما! کب سے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھ رہی ہے کہ آپ کب آئیں گے۔"

"ایسی کیا بات ہے انیبہ؟" فیضان نے الجھ کر پوچھا۔

"پلانٹس۔" انیبہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں ۔۔۔ پلانٹس۔ میں نے کچھ نئے پلانٹس منگوائے تھے' وہی آپ کو دکھانا چاہ رہی تھی۔" اس نے کھنکتے لہجے میں کہا کہ بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا۔

ماوی کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔

"ٹھیک ہے میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔" فیضان نے پرسوچ انداز میں باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ کھٹکے تو وہ تھے مگر ظاہر نہیں ہونے دیا اور انیکسی کی طرف چلے گئے۔ پیچھے انیبہ نے زوردار دھپ ماوی کو رسید کی تھی۔

"تم نے تو آج مروا دیا تھا۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے سچ مچ تمہیں قتل کر دوں۔" ماوی جل بھن کر بولی۔

"اتنا اچھا موقع گنوا دیا تم نے۔ مان لو انیبہ! تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا' اسی طرح ڈرتی جھجکتی رہو گی اور فیضان ماما کسی اور سے شادی کر لیں گے۔"

"اللہ نہ کرے۔" انیبہ نے دہل کر کہا۔

"ہاں بس۔ جو کرے اللہ کرے' تم کچھ نہ کرنا۔" ماوی کو موقع ہاتھ سے جانے کا سخت افسوس تھا۔

"سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے۔" انیبہ نے خفگی سے کہا۔

"مجھے بھی پتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے' لیکن تھوڑی محنت انسان کو خود بھی کرنا پڑتی ہے۔ یاد رہے من و سلویٰ صرف اسرائیلیوں کے لیے نازل ہوتا تھا۔"

"بس ۔۔۔ کیا بول رہی ہو' ماوی! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

"تمہاری سمجھ ہی چھوٹی ہے۔" ماوی نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"طعنے دینا بند کرو یہ بتاؤ اب میں کیا کروں۔"

"خودکشی کر لو۔" اس کا انداز ۔۔۔

"زیادہ سے زیادہ بھی دس منٹ میں فیضان واپس آ جائیں گے پھر میں کیا کہوں گی۔" انیبہ سخت پریشان تھی۔

"پہلے جیسے تم نے بہت کچھ کہا ہے۔ احمق ۔۔۔ اتنا اچھا چانس گنوا دیا۔"

"تو کیا مجھ سے پوچھ کر روکا تھا انہیں؟" انیبہ سلگ کر بولی۔

"ہو گئی تھی تو کیا تم روک نہ دیتیں۔" ماوی نے بے ساختہ انداز میں کہا۔ "کاش مجھے پتا ہوتا تم اتنے کچے پن کا مظاہرہ کرو گی تو کبھی نہ روکتی۔"

"اب میں کیا کروں؟"

"مجھے کیا پتا۔ خود ہی سوچو' میں تو جتنی مدد کر سکتی تھی کر دی' اب خود ہی سوچو۔" ماوی نے بے مروتی سے کہا تھا' انیبہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

فیضان ان دونوں کے انداز پر کھٹکے تھے۔ لیکن اپنی اس فیلنگ کو کوئی واضح نام نہیں دے پا رہے تھے اس لیے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا اور ریفریشمنٹ کے بعد جب باہر نکلے تو وہ دونوں سر سے سر جوڑے جھولے پر بیٹھی تھیں۔ فیضان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ان کی طرف بڑھے۔ ماوی دھیمی آواز میں انیبہ سے کہہ رہی تھی۔

"میری بات مان لو انیبہ! ماما! میں تو ہمت کر کے ان سے اپنی فیلنگ شیئر کرنا بعض دفعہ انسان کو بولڈ ہونا پڑتا ہے۔ اگر تمہیں یہ ڈر ہے کہ ماما انکار کر سکتے ہیں تو میں ممی کو اس معاملے میں انوالو کر لیتی وہ خود ہی تمہارے پیرنٹس سے بات کر لیتیں لیکن فی الحال سب سے بڑی وقت ماما کی پسند جاننا ہے' اسی لیے میں اصرار کر رہی ہوں کہ تم خود بات کرو۔"

"اور اگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ کہا میں انہیں پسند نہیں ہوں؟" انیبہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"کم سے کم تمہاری پسندیدگی ان تک پہنچ جائے گی۔ ابھی انکار کر بھی دیا تو مجھے یقین ہے چند روز میں ان کے دل میں تمہارے لیے پسندیدگی پیدا ہو جائے گی۔ ایک چیز سرسری نظریں ڈالنے پر ہمیں کچھ خاص نہیں لگتی لیکن آہستہ آہستہ ہمیں وہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ تم اتنی پیاری ہو' اتنی نائس ہو کہ فیضان ماما تمہیں ناپسند کر ہی نہیں سکتے۔" ماوی نے پروثوق لہجے میں کہا۔

"یہ تو میرے بارے میں تمہاری رائے ہے' کیا پتا تمہارے ماما کیا سوچتے ہوں' اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا تو۔"

"تو سن لینا ڈانٹ۔" ماوی نے اطمینان سے کہا۔ "آخر شادی کے بعد بھی تو ان کی ڈانٹیں سننی ہیں تم نے تو ابھی سے عادت ڈال لو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے ماوی!"

"ارے کچھ نہیں ہو گا یار! اتنے رومینٹک ناولز پڑھتی ہو کوئی بھی دو چار رومانٹک ڈائیلاگز بول دینا۔"

"کیا ہو رہا ہے بھئی ۔۔۔ کس نے بولنے ہیں ڈائیلاگز؟" فیضان ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ انیبہ اچھل کر جھولے سے اتری چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں اور دل اس قدر بے ہنگم انداز سے دھڑک رہا تھا کہ لگا ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔

"میں اندر جاتی ہوں پلیز آپ دونوں بیٹھ کر باتیں کریں۔" ماوی نے کہا۔ لیکن اس سے قبل کہ قدم بڑھاتی انیبہ نے اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

"تم رکو نا ماوی۔" کپکپاتا ہوا التجائیہ لہجہ۔ ماوی نے ہاتھ چھڑوانا چاہا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا مگر مجال ہے جو انیبہ نے گرفت ہلکی پڑنے دی ہو' وہ خود بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں ماوی کی منتیں کر رہی تھی۔

فیضان نے الجھ کر ان دونوں کو دیکھا۔

"ایک منٹ۔" فیضان نے اکتا کر کہا۔ "اب اگر تم دونوں میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ معاملہ کیا ہے تو میں چلا جاؤں گا۔"

"کوئی امپورٹنٹ بات نہیں ہے۔" انیبہ نے جلدی سے کہا۔

"ہے... بہت امپورٹنٹ ہے۔" یہ ماوی تھی۔

"او کے فائن! میں جا رہا ہوں۔" فیضان نے کہا اور ایک بھی پل ضائع کیے بنا پلٹے۔

"آپ پلیز مت جائیں، میں بتانا چاہتی تھی کہ میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں، آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

انیبہ نے بے ساختہ کہا اور ساتھ ہی ماوی کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیے یوں جیسے لفظ خود بخود اس کے لبوں سے ادا ہو گئے ہوں۔

فیضان کے قدم رک گئے۔ ساعتیں ٹھہر گئیں، ان کے ارد گرد اتنا سناٹا چھا گیا جیسے وہ کائنات میں تنہا رہ گئے ہوں۔ پھر وہ آہستگی سے پلٹے پہلی نظر انیبہ کے فق چہرے پر گئی۔ دوسری ماوی پر، جو ساکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی، نظریں ملتے ہی وہ آنکھیں چرانے لگی، اس کے چہرے پر بھی گھبراہٹ دکھائی دی تھی، لیکن انیبہ والا حال نہیں تھا۔

"تم نے جو کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔" انہوں نے اپنی غضب ہوتی آنکھوں کو انیبہ کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔

انیبہ اسی طرح سر جھکائے گھاس کو دیکھتی رہی اس کی بولنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔

"میں نے کہا انیبہ! جو تم نے کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔" ان کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ سے شادی..."

"بس۔" فیضان نے کڑکتے لہجے میں کہا۔ "اور تم اندر آؤ۔" انہوں نے اسی انداز و لہجے میں ماوی سے کہا۔

"ماما! آپ انیبہ کی پوری بات تو سن لیں یہ آپ کو واقعی بہت..."

"تم نے ایک بھی لفظ اور کہا تو میں خود پر سے کنٹرول کھو دوں گا۔ ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر اندر آؤ۔"

فیضان تیز تیز قدم اٹھاتے انیکسی کی طرف چلے گئے۔ اتنے سخت لہجے میں انہوں نے کبھی ماوی سے بات نہیں کی تھی۔ ماوی کے تن میں جیسے خوف کی لہر دوڑ گئی، لیکن اس نے انیبہ کے کندھوں [illegible] حوصلہ دلانے والے انداز میں بولی۔

"تم یہیں رکو میں ابھی آتی ہوں۔"

"ماوی! یہ ٹھیک نہیں ہوا، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"جو ہوا بالکل ٹھیک تھا، بس اب تم مجھے اندر جانے دو اور [illegible] اپنے ویڈنگ ڈریس کا کلر سوچو، میں ابھی آ رہی ہوں۔" فیضان ماما کے مزاج کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے وہ [illegible] کو معمول کے مطابق رکھے ہوئے تھی، ورنہ سچ تو یہ ہی تھا کہ اس کا دل بھی کانپ رہا تھا۔ [illegible] زیر لب جل تو جلال تو کا ورد کرتی انیکسی کی طرف چلی گئی۔

انیبہ پریشانی سے انگلیاں مسلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا کہا ہے تم نے انیبہ سے؟" ماوی کے اندر داخل ہوتے ہی فیضان نے دانت کچکچا کر پوچھا۔ اپنے غیظ و غضب کو کم

کرنے کے لیے وہ مستقل کمرے میں دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں چکر لگا رہے تھے۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی رک کر غضب ناک نظروں سے اسے گھورنے لگے۔

"میں نے تم کو منع کیا تھا کہ جو الٹی سوچ تمہارے دماغ میں ہے اس کا ذکر کسی اور سے نہ سنوں اور تم اتنی عقل مند ہو کہ نصیحت کیا اسے ذکر کرنے کے بجائے سیدھا انیبہ کے دماغ میں بات ڈال دی۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ماما! میں نے انیبہ سے کچھ نہیں کہا۔" ماوی نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی، لیکن فیضان نے بری طرح جھڑک دیا۔

"ہاں۔ تم نے نہیں بتایا، آسمان سے فرشتے اترے ہوں گے اسے بتانے کے لیے کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔"

"نہیں۔ اس کے دل نے بتایا ہوگا کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔" ماوی نے اپنے خائف ہوتے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا۔

فیضان کی آنکھوں میں غصے سے [illegible] کا دھواں سا پھیل گیا۔

"آپ کو کیا [illegible] لیکن کیوں نہیں آ رہا، حالانکہ سچ یہ ہی ہے کہ میں نے انیبہ کی آپ میں دلچسپی بھانپنے کے بعد [illegible] ذکر کیا تھا۔ اور اس میں برائی بھی کیا ہے ماما! انیبہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ خوب صورت ہے، [illegible] ہاں آپ سے عمر میں کافی چھوٹی ہے۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ سے محبت کرتی [illegible]۔ آپ اس کے بارے میں سوچیں گے تو وہ بھی آپ کو اچھی لگنے لگے گی۔ میرا مشورہ مان لیں فیضان ماما! عقل مند لوگ کہتے ہیں خوش قسمتی صرف ایک بار دستک دیتی ہے، اگر خوش قسمتی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے تو ساری زندگی انسان کو پچھتانا پڑتا ہے۔ انیبہ آپ کی خوش بختی ہے ماما! اسے مایوس نہ لوٹائیں، ورنہ ساری زندگی پچھتاوے آپ کو گھیرے رہیں گے۔"

"مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے، میرے لیے کیا صحیح ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا، تم نہیں۔" فیضان نے بھڑک کر کہا۔

"اور آپ اپنے لیے غلط فیصلہ کریں گے میں جانتی ہوں۔" اس نے دوبدو کہا تھا۔

"شٹ اپ ماوی!" فیضان نے تڑخ کر کہا۔ "تمہیں ہمارے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا ہے، ہر الٹی بات پر تمہارا بولنا، ہر معاملے میں دخل دینا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے تم نے ہی انیبہ کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہے کہ وہ اس طرح سے سوچنے لگی۔"

"آپ ماوی کو کچھ نہ کہیں۔" معاً انیبہ کی آواز سنائی دی، وہ دونوں بیک وقت چونک کر اسے دیکھنے لگے، پتا نہیں وہ کس وقت اندر آئی تھی اور اس وقت دروازے کے فریم میں تصویر کی طرح جڑی کھڑی تھی۔

"وہ سچ کہہ رہی ہے، اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، بلکہ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے۔" فیضان نے غصے سے کہا۔

"اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا محبت کرنا جرم ہے۔" پتا نہیں اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی کہ جو دل میں تھا زبان پر آتا چلا گیا۔

"مجھ سے افسانوی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے لاتعلقی سے کہا۔

"محبت افسانوی چیز لگتی ہے؟"

"ہٹو میرے راستے سے۔"

"نہیں بتوں گی پہلے آپ کو میری بات کا جواب دینا ہو گا۔"

"تمہارے پاس تو اپنی اس حماقت کا جواب نہیں ہو گا مجھ سے کیا مانگ رہی ہو۔"

"محبت حماقت نہیں ہوتی۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

فیضان نے اسے بری طرح گھورا اور تیزی سے باہر نکلنا چاہا۔ انیبہ اسی سرعت سے ان کے راستے میں حائل ہوئی۔

"میرے ایک سوال کا جواب دیے بنا آپ یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"انیبہ! مجھے سختی سے پیش آنے پر مجبور مت کرو۔" فیضان نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا سچ مچ آپ کے دل میں میرے لیے کچھ نہیں ہے؟" اس نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"انیبہ!" فیضان نے دانت کچکچائے۔

"کیا میں آپ کو بری لگتی ہوں؟ بدصورت ہوں؟ اپاہج ہوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں کہ آپ میرے لیے کوئی جذبہ محسوس نہیں کرتے۔ کیا سچ مچ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔"

ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ فیضان نے اشتعال انگیز انداز میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا۔ انیبہ ان سے سخت لہجے کی توقع کر رہی تھی، لیکن ایسا ردعمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی جھونک میں تھی۔ اس لیے بے دردی سے دھکیلے جانے پر دروازے کے قریب رکھے ٹیبل سے ٹکرا گئی۔ اس کی پیشانی میز کے کنارے سے ٹکرائی تھی۔ ماوی کے لبوں سے بھی چیخ نکل گئی، وہ تیزی سے انیبہ کی جانب لپکی تھی۔

"یہ تمہارے ہر سوال کا جواب ہے۔" فیضان نے تنفر سے کہا اور پھر اس پر دوسری نگاہ ڈالے بنا باہر نکل گئے۔ انیبہ کی ہتھیلی پر خون اکٹھا ہو گیا تھا اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھے اور تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے ماوی سے شاکی لہجے میں کہا۔

"کس قدر بے درد ہیں تمہارے ماموں۔" اور بھل بھل رونے لگی۔

"اوہ انیبہ! آئی ایم سوری۔ اٹھو پلیز میں تم کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔" ماوی نے بے قراری سے کہا لیکن انیبہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اور روتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔ ماوی نے اسے آواز دی لیکن جانتی تھی اس کے پیچھے جانے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ سو وہیں فرش پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔

✡ ✡ ✡

ماوی کو نا صرف شدید قسم کی شرمندگی نے بلکہ بے چینی نے بھی گھیر رکھا تھا۔ بمشکل تیس منٹ ہی انتظار کر سکی پھر اعیسی کو لاک لگا کر انیبہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ وہ اپنے کمرے میں شیشے کے سامنے کھڑی ماتھے پر بینڈیج لگا رہی تھی۔

شیشے میں ماوی کا عکس دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے پھر وہ اپنا کام کرنے لگی۔ شیشے میں نظریں ملتے ہی ماوی کی شرمساری میں اضافہ ہوا تھا۔

"آؤ ماوی! وہاں دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔" بینڈیج مکمل کر کے اس نے بکس بند کر کے دراز میں رکھا اور پلٹتے ہوئے ماوی سے کہا۔ رونے کی وجہ سے آنکھیں اور ناک بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں جبکہ آواز میں بہت زیادہ رونے کا بوجھل پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"میں معافی مانگنے آئی تھی، تمہیں بہت چوٹ لگی ہے۔" اس نے شرمندگی بھرے لہجے میں کہا۔

"تم کیوں معافی مانگ رہی ہو تمہاری کیا غلطی ہے۔" اس نے پلنگ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے کہا۔ لیکن اتنا سا جملہ بولنے میں اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے تھے۔

"میری ہی تو غلطی ہے نہ میں تمہیں فورس کرتی نہ تمہیں چوٹ لگتی۔" ماوی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ چوٹ میری قسمت میں تھی۔" اس نے... اپنی آنکھوں کو رگڑ دیا۔ "لیکن ماوی! میں نے کہا تھا نا مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیے... سو دیکھو کیسے ری ایکٹ کیا ہے۔ پتا نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے وہ میرے بارے میں۔ انہوں نے تو مجھے بری لڑکی ہی سمجھا ہو گا۔" آنکھیں رگڑنے کے باوجود آنسو اور شدت سے بہنے لگے تھے۔

"ارے ایسی کی تیسی تمہارے ماموں کی۔ ایک خوب صورت لڑکی نے اظہار محبت کیا کر دیا جناب نخرے میں ہی آ گئے۔ جناب... ہیں تو کیا ہوا... تم بھی تو میری دوست ہو... میرا تم سے وعدہ ہے جب تک ان کی شادی تم سے نہیں کروا دیتی۔ خود بھی شہروز سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔

"رہنے دو ماوی! میں نے سوچ لیا ہے میں اب ان سے شادی کا خیال ہی دل میں نہیں لاؤں گی۔" انیبہ نے کہا۔

"اتنی جلدی ہار گئیں۔ کل کو اپنے دل کو کیا منہ دکھاؤں گی؟"

"یہی ہے۔ جو میرے پاس ہے وہی دکھاؤں گی دل کو سمجھانا آسان ہو گا لیکن اپنی عزت نفس کو دوبارہ مجروح نہیں ہونے دوں گی وہ انکار کر دیتے ڈانٹ لیتے لیکن مارتے تو نہیں۔" اس کے لہجے میں شکوہ ہی شکوہ تھا اور ٹوٹے ہوئے مان کی کرچیاں۔

ماوی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا سو خاموشی شرمساری سے سر جھکائے بیٹھی رہی پھر کچھ خیال آنے پر سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"اچھا پلیز تم رونا بند کرو... دیکھنا تمہیں فیضان ماما سے سو گنا بہتر لائف پارٹنر ملے گا... ایکچولی وہ تم جیسی اچھی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتے لیکن ایک بات ہے میں تمہارے ڈائیلاگز سے بہت متاثر ہوئی ہوں فیضان ماما کی جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً "تمہارے قدموں میں آ گرتا۔ تم ایسا کرنا۔ وہ ڈائیلاگز مجھے لکھ دینا بھی شہروز کے سامنے بولوں گی مجھے یقین ہے وہ بہت خوش ہو گا۔" وہ اسے بہلا رہی تھی انیبہ اس کے انداز پر بھیگی آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔

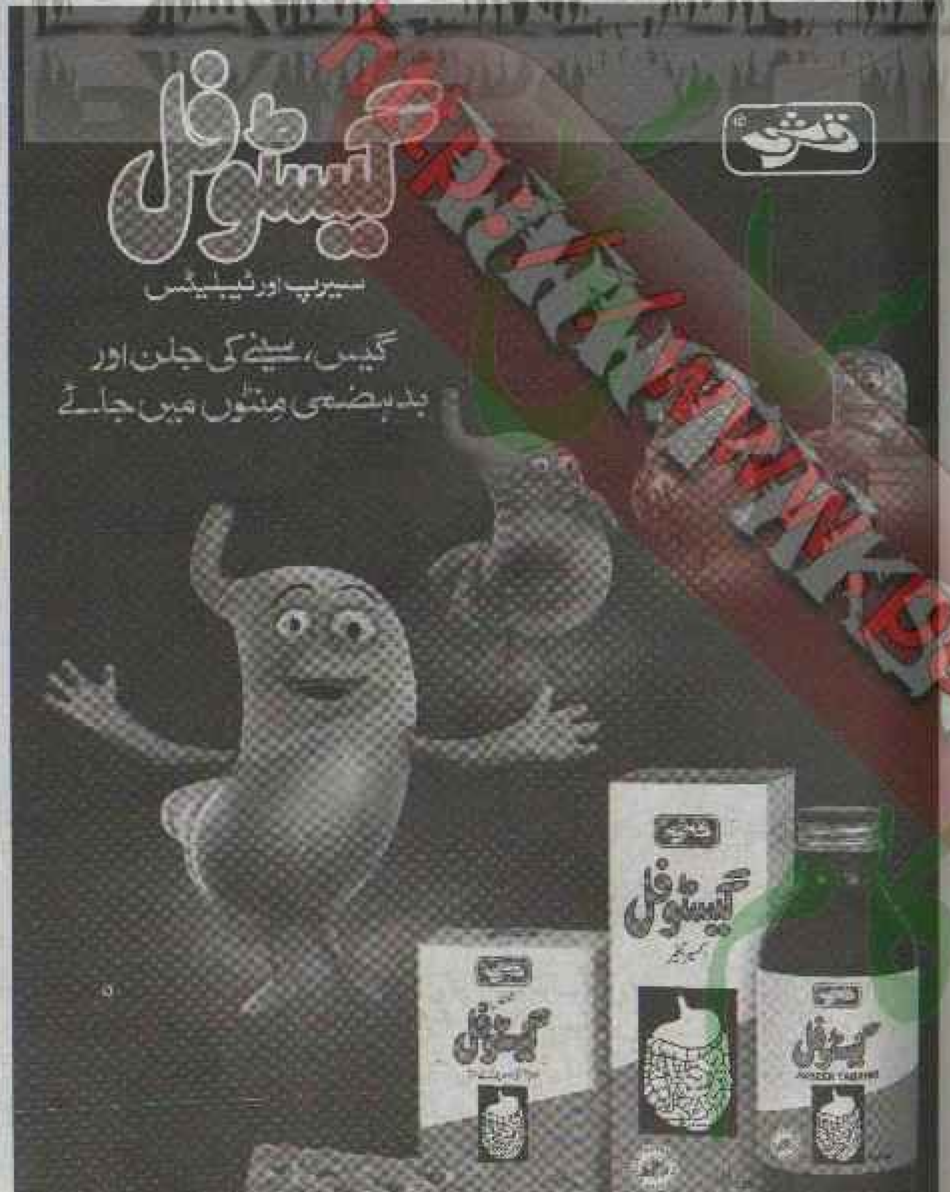
"ہاں شہروز کے سامنے ضرور بولنا... وہ خوش ہو گا ایٹ لیسٹ تمہیں مارے گا نہیں۔"

بظاہر وہ مطمئن ہو گئی تھی لیکن ایسا کہتے ہوئے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ ماوی بھی مسکرا دی تھی لیکن دل میں فیضان سے شدید خفا ہو چکی تھی۔

"یہ آپ نے کیا کر دیا فیضان ماما!"

✡ ✡ ✡

جلال نے پھولوں کے خوب صورت اور چھوٹے سے گلدستے کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا پھر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اپنی شرٹ کے کالر کو تھوڑا سا ڈھیلا کیا ایک گہری سانس خود کو پرسکون کرنے کے لیے کھینچی پیشانی سے نادیدہ پسینہ پونچھا۔ بالوں میں انگلیاں چلا کر ہیئر اسٹائل درست رکھنے کی کوشش کی۔



یعنی کل ملا کر وہ سخت گھبراہٹ کا شکار تھا۔ جتنا خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتا اتنی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا اس پر مستزاد یہ کہ ماوی نے دروازہ کھولتے ہی شرارتی سا جملہ بول دیا۔ جلال کا رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہا۔ صبح سے اب تک وہ خود کو باور کرواتا رہا تھا کہ اسے ماوی کے یہاں نہیں جانا لیکن لنچ ٹائم قریب آتے ہی اس کے پیر خود بخود اس طرف چل دیے۔

عجیب طرح کا بوجھ تھا جو ایک معصوم لڑکی کا دل توڑ دینے کے خیال سے اس کے ضمیر پر دھرا ہوا تھا۔ اس نے سوچا وہ مناسب لفظوں میں ایک بار ماوی کو سمجھا دے گا کہ اس کی زندگی میں ماوی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے ثمینہ آنٹی کی کل مشکل بھی حل ہو جائے گی اور اس کے ضمیر پر دھرا بوجھ بھی ہٹ جائے گا لیکن یہ سب اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنا سوچنے میں محسوس ہوتا ہے کیونکہ دل کی بھی تو ایک آواز ہوتی ہے۔ اس کے بھی کچھ مطالبات ہوتے ہیں' کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔

جلال کے کانوں میں محض ضمیر کی آواز گونج رہی تھی اس نے دل کو بھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کی آوازوں پر کان دھرے یا شاید اس کے دل نے بھی زبان کھولی ہی نہیں غالباً "وہ کسی خاص وقت کے انتظار میں تھا۔

لنچ پہ ماوی کے ماموں فیضان صاحب بھی موجود تھے ثمینہ آنٹی کی طرح وہ بھی بہت اچھے مزاج کے مالک تھے جب تک موجود رہے جلال کو کمپنی دیتے رہے۔

جلال کے دماغ میں سوچوں کا ادھم مچا تھا اس نے کچھ باتوں میں دلچسپی لی کچھ میں نہیں۔ دل ہی دل میں ان جملوں کو دہراتا رہا جو ماوی کا دل توڑنے کے لیے جلال کو اس کے سامنے بولنا تھے۔ لیکن ہر بار ماوی کے خوشی و انبساط سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اس کا ارادہ ڈگمگا جاتا۔ ماوی نے اسے ایک ایک ڈش خود سرو کی کھودا ہے اصرار کر کے ہر چیز کھلا رہی تھی لیکن جلال اس قدر ذہنی کشمکش کا شکار تھا کہ برائے نام کھا سکا۔

کھانا کھا کر فیضان کسی کام کے سلسلے میں چلے گئے۔ ثمینہ آنٹی کچن میں مصروف تھیں۔ چائے پیتے ہوئے ماوی اور جلال کو تنہا بیٹھنے کا موقع ملا جلال اس دوران بھی اسے کچھ نہیں بتا پایا الٹا سارا ہی وقت ماوی ہی اس [illegible] پسند' دلچسپیوں وغیرہ کے بارے میں بات کرتی رہی۔ اس دوران جلال یہ بھی سمجھ گیا خواہ کتنے ہی ارادے [illegible] لے ماوی کے سامنے سعدی والے معاملے پر ایک لفظ نہیں بول سکے گا۔ اپنی بے بسی کا احساس ہوتے ہی وہ اداس ہو گیا اور واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماوی اچھے میزبان کی طرح اسے باہر تک چھوڑنے آنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ آنٹی نے منع کر دیا اور خود باہر تک آئیں۔

"تم نے ماوی کو بتایا؟" ثمینہ آنٹی نے باہر آ کر اپنے پیچھے دروازہ مضبوطی سے بند کرتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔

"آنٹی! میری اتنی ہمت ہی نہیں ہوئی۔" جلال نے بے بسی سے کہا تو ثمینہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"تم نے تو مجھے بہت مشکل میں پھنسا دیا ہے جلال!"

"میں تو خود مشکل میں ہوں آنٹی! سمجھ ہی نہیں پا رہا ماوی کو سمجھاؤں یا سعدی کو؟" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"میں نے فیضان سے کہہ دیا ہے ہمارے واپسی کے ٹکٹ کنفرم کروا دے۔" چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ثمینہ آنٹی نے بتایا۔ "دل میں اس سے [illegible] جا کر ماوی کو سمجھانا میرے لیے آسان ہو۔ ممکن ہو تو میری بچی کے سکون کے لیے دعا کرنا۔"

ان کا ٹوٹا بکھرا لہجہ جلال کے دل [illegible] طرح گڑ گیا اور وہ سر جھکا کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

"اور تم نے عروش کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ تم پاگل ہو تنوی!" تنوی سے وائس پرنسپل کے آفس میں ہوئی گفتگو کی پوری داستان سننے کے بعد چند منٹ عبیرہ ہکا بکا ہو کر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے صدمے بھرے انداز میں کہا۔

"اسے پاگل پن نہیں، عقل مندی کہتے ہیں۔" تنوی نے تحمل سے جواب دیا۔

"میں نے بالکل صحیح کیا۔ مجھے کیا ضرورت ہے عروش جیسی خطرناک لڑکی کے معاملے میں ٹانگ پھنسانے کی جو نمرو کو کچھ بتانے پر ہمیں دھمکا سکتی ہے بیچ سڑک پر اشارے کر کے مجھے خوفزدہ کر سکتی ہے وہ گواہی دینے پر میرا کیا حشر کرے گی؟ نہ بھئی نہ میں باز آئی ایسے معاملات سے۔ تمہیں بھی مخلصانہ مشورہ ہے اگر ٹیچرز تم سے عروش کے متعلق کچھ پوچھیں تو انکار کر دینا جیسے میں نے کر دیا کہ میں عروش کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں ہوں۔"

"میرا دماغ خراب ہے جو میں ایسا جھوٹ بولوں۔" عبیرہ نے ترخ کر کہا۔ "میرے نزدیک سب سے اہم چیز میرے کالج کی عزت ہے اور میں نہیں چاہتی کہ عروش جیسے لوگ اس عزت کو داغدار کریں اس لیے میں اس کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ غضب خدا کا معصوم لڑکیوں کو بہکا کر اپنے جیسے کام کروا رہی ہے انہیں بدکاری کی طرف لے جا رہی ہے اور میں چپ چاپ بیٹھی تماشا دیکھتی رہوں۔ نہیں ہرگز نہیں برائی دیکھ کر خاموش رہنے والی بھی اتنا ہی غلط ہوتا ہے جتنا کہ برا کام کرنے والا۔" عبیرہ نے انتقامی انداز میں کہا تھا۔

"عبیرہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔" تنوی نے فکر مندی سے کہا۔

"ارے ایسی کی تیسی۔ ہاتھ پیر توڑ کر درخت سے الٹا لٹکا دوں گی اسے اگر اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔"

"تم کتنی بہادر ہو عبیرہ! کاش میں بھی ہوتی۔" اس نے سر جھکا کر حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"ارے جانے دو۔ یہ تو بالکل ایسی ہی خواہش ہے جیسے گدھا سوچنے لگے کاش! اس کے سر پر سینگ ہوتے یعنی ناممکن۔"

تنوی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اسے کھینچ ماری۔

"میں تمہارے طنز سمجھ رہی ہوں۔"

"بزدلی کے باوجود ایک اچھی بات ہے تم میں طنز اور مذاق میں فرق سمجھ لیتی ہو۔" عبیرہ نے ایک ادا سے کہا تھا۔

"ہم بزدل ہی ٹھیک ہیں۔" تنوی نے گردن اکڑا کر کہا۔

"مرحبا اس بزدلی کے ساتھ لیکن یہ جو تمہے پر بزدلی کا سائن بورڈ لگا رکھا ہے اس کی شان۔" عبیرہ نے جل کر کہا تھا۔

"تمہارا جو بھی فیصلہ ہو میں نے سوچ لیا ہے میں عروش کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ چند سال پہلے اس وقت ہم اسکول میں تھے فیصل آبادکی "شہرینہ اور شمائل راج" نامی دو لڑکیوں کا عجیب و غریب کیس تو تمہیں یاد ہی ہو گا میڈیا نے بڑی کوریج دی تھی اس کیس کو۔ میں نہیں چاہتی کل کو نمرو اور عروش۔ شمائل راج اور شہرینہ جیسا کیس بنیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ عروش کو کالج سے ہٹایا جائے۔"

"نمرو کی تو مجھے بھی بہت فکر ہے لیکن گواہی میں نہیں دے سکتی۔" تنوی نے لاچاری سے کہا تھا۔

"لیکن کیوں؟ ذرا اس بات کی بھی تو وضاحت کرو!"

"تمہیں میرے فیملی سیٹ اپ کا..."

"اس لیے کیونکہ تم نے کبھی مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اپنے فیملی ایشوز مجھ سے ڈسکس کرو۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری۔"

"تم پلیز بدگمان نہ ہو عبیرہ! ایسی کوئی خاص باتیں نہیں ہیں جو تم سے شیئر کروں۔"

"ایک بات بتاؤ کیا تمہارے گھر میں بہت سختیاں ہیں بہت پابندیاں لگائی جاتی ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" تنوی نے فی الفور کہا۔ "حویلی کا سیٹ اپ بہت ماڈرن ہے۔ چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں کسی پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہاں نانو جان نے کچھ اصول بنا رکھے ہیں اور حویلی کا ہر فرد ان اصولوں کی پابندی کرتا ہے۔ میری نانو جان بہت نائس ہیں مجھے انہوں نے پالا ہے وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اسی لیے عبیرہ! میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی جس سے نانو کو تکلیف پہنچے وہ مجھ سے خفا ہوں۔"

"جب محبت کرتی ہیں تو خفا کیوں ہوں گی اور ویسے بھی تم عروش کے خلاف جھوٹی گواہی دو گی۔"

"یہ تو تم اور میں کہہ رہے ہیں... ایسا نہیں ہے۔ آج ٹیچرز کہہ رہی ہیں پولیس کے سامنے گواہی دو کل کو کورٹ میں لے جانے کی بات ہو گی۔ میری نانو جان کو یہ بات ہرگز اچھی نہیں لگے گی۔ کہ میں تھانے کچہریوں کے چکر لگاؤں... تم سمجھ رہی ہو۔"

"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے تنوی! تمہیں دیکھ کر مجھے اس کبوتر کا خیال آ رہا ہے جو خطرہ بھانپ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ وہ اپنی بزدلی کی طاقت کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ نکل آؤ اپنی اس بزدلی سے۔ مجھے ڈر ہے عروش کوئی نقصان پہنچائے نہ پہنچائے تمہاری بزدلی تمہیں ضرور نقصان پہنچائے گی۔ محبتوں کا احترام کرنا اچھی بات ہے لیکن محبتوں کو کمزوری بنا لینا بہت بری بات ہے۔"

عبیرہ نے اپنا فولڈر بازو میں دبوچا بیگ کندھے پر ڈالا اور سخت لہجے میں اس کا مزاج درست کرتی کلاس روم کی طرف چل دی۔ تنوی چند لمحے منہ بسور کر بیٹھی رہی پھر دلی سے اپنی چیزیں سمیٹیں اور عبیرہ کے پیچھے چل دی لیکن اس کے چہرے پر گہری سوچ کی واضح پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

اس روز فیضان کی واپسی رات گئے ہوئی۔ ان کا خیال تھا اس وقت تک ساوی اور ثمینہ سو چکی ہوں گی یہ نہیں کہ انہیں کسی بات کی شرمندگی تھی بس یہ تھا کہ وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہے تھے لیکن ساوی جاگ رہی تھی نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ لاؤنج میں ٹہل ٹہل کر ان کا انتظار بھی کر رہی تھی انہیں اندر آتا دیکھ کر اس نے ایک پل کا بھی صبر نہیں کیا اور ان پر چڑھ دوڑی۔

"سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو۔ کس قدر فضول حرکت کی ہے آج آپ نے۔ بتاؤ ایک لڑکی نے ذرا سا پسندیدگی کا اظہار کیا کر دیا خود کو کوئی ہیرو چیز سمجھنے لگے۔" وہ بے حد غصے میں تھی اور ہر لحاظ بھلائے بیٹھی تھی۔

فیضان نے اسے سرد مہری سے گھورا۔

"نیچی آواز میں بات کرو۔ دن بہ دن تمہیں بات کرنے کی تمیز بھولتی جا رہی ہے۔" ان کی آواز میں آنکھوں سے زیادہ سرد مہری تھی۔ ساوی ذرا جو خائف ہوئی ہو۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا جنہیں تمیز و اخلاقیات کے سارے اصول ازبر ہیں۔" اس نے تنک کر کہا تھا۔ "کیا ضرورت تھی انیبہ کو ٹارچر کرنے کی؟"

"تمہیں شاید ٹارچر کا مطلب نہیں معلوم۔" فیضان کے غصے میں اضافہ ہوا۔ "جا کر ڈکشنری میں پہلے لفظی مطلب تلاش کرو پھر مجھ سے بات کرنا۔ وہ لڑکی اس سے زیادہ کی مستحق تھی۔"

انہوں نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"وہ کس چیز کی مستحق تھی کس چیز کی نہیں۔ یہ طے کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں فیضان ماما! اتنی بھی کیا

خود پسندی کہ اسے چوٹ پہنچا دی۔ انکار ہی کرنا تھا تو آرام سے کر دیتے اتنی بری طرح ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ وہیں لاؤنج کے وسط میں کھڑی تیز لہجے اور اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

چند لمحے بعد فیضان کچن سے واپس آئے ان کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔

"میں نے انکار ہی کیا تھا۔" انہوں نے بوتل سے ایک بڑا سا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اس طرح انکار کیا جاتا ہے؟ آپ نے اس کی توہین کی ہے۔" اس نے مزید تلملا کر کہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ فیضان مزید کچھ کہتے ثمینہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر بوکھلائی ہوئی سی باہر نکلیں۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ اتنی زور سے کیوں بول رہی ہو؟" وہ نیند سے بیدار ہوئی تھیں شور کی آواز نے نیند میں خلل ڈال دیا تھا اس لیے بوکھلائی ہوئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا ثمینہ آپا! سوائے اس کے کہ آپ کی لاڈلی کو آدھی رات کو دورہ پڑا ہے آپ پلیز جا کر سو جائیں۔" فیضان نے دل جلانے والے انداز میں ماوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جو ممی کے سامنے خاموش رہنے کا سوچ رہی تھی۔ اس بات پر بری طرح پیچ و تاب کھانے لگی اور تلملا کر ثمینہ کی طرف پلٹی۔

"نہیں ممی! آپ مت سوئیں میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔ پلیز آپ بیٹھیں۔" اس نے بڑے اہتمام سے کہا جیسے ثمینہ واقعی آدھی رات کو کوئی قصہ سننے آئی ہوں۔

اب تلملانے کی باری فیضان کی تھی۔

"ماوی! خبردار ثمینہ آپا کے سامنے کچھ بھی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی لیکن وہ ماوی ہی کیا جو کسی کی دھمکی سے مرعوب ہو جائے یہاں تو پھر بھی معاملہ اس کی عزیز از جان سہیلی کا تھا جسے واقعی وہ اپنی ممانی جان مان چکی تھی اور جناب ماموں صاحب نے اس کے ساتھ بے حد برا سلوک کیا تھا۔

اس نے گھور کر فیضان کو دیکھا اور حتمی انداز میں ثمینہ کی طرف پلٹتے ہوئے تان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

"آپ کو پتا ہے آپ کے بھائی صاحب نے کیا کیا ہے۔" آج میں اور انیبہ انہیں شادی کے لیے [illegible] کی کوشش کر رہے تھے ان محترم نے انیبہ کو غصے میں آکر اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ ٹیبل سے [illegible] زخم لگ گیا اس کے ماتھے پر اب اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے مجھ ہی پر بھڑک رہے ہیں [illegible] بے حد اشتعال والا تھا لیکن یہ بھی شکر تھا کہ وہ اصل معاملہ گول کر گئی تھی۔

"یا اللہ فیضان تم نے تو حد کر دی۔" ثمینہ حق دق رہ گئی تھیں۔

"بی بی! میں نے جان بوجھ کر اسے چوٹ نہیں پہنچائی۔ وہ دروازے میں کھڑی [illegible] سامنے سے ہٹانا چاہا تو وہ لڑکھڑا کر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔" فیضان نے فوراً صفائی پیش کی [illegible] احساس شرمندگی تو ان کے دل میں بھی ابھر رہا تھا۔

"صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ انیبہ جان بوجھ کر ٹیبل سے [illegible]" ماوی نے دل جلانے والے انداز میں کہا۔ دلچسپ بات یہ کہ فیضان جل بھی گئے۔

"تم تو اس معاملے میں بولو ہی نہیں۔" [illegible]

"تمہیں تھوڑا خیال کرنا چاہیے [illegible] کر دیا تھا بچی نے۔ اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں انیبہ کو دیکھ ہی آتی۔ اس کی ماں [illegible] اللہ معلوم کس حال میں ہو گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ خوامخواہ فکر مند ہو رہی [illegible] بھی کوئی گہری چوٹ نہیں لگی۔" فیضان نے بے زاری سے کہا اور گھور کر ماوی کو دیکھا جو ہنوز [illegible] تاب کھا رہی تھی۔

"لڑکیوں کو تو یوں بھی معمولی معمولی خراشوں پر بری طرح رونا آتا ہے [illegible] بھی ذرا سی چوٹ لگ گئی ہو گی اور آپ کی اس لاڈلی بھی نے چار سے ضرب دے کر سارا قصہ آپ کو سنا دیا۔

"بچپن سے لے کر اب تک میرے کریکٹر کی پوسٹ مارٹم [illegible] کے ہوئے ہیں۔ یہ ٹیلنٹ بھی میں نے آپ سے ہی لیا ہو گا۔" ماوی نے بھرپور وار کیا۔

"تم نے پھر میری بات میں دخل دیا۔" فیضان نے دانت پیسے۔

"آپ غلط بیانی کرنا بند کریں اور اپنی غلطی مان کر انیبہ سے ایکسکیوز کر لیں۔ میں دوبارہ آپ کی بات میں دخل نہیں دوں گی۔" اس نے مفاہمت کی راہ نکالی۔

"یہ تو قیامت تک نہیں ہو سکتا۔" فیضان نے فوراً کہا۔ "جب میں نے کوئی غلطی ہی نہیں کی تو معافی کس بات کی مانگوں؟"

"یعنی آپ کے نزدیک [illegible] کوئی بڑی بات نہیں ہے؟"

"خدارا۔ تم دونوں [illegible] بند کرو اور فیضان! ایسا کیا کہہ دیا تھا انیبہ نے کہ تم نے اتنی بری طرح ری ایکٹ کیا؟" ثمینہ نے [illegible]

"[illegible] مسئلے میں دخل دے رہی تھی۔ کیا یہ چھوٹی بات ہے۔" انہوں نے پوچھا۔ اس جملے کے لفظی معنی [illegible] اور معنوی معنی ماوی کے لیے تھے۔

"واہ واہ۔" ماوی کے تاؤ میں اضافہ ہوا۔ "آپ بنا اجازت اس کے لان میں گھسیں۔ پودوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔ اپنی مرضی کے اضافے کریں تو یہ پرسنلز میں دخل دینا نہیں ہے۔ لیکن وہ کچھ کہہ دے تو آپ کی ذاتیات میں دخل اندازی ہو گئی۔۔۔ سبحان اللہ۔"

"بیا! جب یہ نہیں ہو گی۔ میں تب آپ سے بات کروں گا۔ تم سے تو مجھے اب بات ہی نہیں کرنی۔" انہوں نے بوتل تپائی پر پٹخی اور اپنے کمرے میں گھس گئے۔

"مجھے بھی آپ سے بات نہیں کرنی۔ کم سے کم تب تک تو بالکل بھی نہیں جب تک آپ اپنے کان پکڑ کر انیبہ سے معافی نہیں مانگ لیتے۔" وہ دبدبو بند دروازے پر چلائی لیکن جب ایسا کر کے بھی سکون نہیں ملا تو خود ہی بڑبڑانے لگی۔

"بتاؤ ذرا سی اچھی شکل و صورت کیا دے دی اللہ میاں نے ان کا تو غرور ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔ مجھے نہیں پتا تھا ممی! آپ کے بھائی اتنے خود پسند ہیں۔"

"ماوی! تھوڑا لحاظ کرو۔ عمر اور رشتے دونوں میں بڑا ہے تم سے۔" ثمینہ نے جھڑکا تو وہ ایک منٹ کے لیے خاموش ہو کر اپنے رویے پر غور کرنے لگی پھر بولی۔

"آپ نے انیبہ کا خون بہتے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتیں تو اس سے زیادہ برے طریقے سے پیش آتیں ماما کے ساتھ۔ ان کو تو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ خون بہتا دیکھ کر اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جائیں۔" اس نے تنفر سے کہا تھا۔

"فیضان اتنی سخت طبیعت کا مالک نہیں ہے بس شادی کا ذکر آتے ہی اس کا دماغ گھوم جاتا ہے۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد ثمینہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

"مجھے پتا ہوتا اس لڑکی کا فیضان کی زندگی میں نہ آنا میرے بھائی کی پوری زندگی برباد کر دے گا۔ یہ اس طرح سے زندگی کی خوشیاں خود پر حرام کرے گا تو کچھ بھی کر کے اسی اس کی زندگی میں ضرور لے آتی مگر بھائی کی زندگی برباد نہ ہونے دیتی۔" ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ ماوی بری طرح چونک گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟..... فیضان ماما کی زندگی میں بھی کوئی لڑکی آئی تھی کب کی بات ہے یہ؟ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔" اس کے لیے یہ انکشاف تھا۔

"بہت پرانی بات ہے اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں چھوٹا تو فیضان بھی تھا لیکن مصیبت آنے کے لیے عمر نہیں دیکھتی۔" ثمینہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

"میرے خدا۔ کس قدر حیران کن بات بتائی ہے آپ نے۔ یقیناً" شہروز کو اس بات کا علم ہوگا۔ اچھا ممی! وہ تھی کون؟ خوب صورت تو ضرور ہوں گی۔ فیضان ماما کی پسند اوردوزی (عام) نہیں ہو سکتی۔" اس کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"ایسی ویسی خوب صورت..... خوب صورتی تو اس لڑکی پر ختم تھی۔ یہ لمبے بال، بڑی بڑی آنکھیں، رنگت ایسی جیسے چاندنی کھلی ہو، سرو قد، نازک اندام۔ سچ ماوی! اسے دیکھ کر قدرت کی صناعی پر رشک آنے لگتا تھا اتنی مکمل اتنی بہترین کہ کوئی بھی اس کے عشق میں مبتلا ہو جائے۔ فیضان تو پھر نوعمر نا سمجھ لڑکا تھا۔" ثمینہ جیسے چشم تصور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اتنی خوب صورت تھیں تو فیضان ماما کی شادی کیوں نہیں کروادی ان سے؟" ماوی کے لبوں پر فوراً سوال آیا۔

"عمر میں بڑی تھی فیضان سے۔" ثمینہ نے گہری سانس بھر کر جواب دیا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔ ایج ڈفرنس تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔"

"ایک دو سال کی بات ہوتی تو چلو نظر انداز بھی کرتے وہ اچھی خاصی بڑی تھی اس سے پھر حیثیت میں بھی برتر تھی۔ فیضان نے کاروبار شروع نہیں کیا تھا تب تک۔"

"کاش! وہ فیضان ماما کو مل گئی ہوتیں تو یہ آج اتنے کھڑوس نہ ہوتے۔" ماوی نے مایوسی سے کہا پھر اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ویسے ممی! وہ تھیں کون؟ ملے کہاں تھے فیضان ماما ان سے؟"

"تمہارے دادا کی حویلی میں ملے تھے۔ تمہاری پھوپھی تھیں وہ۔"

ثمینہ نے تحمل سے کہا لیکن اس انکشاف پر ماوی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"میری کوئی پھپھی بھی تھیں؟..... آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔"

"سگی پھوپھی نہیں تھیں وہ..... سوتیلی تھیں۔" ایک اور انکشاف [illegible] آنکھیں بھی کھلی رہ گئیں۔

"میری کوئی پھوپھی تھیں وہ بھی سوتیلی یعنی دادا جان نے دو شادیاں کی تھیں آپ نے مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟"

"پہلے کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ میں بتاتی۔" ثمینہ نے کہا۔

"پھر بھی۔ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں اپنے ددھیال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔" اس نے پہلی بار گلہ کیا۔

"میں نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ [illegible] کس بات کا شکوہ کرو گی۔" ثمینہ نے اٹھ کر کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

ماوی یکدم اٹھ کر ان کے سامنے آگئی۔

"مثلاً کیا..... آپ مجھے بتا دیں میں جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے بے قراری سے کہا تھا۔

"ماوی! ایکھو یا تم ساری زندگی پہلے ہی چلیں تو اچھا ہوتا ہے۔" ثمینہ نے محبت سے کہا۔

"مجھے تجسس میں ڈال کر آپ نہیں جا سکتیں۔ مجھے بتائیں۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں سب بتاؤں گی لیکن آج نہیں۔ میں ایک بار کھائی ہوئی ہے نیند سے بے حال ہوں اس لیے آج رہنے دو لیکن میرا وعدہ ہے کسی روز میں تمہیں ساری تفصیل بتاؤں گی تمہارے ددھیال کے بارے میں۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر سائیڈ سے نکلیں پھر مڑ کر بولیں "کپڑے چینج کر لیں۔"

"اس بارے میں فیضان سے ذکر مت کرنا۔ اسے اچھا نہیں لگے گا۔"

ماوی چند لمحے کھڑی الجھن آمیز نظروں سے ممی کے بند دروازے اور فیضان ماما کے دروازے کو دیکھتی رہی۔

"آج کی رات تو انکشافات کی رات ہے۔ فیضان ماما کی زندگی میں بھی کوئی لڑکی آئی تھی انکشاف نمبر ایک۔ ..... انکشاف نمبر دو..... وہ لڑکی میری پھوپھی تھیں۔ اور تیسرا یہ بھی کہ وہ سگی نہیں سوتیلی تھیں یہ ہوا انکشاف نمبر تین..... یا اللہ! یہ کس قدر ناقابل یقین باتیں ہیں۔" وہ صوفے پر گر کر سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ نے ٹوکرا اٹھا کر وہیں تھلے کے نیچے رکھا پھر پوری قوت سے نلکا چلا کر گھڑے کو خوب رگڑ رگڑ کر دھویا اور گھڑا پانی سے بھرنے کے بعد جب اسے اٹھانے کے لیے جھکی تو اسے احساس ہوا گھڑا بے حد وزنی تھا۔ اس کا دل چاہا کسی ملازمہ کو آواز دے کر گھڑا گھڑونچی پر رکھنے کے لیے کہے لیکن ساتھ ہی اسے دین محمد کی تاکید یاد آگئی اور یاد کے ساتھ جنت کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی دکھائی دیا۔ اسے سخت ناگواری کا احساس ہوا لیکن ناچار وہ جھکی اور احتیاط سے گھڑے کو اپنی کمر پر لاد کر سیج کر اپنا لنگ زدہ پیر گھسیٹتی صحن عبور کر کے گھڑونچی کے قریب جانے لگی کیونکہ اس کی حالت ہرگز ایسی نہیں تھی کہ وہ یہ مشقت طلب کام کرپاتی مگر دین محمد کی تاکید تھی سوائے کرنا ہی تھا۔

اس کی دین محمد سے شادی کو ابھی پورا سال نہیں گزرا تھا لیکن وہ امید سے تھی اور اس کے پہلے حمل کا چھٹا مہینہ چل رہا تھا۔ دین محمد اس کی امیدوں سے بڑھ کر محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے ماں بننے کی خبر سن کر دین محمد نے بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس نے بشریٰ کو بتایا تھا کہ زہرہ کے ساتھ رہتے ہوئے وہ مزید اولاد کی خواہش کو دل سے نکال چکا تھا لیکن اب وہ جنت کے بہن بھائیوں کو اپنی گود میں کھلانا چاہتا ہے۔ بشریٰ اس کی باتیں سن کر مسرور ہوئی تھی لیکن جنت کا نام سن کر اسے تھوڑی سی ناگواری ہوئی۔ پتا نہیں دین محمد کی ہر بات جنت سے شروع ہو کر اسی پر کیوں ختم ہو جاتی تھی۔

جب تک اماں یعنی دین محمد کی ماں زندہ رہی اسے ہر معاملے کی اونچ نیچ سمجھاتی رہی وہ اسے جنت کے عتاب سے بھی بچاتی اس وقت تک بشریٰ کو دین محمد کی ماں کے جنت سے متعلق خدشات محض خدشات ہی لگتے وہ اماں کی باتوں کے برعکس بے ضرر تھی وہ بشریٰ سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی لیکن کبھی براہ راست اس نے بشریٰ کو تنگ بھی نہیں کیا۔ بشریٰ کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنی محبت، وفاشعاری اور خدمت گزاری سے دین محمد کو اپنے قابو میں کرلے گی حالانکہ اپنے تئیں وہ اسے کافی قابو کر چکی تھی اور پھر جنت کا عمل دخل اس حویلی میں ختم کروا دے گی اور پھر اس حویلی پر اس کی اپنی اولاد کا راج ہوتا لیکن اس کے خواب پورے ہونے سے قبل ہی دین محمد کی ماں ابدی نیند سو گئی۔

بشریٰ کو اس کے جانے کا دکھ تھا کہ وہ مہربان عورت تھی لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ناگہانی موت کو اس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور بڑھیا کی اچانک موت کو اس کی نحوست قرار دیا جائے گا اگر یہ بات کسی اور کے لبوں سے ادا ہوتی تو یقیناً بشریٰ اس کا منہ نوچ لیتی لیکن یہ کہنے والی کوئی اور نہیں جنت تھی جس نے عین میت کے پاس بیٹھ کر صدمے سے چور آواز میں یہ بات باپ اور برادری والوں کے کانوں میں ڈال دی تھی۔

دین محمد نے اس سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا لیکن اس کے بعد دین محمد چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے جھڑکنے لگا۔ ہر دوسرے تیسرے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی اس سے سرزد ہو جاتی جس پر دین محمد سے اسے جھڑکیاں [illegible] غریب گھرانے سے آئی تھی لیکن اپنے سے اونچے گھرانے کی عیش و آسائش میں آتے ہی اس [illegible] خواب بن لیے تھے دین محمد سے ہر بات پر جھڑکیاں پڑنے پر اس کے خوابوں کے شیشے [illegible] اور اسے جنت پر غصہ آنے لگتا کیونکہ دین محمد سے ڈانٹ ہمیشہ اسے جنت کی لگائی بجھائی [illegible] اس کا دل چاہتا جنت کا منہ نوچ ڈالے لیکن چونکہ ایسا نہیں کر سکتی تھی اس لیے خود بھی دین محمد [illegible] کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی نتیجتاً "منہ کی کھائی" کہ دین محمد جنت کے خلاف کچھ نہ [illegible] کی بری طرح تملائی۔ حمل ٹھہرتے ہی اس نے بیٹے کے لیے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں [illegible] اگر اس کی گود میں بیٹا آجائے تو جنت کی حیثیت گھٹ سکتا ہے۔

وہ اس وقت بھی گھڑا اپنی کمر پر رکھے یہی سوچ رہی تھی کہ اچانک اس کی ہمت جواب دے گئی اور گھڑا زمین پر گر کر ٹکڑوں میں بدل گیا پانی سے بشریٰ کے کپڑے بھیگ [illegible] کپڑوں سے زیادہ فکر اسے دو باتوں کی تھی ایک تو وزن اٹھانے سے اس کی کمر میں شدید درد [illegible] دوسرے جنت کا من پسند گھڑا ٹوٹنے سے گھر میں فساد ہونا تھا۔ یہ گھڑا عام گھڑوں سے نسبتاً [illegible] صورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور جنت نے فرمائش کر کے کسی دور دراز کے گاؤں سے [illegible] کے گھستے پر دین محمد نے بشریٰ کو تاکید کی تھی کہ گھڑا خود بھر کر رکھا کرے تاکہ ملازمائیں اسے نقصان نہ پہنچائیں۔

گھر لوٹ چکا تھا جنت اور دین محمد اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے یہ سوچنے کے لیے بشریٰ کے پاس وقت نہیں تھا کیونکہ اس کی کمر میں درد بڑھتا جا رہا تھا اور اپنے کمرے میں آئی اور [illegible] سیدھے لیٹنے سے کمر کی ہڈی میں ٹیسیں سی اٹھیں لیکن چند منٹ کے بعد اسے سکون آگیا [illegible] وہ سو گئی جب دوبارہ آنکھ کھلی تو صحن میں رات اتر آئی تھی اور غیر معمولی خاموشی محسوس ہوتی [illegible] آئی۔

دین محمد سہارا دے کر جنت کو اس کے کمرے میں لے [illegible] بشریٰ نے دیکھا جنت کی پنڈلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی بشریٰ لپک کر دونوں کے پاس آئی۔

"ہائے ہائے... یہ کیا ہو گیا۔" اس نے [illegible] سے پوچھا۔ جنت خاموش رہی دین محمد نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"ہو گئی پوری تیری نیند؟" اس کا لہجہ بھی عجیب سا تھا اگر بشریٰ کا دھیان جنت کی طرف نہ ہوتا تو وہ ضرور محسوس کر لیتی۔

دین محمد نے خلاف معمول جنت کو کمرے میں لے جانے کا کہا بشریٰ نے اس کے ساتھ اندر جانا چاہا تو دین محمد نے روک دیا۔

"ارے... مجھے دیکھنے تو دیں جی... کیا ہوا بجی کو؟" اس نے فکر مندی سے کہا اس کا اتنا کہنے کی دیر تھی دین محمد نے ہاتھ کا زوردار تھپڑ اسے رسید کیا بشریٰ لڑکھڑا کر دالان میں جا گری لیکن ابھی وہ پہلے حملے سے ہی نہ سنبھلی تھی کہ دین محمد نے گالیاں بکتے ہوئے اسے گھونسوں اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا۔ اس پر جیسے جنون سوار تھا کہ بشریٰ کی چیخیں بھی اسے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

"کمینی بدذات گھڑے سے زخمی کر دیا میری بچی کو اپنے جیسا اپاہج بنانا چاہتی تھی وہ ٹھیک کہتی تھی تو جلتی ہے اس سے، حسد کرتی ہے نامراد میں تجھے زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اسے دیر تک پیٹتا رہا بشریٰ کی معافیوں، التجاؤں نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا اس کے سامنے جنت کی مجرم تھی جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گیا تو ہانپتا ہوا اسے ادھ موا چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ بشریٰ کھلے آسمان تلے صحن میں تنہا پڑی تھی اور کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ ملازمین کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہ تھی اور مالکان اپنے کمروں میں روپوش ہو چکے تھے۔ تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے مدد کے لیے کسی کو پکارتے ہوئے بشریٰ کو یاد آگیا۔

جنت خوب صورت تھی صرف خوب صورت نہیں وہ بے تحاشا خوب صورت تھی۔ گیارہ، بارہ سال کی عمر میں اس نے بہترین قد کاٹھ، رنگ روپ نکال لیا تھا اور اسے اپنی خوب صورتی کا احساس بھی بہت تھا۔ تب ہی چند روز پہلے اس نے بشریٰ پر خود سے حسد کا الزام لگایا تھا۔ تب بشریٰ نے سوچا تھا "انسان خوب صورت بھلے ہی نہ ہو لیکن فتنہ پرداز بھی نہ ہو۔" وہ اب بھی سوچ رہی تھی۔

لیکن جس وقت کسی کو مدد کے لیے پکارتے وہ تھک گئی اور اذیت کی لہریں اس کے وجود میں دوڑنے لگیں تب ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے وقت اسے یقین آچکا تھا کہ اس کے وجود میں پنپ رہی ننھی زندگی ابدی نیند سو چکی ہے اس کے دل سے بے اختیار جنت کے لیے بددعا نکلی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

✡

رمشا خالد

شہروں میں جگہ نہ ہونے کے باعث مضافات میں نئی آبادیاں بسانا اب پرانی بات ہو چکی ہے۔ اب تو وہ شہر شہر ہی نہیں، جس میں جگہ جگہ "نئی آبادیاں" نہ ہوں۔

یہ بھی نئی آبادی کا ایک پرانا محلہ تھا۔ آبادی تو یہاں غالباً "بیس" پچیس سال سے تھی مگر یہ علاقہ کہلاتا اب بھی "نئی آبادی" تھا۔ کشادہ گلیوں اور بڑے بڑے دالانوں والے مکانات "پرانے محلے" کو باقی علاقے سے ممتاز کرتے تھے۔ پرانے محلے کے نکڑ والے سفید مکان، جس کی پیشانی پر "روشن منزل" کے الفاظ بڑی شان سے کندہ تھے میں آج بڑی چہل پہل تھی۔

جیسے ہی کوئی سفید گیٹ کھول کر سرخ اور کاسنی پھولوں سے ڈھکے در و دیوار میں داخل ہوتا گلاب اور موتیا کی خوشبو کے معطر جھونکے استقبال کو آگے بڑھتے۔ سبز گھاس کی چادر اور صدہا قسم کے خوشنما پھول پودوں کو دیکھ کر آنے والے کی نظر میں سب سے پہلا تاثر بلاشبہ "تحسین" کا ابھرتا تھا۔

باغبانی واحد شوق تھا جو دونوں بھائیوں عبدالقدوس اور عبدالواحد میں مشترک تھا، ورنہ کہنے والے ایک کو مشرق اور دوسرے کو مغرب سے تشبیہ دیتے تھے۔

گھر کی رہائشی عمارت جو بظاہر ایک معلوم ہوتی تھی اندر سے بڑی صفائی سے دو حصوں میں [illegible] کمروں کی تعداد اور کشادگی اگرچہ دونوں [illegible] یکساں مگر حیثیتوں کا فرق بے [illegible] جہاں بڑے بھائی عبدالقدوس کے ہاں لش لش کرتا قیمتی فرنیچر، آنکھوں کو خیرہ کرتے بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز اور ہر کمرے میں لگے اسپلٹ ہر آنے والے کو مرعوب کرتے، وہیں چھوٹے بھائی عبدالواحد کے پورشن میں در و دیوار سے ٹپکتی قناعت و اپنائیت اور ہر چیز سے جھلکتا سلیقہ و خلوص ہر آنے والے کا دل خوش کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ایک بار پھر وہاں آنے کی چاہ کرنے پر مجبور کر دیتا۔

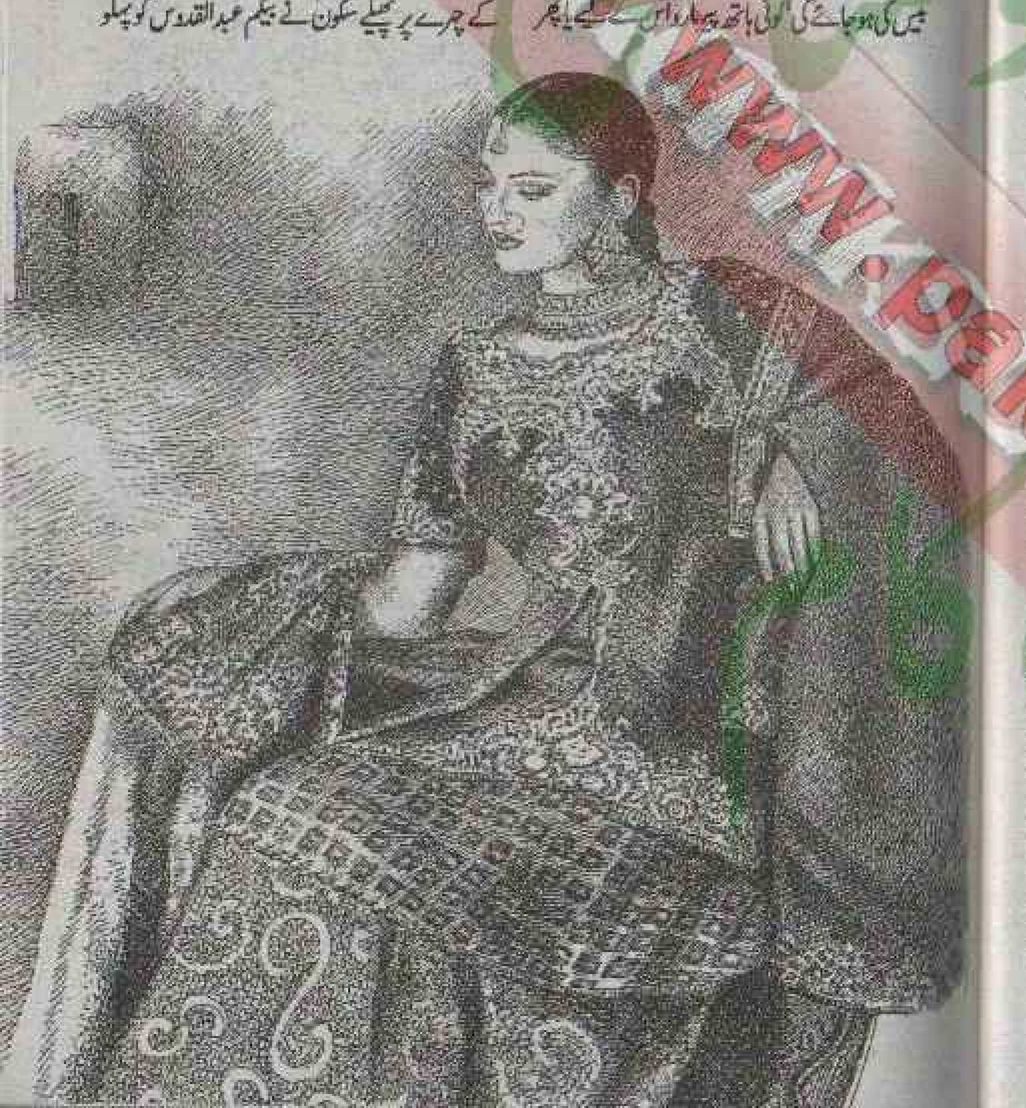
دونوں بھائیوں کے تین، تین بچے تھے۔ دو بیٹے اور ایک ایک بیٹی، فرق صرف اتنا تھا کہ عبدالقدوس صاحب کے بیٹے ان کے بازو بن چکے تھے، عبدالواحد صاحب کے دونوں بیٹے اس [illegible] جب والدین بچوں کی طاقت ہوتے [illegible] عبدالقدوس صاحب کی چھوٹی بیٹی [illegible] اور عبدالواحد صاحب کی بڑی بیٹی سائرہ [illegible] اور بقول بیگم عبدالقدوس کے [illegible]

"لڑکی صرف [illegible] تک ہی اماں باوا کے ہاں اچھی لگتی ہے [illegible] اکیسویں سال لڑکی کو ماں باپ کی دہلیز [illegible]" ان کی بیٹی چونکہ تین ماہ بعد بیس [illegible] اس لیے ان کی نیندیں اڑنا لازمی [illegible] تھی مگر قسمت یہاں بھی ان پر مہربان نکلی۔ [illegible] بھاگ دوڑ اور تگ و دو کے بغیر ہی ایک تقریب میں [illegible] کی موہنی صورت مسز اشفاق کو ایسی بھائی کہ انہوں نے تو دہلیز ہی پکڑ لی۔ ایک، دو ماہ کی ابتدائی بات چیت کے بعد آج وہ لوگ باقاعدہ بات پکی کرنے آ رہے تھے۔

بیگم عبدالقدوس کے تو گویا پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ بیٹی کے لیے جیسے اعلیٰ خاندان و بر کی وہ متمنی تھیں بیٹھے بٹھائے ویسا بر مل گیا تھا۔ انہوں نے آج صبح سے ہی گھر میں ایمرجنسی نافذ کر رکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ دیورانی اور سائرہ کو ساتھ ملائے کچن میں مصروف تھیں۔

"فردوس! اب تم بھی کچھ ہوش کے ناخن لو۔ سائرہ [illegible] بمشکل ایک ماہ چھوٹی ہے [illegible] بھی بیس کی ہو جائے گی کوئی ہاتھ پیر مارو، اس سے پہلے [illegible] بیٹی کی عمر نکلنے کا ارادہ ہے اب ہر کوئی میری ماہ رخ کی طرح خوش قسمت تو نہیں ہوتا کہ بیٹھے بٹھائے ایسا رشتہ مل جائے۔" وہ کام کے دوران دیورانی کو سنانا [illegible]

"[illegible] بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں۔ جوان کے نصیب میں لکھا ہے وہ ہاتھ پیر ہلائے بغیر بھی وقت مقررہ پر حل ہو کر رہے گا، پھر پریشانی کیسی۔" وہ شانت سی کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئیں جبکہ ان کے چہرے پر پھیلے سکون نے بیگم عبدالقدوس کو پہلو



بدلنے پر مجبور کر دیا۔

✿ ✿ ✿

مہمانوں کو رخصت کرنے اور پھیلاوا سمیٹنے کے بعد بیگم عبدالقدوس دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں گئیں تو عبدالقدوس صاحب کو سوتا دیکھ کر بدمزہ ہو گئیں۔ وہ تو ڈھیروں باتیں کرنے کا سوچ کر آئی تھیں مگر وہ شاید کچھ زیادہ ہی تھکے ہوئے تھے اس لیے ان کا انتظار کیے بغیر ہی سو گئے۔

وہ بھی دودھ کا گلاس تپائی پر رکھ کر چپ چاپ دوسری طرف آ کر لیٹ گئیں۔ ان کی نگاہیں چھت کا طواف کر رہی تھیں۔ آج جہاں وہ بیٹی کی بات طے ہو جانے پر بہت خوش تھیں، وہیں یوں اچانک سائرہ کا رشتہ طے ہو جانے کا قلق بھی چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مائرہ کی ہونے والی چچی ساس یوں اچانک اپنے لائق فائق بیٹے سمیع کے لیے سائرہ کو مانگ لیں گی۔

دراصل وہ خاتون بھی آج کل اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ مائرہ کے رشتے کے سلسلے میں دونوں خاندانوں کا ملنا ملانا پچھلے دو مہینے سے جاری تھا۔ بیگم فردوس کی سادگی اور اپنائیت نے انہیں بہت متاثر کیا تھا۔ آج جب بھاگ بھاگ کر کام کرتی سائرہ کو دیکھا تو وہ انہیں بالکل اپنی ماں کا پرتو لگی۔ اس کی مستعدی نے ثریا بیگم کا دل جیت لیا۔ خاندان اور لڑکا چونکہ دیکھا بھالا تھا، اس لیے رسمی سے تامل کے بعد ان کے بہت اصرار پر رشتہ قبول کر لیا گیا۔ یوں وہ لوگ مائرہ کے ساتھ ساتھ سائرہ پر بھی شگن کا دوپٹہ ڈال کر روپے تھما گئے تھے۔ فردوس بیگم اور عبدالواحد صاحب تو خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہے تھے۔ آج کے دور میں بیٹھے بٹھائے اتنا عمدہ رشتہ مل جانا [illegible] سے کم نہ تھا۔ جبکہ بیگم عبدالقدوس [illegible] سائرہ کی عمر کو نشانہ بنائے ہوئے [illegible] سامنے لے کر رہ گئی تھیں۔ ان کا شمار [illegible] ہو پاتا جن کا سکون رخصت کرنے کو [illegible] کی تھوڑی سی خوشی بھی کافی ہوتی ہے۔ اب بھی وہ اپنی خوشی بھلا کر سارے جلن کے نہ جانے کب تک کروٹیں بدلتیں کہ نیند نے مہربان ہو کر انہیں ہر غم سے بے گانہ کر دیا۔

✿ ✿ ✿

مائرہ اور سائرہ کی بات پکی ہونے کی دیر تھی کہ ان کے سسرال والوں نے رخصتی کا تقاضا شروع کر دیا۔ انہوں نے بھی آج نہیں تو کل بیٹیاں رخصت کرنی ہی تھیں، یہ ہی سوچ کر سمدھیانے والوں کی حسب خواہش تاریخ منظور کر لی۔ مائرہ اور سائرہ کی شادیاں ایک ہفتے کے وقفے سے آگے پیچھے ہونا قرار پائیں۔

دونوں بھائیوں کے ہاں چونکہ پہلی پہلی شادی تھی وہ بھی اکلوتی بیٹیوں کی اس لیے دور و نزدیک کے سب ہی رشتہ داروں کو بلاوے بھجوا دیے گئے۔

جوں جوں شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے روشن منزل کی رونقیں دوبالا ہوتی جا رہی تھیں۔ گھر اگرچہ مہمانوں سے بھر چکا تھا مگر ان کی آمد کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ ماشاء اللہ سے کافی بڑا خاندان تھا۔ ڈھولکی بھی رکھوائی جا چکی تھی۔ لڑکیاں [illegible] دن ڈھولک سے چپکی رہتیں، خواتین کی [illegible] خوب جمتیں۔ بیگم عبدالقدوس [illegible] خواتین میں بڑے فخر [illegible] تھیں۔ جو وہ ابھی [illegible]

وہ بھاری [illegible] چوڑیاں، [illegible] ہونے والی ساس کے لیے [illegible] لیے لاکٹ سیٹ اور بھی چھوٹا [illegible] تھا۔

اس [illegible] مہنگائی کے دور میں جب سونا عام لوگوں کے لیے نایاب ہو چلا تھا۔ اتنا سونا دیکھ کر دیکھنے والوں نے چپکے سے انگلیاں منہ میں دبا لیں۔ مرعوبیت کی تحریر آنکھوں میں صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"واہ بھئی سنبل! تم نے تو پکی بیٹی کو سونے میں پیلا کر دیا۔" کسی جانب سے تحسین بھری آواز ابھری تو ان کی اکڑی گردن میں مزید کلف لگ گیا۔

"یہ تو صرف جہیز کا زیور ہے، بری میں بھی تو کافی کچھ ہو گا۔" کوئی اور رشک آمیز لہجہ میں بولی۔

"کیا سارا روپیہ زیور خریدنے میں ہی لگا دیا؟ مزید کوئی جہیز کی چیز بھی خرید پائیں یا...؟" زیورات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک خاتون طنزیہ گویا ہوئیں۔

"ارے آپا! آپ فکر نہ کریں، ایک ہی تو بیٹی ہے میری اسے نہ دوں گی تو اور کسے دوں [illegible] جلن کا مزہ لیتے ہوئے جتاتے [illegible] اصل [illegible] عمل پیرا باقی جہیز کی فہرست گنوانے لگیں۔ [illegible] ڈرائنگ روم کا مکمل فرنیچر [illegible] سیٹ، کچن کا فل سامان و مشینری [illegible] دینے کے لیے گاڑی اور نہ جانے کیا کیا [illegible] تھیں اور سننے والیاں [illegible] انہیں [illegible] سے تکتی رہیں۔

"[illegible] عبدالقدوس صاحب جتنے دکھتے ہیں اس سے [illegible] زیادہ [illegible] نکلے۔" ہم ویشیں سب خواتین جہیز کی تفصیلات سننے کے بعد یہ ہی سوچ رہی تھیں۔

"دراصل مائرہ کے سسرال والوں نے جلدی ہی اتنی مچائی کہ بھاگتے دوڑتے بس یہ ہی ہو سکا۔" سب کو اچھی طرح مرعوب کرنے کے بعد وہ انکساری سے بولیں تو سب خواتین سوچ کر رہ گئیں۔ اگر جلدی جلدی میں یہ حال ہے تو... اس سے آگے ان کی سوچ کی پرواز جا ہی نہ سکی۔

"ارے فردوس! تمہاری بیٹی کی بھی تو شادی ہے نا تم نے تو بتایا ہی نہیں کیا کیا کچھ جہیز میں دینے کا ارادہ ہے۔" خالہ سروری پاس سے گزرتی فردوس بیگم کو روک کر تفصیل طلب کرنے لگیں تو باقی سب خواتین بھی ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"خالہ! لڑکے والوں کی طرف سے تو شکر الحمدللہ کوئی تقاضا نہیں، مگر چونکہ دستور دنیا ہے اس لیے ہر حال میں نبھانا تو ہے۔ دو تولہ سونا لیا ہے، جبکہ تین میرے پاس پہلے سے رکھا تھا۔ باقی وہ ہی بیڈ روم سیٹ، مشینری، کچھ کراکری اور ضرورت کی دوسری چیزیں جو ہم جیسے سفید پوش لوگ اپنی بیٹیوں کو دینے کی استطاعت رکھتے ہیں۔" فردوس بیگم سادگی سے بتا کر چلی گئیں۔

مگر سننے والوں کے منہ بن گئے، حالانکہ اس قدر گراں مہنگائی میں [illegible] شاندار جہیز تھا۔

"[illegible] کہ میاں عبدالقدوس کے حالات بھائی کے حساب میں زیادہ اچھے ہیں، مگر وہ پھر بھی اپنی بیٹی کو حیثیت سے بڑھ کر دے رہے ہیں، جبکہ میاں عبدالواحد... وہ تو گویا بیٹی کو بوجھ سمجھ کر ٹرخا رہے ہیں۔"

"ہونہہ اور نہیں تو کیا۔"

"لڑکے والے بھی کیا کیا باتیں نہ بنائیں گے، آخر کو دونوں لڑکیاں ایک ہی خاندان میں بیاہی جا رہی ہیں۔"

"اپنی ناک کٹوائیں گے اور کیا...؟" فردوس بیگم کے جاتے ہی بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دینے لگیں۔ بلاشبہ خواتین کے ہاتھ ایسا موضوع لگا تھا جس پر وہ گھنٹوں بلا تکان تبصرے کر سکتی تھیں۔

"ہونہہ، چلے تھے میری بیٹی کا مقابلہ کرنے..." فاخرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے ان کی باتیں سنتی بیگم عبدالقدوس ڈھیروں اطمینان اپنے اندر اترتا محسوس کر رہی تھیں۔

✿ ✿ ✿

فردوس بیگم اپنے کمرے میں بیڈ پر کپڑے پھیلائے رنگوانے والے دوپٹے الگ کرنے میں مصروف تھیں، جب عبدالواحد صاحب مضمحل سے اندر داخل ہوئے۔ ہولے سے ان کے سلام کا جواب دے کر آنکھیں موندے ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئے۔ یہ ان کا مخصوص انداز تھا جب بھی پریشان ہوتے گھنٹوں یوں ہی بیٹھے رہتے۔

"خیر تو ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" فردوس بیگم انہیں یوں پریشان دیکھ کر سب کچھ چھوڑ چھاڑ ان کے قریب جا بیٹھیں۔

"فردوس! کہیں ہم اپنی بیٹی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر رہے؟" طویل سانس خارج کرتے ہوئے وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

"کیسی زیادتی؟" کچھ نہ سمجھتے ہوئے فردوس بیگم

نے اچھے سے رزلٹ کیا۔

"دیکھو نا اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی بھائی جان نے مائرہ بیٹی کے جہیز کے لیے اپنی پل والی زمین بیچ ڈالی ہے' کیا کچھ نہیں دے رہے وہ اپنی بیٹی کو۔ سائرہ بھی تو ہماری اکلوتی بیٹی ہے' مائرہ کے سامنے تو اس کا جہیز کچھ بھی نہیں۔ آخر کو دونوں ایک ہی خاندان میں جا رہی ہیں' لوگ بھی طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔" مہمانوں کی باتیں شاید ان تک بھی پہنچ گئی تھیں۔ اسی لیے اتنے پریشان نظر آرہے تھے۔ "میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنی آبائی زمین بیچ دیں اور کچھ نہیں تو آٹھ' دس تولے مزید سونا اور ایک گاڑی تو آہی جائے گی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دلگرفتہ سے بولے۔

آبائی جائیداد میں مکان کے علاوہ صرف یہ ہی زمین تھی۔ دونوں بیٹے ابھی چھوٹے تھے' ان کی پڑھائیاں اور ہزاروں مزید خرچے' ایسے میں زمین کی آمدنی سے بہت مدد مل جاتی تھی۔ مگر لوگوں کی باتیں انہیں ناچاہتے ہوئے بھی ایسا سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

"مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔ ارے آپ نے تو خود مجھے ہمیشہ قناعت کا درس دیا اور آج آپ ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔" ان کی باتیں خاموشی سے سنتی فردوس بیگم حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"ہم کون سا اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ بھیج رہے ہیں' اپنی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر ضرورت کی چیز تو دے رہے ہیں جہیز میں۔ اور لوگوں کی بھی خوب کہی آپ نے بھلا وہ بھی مطمئن ہوئے ہیں۔ اور جہاں تک سائرہ کے سسرال والوں کی بات ہے تو وہ بھلے مانس ہیں ہماری حیثیت کوئی ان سے پوشیدہ تھوڑی ہے۔" اتنا سمجھانے کے بعد بھی انہیں قدرے غیر مطمئن دیکھ کر وہ مزید گویا ہوئیں۔

"ہاں بالفرض اگر بھاری بھر کم [illegible] رخصت کرنے پر بیٹیوں کی خوشیوں کی ضمانت مل سکتی ہے تو ضرور زمین بیچیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ان کا ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں سمجھاتی وہ انہیں شرمندہ کر گئیں۔

"اور آپ یہ بھی تو دیکھیے نا کہ ابھی آپ کی بہنوں نے بھی بیٹیاں بیاہی ہیں' اگر ہم بھی مائرہ کی طرح سائرہ کو جہیز میں گاڑی دیں تو کیا یہ اس خاندان کی ریت نہ بن جائے گی؟ اور کیا باقی سب اس ریت کا بوجھ اٹھا بھی سکیں گے؟ ارے ذرا اسوہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نظر ڈالیے' انہوں نے اپنی لاڈلیوں کو کیسا جہیز دیا تھا؟ حالانکہ وہ اگر چاہتے تو دنیا جہان کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر کر سکتے تھے مگر صرف اسی لیے کہ ہم گناہ گار امتیوں کے لیے تقلید مشکل نہ ہو' انہوں نے دین کو اتنا آسان اور دنیا کو اس قدر سادہ بنا کر پیش کیا' مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہمارا مذہب ہمیں اس قدر آسانیاں دیتا ہے تو ہم کیوں صرف لوگوں کے ڈر سے اپنے لیے ایسی خندقیں کھود لیتے ہیں' جنہیں پاٹنے کی نہ ہم میں ہمت ہوتی ہے اور نہ ہی استطاعت۔"

"خدارا بیگم! اب بس بھی کیجیے' مزید کتنا شرمندہ کریں گی آپ ہمیں۔" بیگم فردوس کی باتیں ان کے دل کو چھو کر ان کی ساری خود ساختہ پریشانی ہوا کر گئی تھیں' اس لیے وہ مسکراتے ہوئے [illegible] بولے۔

"اب رات کا کھانا بھی ملے گا یا [illegible] سے ہی پیٹ بھروانے کا ارادہ ہے۔" [illegible] شرارت کرنے کو لب وا کرتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولے تو فردوس بیگم انہیں [illegible] ہوتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کھانا لگانے چل دیں۔

☆ ☆ ☆

پھر مصروفیت میں دن اتنی تیزی سے بیتے کہ شب و روز کا حساب نہ رہا۔ سائرہ کی رخصتی کا دن بھی آپہنچا' جبکہ ایک ہفتہ پہلے مائرہ بھی ماں' باپ کی دعائیں' ٹرک بھر سامان جہیز سمیت لوگوں کی خوب واہ واہ سمیٹ کر رخصت ہو چکی تھی۔

دلہن بنی سائرہ پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ جس نے بھی دیکھا بے ساختہ ماشاءاللہ کہہ اٹھا۔ بارات آنے میں چونکہ ابھی دیر تھی اس لیے فردوس بیگم اس کا سونا سا روپ اپنی آنکھوں میں بساتے ہوئے روایتی نصیحتیں کیے جا رہی تھیں۔ وہی نصیحتیں جو ان کی ماں نے ان کے پلو سے باندھ کر انہیں وداع کیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میری جان! بیٹیاں چڑیوں کی طرح ہوتی ہیں' جب تک والدین کے گھونسلے میں رہتی ہیں وہ ان تک آنے والے ہر سرد و گرم کے آگے ڈھال بن کر کھڑے رہتے ہیں' [illegible] اور ان کا وقت آتا ہے تو ڈھال دینے والے گھونسلے میں رہ جاتے ہیں اور چڑیاں اڑ جاتی ہیں۔ [illegible] سرد و گرم انہیں اپنے نازک پروں پر [illegible] بیٹا اب تمہارا بھی وہ وقت آچکا ہے [illegible] صبر کو اپنی ڈھال بنانا۔" "اپنے ساس سسر کو والدین کا درجہ دینا میری بیٹی! ان کی اتنی ہی عزت کرنا جتنی ہماری کرتی ہو' مگر [illegible] ان سے وہ توقعات وابستہ مت کر لینا جو ہم سے رکھتی ہو' کیونکہ بیٹا! اگر توقعات ٹوٹ جائیں تو ان کی کرچیوں سے رنجشیں جنم لیتی ہیں جو بڑھ کر دل میں بغض اور کینے کی صورت جم کر رہ جاتی ہیں۔" ذرا سا توقف کرنے کے بعد وہ پھر سے گویا ہوئیں۔

"سسرال میں سو طرح کی خلاف مزاج باتیں ہو جاتی ہیں' جن سے کئی طرح کے مسئلے مسائل اور شکایتیں جنم لیتی ہیں' مگر بیٹا! تم کبھی کسی شکایت کو دل میں جگہ مت دینا' اپنا دل ہمیشہ آئینے کی طرح صاف رکھنا' بڑی سے بڑی بات کو بھی "رات گئی بات گئی" کے اصول کے مطابق بھلا دینا' تم دیکھو گی اس طرح جیت ہمیشہ تمہاری ہی ہو گی۔" وہ ایک ثانیہ کو رکیں اور اپنی لبالب بھری آنکھوں کو چھلکنے سے روکا۔ پھر ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا! چونکہ مائرہ کی شادی تم سے پہلے ہوئی ہے اور اسی خاندان میں ہوئی ہے' اس لیے ہو سکتا ہے انہوں نے جہیز کے حوالے سے تم سے بھی وہ ہی توقعات وابستہ کر لی ہوں۔ اگرچہ ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کسی چیز کی کمی نہ ہونے پائے مگر پھر بھی خدانخواستہ کل کو اگر کوئی طعنہ سننا پڑ جائے یا کوئی کچھ کہے تو جواب بالکل مت دینا' یاد رکھنا ایک چپ سو سکھوں کی چابی ہوتی ہے۔ سائرہ میری جان! [illegible] محبت کا ہمیشہ مان رکھنا' کیونکہ تمہاری اچھائی کا کریڈٹ لینے کو بہت سے لوگ ہوں گے مگر تمہاری ہر برائی کا ذمہ دار براہ راست تمہاری ماں کو ٹھہرایا جائے گا۔" ابھی وہ نہ جانے اسے کیا کچھ سمجھاتیں کہ "بارات آگئی" کا شور جاگ اٹھا' وہ اس کا ماتھا چوم کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لاکھ ضبط کرتے ہوئے بھی دو موتی سائرہ کی آنکھوں سے ٹوٹے' جسے بہت احتیاط سے انہوں نے اپنی پوروں پر چن لیا۔

"روتے نہیں بیٹا!" اسے دلاسا دیتے وہ اپنا ضبط بھی کھونے لگیں تو جلدی سے بارات کا استقبال کرنے باہر چلی گئیں۔

بارات چونکہ ذرا لیٹ آئی تھی اس لیے فوراً کھانا کھلوا دیا گیا' جب تک کھانا ختم ہوا بارہ بجنے والے تھے اس لیے رخصتی میں دیر نہ کی گئی یوں پھر بھی دیر میں بابل کا گھر چھوڑنے کا درد دل میں جگائے آنکھوں میں سپنوں کا کاجل لگائے سائرہ بھی دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"بھابھی!" سائرہ کچن میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی' جب ثمرین نے اسے پیچھے سے آواز دی۔ وہ مڑی تو ثمرین جو بڑی دقت سے اپنے آنسو روکے کھڑی تھی بے ساختہ اس کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔

"پلیز بھابھی! مجھے معاف کر دیجیے' آئی ایم سوری' آئی ایم ریئلی سوری بھابھی!" سائرہ جو ثمرین کے یوں رونے پر پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر انگشت بدنداں رہ گئی۔ کہاں تو ثمرین اس سے سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کرتی اور کہاں اب یوں روتے ہوئے معافی مانگے جا رہی

تھی۔ اس کی شادی کو چار ماہ ہو چکے تھے۔ سسرال میں سوائے ثمرین کے سب نے کھلے دل سے اس کا استقبال کیا تھا۔ ماں کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے ان چار ماہ میں وہ سب کے دل جیتنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ مگر اس کی لاکھ کوششوں کے باوجود ثمرین اس سے بے تکلف نہیں ہو پائی تھی۔

دراصل پندرہ سالہ ثمرین بہت جذباتی تھی۔ سائرہ کی چھوٹی نند علیزہ اس کی ہم عمر تھی۔ دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں۔ مائرہ کی شادی پر بیگم عبدالقدوس نے اس کی ساری نندوں کو لاکٹ سیٹ دیے تھے۔ علیزہ نے دوستوں کے درمیان اپنے لاکٹ سیٹ اور بھابھی کے جہیز کی خوب شو ماری کی تھی۔

"ثمو! اگلے ہفتے تمہارے بھائی کی بھی تو شادی ہے نا اور تم تو ہو بھی اکلوتی نند اب دیکھتے ہیں تمہیں شادی گفٹ میں کیا ملتا ہے۔" یوں وہ بھی شادی کے دن گننے لگی تاکہ وہ بھی علیزہ کی طرح سب دوستوں کے درمیان گردن اکڑا کر شو آف کر سکے۔

مگر جب سائرہ کا جہیز آیا تو اسے مایوسی ہوئی یوں تو اچھا خاصا تھا، مگر مائرہ کے جہیز کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے گفٹ میں بھی صرف نازک سی انگوٹھی ملی تھی۔ سب دوستوں خصوصاً علیزہ کی تیم شیم وہ بھلا نہیں پائی تھی۔ مگر سائرہ کے خلاف اسی دن سے اس نے اپنے دل میں گرہ باندھ لی تھی۔ حالانکہ سائرہ نے اس گرہ کو کھولنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ دوستوں کے سامنے ہونے والی شرمندگی بھلانے پر تیار نہیں تھی۔

مگر اس وقت اس کا رویہ سائرہ کو حیران سے زیادہ پریشان کیے دے رہا تھا۔

"ثمرین! میری پیاری بہنا! بتاؤ تو سہی آخر ہوا کیا؟ تم علیزہ کی طرف گئی تھیں نا، کیا اس سے جھگڑا ہو گیا۔" سائرہ اسے پانی پلانے کے بعد اپنے کمرے میں لے آئی اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تو وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے بمشکل بتانے لگی۔

اصل میں آج علیزہ نے سب دوستوں کو چائے پر بلایا تھا۔ مائرہ کے جہیز کے خوب صورت فرنیچر اور قیمتی ڈیکوریشن پیسز نے ڈرائنگ روم کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ چائے سرو کرتے ہوئے علیزہ کا پاؤں ڈگمگایا تو نا صرف نازک سا کپ ٹوٹ گیا بلکہ ساری چائے سفید صوفے پر گر کر اسے بدنما کر گئی۔ اب یہ علیزہ کی بدقسمتی کہ مائرہ بھی اس وقت وہیں موجود تھی۔ اپنی جہیز کی چیزوں کی یوں بربادی اس سے دیکھی نہ گئی۔ اس نے کسی آئے گئے کا لحاظ کیے بغیر علیزہ کو تھپڑ دے مارا اور اتنی باتیں سنائیں کہ ان دوستوں نے تو کھسکنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

"شکر ہے کہ میری بھابھی علیزہ کی بھابھی جیسی نہیں ہے۔" سارا راستہ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی آئی تھی۔ پہلی بار اسے سائرہ کے ساتھ اپنے غلط رویے کا احساس ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں تو کئی بار سائرہ کی جہیز کی کراکری کی شامت آئی تھی کبھی جان بوجھ کر اور کبھی انجانے میں۔ مگر سائرہ کے ماتھے پر کبھی اس وجہ سے بل نہیں آئے تھے۔ وہ "ایک چپ سو سکھ" پر عمل پیرا ہمہ وقت اس کا دل جیتنے میں لگی رہتی تھی۔ ثمرین کا احساسِ ندامت اس قدر شدید تھا کہ اس نے گھر آتے ہی سائرہ سے معافی مانگنے میں [illegible] اور سائرہ نے تو رات گئی بات گئی کے مصداق [illegible] دل میں رکھی ہی نہیں تھی [illegible] معاف کرنے میں ذرا تامل نہ کیا۔

"واقعی میں [illegible] سے اچھی بھابھی ہیں۔" سائرہ [illegible] لگاتے ہی ثمرین چہک اٹھی۔

"[illegible] خدایا خیر! کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکل آیا؟ جو نند بھاوج میں ایسے پیار کے مظاہرے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔" سمیع کمرے میں داخل ہوا تو ان دونوں کو گلے ملتا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا جواباً وہ دونوں ہی جھینپ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ویسے یہ جلنے کی بو کہاں سے آرہی ہے؟" وہ ناک سکیڑتے ہوئے بولا۔

"بلاشبہ آپ کے دل سے۔" ثمرین فوراً چہک کر بولی مگر سائرہ کو فوراً سالن کا خیال آیا جو وہ چولہے پر چھوڑ آئی تھی۔ وہ سرپٹ کچن کو دوڑی جبکہ وہ دونوں حیرت سے اس کی تیز رفتاری دیکھتے رہ گئے۔

"کیا خیال ہے نمی! اگلی بار تمہیں ریس میں تمہاری بھابھی کا نام بھی رجسٹر کروا دوں۔ گولڈ میڈل نہ سہی سلور میڈل تو جیت ہی لے گی۔" صوفے پر گرتے ہوئے سمیع شرارت سے بولا تو ثمرین چڑ کے اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی مگر اگلے ہی پل دونوں کی مشترکہ کھلکھلاہٹ کمرے میں گونج اٹھی۔

سائرہ کی [illegible] لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں جب [illegible] کی خالہ زبیدہ ہانپتی کانپتی اندر [illegible]

"ارے خالہ؟" وہ اٹھ کر ان سے ملنے لگیں۔

"ارے ثریا! خیر کہاں، کچھ خبر بھی ہے شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں اور بہو رانی جہیز سمیت میکے جا بیٹھی ہیں۔"

"کون بہو رانی؟ خالہ کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟" انہوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے الجھتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ بہت وضع دار خاتون تھیں۔ دوسروں کے معاملات سے کم ہی تعلق رکھتیں۔ اکثر خاندان بھر کی خبریں خالہ کی زبانی ہی سننے کو ملتی تھیں۔

"اپنی مائرہ کی اور کس کی۔" وہ چونک کر بولیں تو ثریا بیگم کے ساتھ ساتھ چائے لے کر آتی سائرہ بھی دہل کر رہ گئی۔

"مگر خالہ! بات کیا ہوئی؟" "ہمیں ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ چار ماہ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔"

"ابھی زیادہ تفصیل کا تو ہمیں پتا نہیں سنا ہے کہ کسی بات پر اپنی چھوٹی نند علیزہ کو تھپڑ دے مارا۔ میاں نے جب باز پرس کی تو الٹا ناراض ہو گئیں اور الگ گھر کا مطالبہ کر دیا کہ یہاں تو میرا قیمتی جہیز برباد ہو رہا ہے۔ محمود میاں نے تو صاف انکار کر دیا۔ ان کا انکار سن کر بہو رانی گھر چھوڑنے پر تیار ہو گئیں۔ محمود میاں نے بھی [illegible] کے جہیز کا سارا سامان مع گاڑی لوڈ کروا [illegible] دیا اور صاف کہہ دیا اب کے آنا تو [illegible] ورنہ اُدھر ہی بھلی۔"

"بہت برا ہوا خالہ!" ثریا بیگم کو حقیقتاً بہت افسوس ہوا تھا۔

"ہاں مگر کیا کر سکتے ہیں بھئی لڑکی کو اپنے جہیز پر بڑا غرور تھا۔" وہ پانی کا گلاس غٹاغٹ چڑھاتے ہوئے بولیں۔

"تم اپنی بہو کا سناؤ یہ بھی تو "مائرہ بی بی" کی چچیری بہن ہے۔" خالہ چائے سرو کرتی سائرہ کو گھور کر ان سے پوچھنے لگیں۔

"ارے خالہ! میری بہو تو ہیرا ہے ہیرا۔" ساس کو بہو کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا دیکھ کر وہ فوراً پینترا بدل کر بولیں۔

"ہاں بھئی کون سا دونوں کی ماں ایک ہے۔ بھئی بیٹیاں تو ماں کا پرتو ہوتی ہیں۔ سائرہ کی ماں تو دیکھنے میں ہی تنگ مزاج لگتی تھی۔" وہی خالہ جو کبھی مائرہ کے جہیز اور بیگم عبدالقدوس کے رکھ رکھاؤ کی تعریفیں کرتی نہ تھکتی تھیں اب ان کی بڑھ بڑھ کر برائیاں کر رہی تھیں۔

مگر سائرہ دکھ سے سوچ رہی تھی کہ ماں سچ ہی کہتی تھیں کہ بیٹی کی ہر برائی کا ذمہ دار براہ راست اس کی ماں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ کاش اس بات کو ہر بیٹی سمجھ لے تو کبھی اپنی ماں کے سفید ہوتے سر میں خاک نہ ڈلوائے۔

خالہ کو تاسف سے دیکھتے ہوئے وہ دل میں نئے عہد باندھتی چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر باورچی خانے کی سمت بڑھ گئی۔

*



عظمیٰ افتخار

گھر کی بات

"ارے اس وقت کون آ گیا؟"

"مجال ہے، جو منجھلی اور چھوٹی بھی آ کے دروازہ کھول دیں۔" میں بالکل تیار کھڑی تھی اور بس اپنی بڑی بہن ثمرہ کے گھر جانے کے لیے نکل ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک سن کر جھنجلا گئی۔ تینوں بچوں کے اسکول سے آنے میں ابھی وقت تھا۔ سوچا کہ بس دو گھنٹے میں مل کر آ جاؤں گی۔

دماغ کی کھولن جب حد سے بڑھ جاتی تو ثمرہ آپا کا گھر جنت سے کم نہ لگتا تھا۔ ثمرہ آپا سب سے بڑی تھیں۔ پھر درمیان میں ایک بھائی اور پھر میں تھی یعنی ناظمہ مجھ سے چھوٹی بائمہ تھیں۔ ثمرہ آپا رہتی تو دو کمروں کے فلیٹ میں تھیں مگر بڑے سکون میں تھی ان کی زندگی۔ سسرال کا کوئی جھنجٹ نہ تھا' میاں ان کے جدہ میں تھے' ریال کی آمدورفت تھی۔ ایک ہی بیٹا تھا پندرہ سال کا وہ اسکول جاتا تھا۔

ایک میں تھی جو جنجال پورہ جیسی سسرال میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں کلستی ہوئی دروازے کی سمت بڑھ گئی۔ دروازہ کھولتے ہی دماغ کی کھولن مزید بڑھ گئی۔ سامنے ہی صدیقی صاحب کی چاروں بہویں لائن سے کھڑی تھیں۔ سب کے ہاتھ میں ٹرے تھیں جن میں چار چار' پانچ پانچ شیشے کے پیالے رکھے ہوئے تھے۔

"یہ کھیر دینے آئے تھے خیر سے ہمارے نئے گھر کی بنیاد پڑ گئی ہے۔" بڑی بہو ثمینہ نے [illegible] آگے کیا۔

"اچھا! بہت مبارک ہو۔" میری پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"اچھا ناظمہ بھابھی! چلتے ہیں۔ پورے محلے میں ابھی کھیر بانٹنی ہے۔" ثمینہ سے چھوٹی طیبہ نے مجھے مخاطب کیا اور میں تو ویسے ہی آدھے سے بھی کم دروازہ کھول کے کھڑی تھی۔ فوراً "ہی اللہ حافظ کہہ کر بند کر دیا کہ ابھی ہمارے سسر صاحب دیکھ لیتے تو فوراً" سے پیشتر اندر بلا لیتے۔ پھر بیٹھ کر مہمان داریاں نبھاؤ۔ ثمرہ آپا کے گھر جانا تو رہ ہی جاتا۔

"ہوں' [illegible] سسرز اب پورے محلے میں گھومتی رہیں گی اور واہ واہ [illegible] سمیٹتی رہیں گی [illegible] ہے صدیقی صاحب کے ہاں۔ [illegible] اتفاق میں برکت۔" [illegible] وغیرہ وغیرہ اور پھر [illegible] ہو جائے گا کہ [illegible] صدیقی صاحب ہمارے سسر قلیم الدین کے [illegible] دوست تھے اور پڑوس میں ان کا گھر تھا۔ [illegible] بیاہ کر آئی اسی دن سے ہمارے [illegible] صاحب کا خوب ہی یارانہ دیکھا بس فرق [illegible] کے گھر دور تھے دونوں اپنے زمانے [illegible] اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ صدیقی صاحب کے چار بیٹے' تو ہمارے سسر کے تین بیٹے' شادیاں بھی پھر ان سب کی آگے پیچھے ہی ہوئیں۔ ان کے گھر چار بہویں آئیں تو ادھر تین آئیں۔

ہمارے سسر کی میرے ابا جان سے دور پرے کی رشتہ داری نکلتی تھی لے کر اپنے بڑے بیٹے ہاشم کے

لیے میرا انتخاب کرلیا۔ بس اسی دن سے سسرال کو بھی جھیل رہی ہوں اور سسر صاحب کے دوستانے کو بھی۔ مگر ٹھہریے شاید آپ کو ایسے میری بات سمجھ میں نہ آئے۔ یقیناً شروع سے بتانی پڑے گی۔

تو سنیے جب ہم بیاہ کر آئے تو شادی کے تیسرے دن ہی ہماری ساس نے چابیوں کا گچھا ہمارے ہاتھ میں تھما دیا کہ "لو سو اب تم جانو اور تمہارا کام۔" تو جناب ہم بڑے خوش۔

کہ گھر میں تو ابا محترم بڑے سخت گیر تھے کبھی ہم نے اپنی مرضی نہ چلائی۔ مگر اب یہاں ساری کسر پوری کریں گے۔ کیا پکانا ہے، کیا لانا ہے، کیا پہننا ہے۔ خوب ہی عیش کریں گے مگر چند دن بعد ہی یہ عقدہ کھلا کہ یہ تو کوئلوں کی کان میں ہاتھ کالا کرنے والی بات ہے۔ تنخواہ کے پیسوں میں بس پورا مہینہ ہی جوڑ توڑ کرتے رہو، عیاشی تو بڑے دور کی بات ہے۔ حالانکہ میرے میاں کی مارکیٹ میں کپڑے کی دکان ہے۔ مگر اوپر تلے کے تین بچوں اور پھر ان کے خرچوں نے کبھی عیاشی کرنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے میاں ہاشم کے بعد کمال کا نمبر آتا ہے۔

انہیں اپنے آفس کی کولیگ سلمٰی ایسی پسند آئی کہ بات شادی پر ہی ٹلی۔ دو سال بعد جب دیورانی بیاہ کے گھر آئی تو ہم نے سوچا کہ چلو گھر کی کچھ ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا مگر ہائی وہ تو میڈم صاحب دفتر جانے سے پندرہ منٹ پہلے اٹھیں، تیار ہو اور میاں کے ساتھ یہ جا وہ جا۔ کافی عرصے تک ہم اسی غم میں جلا رہے کہ کمال کو وقت پر ناشتا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پر تو بعد میں پتا چلا کہ دونوں میاں بیوی پشاوری ہوٹل پر … ناشتا کر کے دفتر جاتے تھے اور اکثر تو دفتر سے واپسی پر روغنی نان لا رہے ہیں تو کبھی تندوری روٹی ساتھ میں نہاری، پائے یا چپلی کباب۔ کبھی … لوگ یہ مت سمجھیے گا کہ وہ … لاتے تھے۔

جی نہیں، ہمارے سسر کو کہ ریٹائر ہو چکے ہیں مگر ماسٹر گیری ان میں ابھی بھی ہے۔ شروع سے ہی یہ حکم تھا کہ بس مغرب کی نماز کے بعد دسترخوان بچھ جانا چاہیے۔ پہلے ہماری ساس صاحبہ اس فرمان کو پورا کرتی تھیں اور اب ہمارے ناتواں کندھوں پر یہ ذمہ داری آ پڑی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی تو مجھے لگتا کہ جان بوجھ کر دیر سے آتے تاکہ ہم ان کے ان شاہی کھانوں میں حصہ دار نہ بنیں۔ یہ تو میں تھی جو صبح جھوٹے برتنوں کو سونگھ سونگھ کے اندازہ لگاتی تھی کہ سلمٰی اور کمال نے رات میں کیا کھایا اور پھر مت پوچھیں کہ سینے پر کیسے سانپ لوٹتے تھے۔

تب سے میں نے سوچ لیا تھا کہ سب سے چھوٹے دیور جمال کی بیوی میں اپنی مرضی سے لاؤں گی تاکہ میرے ہاتھ کے نیچے رہے اور ہماری ساس بھی اس بات پر متفق تھیں کہ وہ مجھلی کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکی تھیں۔ آخر مجھے اپنے دور کے رشتے کے ماموں کی بیٹی سمجھ میں آہی گئی۔ کم سن بھی تھی اور پیاری بھی زمانے کا ابھی رنگ بھی نہ چڑھا تھا خیر سے انیسواں سال ہی لگا تھا۔ مگر یہ میری نری خوش فہمی … معاملہ ہی دوسرا تھا۔ وہ جو سبق اسے … آئی تھی، سب پر بھاری تھا … روز اول۔ "بس جناب پہلے … اس نے ایسا صور پھونکا کہ … اگلی دونوں کا تو یہ عالم تھا کہ … اوپر جا رہی ہے … کپڑے دھوتے جا رہے ہیں۔ … ہوتے ہوئے ہدایت کرتے جایا جاتا۔ … اپنا کو اٹھاتا نہیں۔ رات میں کافی دیر تک جاگتی رہی تھی۔" وغیرہ وغیرہ اور اگر کبھی اتنی خدمت گزاری پہ پوچھ لو کہ کیوں میاں "تم اسے بیاہ کر لائے ہو یا وہ تمہیں؟" تو فرماتے۔

"بھابھی! وہ بہت کم عمر ہے۔ اس سے کام کروانا اچھا نہیں لگتا۔ پھر اسے کہاں سیڑھیاں چڑھ اتر کرنے

کی عادت ہے۔"

"لو جی! اب تو جیسے بڑھاپے میں شادی کر کے آئے تھے۔ یہ تو مجھلی سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی، وہ تو خیر دفتر میں کام کر کر کے تھک جاتی تھی یہ نواب زادی تو سوتے میں ہی ہل جوت کے تھک جاتی ہے۔" پورے سال بھر تک جان کلستی رہی۔ جب ہماری ساس اللہ بخشے انہیں … اوپر سدھاریں تو ہم نے صاف اعلان کر دیا کہ بس اب سب اپنا کام کریں اور اپنا کھانا بنائیں اور جھاڑو برتن بھی سب اپنے اپنے … خود کریں کہ بہت ہو گئی جی حضوری۔

آخر شادی … سال بعد یہ موقع آیا تھا کہ اپنے جی … کر سکیں۔ صبح کا ناشتا میں سسر کو … کھانے کی ذمہ داری مجھلی کے ذمے … کی پیدائش کے بعد اس نے بھی دفتر کی … دی تھی اور رات کا کھانا چھوٹی کے ذمے تھا کہ وہ چھوٹی اب اتنی بھی چھوٹی نہ تھی۔ خیر سے ایک سال کی بچی تھی اور اب دوسرے کی آمد تھی۔ بچے میرے اسکول سے آتے، کھانا کھا کے سو جاتے۔ پھر ٹیوٹر آتا تو تینوں پڑھنے بیٹھ جاتے۔ مغرب کے بعد پھر مولوی صاحب آجاتے۔ یوں بچوں کی طرف سے قدرے اطمینان تھا۔ مجھلی کو بھی میری دیکھا دیکھی حرص ہوئی اور اس نے بھی میرے بچوں حذیفہ، منیبہ اور عباد کی طرح اپنے دونوں بیٹوں عمیر، اسامہ کے لیے الگ ایک ٹیوٹر لگوا لیا تھا۔ راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا مگر قدرت کو یہ سکون پسند نہ آیا۔

ہوا یوں کہ ہمارے پڑوس کے گھر میں صدیقی صاحب آکے بس گئے۔ مستقل نہیں جناب کرائے دار کی حیثیت سے۔ یارانہ تو ہمارے سسر اور صدیقی صاحب میں پہلے ہی خوب تھا اب تو ہر وقت کا آنا جانا ہو گیا اور ہمارے سسر جو ساس کی موت کے بعد کچھ کچھ مرنجان مرنج قسم کی شخصیت بنتے جا رہے تھے۔ پھر سے ان کے اندر کا ہیڈ ماسٹر بیدار ہونے لگا۔ اب وہ ہوتے تھے اور صدیقی صاحب کی بہوؤں کے قصیدے

اور پھر ان قصیدوں کی روشنی میں ہمیں فرمان جاری کیے جاتے۔ "بہو! کیا ہر وقت مہمانوں کے آنے پر باہر سے … منگوائی ہو۔ ایک دو چیزیں گھر میں بنا کے رکھا کرو۔ آلو کے کباب بنا کے رکھو، دو ماش کی دال کے بڑے بنا کے فریز کرو، کبھی کوئی میٹھا بنا لو۔ کبھی صدیقی کے گھر جاؤ تو کھانے کی میز دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز بڑی بہو نے بنائی ہے تو کوئی منجھلی نے۔ چائے ہے تو چھوٹی لے کر چلی آ رہی ہے۔

ایک کا مہمان سب کا مہمان ہوتا ہے۔ ایک تم تینوں ہو۔ مجھلی کے مہمان آئیں تو تم اوائی کھٹوائی لے کر پڑ جاتی ہو اور تمہارے آئیں تو چھوٹی کو میکے کی یاد ستا رہی ہوتی ہے۔"

اب ابا جان سے کوئی کہے کہ مجھ میں، مجھلی اور چھوٹی میں کوئی بہناپا مسئلہ ہے کہ ان کے آنے کی نازبرداریاں کرتے رہیں۔

رہی بات صدیقی صاحب کی تو ان کے گھر کا تو معاملہ ہی نرالا ہے۔ بڑی بہو ثمینہ بیاہ کر آئی تو اللہ جانے ساس سسر اور دیور مجاہد پر کیا جادو کیا کہ ایک سال بعد ہی ثمینہ کی چھوٹی بہن طیبہ مجاہد کی بیوی بن کر آگئی۔ اب بہن تو بہن کے کام آئے گی ہی نا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ مجاہد کی شادی میں ہی تیسرے نمبر والے شاہد کو طیبہ کی سہیلی مہرافروز پسند آگئی۔ طیبہ کو … تو فوراً … سہیلی کے تعریفوں کے پل باندھے۔ ثمینہ تو تھی ہی طیبہ کی پشت پر۔

ساس سسر نے جو نئی نویلی بہو کے منہ سے سہیلی کے قصیدے سنے تو وہ بھی راضی ہو گئے۔ … چھ مہینے بعد سہیلی بھی گھر میں آگئی۔

مہرافروز تھیں تو نازک اندام مگر دماغ انہوں نے اعلا پایا تھا۔ شادی کے دو مہینے بعد جب ڈاکٹر نے انہیں بیڈ ریسٹ کا کہا تو اس نے فوراً سے پیشتر اپنی چھوٹی بہن نگہت افروز کو بلا بھیجا جو بی اے کے پیپر دے کر فارغ تھی۔ ایسی حالت میں کون ان کی دل آزاری کرتا اس

لیے بڑی خوشی سے نگہت افروز کو خوش آمدید کہا۔ بس جناب پھر کیا تھا کیوپڈ کا تیر چلا اور چھوٹے دیور بھی گھائل ہو گئے۔

پھر کیا تھا ادھر مہرافروز کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی اور ادھر دو مہینے بعد ہی نگہت افروز بھی عدیل کی بیوی اور صدیقی صاحب کی چوتھی بہو کی حیثیت سے ان کے گھر آ گئی۔ اب اتنا بہناپا اور سہلاپا آپس میں ہو گا تو جی ضروری تو گریں گی نا۔

"ہا! ایک کھیر کے پیالے نے کیا کچھ یاد دلا دیا تھا۔" میں نے جا کے کھیر کا پیالہ کچن میں پٹخا۔ اب شمسہ آپا کے گھر جانے کا وقت ہی کہاں رہا تھا کہ بچے آنے والے تھے "وہی چولہا چکی" وہی سسرال اور وہی سسر کا بھونا۔"

میں نے چیزوں کو پٹخنا شروع کر دیا۔ دماغ کی کھولن بڑھتی جا رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"سچ میں شمسہ آپا جو سکون تمہارے اس چھوٹے سے فلیٹ میں آ کر ملتا ہے نا وہ ہمارے جنجال پورہ میں ہرگز نہیں ملتا۔" میں نے منہ بناتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور پاؤں میز کی سطح سے لگا دیے۔

"اکیلی ہی چلی آئیں فاطمہ! بچوں کو بھی لے آتیں، کافی دن ہو گئے انہیں دیکھے ہوئے۔" شمسہ آپا ٹرالی بھر کے لوازمات لیے چلی آئیں۔

"ارے رہنے دیں شمسہ آپا! دو گھڑی تو سکون کا سانس نصیب ہو لینے دیں۔ اپنے دادا کے پاس سو رہے تھے میں ان کو بتا کر نکل آئی۔"

"کیسے ہیں تمہارے سسر۔" شمسہ آپا نے پلیٹ ٹرالی میں سے نکال کر میری سمت بڑھائی۔

"ہمارے سسر واہ بھئی! ان کا تو بس نہ چلے، ہمیں نذیر احمد کے زمانے میں لے چلیں اور [illegible] چھوڑ دیں۔" میں نے جلے دل کے [illegible] اور پلیٹ بھرنا شروع کی۔ چپس [illegible] بسکٹ، فروٹ، کولڈ ڈرنک اور [illegible] تھوڑی دیر میں شمسہ آپا چائے بھی لے آئیں گی۔

"ایسی شاندار شام کی چائے ہمارے گھر میں کہاں نصیب ہو گی۔"

"کیوں کیا ہوا؟ پھر تمہاری دیورانیوں سے تو تو میں میں ہو گئی کیا؟"

"ارے دیورانیاں، مائی فٹ! ان کو تو میں پیر کی جوتی کے برابر نہ سمجھوں۔ اصل مسئلہ تو ہمارے ہمسائے بنے جا رہے ہیں۔ صدیقی صاحب، اف! بس سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، ان کی بہوؤں کے قصیدے اپنے سسر کے منہ سے سن سن کر میرا تو کلیجہ راکھ ہو کے رہ گیا ہے۔"

"کیوں اب ایسا کیا ہو گیا؟"

"ارے آپا، صدیقی صاحب گلشن اقبال میں اپنا گھر بنوا رہے ہیں۔ گھر کیا ہے پورا بنگلہ ہے چاروں بیٹوں کے چار پورشن نکالے ہیں۔ اس کے علاوہ مشترکہ لاؤنج، ڈرائنگ، ڈائننگ روم وغیرہ وغیرہ۔

بس ہمارے سسر صاحب جب سے نقشہ اور زمین دیکھ کر آئے ہیں تب سے ان کی بہوؤں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

'دیکھ کر بیٹے گھر نہیں بناتے، بہوئیں بناتی ہیں [illegible] چاروں کو دیکھو کیسے مختلف گھرانے [illegible] رہی ہیں اب پھل پائیں گی [illegible] ایک تم تینوں ہو آپس میں [illegible] ہے۔ ساری کمائی [illegible] اور ٹیوٹر کے جانے میں [illegible] سات افراد کے گھر میں بھی تین [illegible]۔ پھر بچوں کے سلسلے میں بھی [illegible] ایک کا ٹیوٹر آ رہا ہے تو ابھی دوسرے کا آ رہا ہے۔ اتفاق کی برکت ہی نہیں رہی۔'

ایک وہ چاروں ہیں۔ طیبہ اور نگہت پڑھنے میں اچھی تھیں اس لیے اب چاروں کے بچوں کو وہ پڑھاتی ہیں۔ ٹیوٹر کا کوئی خرچہ ہی نہیں۔ شام کے سارے کچن کے کام بڑی اور منجھلی دیکھ لیتی ہیں۔ صبح کی ساری صفائی اور کھانا طیبہ اور نگہت کر لیتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔" میں نے کڑھتے ہوئے کولڈ ڈرنک کے بڑے بڑے دو تین گھونٹ حلق کے اندر انڈیلے۔

"چلو اچھا ہے یہاں سے چلے جائیں گے تو تمہاری تو مشکل آسان ہو گی۔" شمسہ آپا نے مجھے دلاسا دینا چاہا۔

"ارے کیا خاک مشکل آسان ہو گی۔ ابھی تو گھر تیار ہوا ہے۔ صرف بنیاد پڑی ہے۔ سال [illegible] جانے والے نہیں اور وہ تو جیسے [illegible] ہمارے سسر وہاں بھی جانے کو تیار [illegible] بلکہ وہاں سے بھی ان کی بہوؤں [illegible] باندھ کر آئیں گے [illegible] افشا کر کے رکھ [illegible] کی تھی تو مہرافروز باری باری [illegible] لگا کے دے رہی تھی۔ نگہت [illegible] بچوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ [illegible] کی ہوئی تھی۔ جو کولڈ ڈرنک کے دو [illegible] بھی کم نہ ہوئی تھی۔

"[illegible] تمہارے مسئلے کے لیے ایک ٹوٹکا ہے میرے پاس۔"

"سو فیصد خالص۔ انگریزوں نے اسے اپنایا تھا تو سو سال ہم پر حکومت کی تھی۔" شمسہ آپا نے ڈرامائی انداز اختیار کیا۔

"تو کیا شمسہ آپا، جلدی بتائیں۔" میں پرجوش ہو گئی۔

"اوہوں۔ ایسے نہیں کان قریب لاؤ بڑی راز کی بات ہے۔ بس اس کے لیے تمہیں سلمیٰ اور رعنا کو بھی اپنے ساتھ ملانا پڑے گا۔ پھر دیکھنا سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔" شمسہ آپا کا انداز ایسا تھا کہ مجھے لگا اب معاملہ نمٹا ہی نمٹا۔ مگر دونوں دیورانیوں کے ذکر پر حلق اندر تک کڑوا ہو گیا۔ مگر کیا کرتی کہ ان چار بہوؤں سے نمٹنے کے لیے ان دونوں کو بھی منصوبے میں شامل کرنا ضروری تھا۔ ان چاروں کے بہناپے، سہلاپے اور سگھڑاپے نے ہم تینوں کو ہی [illegible] لگا دیے تھے۔

سسر صاحب [illegible] کو تو انہوں نے اپنے بس میں کیا ہی تھا اب تو ہمارے [illegible] حضرات بھی آتے جاتے بہانے بہانے سے ان چاروں کے [illegible] چٹخارے لیتے پائے جاتے تھے کہ مانو یا نہ مانو [illegible] ہی بناتی ہیں اور سسر کی بات تو پھر [illegible] ہو جاتی تھی۔ مگر میاں کی بات تو جا کے دل کو لگتی کہ گویا ذکر پڑوسن کا نہیں بلکہ سوکن کا ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں نے کان آگے کر دیا جیسے جیسے شمسہ آپا بتاتی جا رہی تھیں ویسے ویسے میرے منہ کا زاویہ خود بخود درست ہوتا جا رہا تھا۔

"واہ شمسہ آپا، مان گئے۔ ہم تو سمجھے تھے یہ انگریز صرف سوری اور تھینک یو کا ہی رواج ڈال کر گئے ہیں مگر پتا نہ تھا کہ اتنی پتے کی بات بھی کہہ گئے ہیں۔"

"بس تو اب اگلی دفعہ آنا تو خوشخبری کے ساتھ آنا اور ساتھ دو چار کلو مٹھائی بھی لیتی آنا۔" شمسہ آپا نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ساتھ ہی ہنس پڑی۔

✡ ✡ ✡

میں اطمینان سے صوفے پر دونوں پیر جما کے بیٹھ گئی اور موبائل سنبھال لیا۔ میرے ہاتھ میں پرچی پکڑی تھی جس پر صدیقی صاحب کے گھر کے ٹیلیفون کا نمبر درج تھا۔ دوسری طرف بیل جانے لگی۔ پھر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ میں نے ذہن میں سوچے گئے منصوبے کے مطابق طیبہ کو بلوا لیا۔

"جی میں طیبہ ہی بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف سے تصدیق کی گئی۔

"کیسی ہیں طیبہ جی آپ۔" میں نے آواز میں کافی تبدیلی کر لی۔

"جی! میں تو خیریت سے ہوں مگر آپ کو میں نے پہچانا نہیں۔" اس نے واقعی نہیں پہچانا تھا۔

"جی میں اگلے محلے میں رہتی ہوں۔ مجھے اپنے بچوں کو آپ سے ٹیوشن پڑھوانا ہے۔ بڑی تعریف سنی ہے میں نے آپ کی۔"

"مگر ہم تو یہاں سے سال چھ مہینے میں چلے جائیں گے۔ پھر آپ کے بچے ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔" تعریف

ایک چیز ہوتی ہے جو اچھے بھلے بندے کو چاہلوں خانے چت کر دیتی ہے سو طیبہ کا لہجہ بھی مٹھاس بھرا ہو گیا۔

"اچھا خیرت ہے۔ مجھے تو کچھ اور ہی پتا چلا تھا۔" میں نے تھوڑا ڈرامائی انداز اختیار کیا۔

"کیا سنا تھا آپ نے؟" وہ جاننے کے لیے بے چین تھی۔

"جی یہی کہ آپ کا جو نیا گھر بن رہا ہے" وہ دونوں چھوٹے بیٹوں اور بہوؤں کے لیے ہے اور آپ اور بڑی والی اپنے اپنے خاوندوں کے ساتھ یہیں رہیں گی۔"

"آپ سے کس نے کہا؟" طیبہ کے لہجے کی مٹھاس کچھ کم ہو گئی۔

"پچھلے ہفتے آپ کے محلے میں جو قل خوانی ہوئی تھی اس میں ذکر خیر ہو رہا تھا۔ مہرافروز اور نکہت افروز بھی تو وہیں تھیں۔ میرے خیال سے انہوں نے ہی کہا ہو گا۔" میں نے اپنا لہجہ سرسری کر لیا۔

"اچھا اور واہ" سیلی میری بیاہ کے اس خاندان میں وہ میری بدولت آئی اور میری ہی جڑیں کاٹ رہی ہے۔ میں نے اور ثمینہ آپا نے اپنے اپنے زیور بیچے ہیں اس گھر کی زمین خریدنے کے لیے اور جا کے یہ دونوں رہیں گی دیکھتی ہوں کیسے ہوتا ہے یہ سب؟"

طیبہ کے لہجے کی ساری مٹھاس ختم ہو چکی تھی اور ساتھ ہی میرا کام بھی۔ اس لیے میں نے لائن منقطع کر دی۔ مجھے یقین تھا کہ ان کے گھر میں نا اتفاقی کا بیج تو میں نے بو ہی دیا تھا۔ اب اگلا قدم مجھلی کو اٹھانا تھا۔

اور یہ موقع سلمٰی کو جلد ہی مل گیا۔ جب ایک روز اسے مہرافروز سبزی مارکیٹ میں ایک ٹھیلے کے آگے بھاؤ تاؤ کرتی نظر آئی۔

"ارے آج آپ اکیلے۔ باقی تینوں کہاں ہیں؟" سلمٰی نے مزاح کے انداز میں کہا۔ تو مہرافروز [illegible] دیں۔

"بڑی بھابی کا بلڈ پریشر بڑھا ہوا تھا [illegible] رہی تھیں۔ طیبہ میکے گئی ہوئی ہے اور [illegible] افروز نے یقیناً" بچے سنبھالے ہوئے ہوں گے کیونکہ اب تک سب اسکول سے آ چکے ہوں گے اور مجھے تو شام میں کھانا پکانا تھا اس لیے سبزی لینے چلی آئی۔"

"اتنی گرمی میں آپ یہاں مارکیٹ کی خاک چھان رہی ہیں۔ اور ادھر نکہت سب کے بچوں کے لیے ہلکان ہو رہی ہو گی۔ آپ دونوں اتنی اچھی، محنتی اور پرخلوص ہیں مگر ثمینہ بھابی اور طیبہ اس طرح نہیں سوچتیں۔

اڑتی اڑتی محلے میں سنی ہے میں نے کہ دونوں نے نئے مکان کی زمین خریدنے کے لیے اپنا زیور بیچا ہے اس لیے نئے گھر پر صرف انہی کا حق ہے۔ خدا لگتی کہوں مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا جب سے سنا ہے۔" سلمٰی نے دکھی لہجہ بنایا۔

"کیا واقعی؟" مہرافروز بے یقین تھی۔

"جی ہاں کچھ ایسا ہی سنا ہے۔"

"اچھا جب ہی میں کہوں کہ بڑی بھابی اور طیبہ آج کل ہم دونوں سے کھنچی کھنچی کیوں ہیں۔ ارے ہم نے کچھ نہیں لگایا تو کیا ہوا ہم دونوں کے خاوند تو ہر طرح سے پیسہ لگا رہے ہیں نا۔

چھٹانک بھر تو زیور تھا ان کا کون سا دس بار تولے تھا۔" مہرافروز اس وقت پوری طرح اپنی دیورانی [illegible] روپ میں تھی جسے اپنی جٹھانیوں سے [illegible] کا بیر رہتا ہے۔

"ارے مہرافروز۔ ایسے [illegible] ہلکان ہوتے دیکھ کر [illegible] [illegible] کہ سلمٰی نے [illegible]

"ارے [illegible] آپ تو فرشتہ صفت ہیں [illegible] کی طرح ہی [illegible] اور ہماری جیٹھانیاں ہمارے سارے حقوق غصب کرلیتیں اب تو گھر میں معرکہ ہو کے رہے گا۔ طیبہ میری سہیلی ہے تو کیا۔ میں آج ہی ابا جی سے بات کرتی ہوں۔"

مہرافروز کا پارہ ہائی ہو چکا تھا۔ سلمٰی نے اپنا سبزی کا تھیلا ہاتھ میں تھاما اور گھر کی راہ لی اور گھر آ کے اس نے بڑے مزے سے ساری روداد مجھے سنائی۔

صدیقی صاحب کے ہاں آنگن میں گرہ تو پڑ ہی چکی تھی رہی سہی کسر چھوٹی بیٹا نے پوری کر دی کہ چھوٹی تھی تو کیا ہوا آنگن کی تو پوری تھی۔

تفصیل تو آپ جانتے ہی ہیں نا؟ بس ایک دن ثمینہ سے کروشیا کا ٹانکا کیا سیکھنے گئی۔ دو چار جملے اپنے مخصوص انداز میں کہہ کر ان کو بھی چڑھا آئی۔

بس پھر کیا تھا وہ گھر جہاں کا اکیلا [illegible] خواتین کی آواز بھی محلے میں سنائی نہ دیتی تھی اب اکثر وہاں سے شور بلند رہتا تھا اور [illegible] میں ہمیں ضرور صاف سنائی دیتا [illegible] بھی ایسا ہی شور ہمارے گھر [illegible] جب ہم تینوں کی آپس میں [illegible] جلتی پر تیل کا کام ابا جی کی زبان کرتی [illegible] پڑوس کی بہوؤں کے قصیدے میں [illegible] رطب اللسان رہتی تھی۔

مگر اب کئی دنوں سے ابا جان چپ سے تھے۔ صدیقی صاحب کے گھر جانا نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا اور ماسٹر گیری بھی۔

"یہ کیں ابا جان چائے۔" میں ان کے کمرے میں آئی تو وہ چھت کو گھور رہے تھے۔

"مجھلی بسکٹ لے آؤ اور چھوٹی تم وہ سموسے تو ابا جان کو چیک کراؤ جو کل تم نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں دیکھ کر بنائے تھے۔" میں نے دونوں کو آواز لگائی۔ ابا جان اب اکثر حیران رہتے تھے کہ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی۔

اور اسی سے دروازے پر دستک ہوئی۔ کھولا تو صدیقی انکل کھڑے تھے۔

"ارے انکل السلام علیکم! آئیے نا۔ کیا خوب وقت پر آئے ہیں آپ۔ ارے سلمٰی! ایک کپ چائے اور لے آنا۔ صدیقی انکل بھی آئے ہیں۔" میں نے اندر کی جانب آواز لگائی۔ ادھر صدیقی صاحب یہ سب دیکھ کر حیران تھے کہ علیم الدین جو اکثر اپنی بہوؤں سے شاکی رہتے تھے وہ سب کیسے اپنے سسر کی خدمت میں حاضر ہیں اور ادھر ہمارے ابا جی شرمسار تھے کہ سالوں تو وہ منظر نامہ تھا جو کبھی صدیقی صاحب کے ہاں پایا جاتا تھا۔ میں ان دونوں بزرگ حضرات کی حالت سے حظ اٹھاتی سلمٰی اور چھوٹی کے پاس چلی آئی۔

"بہو نے میں اتفاق کی برکت ختم کروائے کرواتے" [illegible] نہ چلا کہ ہم میں کب اکٹھا ہو گیا اور چونکہ ابا جان کی ماسٹر گیری کی ہمیں بھی عادت ہو چلی تھی اس لیے ہم نے اس کا بھی حل ڈھونڈ نکالا تھا۔

کل بس دونوں ٹیوٹرز کا آخری دن تھا۔

ابا جان اپنے وقت کے ماہر استاد رہے ہیں تو اب سے ہمارے بچوں کو وہی پڑھائیں گے۔ پھر دوست سے یارانہ نبھانے کا ان کے پاس وقت بھی نہ رہے گا۔ اس لیے آج تو انہیں مزا لینے ہی لینے دیں اور ہاں کون تین تین ہنڈیا پکانے میں اپنا وقت گنوائے اب جو بھی ہو گا مشترکہ ہی ہو گا ہم کچھ بچت کریں گے تبھی تو اپنے بچوں کا مستقبل سنوار پائیں گے۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے شمسہ آپا نے ایسی کون سی راز کی بات کہہ دی تھی جس نے ہماری کایا ہی پلٹ دی۔ تو سنئے "یہ وہی نسخہ ہے جسے انگریزوں نے اپنایا تھا تو سو سال ہم پر حکومت کی تھی۔

یعنی Divide and rule (تقسیم کرو اور حکومت کرو)

"ہو سکتا ہے آپ ہمیں برا سمجھ رہے ہوں کہ ہم نے ہمسائے کے گھر میں فساد کا بیج بو دیا پر یقین جانئے ہم اتنے بھی برے نہیں ہیں۔ کچھ دن ان چاروں میں تو تو میں میں ہو جانے دیں۔ اس کے بعد ہم تینوں درمیان میں پڑ کر صلح صفائی کرا دیں گے۔

پھر دیکھیے گا جس طرح صدیقی صاحب کی بہوؤں کے درمیان اتفاق کی برکت کا بڑا شہرہ تھا اب اسی طرح ہمارے نام کا ڈنکا بجے گا۔

"میرا نام تو ابھی سے یاد کر لیجئے۔ علیم الدین صاحب کی بڑی بہو ہوں۔ فاطمہ ہاشم نام ہے میرا۔

لیکن ایک بات اور ذرا غور کیجئے۔ یہ ہمارے ملک میں جو تعصب پھیلایا جا رہا ہے اس کے پیچھے بھی کوئی پڑوسی تو نہیں؟

نایاب جیلانی

دوسرا آخر



قائداعظم سٹریٹ، ایم جنوری۔

آج صبح سے موسم ابر آلود تھا۔ مغرب کی طرف سے کالی گھٹائیں امڈ امڈ کر آرہی تھیں۔ مگر دور دور تک بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بادل جھلک دکھلا کر کسی اور سمت نکل جاتے تھے۔ بادلوں کی آنکھ مچولی نے کئی دنوں کے جمع شدہ کاموں کی فہرست میں اضافہ کر دیا تھا۔

بل وغیرہ جمع کروا کے اس نے لگے ہاتھوں یوٹیلٹی اسٹور سے کچن کا راشن بھی خرید لیا تھا۔

"ساشی!" نوشی نجانے کس دوکان میں گھسی تھی اور نجانے کب اس کی ساشا پر نظر پڑی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ لدی پھندی اس کے سامنے تھی۔

"وہ تم" ساشی کو رکنا ہی پڑا۔

"آنا تھا تو کم از کم بتا کر آتیں۔ میں تمہاری ماری پھر رہی ہوں۔ اور اوپر سے یہ بھاری بھرکم شاپر۔" نوشی ہانپ ہانپ گئی اور کمال پھرتی سے اپنے ہاتھوں اور کندھوں کا بوجھ اس پر لاد کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تب ہی رکشہ والا قریب آکر رکا تھا۔

"میرا شاپر کہاں ہے۔ کم از کم اسے ہی پکڑ لو۔" وہ شاپروں اور تھیلیوں کی پہاڑی میں دب چکی تھی۔

"وہ میں نے رکشے والے کے پاس رکھوا دیا ہے۔ ذرا سر اونچا کر کے دیکھو۔" نوشی نے کمال اطمینان سے

مکمل ناول



کہا۔

"کس قدر منحوس گھڑی تھی جب تمہاری نظر مجھ پر پڑی۔"

ان دونوں کے گھر ایک ہی لین میں ایک ہی کالونی میں تھے۔ نوشی کی فیملی تو پچھلے تیس سالوں سے یہاں قیام پذیر تھی۔ تاہم ساشا اور اس کی امی حال ہی میں یہاں شفٹ ہوئے تھے۔ عارضی طور پر قیام کی وجہ ان کا زیر تعمیر گھر تھا۔ جسے بھیا اب نہ صرف مکمل کروانے بلکہ فرنشڈ کروانے پر بہت اصرار کر رہے تھے۔ اور ان ہی کے اصرار پر امی کرائے کے مکان میں رہنے کے لیے رضامند ہوئی تھیں۔ گھر کی تعمیر زور و شور سے جاری تھی۔ بھیا اپنی نگرانی میں کام کروا رہے تھے۔

مسئلہ تھا تو کسی اچھے علاقہ میں گھر لینے کا اور یہ مسئلہ چٹکیوں میں بھیا کی سسرالی فیملی نے حل کر دیا تھا یعنی نوشی کی فیملی نے۔ اپنے گھر کچھ فاصلے پر کسی چوہدری حیات سرور کی کوٹھی کرائے پر لے دی۔ امی اور بھیا کو انیکسی پسند آگئی تھی۔ سامان وغیرہ بھی شفٹ کروا دیا تھا مگر جب ساشا نے گھر میں قدم رنجہ فرمایا اور نوشی کے ہمراہ ارد گرد کا جائزہ لیا تو اسے کم از کم ارد گرد کی لوکیشن ہرگز نہیں بھائی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی۔

ان کے گھر سے صرف چار قدم کے فاصلے پر چوہدریوں کا خاندانی قبرستان تھا۔ ارد گرد تین پلاٹ خالی تھے۔ پھر بیگ صاحب کا گھر تھا اور اس سے آگے نوشی کا گھر۔ گلی کے آخری کونے میں یہ اداس ویران کوٹھی اور اس سے چار قدموں کے فاصلے پر شہر خموشاں۔ جس کی چار دیواری خاصی بلند تھی۔ لوہے کا پھاٹک بھی موجود تھا۔ مگر ٹیرس پر کھڑے ہوں یا گیٹ سے باہر قبرستان ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ شہر خموشاں میں تیرہ یا چودہ قبریں تھیں اور یہ قبریں [illegible] ان کے آبا و اجداد کی تھیں۔

مسئلہ یہ ہی نہیں تھا کہ قبرستان [illegible] کیوں ہے۔ اصل پرابلم تو [illegible] شاں میں موجود ایک کونے میں تازہ تازہ بنی [illegible] قبریں۔ ان دو قبروں کے سرہانے کی طرف سیمنٹ سے بنایا گیا دل۔ جس کے عین وسط میں جلی حروف میں لکھا تھا۔ "عفیفہ فائقہ توصیف" "چوہدری توصیف احمد"۔ "یہ ان دونوں کی آخری آرام گاہ تھی۔ ان کے حوالے سے جو داستان سامنے آئی تھی" اسے سن کر ساشا کا دل ہل کر رہ گیا تھا۔

اس کے لیے غیر ارادتاً بھی ان دو قبروں کی طرف دیکھنا کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ مگر پھر بھی ان دو قبروں کو دیکھنا اس کا معمول بن گیا تھا۔ وہ اکثر ان قبروں پر جاتی۔ ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعا کرتی۔ دو محبت کرنے والوں کی المناک موت نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔

"بی بی! گھر کا پتہ بتاؤ۔" رکشے والے کی کھردری آواز اسے سوچوں کے سمندر سے کھینچ لائی۔ نوشی فرفر پتہ سمجھانے لگی تھی کہ رکشے والے نے بات کاٹ کر کہا۔

"یوں بولو نا۔ حیات کالونی جانا ہے۔"

"جی ہاں۔" نوشی نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ وہ علاقہ حیات کالونی کے نام سے ہی مشہور تھا۔

رکشہ پہلے نوشی کے مکان کے سامنے رک گیا تھا۔

وہ سامان سمیت اتر گئی۔

"تم بھی آجاؤ نا۔" نوشی [illegible] تھی۔

"رات کو [illegible] ابھی امی انتظار کر رہی ہوں [illegible] رکشے والے کو آگے چلنے کے لیے کہا [illegible] کے بعد رکشہ پھر سے رک گیا۔

رکشے والے نے کرایہ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"[illegible] آپ نے خرید لی ہے؟"

"نہیں کرائے دار ہیں۔ کوٹھی کا ایک حصہ کرائے پر لیا ہے۔" نجانے کیوں اس نے بغیر جان پہچان کے بتا دیا تھا۔

"چوہدری صاحب کی بیگم زندہ ہیں یا چل بسیں؟" رکشے والے کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں اور وہ قبرستان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ان ہی نے انیکسی کرائے پر دی ہے۔" اس نے شاپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ رکشہ والا متاسف سی آواز میں بولا۔

"بڑا صدمہ دیکھا تھا چوہدری صاحب نے۔ صرف سنتے ہی جی پائے تھے۔ خود بھی اس قبرستان کا حصہ بن گئے۔ زندگی میں ان کے لیے بچا ہی کیا تھا۔ بڑے خدا ترس انسان تھے۔ ان کی تو نسل ہی [illegible]"

"آپ جانتے ہیں چوہدری حیات سرور کو؟" وہ بلا ارادہ ہی پوچھ بیٹھی۔

"انہیں کون [illegible] اخبار میں کئی دن تک خبریں لگتی رہی [illegible] ایک آدمی تھے۔ ان کے بیٹے اور بہو [illegible] موت نے شہر بھر کو رلا دیا تھا۔ نجانے [illegible] لوگ توصیف احمد کا آخری دیدار [illegible] تھے۔ کرکٹ کے دیوانے تھے۔ کالج کی [illegible] سے کھیلا کرتے تھے۔ چوہدری صاحب کے [illegible] چشم و چراغ۔ رج رج کے سوہنے۔ یوں لگتا تھا رب رحیم نے بڑے پیار سے اس کا ایک ایک نقش سنوارا ہے۔ اتنا گبھرو جوان 'اتنا قابل' مٹی کے ڈھیری کے نیچے سو رہا ہے۔"

وہ ادھیڑ عمر آدمی کہہ رہا تھا اور ساشا کھڑی اس آدمی کی سرخ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے بہت قریب سے دیکھا ہے توصیف احمد کو؟"

"ان ہاتھوں نے اسے پروان چڑھایا تھا۔ یہ ہاتھ باؤلنگ کروایا کرتے تھے۔ میں اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ فٹ بال' کرکٹ.... اسے اسکول چھوڑ کر آتا.... لے کر آتا.... کلب لے کر جاتا.... لطیفے سناتا' ہنساتا.... اور وہ ہنستے ہنستے تھم جاتا' رک جاتا اور کہتا۔ "مجھے آپ مت بولا کریں بابا! آپ بڑے ہیں' آپ کا احترام میرا فرض ہے۔" اتنی میٹھی باتیں کرتا کہ جی چاہتا وہ بولتا رہے۔ میں سنتا رہوں میں چوہدری صاحب کا باورچی بھی تھا۔ ڈرائیور بھی تھا۔ ضرورت کے وقت گیٹ کیپر بھی بن جاتا۔" اب وہ بوڑھا آدمی آنسو پونچھ رہا تھا۔

"[illegible] صاحب اور ان کے بیٹے کے مرنے کے [illegible] دل اچاٹ ہو گیا۔ میں یہاں سے چلا گیا۔ مگر اب [illegible] کبھی یہاں آتا رہتا ہوں۔ کبھی فاتحہ پڑھنے' کبھی کسی سواری کو لے کر۔ آپ دونوں کو باتیں کرتا سن کر میں خود آپ کے قریب چلا آیا تھا۔ اس کالونی سے بڑی یادیں وابستہ ہیں میری۔"

وہ آدمی اب قبرستان کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رکشہ اسی جگہ کھڑا تھا۔ جبکہ ساشا علیم دم بخود کھڑی تھی۔

علیم قریشی محکمہ تعلیم میں ذمہ دار پوسٹ پر فائز تھے۔ ساری زندگی رزق حلال کمایا تھا۔ عمر بھر کی پونجی ایک واحد مکان تھا۔ اچھے وقتوں میں زمین خرید کر گھر تعمیر کروا لیا تھا جو بعد میں ان کی بیوہ اور یتیم بچوں کے کام آیا۔ سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ تو تھا ہی۔ روزینہ بیگم نے ایک اسکول میں نوکری کر کے گھر کی گاڑی کو گھسیٹ گھسیٹ کر بالآخر چلا ہی لیا۔

کنبہ مختصر تھا۔ ایک بیٹا حسیب اور اس سے چھوٹی ساشا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر انہوں نے خصوصی توجہ دی تھی۔ حسیب نیک طبیعت اور ذہین نوجوان تھا۔ ایک کمپنی میں اچھے عہدے پر فائز تھا۔ آفس کی طرف سے اسے کافی سہولیات ملی تھیں۔ سیونگ کی رقم کو اس نے محفوظ کر رکھا تھا۔ جو گھر کی تعمیر کے کام آ رہی تھی اور کچھ ساشا کی شادی کے لیے بینک میں محفوظ تھی۔

بیوگی کے بعد روزینہ بیگم کو نوشی کی والدہ نے بہت سہارا دیا تھا۔ ان کی محبتوں اور خلوص کی بدولت ان کا بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ اب جبکہ حالات سنورنے پر آئے تھے۔ تو روزینہ بیگم نے حسیب کے لیے سب سے پہلے نوشی کو ترجیح دی۔

وہ برے وقت کی سہیلی' ہمدم اور غم گسار ساتھی ریحانہ بیگم کے دل میں چھپی خواہش کو جانتی تھیں کہ

وہ بھائی بیگم حسیب کو اپنا دولہا بنانا چاہتی ہیں۔

ساشا کے مد حساس طبیعت رکھتی تھی۔ یہاں دونوں قبریں دیکھیں پھر حیات سرور کی زوجہ نیر حیات سے ملنے کے بعد اور نوشی کی زبانی قائمہ اور توصیف کی داستان سن کر وہ بہت مجسس ہو گئی تھی۔

وہ اس کہانی کے تیسرے کردار سے بھی ملنا چاہتی تھی۔ اسے دیکھنا چاہتی تھی اور اس تیسرے کردار تک پہنچنا اسی وقت ممکن تھا جب وہ نیر حیات کو اچھی طرح سے جان لیتی سمجھ لیتی۔

نیر حیات کون تھیں؟ حیات سرور کی بیوہ توصیف احمد کی ماں' قائمہ توصیف کی خالہ اور اس تیسرے کردار سے ان کا کیا رشتہ تھا۔

نیر حیات اپنے خول میں بند ایک خاموش' گم صم' اداس چلتی پھرتی لاش تھیں۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا۔ شہر خموشاں میں چراغاں کرنا' دیے جلانا' قرآن خوانی کرنا۔

ساشا کا خیال تھا کہ جس غم کے فیز سے وہ گزر رہی ہیں۔ یا پھر جس طرح ارد گرد کے لوگ ان کی خاموشی اور تنہائی کے متعلق مختلف تبصرے کرتے تھے۔ ساشا کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ اس قدر مہمان نوازی سے پیش آئیں گی۔ تین دن تک ناشتہ' کھانا اور اپنے ہاتھوں سے بنا کر بھیجتی رہی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ امی سے بھی خود ملنے کے لیے آئی تھیں۔ وہ بہت کم گو اور سنجیدہ مزاج تھیں۔ ساشا نے بہت کم انہیں مسکراتے دیکھا تھا اور صرف کچھ ہی دنوں میں وہ ان کے اتنا قریب آچکی تھی۔

وہ جاننا چاہتی تھی کہ توصیف اور قائمہ کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا۔

وہ اس بند داستان کے حرف حرف سے آگاہ ہونا چاہتی تھی۔ یہ جانے بغیر اس بات سے بے خبر [illegible] داستان کا حصہ بننے جا رہی ہے۔ شاید ہمیشہ [illegible]

☼ ☼ ☼

وہ جو چوری!

ابھی آج کو شمی کی واحد مکین نیر حیات سے ملنے چلی گئی تھیں۔ وہ جھکنے سے نوشی کی طرف آ گئی۔ نوشی اپنے ہمیشہ والے مشغلے میں مصروف تھی یعنی فون کان سے لگا تھا اور اس کی کتر کتر زبان چل رہی تھی۔

"کس سے بات کر رہی ہو؟" ساشا نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"جانتی تو ہو۔" وہ آنکھ دبا کر بولی۔

"بے شرم! ہر وقت میرے بھائی کے کان کھاتی رہتی ہو۔" ساشا نے اسے لتاڑا۔

"ماشاء اللہ! تمہارا بھائی میرے کان کھاتا ہے۔" اس نے جلدی جلدی گفتگو کو سمیٹا تھا۔ "کچی نند ہو ..... غلط موقع پر انٹری دی ہے۔"

"واپس چلی جاتی ہوں۔" ساشا بھنائی اور دھپ سے صوفے میں دھنس گئی۔

"اوہیں ... جانے دوں کی بھلا۔ یہ بتاؤ آنٹی کہاں ہیں۔" وہ قالین پر پھسکڑا مارے بیٹھ گئی۔

"نیر آنٹی کی طرف گئی تھیں۔" اس نے کارنر ٹیبل سے نوشی کا فائر اٹھا لیا۔

"اچھا ... اچھا۔" نوشی نے سر ہلایا۔ [illegible] کہاں آتی جاتی ہیں۔ جب سے ان [illegible] جب [illegible] ذات میں قید ہو کر رہ [illegible]

"تمہاری تیاریاں [illegible]" اب وہ جان [illegible] کر نوشی [illegible]

"تیاریاں [illegible] ہیں۔ یہ سراسر تمہارے بھائی کا [illegible] بیسٹ لکس کے دنوں میں [illegible] کا بھوت سوار کر لیا ہے سر پر۔" نوشی [illegible] گئی۔

"ہمت بے چینی ہے۔ ہمارے گھر میں آنے کی۔" اس نے نوشی کو چھیڑا۔

"تو اور کیا۔" نوشی نے جتا کر کہا۔ "ساری شاپنگ کا مزہ کرکرا ہو کر رہ گیا ہے۔" "اسے ڈبوں میں بند کپڑے دیکھ دیکھ کر تاؤ آتا تھا۔

"اور تمہیں شاپنگ کا بڑا وہی شوق ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہو ... میرا بس چلے تو شاپنگ کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی نہ کروں۔"

"میری بھائی کی جیب کا تو کباڑا کر دو گی۔" وہ فکر زدہ سی ہو کر بولی۔ "بھیا تو مقروض ہو کر رہ جائیں گے۔"

"ہم حکمرانوں کی طرح پیر پکڑ کر قرض معاف [illegible] واپس لے گے۔" نوشی شان بے نیازی سے [illegible]

"تمہاری بک بک تو چلتی رہے گی [illegible] چائے تو بنا کر لاؤ۔"

"وہ سامنے کچن ہے۔ [illegible] سامنے ہی رکھی ہے۔ ذرا ہمت [illegible] کے بجائے دو کپ بنا لاؤ۔" [illegible] سے پیار سے [illegible] ہو تم نوشی۔ کم از کم ہونے والی نند کا [illegible]

"[illegible] تمہیں [illegible] چلا ہے۔"

"[illegible] تو دوں مگر ہر دفعہ دھوکا کھا جاتی ہوں۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے اکلوتی دوست پلس بھابھی کو دیکھا۔

"چائے بنانی ہے۔ نہاری پکانے کے لیے تو نہیں کہہ دیا۔ اتنا سا کام نہیں کر سکتیں۔"

"اتنا کام تم ہی کر لو ہڈ حرام' کام چور' اناج کی دشمن۔" وہ پھنکاری۔

"بڑی بھابھی ہوں تمہاری' ہائے اللہ! ایسے القابات۔ اتنی ہی عزت ہے تمہاری نظر میں میری۔" نوشی نے جھوٹ موٹ کے آنسو پونچھے۔

"زیادہ ہوشیاری مت دکھاؤ۔" اس نے وارننگ دی۔ "اٹھتی ہو یا لگاؤں دو ہاتھ۔"

"مجھ مریض کو اٹھا کر تمہیں کیا ملے گا۔" اس نے مسکینی سے کہا۔

"ایک گرما گرم کپ چائے کا۔" اس نے گویا خوب ہی لطف لیا۔ "میں تم سے گن گن کر بدلے لوں گی۔" نوشی نے اسے دھمکایا۔

"یعنی بھابھی بن کر۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" نوشی نے شدومد سے سر ہلایا۔

"میں بھی کہیں اندھی [illegible] جاؤں گی۔ پھر کیا کرو گی تم؟"

"تو [illegible] بھائی کو لے کر الگ ہو جاؤں گی۔"

"[illegible] ارادے خاصے خطرناک ہیں۔ میں [illegible] رہی ہوں۔" اس نے آنکھیں پیچ کر [illegible] انداز میں کہا۔

"[illegible] کیسا ارادہ۔" نوشی ٹھٹکی۔

"تمہیں بھابھی بنانے کا۔"

"ہائے ظالم! ایسا ظلم مت کرنا۔" نوشی نے دردناک چیخ ماری۔ "میں کیا کروں گی؟"

"زہر کھا لینا۔" اس نے اطمینان سے مشورہ دیا۔

"یا خودکشی کروں گی یا چائے بناؤ گی۔" ساشا بھی دھاڑی۔

"اگر کچھ بھی نہ کروں تو؟"

"تو میں اس شادی کو جس کی پچھلے ایک سال سے تیاریاں جاری و ساری ہیں روک دوں گی۔" اس نے گویا اعلان کیا۔

"ظالم سماج!" نوشی نے منہ بنایا۔ "اس شادی کو رکوانے کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔"

"اٹھتی ہو یا حسیب بھیا کو کروں فون۔"

"اٹھ رہی ہوں۔ بن گئی ہو نا نند۔ بیمار بھابھی کا ذرہ بھر خیال نہیں۔" نوشی اچھل کر اٹھ گئی۔

"بیمار بھابھی ایک "جن" کے قابو میں ہی آ سکتی ہے۔ آخر ترپ کا یہ پتا میں نے پہلے کیوں نہیں پھینکا۔" ساشا خود کو داد دے رہی تھی۔

"کباب فریزر میں ہوں گے فرائی کر لینا۔" اس نے صوفے پر لیٹ کر اطمینان سے آرڈر دیا۔

"زہر نہ لا دوں تمہیں۔" نوشی نے کچن کی کھڑکی میں سے گولا چھوڑا۔

"چاٹ مسالے کی جگہ زہر چھڑک لانا۔" اسے کون سا پروا تھی۔

"میں تمہارے خود غرض خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتی۔" وہ فرائنگ پین میں تیل ڈال رہی تھی۔

"اب تو خود غرضی کے طعنے ہی دو گی۔ مطلب جو

"نکل گیا ہے؟"
"کیا مطلب؟"
"میرے بھائی پر ڈورے ڈال کر انہیں قابو تو کرچکی ہو۔ اب مجھ جیسی بے چاری نند تمہیں کھٹکے گی تو ضرور۔"

ان کی کھٹی میٹھی لڑائیاں کبھی ختم نہیں ہو سکتی تھیں۔ وجہ یہ تھی۔ وہ دونوں بچپن کی سگی ساتھی تھیں۔ ساشا کی امی اور نوشی کی امی دونوں کزنز تھیں۔ ایک دوسرے کے گھر شروع سے آنا جانا تھا۔ بی اے کے بعد ان دونوں نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ حسیب کی جاب لگتے ہی امی نے نوشی کو بھیا کے لیے مانگ لیا تھا۔ پچھلے سال ان دونوں کی دھوم دھام سے منگنی کر دی گئی تھی۔ شادی کی ڈیٹ طے کرنے کے بعد حسیب کو خیال آیا تھا کہ کیوں نہ اوپر والا پورشن بھی تعمیر کروا لیا جائے۔ بس اسی شوق اور مجبوری کے پیش نظر وہ گھر بدر تھیں اور نوشی کے گویا وارے نیارے ہو گئے تھے کہ ساشا سے روز ملاقات کا بہانہ ہاتھ آگیا تھا۔

"تمہارے گھر آنے کے فوراً بعد تمہیں ٹھکانے لگانے کا کام کروں گی۔"

"تو پھر جلدی آؤ نا۔ دیر کس لیے۔" ساشا نے بے تابی دکھائی۔

"کرتی ہوں آنٹی سے بات۔ پہلے تمہیں فارغ کریں۔ توبہ اتنی بے صبری۔" نوشی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"خود منگنی کروا کر شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو۔ اکلوتی سہیلی کا کچھ خیال نہیں۔"

"منگنی کے لیے مری جارہی ہو۔" نوشی نے ٹرے تقریباً پٹختے کے انداز میں میز پر رکھی۔

"نہیں۔" وہ کباب اور چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "شادی کے لیے۔" اس نے کچھ جب [illegible] کو ڈبویا۔ "میں منگنی کے جنجھٹ میں [illegible] چاہتی۔" اس کھلی بے شرمی کے مظاہرے پر نوشی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

وہ چائے کا کپ اٹھانے لگی تھی جب نوشی کے ہاتھ میں لرزتے ہوئے کو دیکھ کر اوپر کی طرف بھاگی۔

☆ ☆ ☆

چار جنوری!

نیر آنٹی کو اتنے دن بعد اس نے پہلی مرتبہ باغیچے میں بیٹھا دیکھا تھا۔ وہ اخبار سامنے پھیلائے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ ان کا دھیان اخبار کی طرف نہیں تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!" ساشا نے گلا کھنکار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ "نیر آنٹی! میں یہاں بیٹھ جاؤں؟"

"ہوں۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم...!"

"میں ساشا ہوں۔" اس نے ان کی مشکل آسان کر دی۔

"روزینہ کی بیٹی۔" انہوں نے ساشا کی امی کا نام لے کر تصدیق کرنا چاہی۔ ساتھ کرسی کی طرف اشارہ بھی کیا۔

"جی۔" ساشا ان کا اشارہ سمجھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"ماشاءاللہ بہت خوب صورت ہو۔"

"شکریہ۔" وہ کچھ شرما سی گئی۔

"پڑھتی ہو؟"

"نہیں [illegible]" [illegible] مسکرا کر بتایا۔

"گریجویشن [illegible]"

"[illegible] تمہیں کیا؟"

"[illegible]" اسے آنٹی کے چھوٹے چھوٹے سوال بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"[illegible] بھی بی اے کے بعد پڑھنے سے توبہ کرچکی تھی۔ اس کی ماں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے مگر اس نے اعلان کر دیا تھا کہ میرا موڈ نہیں۔ آج کل کے بچوں کے موڈ بھی نجانے کیا چیز ہیں۔ پہلے وقتوں میں یہ موڈ نہیں ہوتے تھے۔"

آنٹی نے خود بخود اس موضوع کو چھیڑ دیا تھا۔ جس بارے میں ساشا تذبذب کا شکار تھی۔

"قائمہ کون؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"میری بہو، میری سب سے چھوٹی بہن کی اکلوتی بیٹی۔" انہوں نے گہرا طویل سانس کھینچ کر بتایا تھا۔

"اب کہاں ہیں آپ کی بہو؟" اس نے ایک اور زخم ادھیڑنے والا سوال پوچھ لیا۔

"اس جگہ جہاں سے کوئی واپس نہیں ہوتا۔"

"آئم سوری آنٹی!" ساشا کو افسوس [illegible] تھا کہ اس لیے بھی کہ آنٹی کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے [illegible]

"آپ اس گھر [illegible]" [illegible] طور پر اس نے [illegible] دیا۔

"[illegible] والا اطلاع بسا چکے ہیں۔ کیا کروں [illegible] میرا نصیب ہے۔" ان کے لب [illegible]

"[illegible] کے کتنے بچے ہیں آنٹی!" وہ نوک زباں پر [illegible] سوال روک نہیں پائی تھی۔

"چار... تین بیٹیاں اور ایک بیٹا توصیف احمد۔" غم کی شدت سے ان کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔

"بیٹیاں کہاں ہیں؟" اس نے دانستہ توصیف کے بارے میں پوچھنے سے گریز کیا۔

"تینوں شادی ہو کر لندن چلی گئیں۔ روزانہ فون آتے ہیں۔ ایک کا فون سن کر ہٹتی ہوں تو دوسری کا آجاتا ہے۔ پھر تیسری کا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ فون کرتی ہیں۔ میری طرف سے فکر مند رہتی ہیں۔" بیٹیوں کے ذکر نے بھولی بسری سی ایک مسکان پھر سے لبوں پر سجادی۔

"آپ ان کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟" ساشا نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"کیسے چلی جاؤں؟" انہوں نے بے بسی سے کہا۔

"توصیف اور قائمہ کو چھوڑ کر۔ دن کی شروعات ہی ان کی آرام گاہوں کو دیکھنے کے بعد کرتی ہوں۔"

"اور آپ کے باقی رشتہ دار وغیرہ۔"

"سب لندن میں ہوتے ہیں۔" چوہدری صاحب کے [illegible] تو کوئی تھے نہیں۔ ہم تین بہنیں [illegible] قائمہ کی ماں بھی لندن میں ہی ہوتی ہے اور [illegible] بیٹی اور آپا بھی وہیں رہتی ہیں۔ ان کی بھی [illegible] بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بول رہی تھیں۔

"قائمہ کی والدہ تنہا ہوتی ہیں اب؟"

"نہیں... بہو اور بیٹے کے ہمراہ رہتی ہے۔ خیر سے کچھ دنوں بعد دادی بھی بن جائے گی نویلہ۔" ان کی آنکھیں لحہ بھر کو مسکرائیں۔

"رشتے میں ہم بھی تو دادیاں ہوں گی۔ نور آپا اور میں؟" وہ ساشا سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"تم لوگوں کے آنے سے رونق ہوگئی ہے۔ مگر یہ رونق بھی عارضی ہوگی۔ خیر سے تعمیر کا کام مکمل ہو۔ روزینہ بتا رہی تھیں کہ پھر حسیب کی اور تمہاری شادی ایک ساتھ کریں گی۔"

"جی... یہ بات تو امی نے میرے ساتھ شیئر نہیں کی۔" اس نے بے تکے پن سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پگلی! یہ بات تم سے شیئر کرنے والی ہے بھی نہیں۔" ساشا نے آنٹی کو کھل کر مسکراتے دیکھ کر سر کو جنبش دی۔

"میں اتنی جلدی امی کو چھوڑ کر جانے والی نہیں۔"

"سب بیٹیوں کو جانا ہی پڑتا ہے۔" آنٹی نے اداسی سے کہا۔

"مگر کیوں؟" اس نے احتجاجاً اخبار رول کر کے لوہے کی میز پر مارا۔ "یہ دستور کس نے ایجاد کیا۔"

"کم از کم نیر نے تو نہیں کیا۔" امی نجانے کب باغیچے میں چلی آئی تھیں۔

"آپ کب آئیں۔" وہ امی کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"جب سے آپ کا سر کھا رہی ہے۔" امی اب آنٹی سے مخاطب تھیں۔

"ارے کہاں ۔۔۔ ساشا بھی تو بہت پیاری باتیں کرتی ہے۔ میرا تو دل باغ باغ ہو گیا ہے۔" آنٹی کے تعریفی جملے نے ساشا کو بے ساختہ خوشی سے ہمکنار کر دیا۔

"سچی آنٹی!" وہ جذبات میں آنٹی سے لپٹ گئی تھی۔ "میں روزانہ آپ کو کمپنی دینے آجایا کروں گی۔"

"کیوں نہیں ۔۔۔ مجھے انتظار رہے گا۔" آنٹی اب امی سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔

"تم جاؤ ۔۔۔ کچن کو دیکھو جا کر' ہانڈی چڑھالو۔ خود سے ذرا بھی خیال نہیں۔ حبیب آنے والا ہے۔" امی نے اسے ڈپٹ کر اٹھا دیا تھا۔ وہ بسورتی ہوئی انیکسی کی طرف آگئی۔

✿ ✿ ✿

[illegible]

"ساشی! ساشی کی بچی کہاں ہو۔" نوشی چلاتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"ٹیرس پر ہوں۔ ادھر ہی آجاؤ۔ ساشی مصیبت۔" وہ نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"مصیبت کسے کہا؟" نوشی دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔

"تمہیں اور کسے۔"

"ساشا علیم صاحبہ!" وہ اس کے قریب رکھی بید کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے چبا چبا کر کہنے لگی۔

"جی محترمہ نوشین قادر صاحبہ۔" ساشا نے بھی اسی کے انداز میں نقل اتاری۔

"میں اس وقت کیوں آئی ہوں؟" نوشی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"میرا بھیجہ کھانے۔"

"میرا ٹیسٹ اس قدر برا نہیں [illegible]" وہ بھنائی۔

"تو پھر ۔۔۔ حبیب بھیا کو دیکھنے [illegible] آئی ہو مگر افسوس وہ فاروق کالونی جا چکے ہیں۔" اس نے گویا ہاتھ جھاڑ کر اطلاع دی۔

"میں گرما گرم خوشبو اڑاتی چکن بریانی لے کر آئی ہوں۔ مگر تم جیسی کمینی ہستی کے لیے نہیں۔ اپنی ساسوماں اور ہونے والے "ان" کے لیے۔"

"ہائے میری پیاری نوشی!" اس نے اچھل کر نوشی کو بانہوں میں بھینچا۔

"خبردار اپنے مطلبی ہاتھوں سے مجھے چھوا خوشامدی عورت۔" نوشی ناراضی سے دور ہٹی۔

"عورت کسے کہا۔" ساشا اچھل کر دور ہٹی۔

"تمہیں۔" نوشی نے گویا دانتوں میں اسے پیسا۔

"مجھے ۔۔۔ یعنی اپنی اکلوتی نند کو۔" ساشی کو گویا ہارٹ اٹیک ہونے لگا۔ "یہ بتاؤ بریانی کا ڈونگا کہاں رکھا ہے۔"

"تمہیں تو ہرگز میرے ہاتھ کی بریانی نہیں ملے گی۔"

"تو کسے کھلاؤ گی اپنے ہاتھ کے لذیذ کھانے۔" ساشا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بہرحال نوشی کی کوکنگ اس کی کوکنگ سے سو گنا اچھی تھی۔

"آنٹی اور حبیب کو۔"

"بریانی کہاں ہے۔" اس کے [illegible] ہو گیا۔

"تمہارے کچن میں [illegible] کی امید پر پانی پھیرا۔

"[illegible] بارہ کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔"

"جہاں [illegible] ہو۔ وہیں دفع ہو جاؤ۔"

"[illegible]!" نوشی نے مصنوعی رعب لہجے میں [illegible] "میں تمہاری بڑی بھابھی ہوں۔ احترام کیا کرو میرا۔"

"تمہاری شکل ہی ایسی ہے۔ کیا کروں' احترام کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" وہ ہنسنے لگی۔

"کاش میرا بھی کوئی بھائی ہوتا۔" نوشی نے مصنوعی آہ بھری۔ "پھر میں تمہیں بھابھی بناتی پھر گن گن کر بدلے لیتی۔"

"وہ تو تم اب بھی لے سکتی ہو۔" اس نے ہمدردی سے کہا۔

"تم پر ترس آجاتا ہے۔ صورت ہی ایسی مسکین سی ہے۔" نوشی نے اسے چڑایا۔ "[illegible] برستی ہے۔ [illegible] چپکتی ہے۔ کیا کروں دل نہیں مانتا۔"

"بڑی رحم دل ہو نا۔" ساشا نے [illegible]

"تو اور کیا۔ [illegible] جتنا دل [illegible]"

"جاؤ [illegible] جھوٹا۔ [illegible] ہوتی ہے۔ تمہارا دل [illegible] والے جتنا کمینہ دل۔"

"میں [illegible] کیا ہے۔" نوشی کا حیرت سے [illegible] میری فیروزی ساڑھی' جیولری باکس' [illegible]۔ تو تمہیں [illegible] چکی ہو پھر بھی کمینگی [illegible]

"[illegible] اور کیا۔ کچھ غلط تو نہیں بولا۔" اس کے [illegible] میں قطعاً "فرق" نہیں آیا تھا۔ "کمینگی تو ثابت ہو چکی ہے۔ خود بریانیاں کھاتی ہو اور ہم جو تمہاری کالونی میں مہمان ہیں۔ انہیں خالی خولی سوکھی محبت پر ٹرخا رکھا ہے۔ کنجوس اس حد تک ہو۔ ایک تعریفی جملہ میری شان میں نہیں بول پائیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اندھی ہو گئی ہو کیا۔ میرا نیا نکور سوٹ نہیں دکھائی دے رہا۔ جو میں نے زیب تن کر رکھا ہے۔" ساشا نے تنگ آکر شو آف کرنے والی خواتین کی طرح جتا ہی دیا۔

"یہ تمہارا نیا سوٹ ہے۔ مگر دیکھا دیکھا لگ رہا ہے۔" نوشی نے ذہن پر زور ڈالنا شروع کیا۔

"اب میرا دل مت جلانا' یہ کہہ کر کہ بیگ صاحب کی بہو نے پچھلے سال پہنا تھا یا پھر تمہاری فلانی فلانی کزن نے تمہیں گفٹ کیا تھا' آج سے بیس سال پہلے۔"

نوشی ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

"میں بریانی ہی نہیں ۔۔۔ رس ملائی بھی لائی ہوں ۔۔۔ فریج میں رکھی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"[illegible] جا رہی ہو؟" ساشا اس کے پیچھے لپکی۔

"[illegible] آنٹی سے ملنے جا رہی ہوں۔" وہ جاتے [illegible] کر لوں۔

"[illegible] تو ۔۔۔ میں بھی آتی ہوں۔"

"تمہیں میرے بغیر چین پڑتا ہے بھلا۔" نوشی نے مصنوعی جھلاہٹ کا اظہار کیا تھا۔ پھر وہ دونوں آگے پیچھے بھاگتی ہوئی باڑھ پھلانگنے لگی تھیں۔ جو انیکسی کے حصے کو الگ کرنے کے لیے بنائی گئی تھی شاید۔

✿ ✿ ✿

"السلام علیکم آنٹی!" ان دونوں نے بیک زبان سلام جھاڑا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" آنٹی کے لبوں پر ان دونوں کو دیکھ کر مسکان پھیل گئی۔

"ساشا بیٹی تو روزانہ میری خیریت پوچھنے آتی ہے۔" انہوں نے سویٹر کے ڈیزائن دیکھتی ساشا کو پیار سے دیکھا۔

"میں ہی بھیجتی ہوں اسے۔" نوشی نے کمال اطمینان سے کہا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو چھپکلی!" ساشا نے اس کے کندھے پر دھموکا جڑا۔ "میں خود آنٹی کی محبت میں کھنچی چلی آتی ہوں۔"

"آنٹی! بتائیے اسے میں آپ کی خیریت معلوم کرنے روزانہ آیا کرتی تھی نا۔" نوشی آنٹی سے تائید چاہ رہی تھی۔

"تو اب کیوں نہیں آتیں۔" اس نے جلبلا کر پوچھا۔

"آنٹی بتا دوں اس ڈفر' بونگی کو آپ کے پاس نہ آنے کی پاور فل وجہ۔" نوشی نے آنٹی سے اجازت محض اسے چڑانے کے لیے چاہی۔

"بتا بھی چکو۔" ساشا کے صبر کی انتہا بس یہیں تک تھی۔

وہ کالونی والوں کے خوف سے ان کی باتوں کے ڈر سے۔"

"کیسا خوف؟ کیسا ڈر؟ تم ڈرنے والی ہو کسی سے۔" ساشا نے جتا کر کہا۔

"ڈرنا پڑتا ہے بہنا! بیگ صاحب کی بیگم پوری کالونی میں مشہور کر دیں گی کہ میں بھاگ بھاگ کر یہاں اس لیے آتی ہوں کہ میرے سسرالیوں کا ادھر قیام ہے۔ بلکہ انہوں نے صاف کہنا ہے کہ میں حسیب کے لیے آتی ہوں۔" نوشی نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔

"وہ کہتی رہیں۔ ہماری بلا سے۔" اس نے تنک کر کہا۔ "اپنے گریبان میں لوگ نہیں جھانکتے۔ دوسروں پر فوراً انگلی اٹھا لیتے ہیں۔"

"دنیا دو دھاری تلوار ہے۔" نوشی نے کسی بڑی بی کی نقل اتاری۔

"اپنی بیٹی "بہت پٹی" (پتنگ) پر چڑھی ہوتی ہے۔ منگیتر کے ساتھ نجانے کہاں کہاں پھر کر آتی ہے۔ ادھر ادھر جھانکنے کے بجائے ہاتھوں سے نکلتی بیٹی پر نظر رکھیں۔" ساشا نے اپنے ازلی بااعتماد لہجے میں کہا۔

"ساشا تو مجھے قائمہ جیسی لگتی ہے۔" آنٹی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔ ساشا اور نوشی دونوں ٹھٹک گئیں۔

"قائمہ کی طرح ہنستی ہے.... قائمہ کی طرح بولتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ میری قائمہ پلٹ آئی ہے۔ لوٹ آئی ہے۔ میرے اردگرد، میرے آس پاس۔" وہ کھو سی گئی تھیں۔

"آنٹی! اسے آپ اپنے پاس رکھ لیں۔" نوشی نے ماحول پر چھائی کثافت کم کرنا چاہی۔

"اگر میرا کوئی اور بیٹا ہوتا تو ضرور رکھ لیتی۔" وہ آنکھوں سے مسکرا دیں۔

"آنٹی! آپ کے پاس قائمہ اور توصیف کی تصویریں ہیں۔" ساشا ان کے ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اتنے بے شمار البمز ہیں۔ نوشی! میرے کمرے کی الماری سے اٹھا کر لے آؤ۔"

"ابھی لائی۔" نوشی سرہلا کر اٹھ گئی۔

"یہ نکاح کا البم ہے۔ قائمہ پاکستان آئی تھی آخری مرتبہ جیتی جاگتی 'تب نکاح کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ نویلہ کا ارادہ تھا 'رخصتی لندن میں کریں گے۔ توصیف کے پیپرز بننے میں کچھ وقت باقی تھا۔ تب ہم نے بہت دھوم دھام سے نکاح کر دیا۔" آنٹی نے البم کھول کر ساشا کے سامنے کر دیا اور وہ تو اس بے حد خوب رو لڑکے کے پہلو میں بیٹھی سجی سجائی چینی کی گڑیا کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

"اللہ اتنا حسن۔"

"یہ نویلہ ہے۔ قائمہ کی ماں، میری چھوٹی بہن۔" آنٹی نے ایک اور تصویر پر اپنی انگلی رکھی تھی۔

"یہ قائمہ کا بھائی ہے۔" وہ ایک ایک تصویر اس کے سامنے رکھتی جا رہی تھیں۔

"میری بڑی آپا نوربانو۔ زیب کی ماں۔" ایک تصویر کو انہوں نے بغور دیکھ کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ پورا البم دیکھ چکی تھی۔ نوشی توصیف کے البم دیکھ رہی تھی اور آنٹی [illegible] فون سننے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ [illegible] بج رہا تھا۔ وہ ایک ایک تصویر [illegible] رہی تھی۔ جب البم میں موجود [illegible] کر اس کی گود میں آ گریں۔ [illegible] دوسری طرف کچھ لکھا ہوا تھا۔ ساشا [illegible] تھیں اور شعر تھے مٹی مٹی

ڈر [illegible] بچھڑ نہ جائے وہ شخص مجھ سے محسن
[illegible] ہماری جدائی کا طلب گار بہت ہے

یہ تصویر قائمہ کی تھی۔ ہنستی مسکراتی تصویر۔ جس کے پیچھے یقیناً توصیف نے شعر لکھا تھا۔

ساشا نے دوسری تصویر اٹھائی۔ یہ بھی قائمہ کی تصویر تھی مگر اس کے ساتھ ایک نوجوان کھڑا تھا۔

گوراچٹا سے نقوش والا۔ ساشا نے تصویر پلٹ کر تحریر پڑھی۔

"قائمہ! آئی لو۔"

اس سے نیچے بڑی خوب صورت رائٹنگ میں طویل نظم لکھی تھی۔ بڑی ہی ترنگ کے عالم میں لکھی گئی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ گویا نظم کے لفظ لفظ میں جذبوں کے شعلے لپک رہے ہیں۔

مجھے معاف کر میرے ہم سفر
تجھے چاہنا میری بھول تھی
[illegible] راہ [illegible] نظر
تجھے دیکھنا میری بھول تھی
کوئی [illegible] کی [illegible] غزل
[illegible] ہو یا کہیں سحر
وہ [illegible] شعر شعر
[illegible] میری بھول تھی
تجھے غم کی کوئی دوا نہیں
مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں
میرا کوئی تیرے سوا نہیں
تجھے سوچنا، میری بھول تھی

نظم کے نیچے بریکٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا تھا۔

"تمہیں چاہنا میری بھول ہرگز نہیں ہو سکتی۔

قائمہ۔"

(زیب حسن)

"ہائی گاڈ! یہ کون ہو سکتا ہے؟" ساشا نے بے صبری سے تصویر نوشی کے سامنے کر دی۔ نوشی نے تصویر کو دیکھا 'کچھ سوچا اور بولی۔

"یہ آنٹی نوربانو کا بیٹا ہے۔ زیب حسن۔"

"یعنی قائمہ اور توصیف کی بڑی خالہ کا بیٹا۔"

"ہاں۔" نوشی پھر سے البم دیکھنے میں مگن ہو گئی تھی۔

ساشا نے کچھ اور تصویریں سفید لفافے میں سے نکال لیں۔ اس کا ارادہ تھا۔ انہیں بھی البم میں لگا دے گی مگر ان تصویروں کو دیکھ کر تو ساشا ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔ ایک کے بعد [illegible] نظر ڈالتے گویا حساس ساحل ہرگز [illegible] ایک دم بیٹ بیٹ ہو گئی تھی۔

[illegible] ساشا نے ساری تصویریں اس [illegible] کر دیں۔

"قائمہ اور توصیف ہے۔" اس نے افسردگی سے کہا تھا۔ "یہ تصویریں لندن میں بنائی گئی تھیں۔ اس وقت انہیں تابوت میں بند نہیں کیا گیا تھا۔ ڈھیروں پھولوں کی چادر کے نیچے ان کے خاموش وجود اور گہری نیند میں سوئے بند آنکھوں والے چہرے۔

قائمہ کی تصویر کے پیچھے ایک شعر لکھا تھا۔

نکلے تھے اس لیے کہ ڈھونڈ لیں گے تجھے
تیری اک تلاش نے، عمر بھر کا مسافر بنا دیا
قائمہ ہاشم علی کے نام

زیب حسن

"نوشی! گھر چلیں۔" اس نے ساری تصویریں لفافے میں ڈال دی تھیں۔ دل ایک دم ہی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اسی پل آنٹی بھی چلی آئیں۔ وہ بے حد بجھی بجھی لگ رہی تھیں۔

"خیریت آنٹی!" نوشی البم سمیٹتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔" وہ کسی گہری سوچ کے زیر اثر تھیں۔

"نازی کا فون تھا نا۔"

"ہوں۔" آنٹی نے پھر سے ہنکارا بھرا۔

"کیا کہہ رہی تھی۔" نوشی نے پوچھ ہی لیا۔

"میری بہن پاکستان آ رہی ہے۔" انہوں نے بے دلی سے بتایا۔

"قائمہ کی امی۔"

"نہیں۔ نوربانو آپا۔"

"آپ کے لیے چائے لاؤں آنٹی!" ساشا نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"ارے۔ میں بھی کیسی بھلکڑ ہوں 'اوون میں کھجور کا حلوہ رکھ کر آئی تھی سوچا تھا 'چائے بھی بناتی ہوں۔ میری بیٹیاں کافی دن بعد آئی ہیں۔ سوکھے منہ

جاتی اچھی لگتیں۔ بیل نازلی کے فون پہ الجھا کر رکھ دیا۔"

آنٹی خود کو ملامت کرتی اٹھنے لگی تھیں جب ساشا فوراً بولی۔

"چائے میں بنا لاتی ہوں۔"

"ضرور' ضرور' آنٹی! یہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔" نوشی نے لقمہ دیا۔

"آنٹی کے لیے اور اپنے لیے بنا کر لاؤں گی۔ تمہیں زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔" ساشا اسے چڑاتے ہوئے بولی تھی۔ آنٹی کا دھیان کچھ دیر کے لیے ہی سہی بٹ ضرور گیا تھا اور وہ ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

تیس جنوری!

"آنٹی جی! ایک مشورہ دوں۔ اگر برا نہ لگے۔" ساشا چند ہی دنوں میں نیر حیات کے کتنے قریب آ گئی تھی۔ دن میں کئی کئی مرتبہ ادھر آ نکلتی۔ اگر وہ کھانا پکا رہی ہوتیں۔ تو یہ ان کی مدد کے خیال سے تیز تیز ہاتھ چلانے لگتی۔ آنٹی کو وہ ایک مرتبہ زبردستی اپنے ساتھ بازار لے گئی تھی۔ انہیں پارک لے جاتی۔ نیر حیات کو لگتا تھا کہ ان کی زندگی پہ چھایا جمود دھیرے دھیرے ٹوٹ رہا ہے۔

"کیوں نہیں۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"آنٹی! میں سوچ رہی تھی کہ یہ اتنی بڑی کوٹھی ہے۔ آپ انیکسی والے حصے کو بچوں کی نرسری یا ڈے کیئر سینٹر کیوں نہیں بنا لیتیں۔" اس کا انداز کافی پر سوچ تھا۔

"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے مگر انیکسی فی الحال خالی کہاں ہے۔" وہ مسکرانے لگیں۔

"عنقریب خالی ہو جائے گی۔ ہم [illegible] سے جانے والے ہیں۔ مگر آپ [illegible] سے کرنا ہو گا۔" وہ بہت دنوں [illegible] کہ آنٹی سے یہ بات ضرور کرے [illegible]

"کیسا وعدہ؟"

"آپ مجھ سے ملنے آیا کریں گی۔" ساشا نے محبت بھری دھونس سے کہا۔

"اور میرا دل تو ابھی سے بجھ رہا ہے کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ گی۔" آنٹی نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔

"جانا تو ہے نا۔ پھر نوشی کو بھی دھوم دھام سے لے کر جانا ہے۔ اپنے گھر جائیں گے تو شادی ہو گی۔" وہ ان کی بات کا مفہوم نہیں سمجھی تھی۔

"میں اس گھر کی نہیں' اس گھر کی بات کر رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" ساشا سمجھ کر چکرائی۔

"تمہاری امی' حبیب کے ساتھ ہی تمہیں بھی منگنی یا شادی کے بندھن میں باندھ دیں گی۔"

"ہائے نہیں۔" اس نے فلمی انداز میں چیخ ماری۔

"امی نے آپ سے کچھ کہا ہے؟"

"کچھ نہیں بہت کچھ۔ تمہارے دو تین پرپوزل آئے ہیں۔" آنٹی نے اسے معلومات پہنچائی تھیں۔ یقیناً امی نے ہی آنٹی سے کہا تھا کہ اسے شادی کے لیے رضامند کریں۔ کیونکہ ساشا علیم شادی [illegible] سے ہی بھاگتی تھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ میں [illegible] جاؤ [illegible] چپ [illegible] اور [illegible] جیسے میں چلی جاؤں اور [illegible] در [illegible] اور [illegible] نہیں۔" اس نے پوچھا [illegible]

"[illegible] نہیں ہو گے۔ سوئے اتفاق تینوں [illegible] کوں کے ہیں جو فیملیز سمیت باہر [illegible] ہیں۔" آنٹی نے اسے حیران کر دیا۔ "شکر ہے وہ [illegible] مسائل سی ہے۔"

"کیوں؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"تمہیں اتنی دور بھیجنا نہیں چاہتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ اب ہی تو ڈھنگ کے پرپوزل آئے ہیں۔ اور پھر آپ کی تینوں بیٹیاں بھی تو باہر

ہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"یعنی تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔" آنٹی نے مسرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔ "لیکن فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔" وہ ایکدم سنجیدہ ہو گئی۔ "میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

"میری بیٹی نازلی کے خیالات بھی [illegible] تھے۔" وہ ماضی کے [illegible] کی لمحے میں کھو [illegible]

"آپ نے بھی اپنی تینوں بیٹیاں [illegible] بیاہ دیں آنٹی! کسی ایک کو تو [illegible]

"یہ تو دل [illegible] وہ ایک دن بھیجنا تو ہوتا ہی ہے [illegible]

"اچھا [illegible] ہمارے جانے کے بعد کیا کریں [illegible] گفتگو کا رخ بدل دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

[illegible] فروری!

"کیا کر رہی ہو؟" ساشا نے ابھی ڈائری کھول کر قلم ہاتھ میں لیا ہی تھا جب نوشی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"کبھی اس ڈائری کی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔" جوں ہی نوشی کی نظر ڈائری پر پڑی تھی وہ جل بلا اٹھی تھی۔

"میرے ساتھ چلو۔" نوشی ڈائری اچکنے کے چکر میں تھی۔ ساشا نے اسے گھور کر ڈائری پیچھے ہٹا لی۔

"کہاں جانا ہے؟"

"رعنا کی طرف۔" نوشی نے اپنی کسی دوست کا نام لیا۔

"میں نہیں جا رہی۔" اس نے جھٹ سے انکار کر دیا۔ نوشی چند منٹ خوشامدیں کرتی رہی تھی۔ اس پر اثر ہوتا نہ دیکھ کر پاؤں پٹختے ہوئے "بھاڑ میں جاؤ" کہتی دروازہ دھاڑ سے بند کر کے چلی گئی تھی۔

ساشا نے ڈائری کی چکنی جلد پر ہاتھ پھیرا اور قلم اٹھا کر لکھنا شروع کیا۔

"سبز پتوں کا شجر خزاں کی آمد کے ساتھ ہی برہنہ ہو رہا تھا۔ رات [illegible] سیاہی نے جب کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا [illegible]"

[illegible] ساتھ میں لرز کر رہ گیا تھا۔ اور وہ کل [illegible] اس منظر کو سوچ رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح [illegible] کی خواہش انگڑائی لے کر جاگ اٹھی تھی وہ رات کے دو بجے سے پہر گرم بستر کو چھوڑ کر اٹھ بیٹھی۔ لکھنے سے پہلے تازہ دم ہونے کے لیے گرما گرم چائے کا ہونا ضروری تھا۔ سو وہ چپکی پیروں میں پھنسا کر کچن کی طرف آ گئی۔ چائے بنانے کے ساتھ ساتھ اس نے بکٹس بھی فرائی کر لیے تھے۔

کمرے میں آ کر اس نے سب سے پہلے گلاس ونڈو سے بھاری پردے کھینچ کر لان میں اتری گہری رات کا نظارہ کیا اور پھر نجانے کیا سوچ کر اس ٹھٹھرا دینے والی سردی میں ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ ہاتھ میں گرما گرم چائے کا مگ پکڑ رکھا تھا۔ شدید سرد ہوا نے استقبال کیا۔ ارد گرد غیر ارادی نظر دوڑاتے' جوں ہی اس نے شہر خموشاں کی طرف دیکھا گویا ایک برقی لہر پورے وجود میں دوڑ گئی۔

قبرستان کا پھاٹک جو عموماً بند ہی رہتا تھا۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح بند تھا۔ موٹا سا تالا اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں دور سے ہی دکھائی دے رہا تھا۔ احاطے کے اندر روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔ چاروں کونوں میں بڑے بڑے گلوب نصب تھے۔ سر شام ہی لائٹس آن کر دی جاتی تھیں۔ کم از کم ساشا نے یہاں آنے کے اتنے دنوں میں یہی معمول دیکھا تھا۔ ان روشنیوں کی وجہ سے ہر قبر کا کتبہ بھی روشن ہو رہا تھا۔ ٹیرس کا فاصلہ قبرستان سے نہ ہونے کے برابر تھا۔ ساشا جس جگہ کھڑی تھی۔ سامنے کا منظر اسے صاف دکھائی دے رہا تھا اور اس کی آنکھوں نے اس شب بڑا ہی عجیب منظر دیکھا۔

نجانے وہ کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا اور اس کا ان قبروں سے کیا رشتہ تھا۔ ساشا بالکل بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے دماغ میں

کوندا سا لپکا تھا اور وہ ہاتھ میں پکڑا کپ وہیں رکھے تقریباً" بھاگتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی۔ شال کو اچھی طرح اوڑھ کر لپیٹے اس نے بغیر سوچے سمجھے قبرستان کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

پھاٹک بند تھا۔ ساشا کچھ دور پڑے دیوار کے قریب موجود پتھر کو دیکھ کر ادھر آگئی۔ یقیناً" وہ اجنبی اس پتھر پر پاؤں رکھ کے دیوار پھلانگ کر احاطے میں اترا تھا۔

کچھ سوچ کر ساشا نے بھی پتھر پر پاؤں رکھا اور دھیرے دھیرے سر اٹھا کر احاطے کے اندر جھانکا۔ اس کا دل گویا اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔ صرف چار قدم دور قائلہ اور توصیف کی قبریں تھیں۔ قبروں کے سرہانے سیمنٹ سے بنا دل جگمگا رہا تھا اور وہ عین اس دل کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ کسی وجد کے عالم میں تھا۔

ساشا کو اس اجنبی کی آنکھوں سے نکلنے والے ان آنسوؤں نے دنگ کر دیا تھا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ آنسوؤں کے قطرے اب پھسل پھسل کر شاید قبر کے اوپر گر رہے تھے اور وہ قبر توصیف کی تھی۔ نجانے کتنے پل وہیں کھڑے کھڑے بیت گئے تھے۔

ساشا کو اس وقت ٹھٹھرا دینے والی سردی تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ ٹھنڈ کی وجہ سے نہیں۔ اس خوف کی وجہ سے جو دھیرے دھیرے اسے اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

اجنبی کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ تاہم وہ اچھی کاٹھی رکھنے والا مضبوط نوجوان تھا۔

ساشا نے اک اور منظر دیکھا تھا۔ اجنبی دھیرے دھیرے چلتا قائلہ کی قبر کے قریب آیا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل دوزانو بیٹھ گیا۔

وہ کتبے پر لکھے کچھ شعر پڑھ رہا تھا جو [illegible] ساشا کے پوچھنے پر آپی نے بتایا تھا [illegible] پنجابی نظم بہت پسند تھی۔ یہ [illegible] اپنے بیڈ روم میں بھی لکھوا رکھی تھی اور [illegible] نظم اب اس کی قبر کے کتبے پر کندہ تھی۔

ساشا تک اس اجنبی کا درد میں ڈوبا لہجہ اور آواز با آسانی پہنچ رہی تھی۔

کج شوق سی یار فقیری دا
کج عشق نے در در رول دتا
کج سجناں حاجت نہیں چھوڑی
کج زہر رقیباں گھول دتا
کج ہجر فراق دا رنگ چڑھیا
کج درد ماہی انمول دتا
کج سڑ گئی قسمت ساڈی
کج پیار اج دھوکا یار دتا

(کچھ فقیری کا ہمیں شوق بھی تھا
کچھ عشق نے دردر رول دیا
کچھ سجناں نے حاجت نہیں چھوڑی
کچھ زہر رقیبوں نے گھول دیا
کچھ ہجر و فراق کا رنگ چڑھا
کچھ محبوب نے درد انمول دیا
کچھ ہماری قسمت ہی خراب تھی
کچھ پیار میں دھوکا [illegible]

اب وہ قائلہ کے قدموں [illegible] رو رہا تھا۔ ہچکیوں کے ساتھ [illegible] ساشا [illegible] کے پیچھے ہٹی تھی اور پھر بھاگتی ہوئی [illegible] گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اسے [illegible] وقفے وقفے سے کار اس دن دبی دبی [illegible] کی آواز [illegible] وہ اجنبی ابھی تک قبرستان کے احاطے [illegible] موجود تھا۔ پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے جب مؤذن نے اذان دی تھی تب وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا دیوار پھلانگ کر اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اٹھارہ فروری!

امی رات سے نجانے ساشا سے کیا بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ کئی دفعہ انہوں نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا تھا مگر پھر نجانے کیوں موضوع ہی بدل دیتیں۔

اس وقت بھی وہ امی کو دیکھ رہی تھی جو کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں۔" اس نے لاڈ سے ان کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔

"سوچ رہی ہوں۔ نوشی کو اب گھر لے آؤں اور تمہیں بھیجنے کی تیاری کروں۔" امی نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"کیا۔" اس نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ [illegible] تھیں۔

"میں نے تمہارے [illegible] کے پرپوزلز میں سے ایک کو پسند کر لیا ہے [illegible] نوشی کو بھی سب کچھ پسند آیا ہے۔ اسے [illegible] کچھ معلومات بھی کروائی ہیں۔ میں چاہتی ہوں [illegible] اپنے گھر شفٹ ہونے کے بعد ان لوگوں [illegible] اناؤنس کروں۔"

دو منگنیاں ٹوٹنے کے بعد اب تیسری منگنی [illegible] ساشا زچ سی ہو اٹھی۔ یہ ٹریجڈی بھی ساشا کے ساتھ ہی ہونا تھی۔ آج سے تین سال پہلے امی نے کسی رشتے کروانے والی کی وہ نمبر بانی کی باتوں میں آ کر کسی — [illegible] سے اس کی زبانی کلامی منگنی کر دی تھی۔

بھیا نے خفیہ طریقے سے چھان بین کروائی تو پتا چلا" جناب کسی ورکشاپ میں ملازم ہیں۔ دوسری مرتبہ اس سے برعکس واقعہ رونما ہوا۔

ہوا کچھ یوں کہ یہ محترم مسیحائی کے پیشے سے وابستہ تھے یعنی ڈاکٹر تھے۔ اچھی خاصی پرسنالٹی تھی۔ بھیا اور امی دونوں کو جناب خاصے پسند آگئے تھے۔ گھر بار بھی مناسب ——۔ مختصر سی فیملی۔ امی تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی تھیں۔ یعنی جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔ مگر امی کے سارے ارمان دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ منگنی خاصی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ مگر شادی تک بات جا ہی نہ سکی۔ پتا چلا کہ محترم کسی نرس کی زلف کے اسیر ہیں اور منگنی توڑنے پر کمربستہ بھی۔

اب کوئی جناب سے پوچھتا" پہلے کیا نیند میں تھے یا عالم بے ہوشی میں۔" خیر اس منگنی کا انجام بھی خاصا دردناک تھا۔ امی [illegible] کتنا ہو چکا تھا۔ تب ہی کچھ عرصہ تک [illegible] بھی ان کی بے چین لگتا۔ مگر گھر کی تعمیر کے [illegible] کی خفیہ سرگرمیاں ساشا کی نظر سے مخفی [illegible] تھیں۔ تاہم وہ منگنی کا تیسرا تجربہ ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ شادی کے نام سے ہی چڑنے لگی تھی۔

"مجھے منگنی نہیں کروانی۔ کبھی بھی نہیں۔" اس نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا۔

"منگنی نہیں ..... میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ پھر نہ کہنا بتایا نہیں۔ اپنا مائنڈ میک اپ کر لو۔" امی نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھی تھیں۔ اور یوں لگتا تھا کہ انہوں نے بالا ہی بالا سارے معاملات طے کر رکھے ہیں۔ اسے بتا کر محض فارملیٹی نبھا رہی تھیں۔ امی کو اچھا دیکھ کر وہ پکارتی ہی رہ گئی تھی جبکہ امی اسے کچن کے متعلق ہدایات دینے کے بعد چادر اوڑھے کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" اس سے رہا نہیں گیا تھا۔ اسی لیے بے صبری سے پوچھنے لگی۔

"میں رہ جانہ کی طرف جا رہی ہوں۔ خبردار میرے پیچھے آئیں تو..... چاول پکا لو' اور آٹا بھی گوندھ لینا۔ روٹی میں آکر بنا لوں گی۔" وہ اپنا چشمہ اٹھا کر باہر نکل گئی تھیں جبکہ ساشا نے کپڑوں کے ڈھیر کو بری طرح سے گھورا۔

"روٹی بھی میں ہی بنا لوں گی..... آٹا گوندھنا مشکل ہے یا روٹی بنانا..... مگر پہلے ان کپڑوں کے ڈھیر سے تو نبٹ لوں۔"

وہ تن فن کرتی اٹھ گئی تھی۔ پورے دو گھنٹے کی مشقت کے بعد کپڑے استری ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے تھے۔ پھر وہ بھیا کے جوتے پالش کرنے بیٹھ گئی تھی اور یہ اس کا لڑکپن سے معمول رہا تھا۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ ساری ذمہ داریاں عنقریب نوشی سنبھال لے گی۔ پھر اس کی بھلا کیا مصروفیت ہوگی۔

کسی بات سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی اور وہ اپنے گھر جیسے ایک اور گھر کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ ایسی ہی بہت ساری ذمہ داریاں اس کی منتظر ہوں گی۔ وہ گھر جو اس کا اپنا ہو گا اور وہ شخص جسے امی اور بھیا اس کے لیے پسند کریں گے۔

نجانے وہ کیسا ہو گا؟ کس نیچر کا ہو گا؟ بھیا جیسا نرم مزاج ہو گا یا پھر اکھڑ مزاج؟ چلو' جان ہی لیں گے محترم کے مزاج کو۔ شادی کے بعد اچھے بھلے لوگوں کے مزاج ٹھکانے پر آجاتے ہیں۔"

آٹا گوندھ کر تسلے میں رکھا ہی تھا جب فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ساشا کو سو فیصد یقین تھا کہ نوشی کا فون ہو گا۔ سو وہ اطمینان سے اچھی طرح ہاتھ دھوتی رہی۔ پھر اسی اطمینان سے تولیے کو اٹھایا ہاتھ خشک کیے۔ فریج میں سے بوتل نکالی۔ وہ گلاس بھر کے پانی پیا اور پھر دانت کچکچا کر بجتے فون کی طرف دیکھا۔ نوشی کے علاوہ کوئی ایسا ڈھیٹ ابھی تک اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتی فون تک آئی اور پھر صرف نوشی کو چڑانے اور ستانے کے لیے بڑے اسٹائل سے ہیلو کہا تھا۔ مگر دوسری طرف سے آنے والی مردانہ آواز کو سن کر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ پہلا خیال یہی آیا کہ یقیناً" بھیا کے آفس سے فون ہو گا۔ سو اس نے لہجے کو فوراً" بدل لیا۔

"کون صاحب بات کر رہے ہیں؟" وہ بڑی شائستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"جو بھی ہوں' تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے تم سے صرف اتنا کہنا ہے۔ جو کچھ پرسوں رات تم نے دیکھا تھا اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کسی سے بھی نہیں۔" اس کے دھیمے لہجے میں عجیب سی پھنکار تھی۔

"میں نے کیا دیکھا ہے؟" اس نے [illegible] پوچھا۔ سچ تو یہ تھا لمحہ بھر کے لیے [illegible] کہ اس نے پرسوں رات [illegible]

"انجان بننے کی اداکاری مت [illegible]" مقابل کی آواز میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ پل بھر کے لیے تو ساشا ہکا بکا رہ گئی۔ "مگر تم نے کسی سے ذکر کیا تو انجام اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیا کر لو گے تم؟" وہ دھاڑ کر بولی۔ "میں ان دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں۔"

"آئندہ کبھی قبرستان کے اردگرد مت دکھائی دینا' رات کے دوسرے تیسرے پہر 'انڈر اسٹینڈ۔'" اس کا لہجہ اب بھی دھیما مگر سخت تھا۔

"کیا تم آئندہ بھی قبرستان میں آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ساشا کا ازلی اعتماد لوٹ آیا تھا۔ اتنا تو اسے پتا چل چکا تھا کہ یہ فون کرنے والا وہی شخص ہے جسے اس نے قبرستان میں دیکھا تھا۔

فون کھٹاک سے بند کر دیا گیا تھا۔ ساشا نے ریسیور رکھ کر کندھے اچکائے اور گنگناتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تاہم ذہن ابھی تک فون کال میں ہی الجھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

چھبیس فروری!

آج وہ پورے دو دن بعد نیر آنٹی کی طرف [illegible] وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو ریشم [illegible] استقبال کیا۔ وہ دبے پاؤں [illegible] کے بعد آنٹی کے کمرے میں [illegible] میں بکھرے سامان کو دیکھ کر [illegible] صوفے پر [illegible] کارپٹ پر [illegible] بیگ اور نجانے کیا کچھ بکھرا [illegible] میں رکھی تھیں۔

[illegible] کے ڈھیر پھلانگتی ہوئی صوفے پر جگہ بنا [illegible]

"[illegible] کہاں جا رہی ہیں؟" وہ حیرت زدہ سی سوچنے لگی۔

"ارے ساشا! تم کب آئی ہو۔" آنٹی سٹور روم سے باہر نکل رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں کپڑوں کی گٹھری تھی جسے انہوں نے کارپٹ پر رکھ دیا۔

"ابھی چند لمحے پہلے۔" اس نے خوش دلی سے بتایا۔ "یہ سارا سامان کس لیے بکھیرا ہے۔ کس کا جہیز ہے یہ؟" وہ ہمیشہ کی طرح [illegible] سے بولی تھی۔ آنٹی کے سامنے تو وہ کچھ زیادہ ہی خوش دلی کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"یہ فائزہ اور توصیف کے کپڑے ہیں۔ آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ آج تک ہمت اور حوصلہ ساتھ [illegible] تھا کہ ان کپڑوں کو نکال کر دیکھتی۔ کل [illegible] کہ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ [illegible] کر دی تھی۔ بری اور جہیز کے سارے [illegible] اور ہری رکھ کر [illegible] گئی [illegible] تھا۔ امی! میں اسے [illegible] واپس آجاؤں گا۔ [illegible] لڑکی کی ضد [illegible] میں ہو۔ میرے بیٹے نے اسے [illegible] رکھا۔ چند دن کا کہا تھا۔ دوسرے [illegible] بجے ہی لندن سے واپس آگیا۔ [illegible] تابوت میں بند خاموش ساکت [illegible] بھلا ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔" وہ لرزتی آواز [illegible] رہی تھیں۔ ان کی پلکیں بھیگ رہی تھیں۔

"یہ آپ نے بہت اچھا سوچا ہے۔ کسی ضرورت مند کا بھلا ہو جائے گا۔" اس نے ماحول کی کثافت کم کرنا چاہی۔

"ہوں۔۔۔ یہ دیکھو تو سہی۔" وہ بڑے شوق سے ایک ایک جوڑا بند ڈبوں میں سے نکال کر دکھا رہی تھیں۔ نجانے کتنے ارمانوں سے کتنے چاؤ سے انہوں نے بری کی تیاری کی تھی۔ [illegible] ہی آگئی۔

ساشا کا دل ایک دم بھر سے گویا اچاٹ ہو گیا۔ وہ چپکے سے اٹھی اور [illegible] صحن میں نکل آئی۔ وہ کل رات کا منظر سوچ رہی تھی۔

"کون ہے وہ اجنبی!" زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے نوشی سے قبرستان کے اس اجنبی کا ذکر نہیں کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بارہ مارچ!

یہ ان دنوں کی بات تھی جب حبیب بھیا سامان ڈھیر سارے [illegible] شفٹ کروا رہے تھے۔ امی اور نوشی ایک [illegible] شاپنگ کے لیے میدان میں اتر آئی تھیں [illegible] وہ لوگ اپنے اجلے اجلے سے گھر [illegible] ہوئے وہ دن بھی بڑا ہی یادگار تھا۔

[illegible] نے قرآن خوانی کا اہتمام کروایا تھا۔ نیر آنٹی نے بطور خاص شرکت کی تھی۔ وہ ساشا اور نوشی کے لیے بڑے خوب صورت سوٹ لائی تھیں۔ اسی مبارک دن حبیب اور نوشی کی شادی کی تاریخ پکی کر دی گئی تھی اور اسی رات ساشا کی متوقع ساس اسے انگوٹھی پہنا گئیں۔

دونوں طرف شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ امی اکلوتے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں۔ مگر بھیا بے جا اسراف کے حق میں نہیں تھے اور امی بیٹے سے کم ہی اختلاف کرتی تھیں۔

جس دن نوشی اور بھیا کا نکاح ہونا تھا۔ یہ اس سے چار روز پہلے کی بات تھی۔ جمیلہ آنٹی (جنہوں نے ساشا کا رشتہ طے کروایا تھا۔ ان کی اچانک آمد نے امی کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ جمیلہ آنٹی کی آمد کا عقدہ بھی جلد ہی کھل گیا تھا۔ نوشی کی زبانی ساشا تک بھی تازہ تازہ بریکنگ نیوز پہنچ رہی تھیں۔ نوشی نے بتایا تھا کہ اس کی ساس ساشا کی بھی رخصتی چاہتی ہیں۔ امی اور بھیا کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان لوگوں کو جہیز وغیرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر امی نے بالا ہی بالا بہت کچھ بنا رکھا تھا۔

پھر نوشی اور بھیا کے ولیمہ میں اس کی رخصتی سادگی سے کر دی گئی تھی۔ دوسری طرف سے سادگی سے نکاح کرنے کی ڈیمانڈ پر خاصا زور دیا گیا تھا۔ سب کچھ اس قدر جلدی میں ہوا تھا کہ ساشا کو ہمیشہ کی طرح نکتہ چینی کرنے اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ امی کو اس کی کیڑے نکالنے والی عادت سے اچھی طرح سے آگاہی تھی۔ تب ہی تو انہوں نے اس کی کسی بھی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔ حالانکہ وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ اس کی شادی بھیا کی شادی

لے ایک ہفتہ بعد کی جائے تاکہ وہ اچھی طرح سے انجوائے تو کر سکے۔ مگر امی نے اس معاملے میں اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ پکڑ کر لاؤں بٹھا دیا۔ اس نے بھیا تو کیا اپنی بھی شادی کی کسی رسم کو انجوائے نہیں کیا تھا۔

جب نکاح کی رسم ادا ہو چکی۔ اور اسے اسٹیج پر لے جا کر بٹھایا گیا تو اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ نیر آنٹی اور گردو تھیں بھی نہیں۔ وہ سخت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ نوشی کے علاوہ کسی اور سے پوچھنا بھی محال تھا۔ مگر نوشی بھی ولیمہ کی دلہن تھی اور اس وقت تو کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔ لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ گالوں پر گلابیاں بھیا کی محبت نے ایک رات میں ہی اسے کیسا نکھار بخش دیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں نوشی کی نظر اتاری۔ مبادا اس کی اپنی ہی نظر نوشی کو نہ لگ جائے۔

بارات میں مختصر سے لوگ تھے۔ صرف فیملی کے افراد دولہا کے چند دوست ان کی بیویاں۔ اس کی ساس ایک نند اور بس۔

ساشا کو اتنی بھی سادگی کی توقع نہیں تھی۔ ان کے گھر میں تو خاصا ہنگامہ تھا۔ امی کا حلقہ احباب کافی وسیع تھا۔ بھیا کے دوست وغیرہ امی کی کولیگز ان کی فیملیز مگر یہاں اس گھر میں سناٹوں نے گویا اس کا استقبال کیا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ نئی دلہن کی آمد ہوئی ہے۔ چہار سو خاموشی اور مہیب سناٹا۔

اس کی نند ربلی بیڈروم تک راہنمائی کر کے گئی تھی۔ کافی سنجیدہ مزاج لڑکی تھی بلکہ اس کی ساس بھی بہت سنجیدہ مزاج رکھتی تھیں۔ کم از کم ساشا نے منگنی اور شادی کے انتہائی مختصر دنوں میں ایک مرتبہ بھی اپنی ساس کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ اور نجانے حسن کا مزاج کیسا تھا۔

کمرے کی سجاوٹ میں بھی سادگی [illegible] گویا مکین کو کمرے کی خوب صورت [illegible] سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد باہر کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی۔ ساشا نے تھکن سے بھرپور سانس خارج کی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھل چکا تھا۔ ساشا سمٹ کر رہ گئی۔ کچھ دیر پہلے کے تمام خیالات بھاپ بن کر اڑ گئے۔

حسن اس کے قریب بیٹھا تو ساشا کچھ اور خود میں سمٹ کر رہ گئی۔

"کافی انتظار کرنا پڑا ہے۔ اس کے لیے معذرت۔" وہ اس کے قریب بیٹھ چکا تھا۔

اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ اسے کوفت ہرگز محسوس نہیں ہوئی تھی۔ تاہم گھر والوں کے رویے نے اسے اچھا خاصا الجھا دیا تھا۔ ربلی کمرے میں دوبارہ دکھائی نہیں دی تھی اور ممی تو اسے گھر لا کر نجانے کس کونے میں جا چھپی تھیں۔

ساشا نے سر اٹھا کر چور نظر سے حسن کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ حسن اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ تو کسی طرف بھی نہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر حاضر نہیں ہے۔

ساشا کا ہاتھ حسن کے ہاتھ کے [illegible] تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ حسن ذہنی طور پر [illegible] ہے۔ مگر اس کا خیال غلط تھا۔

"ایک بات کا [illegible]" بہت نرمی سے ساشا کی طرف [illegible]

"کون سی بات" ساشا کے لبوں نے حرکت کی تھی۔

"مجرم اور ملزم میں کیا فرق ہے؟" ساشا ساکت ہو [illegible]

"یہ حسن کیسی باتیں کر رہا ہے۔ جھکی جھکی سی کیا اس نے پی رکھی ہے۔ یا اللہ! میرے حال پر رحم فرما۔" وہ دل ہی دل میں اپنے رب کے حضور گڑگڑائی تھی۔

"بتاؤ نا ساشا! یہ سوال مشکل تو نہیں۔" حسن نے نرمی سے اس کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کے اصرار کیا تھا۔

"ملزم وہ ہوتا ہے۔ جس پر الزام لگایا جائے اور مجرم اسے کہتے ہیں۔ جس کا جرم ثابت ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" دھیرے دھیرے اس کا اڑا اعتماد بحال ہو ہی گیا تھا۔

"یہ بتاؤ میں ملزم ہوں یا مجرم؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں تم بھی نہیں۔"

"تم کیسے سمجھ پاؤ گی۔ میں بھی نجانے کیا فضول بکواس کر رہا ہوں۔ دفعہ کرو یہ بتاؤ میں کیسا لگا؟" حسن نے شاید [illegible] کی تھی جبکہ اس کی آنکھوں سے [illegible] باہر کر ساتھ نہیں دیا تھا۔

"اگر یہ سوال میں آپ سے پوچھوں۔" ساشا [illegible] سے پوچھا۔

"تو میں کہوں گا تم بہت خوب صورت ہو۔" اس نے بے ساختہ اس کے ہاتھ چومے تھے۔

"اور میں اس تعریف کے بدلے میں کچھ تعریف کر دوں گی۔" ساشا ہولے سے مسکرائی۔

"تم اچھی باتیں کرتی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"آپ نے میری باتیں کہاں سنی ہیں۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"زندگی رہی تو سنتا رہوں گا۔ ابھی میں نماز پڑھ لوں۔" حسن نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

"کون سی نماز؟" ساشا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دو رکعت نماز۔ اللہ تعالیٰ سے آئندہ زندگی کے لیے بہتری اور بھلائی مانگنا ہے۔ پھر آپ کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز۔" وہ مسکرایا تھا۔ ساشا اس کی ذو معنی بات کا مفہوم سمجھ کر شرم سے سر جھکا کر رہ گئی۔ اور وہ ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حسن اس کے لیے بہترین شوہر ثابت ہوا تھا۔ بے حد خیال رکھنے والا۔ بے حد چاہنے والا۔

وہ [illegible] روزانہ ہی امی کی طرف آجاتی تھی۔ دن نوشی کی ہمراہی میں گزارتی اور پھر حسن کے ساتھ ہی واپس بھی آجاتی۔ اس معاملے میں اس کی ساس کچھ نہیں بولتی تھیں۔ بلکہ وہ تو کسی بھی معاملے میں نہیں بولتی تھیں۔ ان کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزرتا تھا۔ وہ بیڈ روم سے بہت کم ہی نکلتی تھیں۔ کھانا بھی اکثر اپنے کمرے میں منگوا لیتیں۔

یہی حال ربلی کا بھی تھا۔ عجیب موڈی سی لڑکی تھی۔ جس طرح سے وہ اور نوشی ایک دوسرے سے بے تکلف تھیں۔ ایسی دوستی ربلی کے اور اس کے درمیان نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہتی تھی۔ موڈ ہوتا تو باہر نکل آتی۔ دل چاہتا تو اس سے بات کر لیتی ورنہ اس کی اپنی بے شمار مصروفیات تھیں۔

ممی کا ارادہ یو کے واپس جانے کا نہیں تھا۔ وہ اپنی باقی زندگی اپنے ملک میں گزارنا چاہتی تھیں۔ دو بیٹیاں لندن میں خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی تھیں۔ حسن تین فرنچائز کا اونر تھا۔ اسی سلسلے میں وہ اپنے بزنس کو مزید وسعت دے رہا تھا۔ یعنی وہ بھی مستقل پاکستان میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ یہ خبر روزینہ بیگم اور ساشا کے اطمینان کے لیے کافی تھی۔

اس دن بھی حسن اسے امی کی طرف چھوڑ گیا تھا۔ نوشی اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی اور فوراً ہی کچن میں جا گھسی تھی۔

"کن کاموں میں الجھنے لگی ہو۔" ساشا بھی بولتے ہوئے کچن میں داخل ہوئی۔ "یار! میرے لیے تردد مت کرنا میں مہمان تھوڑی ہوں۔"

"مہمان نہیں ہو مگر مہمانوں کی طرح سے آتی ہو۔" نوشی پر تکلف چائے کا اہتمام کرنے لگی تھی۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو یار! آج میں اور حسن باہر ڈنر کریں گے۔"

"اب چھوڑیں بھی۔" نوشی نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔ "بہر حال چائے تو پینا پڑے گی۔ میں اپنے اور امی کے لیے بنا رہی تھی۔" ساشا حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہمیشہ کی ست الوجود نوشی نے اپنی ساری ذمہ داریاں اچھی طرح سے سنبھال لی تھیں۔ وہ امی کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ ساس بہو میں کمال کی بے تکلفی تھی۔ میکے کا خوشگوار ماحول ساشا کے لیے طمانیت کا باعث تھا۔

"تم سناؤ، ربابی اور آنٹی تمہارا خیال تو رکھتی ہیں؟" نوشی نے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا جس سے ساشا بچنا چاہ رہی تھی۔

"ہوں۔" اس نے محض ہنکارا بھرا۔ "یار نوشی! میں ممی اور ربابی کے مزاج کو سمجھ نہیں پائی ہوں۔ عجیب سرد سے رویے ہیں ان کے۔ خود سے بلاؤں تو بولیں گی۔ ورنہ تو انہیں یاد ہی نہیں ہوتا کہ گھر میں ایک نئے فرد کا اضافہ ہو چکا ہے۔" کچھ سوچ کر اس نے نوشی سے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر ہی لیا تھا۔

"اور حسن بھائی کا کیسا رویہ ہے؟ اپنی ماں اور بہن کے ساتھ۔" نوشی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہی بات تو مجھے الجھا کر رکھ دیتی ہے کہ ان تینوں میں غیر ضروری تو کیا انتہائی ضروری بات بھی نہیں ہوتی۔ اتنے دنوں میں آج تک میں نے ربابی، ممی یا حسن کو ایک دوسرے سے بولتے نہیں دیکھا۔ نہ جانے ان کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔" وہ سخت الجھن کا شکار تھی اور اس الجھن کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

"حسن بھائی تمہارے ساتھ بہت اچھے ہیں۔ خوامخواہ خود کو مت الجھاؤ۔" نوشی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔ "کیا خبر ان کے مزاج ہی ایسے ہوں۔"

"نوشی! کچھ تو انوکھا ضرور ہے۔ میرا [illegible] کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔" ساشا [illegible] ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے [illegible] کا پتا نہیں چلا تھا۔ شام کے سائے [illegible] حسن نے سات بجے آنے [illegible] تھا۔ مگر اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ اسے فطری سی پریشانی نے گھیر لیا۔ وہ بار بار حسن کے نمبر پر ٹرائی کر رہی تھی مگر نہ جانے نیٹ ورک میں کوئی پرابلم تھی یا پھر حسن نے سیل فون آف کر رکھا تھا۔

اب تو امی اور نوشی کو بھی تشویش ہو چلی تھی۔ حبیب بھیا بھی گھر آ چکے تھے۔ اسے پریشان دیکھ کر نرمی سے کہنے لگے۔

"کیا خبر وہ مصروف ہو یا کسی کام میں پھنس گیا ہو۔ میں چینج کر لوں، پھر تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

وہ اسے تسلی دے کر اٹھ گئے تھے۔ حسن ایسا لاپروا تو ہرگز نہیں تھا۔ کم از کم ایک فون ہی کر دیتا۔ نہ جانے کون سی مصروفیت نے روک رکھا تھا۔ ایک امکان تو یہ بھی تھا۔ شاید وہ گھر آ چکا ہو۔ ان ہی سوچوں کے درمیان وہ ابھی بیٹھی تھی کہ جب حسن کا فون آ گیا۔ ساشا کب سے کوفت زدہ بیٹھی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی گویا پھٹ پڑی۔

"کہاں ہیں آپ؟"

"میں گھر میں ہوں۔" حسن نے اطمینان سے [illegible] تھا۔

"گھر میں؟" وہ حیران رہ گئی۔ "[illegible] کیوں نہیں آئے؟ میں [illegible] انتظار کر رہی ہوں۔"

"آج شاید [illegible] مصروف ہوں۔ تم رات [illegible] تمہیں لینے آجاؤں گا۔"

[illegible] میکے میں ایک رات بھی [illegible] آج بھی کیا سوچتی ہوں کہ میں نے [illegible] پر قبضہ کر رکھا ہے۔" حسن اگرچہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ تاہم ساشا کو محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے لہجے میں شگفتگی مفقود ہے۔

"میں بھیا کے ساتھ آجاتی ہوں۔"

"ارے انہیں کیوں زحمت دے رہی ہو۔ کہا تو ہے صبح لینے آجاؤں گا۔ بھئی اتنی بے قراری۔" وہ شاید مسکرایا تھا یا پھر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"زحمت کیسی؟" ساشا نے بمشکل ناگواری چھپائی۔

"میں آج رات کہیں جا رہا ہوں۔ اگر تم گھر آنا چاہتی ہو تو شوق سے آجاؤ۔ تمہاری تنہائی کے خیال سے کہہ رہا تھا۔ ممی اور ربابی تمہیں کمپنی دیں گی۔ تم کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔ بہر حال میں [illegible] سے نکل رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔" حسن نے [illegible] بغیر فون رکھ دیا تھا۔ ساشا اور بھی الجھ [illegible]

"آج کی رات یہ کہاں جا رہے [illegible]" وہ سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھ رہی [illegible] کوئی کام ہو گا میں [illegible] نہ جانے کیا [illegible] رہی ہوں۔" ساشا خود کو ڈپٹ کر نوشی [illegible] میں مگن ہو گئی۔

✿ ✿ ✿

دوسرے دن اس کا ذرہ بھر ارادہ نہیں تھا گھر جانے کا۔ وہ تھوڑی بہت ناراضی حسن پر جتانا چاہتی تھی۔ اپنے پروگرام کے تحت دن بھر اس نے اور نوشی نے خوب شاپنگ کی تھی۔ نوشی اسے اپنی کسی سہیلی کے گھر لے گئی تھی۔ واپسی پر نوشی نے سوچا کہ کیوں نہ حیات کالونی کا چکر لگایا جائے۔ وہ اپنی امی سے ملنا چاہتی تھی۔ اور ساشا بھی نیر آنٹی سے ملنے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔ بہر حال ان لوگوں کا اچھا وقت ان کی اکیڈمی میں گزرا تھا۔ اور ساشا کو تو آنٹی کسی اور حوالے سے بھی بہت عزیز ہو گئی تھیں۔

ماسی نے اسے دیکھتے ساتھ ہی گیٹ کھول دیا تھا۔ ان کی گھریلو خاندانی ملازمہ تھی۔ رات کو بھی آنٹی کے پاس ہی سوتی تھی۔ ماسی کے بیٹے اور بہو سرونٹ کوارٹر میں رہائش پذیر تھے۔

ماسی کی ہمراہی میں وہ آنٹی کے بیڈ روم تک آئی تھی۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھیں۔ اور چہرے سے کچھ بیمار بھی لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ساتھ ہی گویا کھل اٹھیں۔

"میری بیٹی آئی ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر چوما تھا۔

"میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔" وہ ان کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں ضرور جاننا چاہوں گی کہ آپ میری شادی میں کیوں نہیں آئی تھیں۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

"شادی کے بعد ہی آجاتیں۔ آپ میرے گھر بھی نہیں آئیں۔ حسن سے بھی نہیں ملیں۔ میں حسن کو آپ سے ملوانے کے لیے یہاں لے کر آؤں گی۔"

"حسن تمہارے ساتھ خوش ہے؟" انہوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔ عجیب سا سوال تھا۔ اور عجیب انداز بھی۔

"جی۔ بہت خوش ہیں اور مجھے بہت خوش رکھتے ہیں۔" وہ بغیر ان کی بات کا مفہوم سمجھے بولی۔ "اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ سلامت رہو، شاد و آباد رہو۔ تمہیں حسن کی طرف سے کوئی دکھ نہ ملے۔" نہ جانے کیوں ان کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔

"حسن بہت اچھے ہیں آنٹی! میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ کسی اور ہی جہان میں گم تھی۔

"اس کا دل بدل گیا ہے شاید۔ چلو! اچھا ہوا۔ اس کی شخصیت کے بگاڑ سنور گئے۔" ان کی آواز سرگوشی نما تھی۔

"میں سمجھی نہیں آنٹی!" ساشا نے ان کی سرگوشی نما آواز سن لی تھی۔ اور اسے گویا جھٹکا سا لگا۔

"کک۔ کچھ نہیں۔" وہ گھبرا گئیں۔

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" ساشا نے وثوق سے کہا۔

"نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔"

"آنٹی! کیا آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں؟ آپ مجھے۔" وہ لب کچلتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بول رہی تھی۔ جب دروازہ کھول کر نوشی چلی آئی۔ نوشی کی آمد کے ساتھ ہی گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔ وہ کچھ دیر مزید بیٹھی تھیں۔ ای کی بار بار کالز آرہی تھیں۔ اسی لیے جلد ہی اٹھ گئیں۔ حالانکہ ساشا ابھی نیر حیات سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر پھر کسی اور وقت پر ٹال کے نوشی کے پیچھے چلی گئی۔

وہ گھر آئی تو حسن کو موجود پا کر حیران ہی رہ گئی۔

"آپ کب آئے؟"

"کچھ دیر پہلے۔" وہ اسے دیکھتے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ "چلیں؟"

"کھانا تو کھالیں۔" نوشی جو پرس پھینک کر کچن کی طرف بھاگ گئی تھی، انہیں اٹھتا دیکھ کر چلائی۔

"مجھے کام سے جانا ہے، دیر ہو جائے گی۔" حسن نے شائستگی سے معذرت کر لی تھی۔ گھر آنے کے بعد حسن کو بیڈ پر لیٹتے دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"آپ نے شاید کہیں باہر جانا تھا؟"

"نہیں۔" وہ بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔ "کام [illegible] سے باہر نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیسا کام؟" ساشا چادر تہہ کر [illegible]

"تمہیں دیکھنے کا، ہم [illegible]"

"فرصت مل گئی ہے آپ کو مجھے دیکھنے کی اور مجھ سے باتیں کرنے کی۔" اس نے طنزیہ کہا تھا۔

"تمہارے لیے تو فرصت ہی فرصت ہے۔" حسن اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا۔

"یہ مکالمے بازی میرے ساتھ مت کیجیے۔"

"تو کس سے کروں؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"جس کے پاس رات گزار کر آئے ہیں۔" اصل غصہ بس اسی بات پر تھا۔

"بھلا کس کے پاس؟" حسن کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"ہو گی کوئی، آپ کی ہوتی سوتی۔" اس نے مصنوعی ناراضی سے جتایا۔

"ارے ارے اتنا غصہ!" حسن نے اسے بازو سے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"چھوڑیں مجھے۔"

"نہ چھوڑوں تو؟" وہ جان بوجھ کر اسے تاؤ دلا رہا تھا۔

"تو میں شور مچا دوں گی۔"

"یہ کر کے بھی دیکھ لو افسوس [illegible] کوئی نہیں پہنچے گا۔" حسن نے مصنوعی [illegible] کیا۔

"کیوں؟ ممی اور روبی [illegible]"

"ان سے امید [illegible]" حسن نے [illegible] اور لڑکی سے [illegible] ہمارے معاملے میں [illegible]

"[illegible] ایسا کیوں ہے؟" ساشا تو کب سے بے چین [illegible] حسن سے ممی کے مزاج پر گفتگو کرنے کے [illegible] آج تو خوش قسمتی سے حسن نے خود ہی اس موضوع کو چھیڑ دیا تھا۔

"کیسا رویہ؟" حسن چونکا۔

"یہی کہ ممی تو کسی معاملے میں نہیں بولتیں۔ سارا گھر میرے سپرد کر کے بری الذمہ ہو چکی ہیں۔ ممی نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ حیران تھی، شادی کے تیسرے روز ممی نے اسے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھیں یا پھر ہمیشہ سے ہی ان کا مزاج ایسا تھا۔ سرد، خاموش اور اجنبی سا۔ انہوں نے اس کے سلام کے جواب میں محض سر ہلایا تھا۔ نہ پیار کیا، نہ بیٹھنے کو کہا [illegible] کی صرف تین سیکنڈ میں۔ دراز میں سے گھر کی چابیاں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیں۔

"یہ گھر آج سے تمہارا ہوا۔ ساشا [illegible] تم مالک ہو۔ جو چاہو کرو، جیسے چاہو [illegible] اپنی مرضی سے جو دل چاہے [illegible] اپنی زندگی جینے [illegible] مجھ سے [illegible] اب تم [illegible] ہے۔ ہم نے ریٹائرمنٹ لے لی [illegible] سالوں سے دل اچاٹ ہو گیا ہے دنیا اور اس دنیا کے جھمیلوں سے۔ اب تو سانسیں گن رہے ہیں۔ اب تم جاؤ، ہمیشہ خوش رہو، آباد رہو، نیک ماں باپ کی اولاد ہو۔ خوش قسمتی سے ہمارے نصیب میں آئی ہو۔"

یہ گفتگو ممی کی طرف سے پہلی اور آخری تفصیلی گفتگو تھی۔ اس کے بعد ساشا نے نہ انہیں بولتے دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ حتیٰ کہ روبی سے بھی وہ کم کم ہی بولتی تھیں۔

روبی کا کردار بھی عجیب تھا۔ شوہر سے ناراض ہو کر آئی تھی۔ ابھی تک یہ ناراضی ختم نہیں ہوئی تھی۔ سو فی الحال اس کا قیام میکے میں ہی تھا۔ البتہ حسن کی یہ ضرور خواہش تھی کہ روبی اپنے شوہر کے پاس ہو کے چلی جائے۔ اور اس موضوع پر دونوں بہن بھائی میں اکثر بات چیت ہوتی تھی۔

"تمہیں روایتی ساس نہیں ملی۔ شکر ادا کیا کرو۔" حسن نے پیار سے اس کے گالوں پر جھولتی لٹ کھینچا۔

"لیکن ان کا رویہ آپ سے بھی اتنا روڈ کیوں ہوتا ہے۔ بے حد سرد اور اجنبی۔ کیا وہ آپ کی اسٹیپ مدر ہیں؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے اپنی الجھن کو رفع کرنا چاہا تھا۔ مگر حسن کو ہنستے دیکھ کر وہ مصنوعی خفگی سے قدرے دور ہٹ گئی۔

"بڑا ہی سنجیدہ سوال پوچھا ہے؟"

"بہت سنجیدہ ہوں، ویسے یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟" وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے پوچھ رہا تھا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" ساشا بے حد حیران ہوئی۔

"ارے نہیں۔" وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "ممی میری حقیقی والدہ ہیں۔"

"پھر ان کا رویہ۔" ساشا پھر سے الجھی۔

"تمہیں ان کے رویے سے کیا لینا دینا۔ خوش رہا کرو، خواہ مخواہ دوسروں کے مزاج سمجھنے میں خود کو ہلکان مت کرو۔ میری طرف دھیان دو، کچھ فائدہ بھی ہو گا۔" وہ پھر سے اسے اکتا دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"میں ایسے فائدے سے بے فائدہ ہی بھلی۔" ساشا نے ننھی سی ناک چڑھائی۔

"ڈنر نہیں کرنا؟" وہ اسے لالچ دے رہا تھا۔

"کھانا تیار ہے۔" ساشا کہاں باتوں میں آنے والی تھی۔

"میں اس دیسی مینو کی بات نہیں کر رہا۔ سیون اسٹار میں ڈنر پکا۔ ذرا اس دل کے بہلانے کا سامان تو کرو۔"

"آپ کے دل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ موڈ کی طرح بدلتا ہے۔" ساشا نے نرم الفاظ میں بہت کچھ جتا دیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اس گھر کے تینوں افراد کو قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔ حسن اس کے لیے بہت اچھا تھا۔ خیال رکھتا تھا۔ محبت کرتا تھا۔ مگر اس کے باوجود کچھ تو تھا ہی جو غیر واضح تھا۔ مبہم تھا۔ پوشیدہ تھا۔

حسن کی شخصیت میں بہت توازن تھا۔ وہ سلجھا ہوا بے حد شفاف سوچ رکھنے والا انسان تھا۔ اور ساشا حیران ہوتی تھی کہ کیا یوکے میں پیدا ہونے والے اور وہیں کے ماحول میں پوری زندگی گزارنے والے سب ہی حسن کی طرح ہوتے ہیں۔ نمازی، پرہیزگار۔ اس میں ذرہ بھر دکھاوا نہیں تھا۔ بے حد خاموش طبع، سنجیدہ مزاج، قانع اور عجز و انکساری کا پیکر۔

اور یہی بات ایک دفعہ اس نے نوشی سے شیئر کر لی

تھی۔ نوشی نے اس کی توقع کے عین مطابق پہلے تو بری طرح گھورا تھا اور پھر ہمیشہ کی طرح سمجھانے لگی۔

"تم بے کار کے خدشات پال رہی ہو۔ آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ میرے ساتھ نہیں۔ حسن اور اس کی فیملی کے ساتھ ہے۔ اور تم مان جاؤ۔ ان لوگوں کا آپس کا بی ہیویر بھی نارمل نہیں۔" وہ سنجیدہ تھی، بے حد سنجیدہ۔

"خوامخواہ شک میں پڑ رہی ہو۔ حسن بھائی تمہارے ساتھ اچھے ہیں۔ تمہیں اور کیا چاہیے۔" نوشی کا انداز ناصحانہ تھا۔

"پرابلم حسن کے ساتھ بھی ہے۔" ساشا سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسے نوشی سے اپنے خدشات کا ذکر کرے۔

"کیا مطلب۔" نوشی چونکی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے پھر سے بات ٹال دی تھی۔ اب تک تو وہ خود عجیب تذبذب کا شکار تھی۔ کیونکہ حسن نے سچ مچ اسے "شک" میں مبتلا کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کا دوسرا پہر شروع تھا، جب کھٹکے کی معمولی سی آواز سے ساشا کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ حسن اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"آپ سوئے نہیں؟" وہ بمشکل نیند کو بھگاتے ہوئے بولی۔

"کچھ کام تھا۔ میں اسٹڈی روم میں ہوں، تم سو جاؤ۔" اس کے ہاتھ میں فائلیں تھیں۔ اور وہ ہمیشہ کی طرح رات کے دوسرے پہر اسٹڈی روم میں شاید آفس کا کچھ کام کرنے جا رہا تھا۔ کمرے کی لائٹ وہ اس لیے نہیں جلاتا تھا کہ ساشا کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ ساشا جانتی تھی کہ وہ چار گھنٹے کی نیند لینے کے بعد دوبارہ وہ نہیں سوتا۔ کمپیوٹر کے ساتھ مصروف رہتا ہے یا پھر فائلوں میں۔ دوبارہ وہ کمرے میں [illegible] کے بعد ہی آتا تھا۔ تب تک ساشا [illegible] ہو چکی ہوتی تھی۔ یہ ہی اس کا معمول تھا۔ شادی کے بعد سے لے کر اب تک۔ اور ساشا اس معمول کی عادی تھی، مگر اب اسے یہ معمول بھی خاصا کھٹک رہا تھا۔

"آفس کا کام گھر میں لانے کی ضرورت نہیں۔ فائلیں اٹھا کر لے آتے ہیں۔ دفتری کام وہیں ختم کر کے آیا کریں۔"

وہ سخت تپ رہی تھی۔ کیونکہ رات کو پھر سے وہ فائلیں اٹھا کر اسٹڈی روم میں گھس گیا تھا۔ ساشا کو حد درجہ غصہ آیا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے دروازہ کھٹکھٹانے لگی تھی۔ مگر مجال ہے جو حسن نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی ہو۔ اصل غصہ تو اسے لاک لگانے پر آیا تھا۔ اتنی دفعہ دستک دینے کے باوجود حسن نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اور اس کا ماتھا تو بہت پہلے سے ہی ٹھنک گیا تھا۔ مگر اب کچھ اور باتیں واضح ہو رہی تھیں اور بہت سی باتیں وضاحت طلب تھیں۔ صبح حسن کے بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے وہ نہ صرف اٹھ چکی تھی بلکہ مزاج بھی خاصا برہم تھا۔

"صبح صبح انگارے کیوں چبا رہی ہو۔" وہ اپنی بے حد سرخ اور سوجے پپوٹوں والی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے دبا رہا تھا۔

"رات رات بھر جاگنے کا یہ ہی انجام ہو [illegible] پوری نہ ہو تو صحت بھی ٹھیک [illegible] اپنے لہجے کو نرم کرنا پڑا تھا۔ [illegible] انداز ہی اس قدر نرم اور [illegible] ہوا تھا۔

"آفس تو [illegible] ہوں۔ یہ ہی میرا معمول ہے۔ [illegible] زیادہ مجھے نیند نہیں آتی۔" اس کا انداز پہلے کی طرح سادہ تھا۔ "ساشا لے گی۔" [illegible] اسے کمال حاصل تھا۔

[illegible] کا تجربہ تو بتانے، میں نے اتنی مرتبہ [illegible] کیا تھا، آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھولا؟ آوازیں بھی دیں۔" ساشا نے کمبل تہہ کرتے ہوئے شکوہ کر ہی دیا۔

"تم نے؟" حسن کو اس نے واضح ٹھٹکتے دیکھا۔

"تم نے ناک کیا؟"

"تو اور کیا۔ مگر آپ تو لگ رہا تھا گویا گھوڑے بیچ کر سو گئے ہیں۔" وہ نارمل ہونے کی ناکام کوشش میں تھی۔

"ہاں، میں واقعی سو گیا تھا۔ سر میں درد تھا۔ سو ٹیبلٹ لے کر سو گیا تھا۔" حسن نے مزید اس کی جرح سے بچنے کے لیے واش روم کی طرف قدم بڑھائے تھے اور ساشا سچ مچ ٹھٹک گئی۔

☼ ☼ ☼

گیارہ اپریل!

آج موسم بہت خوشگوار تھا۔ جاتی سردیوں کے دن تھے۔ دھوپ میں خاصی تپش [illegible] محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر رات [illegible] بارش نے برسنے کو شادابی بخشی تھی [illegible] تو ساشا کو حیرتوں کے جھٹکے لگ رہے [illegible] تھی اور ربی بھی لان میں آ کر بیٹھ گئی [illegible] اسی حساب سے ساشا نے چائے پر کافی اہتمام کر لیا تھا۔

یوں ہی وہ چائے لے کر لان میں پہنچی، دونوں ماں بیٹی نے اسے دیکھتے ساتھ ہی گویا لب سی لیے۔ مگر ساشا نے بھی ٹھان رکھی تھی کہ آج تو ضرور ہی ان کے درمیان بیٹھے گی۔ پہلے پہل وہ ان کے سرد رویے کو دیکھ کر خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ مگر اب ان الجھی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے اسے خود سے ہی کوئی قدم اٹھانا تھا۔

"حسن نہیں گیا؟" وہ جو گفتگو کی شروعات کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہی تھی۔ ممی کو بولتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ممی نے ساشا کو مخاطب کیا تھا۔

"نہیں۔" اس نے اپنی حیرت پر قابو پا کر جواب دیا۔

"ادھر چلا گیا ہوگا۔" ربی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ اس سے پہلے وہ ٹرالی کی طرف متوجہ تھی۔

"اب کیا فائدہ۔" ممی نے ایک گہری طویل سے سانس خارج کی۔

"یہ کیسی سزا ہے ممی! یہ کیسا سفر ہے؟ جس کا انجام کوئی نہیں۔" ربی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ٹرالی میں رکھ دی تھی۔ اس کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا۔

[illegible] ممی نے بات بدل دی تھی۔ اب وہ [illegible] ساشا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"[illegible] میں ٹھیک ہوں۔" وہ ان کی بات کا مفہوم نہیں سمجھی تھی۔ ربی اس کی سادگی پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"کوئی خوش خبری ہے؟" ساشا نے حیرت انگیز طور پر ممی کے چہرے پر چمکتی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"ایسا تو کچھ نہیں۔" وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔

"اچھا۔ ایک بات تو بتاؤ۔" ربی نے مسکرا کر کہا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"حسن تمہیں کیسا لگا ہے؟"

"نائس۔" اس سے زیادہ بھلا وہ کیا کہتی۔ سوال بھی عجیب تھا اور جواب بھی مختصر۔ کم از کم ربی کے منہ سے یہ سوال اسے بہت ہی عجیب لگا تھا۔

"تمہاری بہو بہت اچھی ہے۔" ممی نے گویا خود کلامی کی تھی۔ "منع بھی کیا تھا۔ اس کے باوجود ہر کام میں اجازت لیتی ہے۔ کچھ پکانا ہو یا چاہے باہر جانا ہو۔ حتیٰ کہ میکے میں بھی۔ اس کی فرماں برداری مجھے اچھی لگتی ہے۔ حسن خوش نصیب ہے اور ہم بھی۔" ساشا تو اس تعریف پر دنگ رہ گئی تھی اور جب ممی نے اس کے ماتھے کو چوم کر دعا دی تو اس محبت پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

انیس اپریل!

آج پھر وہی ہوا تھا۔ ساشا، حسن کے اٹھتے ساتھ ہی بستر چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے معمول کے انداز میں اسٹڈی کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ ساشا نے کچھ سوچ کر دروازے پر دستک دی۔ مگر دوسری طرف ہمیشہ والی خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کی متواتر دستک کے جواب میں بھی خاموشی۔ ساشا کو عجیب سی

گھبراہٹ نے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"حسن! دروازہ کھولیں نا۔" اس کی آواز میں عجیب سی بے بسی تھی۔ پورا گھنٹہ دروازے کے سامنے کھڑے رہنے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں شل ہو کر رہ گئی تھیں۔ یوں ہی کھڑے کھڑے اس کے دماغ میں کلک سے کچھ روشن ہوا تھا۔ اور وہ دوسرے ہی پل لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ رات کے سناٹے میں وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی کوٹھی کے پچھلے صحن کی طرف آ گئی۔ اس کے اندازے کے عین مطابق اسٹڈی کا ایک دروازہ پچھلی طرف بھی کھلتا تھا۔ برابر میں تازہ ہوا کے لیے کھڑکی بھی موجود تھی۔ اس نے کھڑکی سے اندر جھانکنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ پھر مایوس ہو کر دروازے کی طرف بڑھی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

"حسن کہاں ہیں۔" اس کا دل گویا دھک سے رہ گیا تھا۔ حسن کی فائلیں، لیپ ٹاپ، گلاس سب میز پر رکھے تھے۔ مگر وہ خود کہاں تھا؟ اس کا دماغ گویا سنسنا اٹھا۔ دل کی حالت بھی عجیب تر تھی۔ وہ لرزتی ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئی تو ایک اور جھٹکا اس کا منتظر تھا۔ ممی صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان کے پیروں کے قریب حسن بیٹھا تھا۔ اور وہ دونوں رو رہے تھے۔

"ممی! معافی کیوں نہیں ملتی؟ میں کب بری ہوں گا۔ میں کب اس گناہ کی سزا سے بری ہوں گا۔ آپ تو ماں ہیں ممی! مجھے معافی دے دیں۔ اللہ کا واسطہ ہے، مجھے معافی دے دیں۔ مجھے اپنی زندگی جینا ہے، مجھے خوش رہنا ہے، میں خوش رہنا چاہتا ہوں۔ مگر خوشی مجھ سے دور بھاگتی ہے۔" حسن کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ حد سے زیادہ شکستہ۔

"آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ ساشا کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ ایک زخمی دل رکھنے والے انسان کو اس سے منسوب کر دیا۔" وہ اونچا پورا [illegible]

"آپ مجھے معافی کیوں [illegible] مجھے معاف نہیں کیا۔ مجھ سے [illegible]۔ میری طرف دیکھتی نہیں۔ پھر آپ نے میری شادی کیوں کی؟ مجھے تنہا ہی جلنے دیتیں نا۔ اس بے قصور انجان لڑکی کو کیوں اس بھڑکتے برزخ میں لے آئی ہیں؟"

"میں تجھے خوش دیکھنا چاہتی ہوں بچے۔" ممی کے لبوں کا قفل ٹوٹ گیا۔ "میں چاہتی ہوں تو آباد ہو جائے، تو میرا اکلوتا بیٹا ہے، خون جگر سے سینچا ہے، میں تیری ماں ہوں، کیا کروں، اس ممتا سے لبریز دل کو پتھر نہیں کر سکتی۔"

"تو ان "سے" کہیں مجھے معاف کر دیں۔ میرا دل مطمئن کیوں نہیں ہوتا۔" وہ بچوں کی طرح مچل رہا تھا۔

"انہوں نے بھی تمہیں معاف کر دیا ہے۔ آج سے بہت سال پہلے۔ اسی لیے تو آج میرے سامنے ہو۔" ان کا لہجہ بھی بہت ٹوٹا ہوا تھا۔

"ان کے "دل" نے مجھے معاف نہیں کیا ممی! مجھے معافی چاہیے۔ میرا رب بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میری نمازیں، میری عبادتیں سب بے کار ہیں۔"

ممی کے دونوں ہاتھوں پر اپنا چہرہ رکھ کے بے تحاشا رونے والے حسن کو اس نے اسی انداز میں پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔ کہاں؟ کس جگہ؟ کب؟ ساشا کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ ہٹ گیا اور وہ [illegible] دروازے کے قریب بیٹھتی چلی گئی۔ [illegible] چہرے پر [illegible]

"کرسمس اپریل!"

[illegible] نوشی کا [illegible] وہ اس کا فون سن کر ایک دم بے تاب [illegible] فوراً کپڑے تبدیل کیے تھے۔ وہ سہ پہر [illegible] ہی پہنچی تھی۔ ممی سے اجازت لے کر وہ گھر سے نکلنے ہی لگی تھی جب نوشی کا پھر سے فون [illegible]

"ساشی! انیزہ آنٹی کی طرف کل چلیں گے۔ میں امی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔ آج ان کے چیک اپ کی ڈیٹ ہے۔ مجھے ابھی ابھی خیال گزرا تھا۔ ریویوز دیکھیں تو سوچا تمہیں فون کر دوں۔" نوشی نے معروف سے انداز میں بتایا۔

"آنٹی کب جا رہی ہیں نانی کے پاس؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔ ابھی تو اسے آنٹی سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔ وہ بھی جو کچھ ساشا جانتی تھی اور جو کچھ وہ نہیں جانتی تھی۔

"ابھی یہ تو مجھے بھی نہیں خبر۔ امی نے اس [illegible] ہے کہ آنٹی اپنی بیٹیوں کے پاس عنقریب چلی جائیں گی۔"

"یہ تو آنٹی نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔" وہ [illegible] دل سے خوش ہوئی تھی۔ [illegible] کب سے [illegible] خبر تک نہ ہوئی۔

وہ بھی معمول کی [illegible] تھی۔ حسن اسے ڈنر کروانے [illegible] پھر وہ لانگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔ [illegible] میں چنڈل کے لیے وہ بالکل [illegible] کہ رات کا دوسرا پہر ابھی باقی تھا۔

ساشا کی شدید ترین خواہش تھی کہ حسن خود اس پر اپنی زندگی کے سارے الجھاؤ واضح کر دے۔

ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھ لگتے ہی حسن نے اپنا بازو ساشا کے سر کے نیچے سے بہت ہی نرمی اور احتیاط سے نکال لیا تھا۔ ساشا کی ساری حسیات ایک دم بیدار ہو گئی تھیں۔ وہ ابھی سوئی کہاں تھی۔ اس کا فطری تجسس اسے سونے کہاں دیتا تھا۔ حسن معمول کے مطابق سیدھا اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا اور اس کے جاتے ہی ساشا بھی چپکے سے اٹھ گئی۔

دروازے کو بغیر دبائے بھی وہ جانتی تھی کہ دروازہ اندر سے لاک ہے۔ مگر پھر بھی اس نے ہینڈل کو دو تین مرتبہ گھما کر دیکھا تھا۔ اسی پل اسے اپنی پشت پر ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز ممی کی تھی۔ ساشا اچھل کر پیچھے ہٹی۔

"ممی! آپ؟"

"ساشا بیٹی! تم سوئیں نہیں۔" وہ بڑی نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔" اس نے ہکلا کر جواب دیا۔

"حسن [illegible] کے لہجے میں کچھ خاص بات تو ضرور [illegible] ساشا کو کھٹک گئی تھی۔ "تو کیا یہ بھی جانتی [illegible] ہے؟ کہ میں نہیں؟"

[illegible] نے محض سر اثبات میں ہلایا۔

"حسن [illegible] ادھورا [illegible] ہے نا تمہیں۔" ممی کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی گویا۔ ساشا پوری جان سے چونک گئی۔

"پورا حسن چاہیے تمہیں؟" وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں۔ مجھے پورا حسن چاہیے۔ بتائیے ممی! حسن کہاں ہے؟ رات کے دوسرے پہر وہ کہاں جاتا ہے؟ مجھ سے کچھ مت چھپائیے، میں مر جاؤں گی ممی! مجھ سے کچھ مت چھپائیے۔" اتنے مہینوں کا لاوا گویا ابل پڑا تھا۔ ساشا ان کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اس کے ساتھ ممی بھی بے آواز رو رہی تھیں۔

"حسن آپ کا بیٹا ہے۔ اور آپ اس سے نفرت کرتی ہیں۔ کیوں؟ آپ نے کبھی خود سے حسن کو مخاطب نہیں کیا۔ اس نے کون سا گناہ کیا ہے ممی! بتائیے نا۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"آؤ میں تمہیں وہاں لے چلوں، تم حسن کو وہاں سے لے آؤ۔ مجھے، میرے حسن کو ہمیں جینے کا سلیقہ بھول گیا ہے۔ حسن کو بھی بھول گیا تھا اور اسے دیکھ کر مجھے بھی بھول گیا۔ پھر میں نے سوچا اس کی شادی کر دوں۔ میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ میں چاہتی تھی وہ پھر سے جینا سیکھ لے۔ مجھے حسن سے نفرت نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرنا چاہوں تب بھی نہیں کر سکتی۔ میں تو خود کو مورد الزام ٹھہراتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری تربیت میں بھی کمی تھی جو حسن کی شخصیت میں بہت سی کمی چھوڑ گئی۔ تمہیں اس طرح کیسے پتا چلے گا۔ میں تمہیں بتاتی ہوں، بلکہ آؤ پہلے حسن کو لے آئیں۔"

"ممی! ہم کہاں جا رہے ہیں۔" وہ بے حد گھبرا گئی تھی۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ڈرائیور

کو گاڑی نکالنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

"ممی! جانے دیجیے نا۔" اس نے پھر سے دبی آواز میں اصرار کیا تھا۔ کالی رات کے سناٹے میں عجیب خاموشی اور جانوروں کی خوف ناک آوازیں۔ ساشا کا دل سہما جا رہا تھا۔ مگر گاڑی جب جانے پہچانے راستے پر رواں دواں ہوئی تو ساشا گویا ششدر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

قائداعظم اسٹریٹ! پچیس اپریل!

"ساشا! آؤ نا۔" گاڑی کافی دور رک چکی تھی۔ اب وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چل رہی تھیں۔ ساشا کے قدم گویا من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کیونکہ وہ دونوں قبرستان کے پھاٹک کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ بغیر دیکھے بھی جانتی تھی کہ آخری کونے میں، مسجد کے ساتھ ان دو قبروں کے سرہانے کون کھڑا ہے ——

کون توصیف کے کتبے پر لکھے ان درد بھرے الفاظ کو دہرائے گا۔

کج شوق سی یار فقیری دا
کج عشق نے در در رول دتا
کج سجناں حاجت نہیں چھوڑی
کج زہر رقیباں گھول دتا
کج ہجر فراق دا رنگ چڑھیا
کج درد ماہی انمول دتا
کج زہر رقیباں گھول دتا

"رقیب کون ہے ممی!" اس کے لبوں سے سرسراتے الفاظ نکلے تھے۔ ممی پھاٹک کے پاس بے دم سی ڈھے گئی تھیں۔ اور ان لبوں سے کوسنے اور فریادیں نکل رہی تھیں۔ ان کی درد بھری چیخیں سناٹے کو چیر کر نہ جانے کہاں کہاں تک پہنچ رہی تھیں۔

"تم جاسوسی کرنے پھر سے پہنچ گئی ہو۔" اس کے قریب ہی حسن کی آواز ابھری تھی۔ آنسوؤں سے بھری سوجی آنکھیں اور ہونٹوں پر [illegible] مسکراہٹ۔ "منع بھی کیا تھا [illegible] یہاں سے [illegible] دیکھتی ہو۔ کبھی دیوار پر چڑھ جاتی ہو۔ کیا جاننا چاہتی ہو آخر؟ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میرے دل پر بڑا بوجھ دھرا ہے۔ سانس لینا مشکل ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ پھر وہ ممی کی طرف مڑا۔ ڈرائیور گاڑی لے آیا تھا۔ حسن نے ممی کو گاڑی میں بٹھایا۔ وہ بڑی حسرت بھری نظروں سے "حیات ہاؤس" کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ گاڑی لمحہ بہ لمحہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔

"رقیب کون ہے حسن!" ساشا کی آواز میں جنگل کے سناٹوں جیسی وحشت تھی۔

"میں۔ رقیب ہوں زیب حسن۔" وہ کچی زمین پر دو زانو بیٹھ رہا تھا۔ پھر اس نے مٹھی بھر مٹی کو ہاتھ میں لیا۔

"ان دو قبر والوں کا مجرم ہوں۔ میں گناہ گار ہوں۔ میں خطا کار ہوں۔ میں بہت برا ہوں ساشا! میں ظالم ہوں۔ میں ظلم کیا، میں نے ظلم کمایا، میں کیسے اس جرم سے بری ہوں گا۔ معاف کرنے والے تو مر گئے ہیں اور جو زندہ ہیں، انہوں نے قانون کے شکنجے سے بچا کر دوہرے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ [illegible] تجھ میں نہیں آئے گا۔ آؤ تمہیں [illegible]" وہ ساشا کا ہاتھ پکڑ کر کچی زمین پر [illegible]

"قائلہ میری [illegible] ایک۔" زیب حسن نے کتنا [illegible]

☼ ☼ ☼

قائلہ اور توصیف ایک ساتھ دنیا میں آئے تھے۔ [illegible] کے وقفے سے۔ توصیف پاکستان میں پیدا ہوا تھا۔ ایک ایک گھنٹے بعد قائلہ کی پیدائش کی بھی اطلاع مل گئی تھی۔

پاکستان میں توصیف کی پیدائش پر جشن منایا گیا تھا۔ نیر خالہ کو تین بیٹیوں کے بعد اولاد نرینہ کی صورت دکھائی دی تھی۔ اسی طرح نوبلہ خالہ کو بھی بڑی ہی

منتوں مرادوں سے قائلہ کا دیدار نصیب ہوا اور قائلہ کی آمد پر بھی یوکے میں ایک گرینڈ فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔

اور ان دونوں کی پیدائش کے ٹھیک تین سال بعد میں بھی یوکے میں پیدا ہوا۔ تین بہنوں کے بعد۔ البتہ میری پیدائش پر کسی نے جشن منانے کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ کسی کے پاس فرصت ہی نہیں تھی۔ ڈیڈی پر بھی ان برس رہا تھا۔ تین ہوٹلز کے اونر تھے۔ ممی کی بھی اپنی مصروفیات تھیں۔ اور بہنوں [illegible] اتنا چھوٹا تھا کہ ان سے [illegible]

نوبلہ خالہ صرف میری [illegible] تھیں۔ ہمارے گھر [illegible] زیادہ نہیں تھا۔ اور نوبلہ خالہ میری [illegible] کی طرح بہت مصروف بھی نہیں [illegible] مصروفیات صرف گھر تک محدود تھیں یا پھر قائلہ [illegible] تک۔

[illegible] اسکولنگ شروع ہوئی تو خالہ نے ہی میرے اسکول کا انتخاب کیا تھا۔ پھر طے یوں ہوا میں خالہ کی گاڑی میں قائلہ کے ساتھ اسکول جانے لگا۔ وہ تین سال مجھ سے سینئر تھی اور خالہ کا خیال تھا کہ قائلہ میرا اچھی طرح سے اسکول میں خیال رکھ سکتی ہے اور خالہ نے قائلہ کو اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ اس نے کس طرح میرا خیال رکھنا ہے۔

گاڑی سے اترنے کے بعد وہ میرا بیگ اور پانی والی بوتل خود پکڑ لیتی تھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے کلاس روم میں چھوڑ کر جاتی۔ پھر بریک ٹائم میں لنچ باکس چیک کرنے آتی۔ "آیا کہ میں نے لنچ کیا ہے یا نہیں۔" پھر اپنی زیر نگرانی لنچ کرواتی۔ میں برے برے منہ بناتا محض قائلہ کی ڈانٹ کے خوف سے سینڈوچ کھا لیتا۔ جوس کی بوتل بھی خالی کر لیتا۔ اس کے بعد قائلہ کے یہ الفاظ میرے لیے باعث مسرت ہوتے تھے۔ وہ میرے گال چوم کر پیار سے کہتی۔ "زیب! سویٹ بوائے۔" کبھی کہتی "زیب، چاکلیٹی بے بی۔" اور مجھے لگتا تھا کہ میں سچ مچ بہت سویٹ ہوں۔ اس چاکلیٹ یا کینڈی کی طرح۔

آف ٹائم ہوتا تب بھی قائلہ کی چمکتی نیلی آنکھیں بچوں کی قطار میں مجھے تلاش رہی ہوتیں۔ پھر ہوتے ہوتے [illegible] لگا کر اسکول سے آنے کے بعد بھی مجھے قائلہ کے گھر بھاگنے کی جلدی ہوتی۔ دھیرے دھیرے عمر کی بتدریج بڑھنے کے ساتھ ساتھ قائلہ سے جذباتی [illegible] میرے لیے فطری سی بات تھی۔

اسکول میں قائلہ کا کوئی دوست نہیں تھا۔ جس ٹاؤن میں ہم رہتے تھے، وہاں آس پاس قائلہ کی کوئی فرینڈ نہیں تھی۔ اسی طرح اپنے چھوٹے بھائی نوبی سے بھی اس کی خاص فرینڈ شپ نہیں تھی کیونکہ نوبی تو مجھ سے بھی دو سال چھوٹا تھا۔ اور یہ شرف، یہ اعزاز صرف میرے حصے میں آیا تھا کہ میں قائلہ کا واحد اکلوتا دوست تھا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ میرا بہت خیال رکھتی تھی۔ میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔ اور میں دل ہی دل میں نہ جانے کون کون سے جذبات پال رہا تھا۔ اس بات سے بھی بے خبر کہ وہ مجھے ابھی تک مونٹیسوری کا بسورتا ہوا زیب سمجھتی تھی۔ میں اس کے لیے ابھی تک چاکلیٹی بے بی تھا۔ حالانکہ میں اے لیول کر رہا تھا اور وہ گریجویشن کے بعد نہ جانے کون کون سے شارٹ کورسز بھی کر چکی تھی۔ مزید تعلیم کے لیے نہ تو وہ آمادہ تھی اور نہ ہی خالہ اسے یونیورسٹی بھیجنا چاہتی تھیں۔

قائلہ کے معاملے میں خالہ بھی بہت حساس ماں واقع ہوئی تھیں۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے اسے ڈاکٹر بنانا خالہ کی اولین خواہش تھی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نے نیا نیا کالج جانا شروع کیا تھا۔ حالانکہ پڑھائی سے مجھے خاص لگاؤ تو نہیں تھا، تاہم نوبلہ خالہ کے اصرار اور قائلہ سے ڈانٹ کے خوف کی وجہ سے مجھے ریگولر کالج جانا پڑتا تھا۔ کیونکہ قائلہ کی یہ خواہش تھی کہ میں بیسٹ اسٹوڈنٹ کے ساتھ ساتھ موسٹ ریگولر اسٹوڈنٹ کی اعزازی ٹرافی جیتوں۔ اس نے میرے حوالے سے بہت خواب دیکھ رکھے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اپنے کیریئر پر خصوصی توجہ دوں۔ کچھ بن کر دکھاؤں۔ اور

مجھے اس کی ہر خواہش، ہر خواب کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

ہم دونوں کی دوستی میں پہلی دراڑ کب پڑی تھی۔ بہت سوچنے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہر وقت نظروں کے سامنے ایک فلم سی چلتی رہتی ہے۔ کچھ بھی بھولتا نہیں، ہر کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔ میں کیا کروں ساشا! مجھے کچھ بھی بھولتا نہیں۔"

قبرستان کے سناٹے کو چیرتی حسن کی بھرائی آواز نے تسلسل توڑ دیا تھا۔ ساشا اس کی آنکھوں سے ٹوٹتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ اور پھر اس نے اپنا نرم ہاتھ حسن کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ وہ اس بند کتاب کو کھولنا چاہ رہی تھی۔ حسن کے دل پر لکھی ہر تحریر کو پڑھنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے دل پر لدے اس بوجھ کو ہٹا دینا چاہتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ حسن کو اعتماد اور محبت سے نوازتی۔

"پھر کیا ہوا حسن!" اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

"پھر یوں ہوا۔" حسن نے پھر سے کہنا شروع کیا۔ "اس دوستی کے رشتے میں پہلی دراڑ قائمہ کے پاکستان جانے کے فیصلے نے ڈال دی۔ حالانکہ ہر چھٹیوں میں خالہ نوری اور قائمہ کو پاکستان لے کر جاتی تھیں۔ ان کا قیام نیر خالہ کے گھر ہوتا تھا۔ خالہ باقاعدگی سے پاکستان جاتی تھیں۔ تاہم میری ممی نے کبھی ایسی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ وجہ بھی بہت بعد میں کھلی تھی کہ ڈیڈی کو ممی کا میکے والوں سے ملنا جلنا پسند نہیں تھا اور ممی ڈیڈی سے بہت ڈرتی تھیں۔

مجھے اسی وقت خالہ اور قائمہ کے پاکستان جانے کی اطلاع ملی تھی جب وہ دونوں ٹکٹ تک کنفرم کروا چکی تھیں۔ دیکھا جائے تو یہ ایسی غصہ کرنے والی بات تو نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی تین تین ماہ کے لیے [illegible] جایا کرتی تھیں اور میری چھٹیاں خالہ [illegible] روکھی اور بے حد بورنگ گزرتی [illegible] مگر جب سے یہ دل قائمہ [illegible] میں پکے چکے گرفتار ہوا تھا تب سے [illegible] قائمہ کا اپنی آنکھوں [illegible] پھوپھی کے گھر جانا بھی گوارا نہیں تھا جو کہ دوسرے شہر میں قیام پذیر تھیں۔

"کب ہو گی واپسی؟" میرے لہجے میں، آواز میں بلکہ ہر ہر انداز میں بے قراری پوشیدہ تھی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لڑکی ہو کر ایک عورت ہو کر میری اس بے کلی کی وجہ جان نہ پاتی۔

"ابھی تو گئے بھی نہیں اور تم واپسی کا پوچھنے لگے ہو۔" وہ پاکستان جانے کے لیے مجھ سے بھی زیادہ بے تاب تھی۔

"تم وہاں جا کر بور نہیں ہو گی؟" میں اس وقت نویلہ خالہ کے گھر میں تھا اور قائمہ کو پیکنگ کرتے دیکھ رہا تھا۔ اور میری حالت اس وقت کسی ایسے بچے کی طرح تھی جس کا پسندیدہ کھلونا اس کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"وجہ؟ کون انٹرٹین کرتا ہے؟" میرے لہجے میں واضح ناگواری تھی۔

"توصیف ہے نا نیر خالہ کا بیٹا!" وہ [illegible] مسکرائی تھی۔ اور مجھ پر اس کی [illegible] منکشف نہیں ہوا تھا۔

"اف توصیف۔" میری [illegible]

اور اسی پل توصیف کی فون [illegible] بہت اچھا لگا [illegible] میں لینے والی [illegible] قائمہ تو توصیف [illegible]

"مجھے [illegible]" میں اسے فون کی طرف متوجہ [illegible] آیا تھا۔ اس وقت میری شریانوں میں دوڑتا لہو کھول رہا تھا۔ میرے لیے کسی بھی طور یہ بات ماننا مشکل تھی کہ قائمہ نے مجھ پر توصیف کی فون کال کو فوقیت دی ہے۔ پھر ایسے بے شمار مواقع آئے تھے جب مجھے محسوس ہوا تھا کہ قائمہ توصیف سے محبت کرتی ہے، اسے پسند کرتی ہے۔

ان دنوں وہ توصیف کے لیے دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی تھی۔ اس کے پاس میرے لیے وقت نہیں تھا۔ حالانکہ میرے ایگزامز کے دنوں میں وہ مجھ سے زیادہ فکر مند رہتی تھی۔ ان دنوں وہ مجھے پڑھانے سے بھی انکاری تھی۔ اور اس کے مشورے نے مجھے آگ لگا دی تھی۔

"تم کسی ٹیوٹر سے پڑھ لیا کرو، [illegible] ابھی کچھ دنوں تک بزی ہو جاؤں گی۔" اس نے [illegible] غلط نہیں کیا تھا۔ وہ سچ مچ کچھ دنوں تک [illegible] ہو جانے والی تھی۔ اور اس کی مصروفیت کی خبر میرے اندر بھانبھڑ لگا دیتی تھی۔

ان کی لندن واپسی [illegible] دن بعد کی بات ہے۔ اس دن نویلہ [illegible] بہت بعد ہمارے گھر آئی تھیں۔ [illegible] کی وجہ سے وہ کم کم ہی ہمارے [illegible] نہیں۔ ممی نے کبھی اس بات پر ڈیڈی سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ ڈیڈی ممی کے میکے [illegible] بہت روٹھے رہتے تھے اور ممی نے اس پر بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔ انہیں ڈیڈی کے غصے کے جلال سے بہت خوف آتا تھا اور ممی کی ساری زندگی ڈیڈی کو خوش کرنے کے چکر میں گزر گئی تھی اور اسی جی حضوری والی عادتوں کی وجہ سے ممی نے اپنی اولاد تک کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ ڈیڈی کو اپنے پیسے پر خاصا مان تھا۔ تین گورنس تھیں۔ گھر میں خوشحالی تھی اور اسی خوشحالی کی وجہ سے ڈیڈی غریب رشتے داروں سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔

ڈیڈی ایک سخت گیر شوہر اور باپ تھے۔ ممی کو پاکستان تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بہنوں سے ملنے کی جرات نہیں تھی۔ ہاں کبھی کبھار فون کر لیا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر طرح کی آزادی تھی اور ممی نے بہنوں سے اپنوں سے نہ ملنے کے غم کو دل سے نہیں لگایا تھا۔ وہ اپنے حال میں خوش تھیں اور ان کی سوشل ایکٹویٹیز بھی بے شمار تھیں۔ ان کے پاس فرصت ہی کہاں تھی کہ چھوٹی موٹی پریشانیوں پر کڑھتی رہتیں۔

نویلہ خالہ جب بھی پاکستان سے آتی تھیں، ہمارے لیے بہت سے تحائف لاتیں جو کہ نیر خالہ ہمارے لیے بھجواتی تھیں۔ میں نے اب تک نیر خالہ اور ان کے بچوں کو صرف تصویروں میں دیکھا تھا اور یہ تصویریں قائمہ بہت شوق سے مجھے دکھاتی تھی۔ اور صرف قائمہ کی خوشی اور شوق کو دیکھتے ہوئے مجھے دلچسپی ظاہر کرنی پڑتی۔ ورنہ توصیف اور نائلہ وغیرہ کو دیکھنے میں ان سے ملنے میں قطعاً "انٹرسٹ" نہیں تھا مجھے۔ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ کیونکہ انیس سال کی عمر میں میرے اندر موجود ایک سوچ نے مجھے پہلے سے ہی الرٹ کر دیا تھا کہ یہ توصیف احمد میرا رقیب ہے۔ اور یہ سوچ جب بھی آن آف ہوتا تھا کچھ نہ کچھ نیا اور انوکھا ضرور ہی ہوتا۔

قائمہ کی شخصیت میں اور مزاج میں تبدیلیاں تو میں نے بہت پہلے نوٹ کر لی تھیں۔ اور مجھے ہرگز نہیں پتا تھا کہ اس بدلاؤ کا براہ راست تعلق توصیف سے ہے۔

مختصر یہ کہ قائمہ اب میری نہیں رہی تھی۔ اس کے پاس میرے لیے چند لمحے بھی نہیں تھے۔ میں خالہ کی طرف آتا تو وہ مجھے دیکھتے ساتھ ہی اٹھ جاتی۔ اکثر فون پر مصروف پائی جاتی۔ مجھے دیکھتے ساتھ ہی اسے اپنے بے شمار کام یاد آ جاتے۔ سچ تو یہ ہے وہ میری نظروں کے مفہوم کو جان چکی تھی۔ سمجھ چکی تھی اور یہ رکھائی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

میری جذباتیت نے قائمہ کو مزید مجھ سے متنفر کر دیا تھا۔ ایک لندن کی برفیلی رات کو میں نے قائمہ سے اظہار محبت کر کے خود کو مزید بے مول کر دیا۔ قائمہ نے کہا تو صرف اتنا۔

"میں تمہیں اپنے چھوٹے بھائیوں کی طرح سمجھتی ہوں۔ تم پاگل ہو رہے ہو، یہ ایج ایسی چیزوں کے لیے مناسب نہیں۔ تم ابھی بچے ہو۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ تم نے مجھے مایوس کیا ہے زینی!"

وہ سخت شاکڈ تھی۔ اس کا خیال تھا میں کبھی ایسی جرات نہیں کر سکوں گا حالانکہ وہ میری جذباتیت، جنون، جوش اور غصے سے اچھی طرح سے واقف تھی۔

"میں تمہارا بھائی نہیں۔ نہ ہو سکتا ہوں۔ تمہارا صرف ایک بھائی ہے۔ اسے ہی اپنا بھائی سمجھو۔ میرا اور تمہارا کزنز اور دوست کا رشتہ ہے۔ اور عنقریب

تیسرا رشتہ بھی ڈھونڈ لاؤں گا۔" میں نے بلا جھجک کہہ دیا۔
"جسٹ شٹ اپ۔ وہی اب بے شرم۔ تمہیں ذرا لحاظ نہیں۔ میں تم سے بڑی ہوں۔" قائلہ نے سخت غصے پر بمشکل قابو پایا تھا۔
"صرف تین سال۔" میں نے جتایا۔
"تم چاہتے کیا ہو۔" قائلہ زچ ہوا تھی۔
"صرف تمہیں۔ تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے بے باکی سے کہا۔
"ایسا ممکن نہیں زیبی! تم سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ بہت نرم مزاج تھی۔ اسے غصہ چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا۔ بہت حلیم الطبع' بہت ذہین' بہت دلکش۔ وہ ہر روپ میں بے مثال تھی۔ اس کی تمام تر عادتیں نویلہ خالہ جیسی تھیں۔ وہ خالہ کی طرح ٹھنڈی اور میٹھی تھی۔ اور اس وقت بھی وہ غصے کو خود پر حاوی نہیں ہونے دے رہی تھی۔ یقیناً وہ مجھے بہت تحمل سے سمجھانا چاہتی تھی۔ اور اس نے مجھے سمجھانے کی ہر کوشش کر کے دیکھ لی تھی مگر میری جذباتیت نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی اس بات کو لیک آؤٹ کر دیا۔
بات یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اور مجھے اس بات سے قطعاً "پریشانی نہیں تھی۔ میں ممی سے کہہ چکا تھا کہ وہ میرا پرپوزل لے کر خالہ کی طرف جائیں۔ مگر ممی تذبذب کا شکار تھیں۔ نجانے کیا وجہ تھی۔ انہوں نے بھی مجھے سمجھانے بجھانے کا بیڑہ اٹھا لیا۔
"ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟" ممی کے سمجھانے کا مجھ پر الٹا اثر ہوا تھا۔ میں چلا اٹھا تھا۔
"قائلہ بڑی ہے تم سے۔" ممی نے وہی گھسا پٹا جواز پیش کیا۔
"میرے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔" میرے ہر انداز میں بغاوت تھی۔
"نویلہ بھی نہیں مانے گی۔" ممی کے چہرے پر [illegible] سنجیدگی تھی۔ وہ کافی دیر خاموش رہی [illegible] تھیں۔
"کیوں؟ مجھ میں کیا کمی ہے۔ [illegible] کون سا ابھی شادی کروں گا۔ صرف انگیجمنٹ کے لیے خالہ کو منا لیں۔ شادی میری اسٹڈی ہونے کے بعد۔" میں نے بالا ہی بالا سب کچھ طے کر رکھا تھا۔
"اور قائلہ کیا وہ تم سے شادی کے لیے مان جائے گی؟" ممی کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
"آف کورس۔" میں پر اعتماد تھا۔
"کبھی نہیں۔" ممی گویا زیر لب بڑبڑائیں۔ "قائلہ کبھی نہیں مانے گی۔"
"کیوں؟ وجہ جان سکتا ہوں۔" عادتاً میرے غصے کا گراف بڑھنے لگا تھا۔
"قائلہ اور توصیف کی بچپن سے بات طے ہے۔" ممی نے گویا بم بلاسٹ ہی تو کیا تھا۔ کچھ لمحے تک میں محض شاکڈ ہی رہا۔
"بات طے ہے۔ مگر مجھے کیوں معلوم نہیں تھا۔ اور یہ قائلہ اسی لیے بھاگ کر پاکستان جاتی تھی۔ واہ جی واہ۔ یہ بالا ہی بالا سب کچھ نبٹائے بیٹھے ہیں اور مجھے کچھ علم ہی نہیں۔"
"حسن! تم ابھی بچے ہو۔ ان باتوں میں مت پڑو۔ ابھی تم نے بہت آگے جانا ہے۔ بہت سا پڑھنا ہے۔ کچھ بن کر دکھانا ہے۔ اگر تمہارے ڈیڈی کو خبر ہو گئی تو میری اور تمہاری جان ایک کر دیں گے۔" ممی [illegible] کی طرح ڈیڈی سے خوف زدہ تھیں۔
"مجھے قائلہ چاہیے ممی! [illegible] میں نے [illegible] مجھے قائلہ دے دیں۔"
نجانے مجھے [illegible] کیا ہوا تھا۔ میرا غصہ اور جلال نہیں [illegible] دور ہو گیا تھا اور میں ممی کے قدموں میں بیٹھا [illegible] رہا تھا۔ اور ممی میرے پل پل بدلتے [illegible] دیکھ کر رو رہی تھیں۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ یہ صرف دل کا معاملہ نہیں۔ میں قائلہ کے [illegible] مینٹلی بھی اپ سیٹ ہوں۔ مگر یہ جاننے کے باوجود میری ماں نے میرا اس حساس دور اور نازک وقت میں ساتھ نہیں دیا۔ میرا سہارا نہیں بن سکیں۔ اگر وہ کوشش کرتیں تو میں اس جذباتی کشمکش سے نکل سکتا تھا مگر ممی ہی کیا نویلہ خالہ تک مجھے سمجھ نہیں پائیں۔ مجھے برا بھلا کہا۔ انہوں نے کہا مجھے اپنے باپ کی حرام کی دولت کا خمار ہے اور کچھ نہیں۔ ان سب نے مل کر مجھے ڈی گریڈ کیا تھا ساشا! میرے باپ نے میری ماں نے' خالہ نے' قائلہ نے۔
حالانکہ میں قائلہ کے حصول کی خاطر ان سب کے قدموں میں گر کر گڑگڑایا تھا۔ ڈیڈی کی منتیں کی تھیں۔ خالہ کے پیر پکڑے تھے۔ مگر سب ہی مجھے ایک ناسمجھ اور جذباتی لڑکا سمجھتے رہے۔ اور اس جذباتی لڑکے نے وہ کر دکھایا جس کا یقین [illegible] سال بعد بھی نہیں آ [illegible] اس وقت کی بات ہے جب خالہ قائلہ کا توصیف [illegible] خوشی خوشی واپس آئی تھیں۔ [illegible] بڑی خواہش تھی کہ [illegible]
انہوں [illegible] غلطی یہ کی تھی کہ "آناً" فاناً قائلہ [illegible] وہ کچھ وقت مزید انتظار تو کر سکتی تھیں [illegible] مجھے سنبھلنے کے لیے کچھ سال دے [illegible] پھر چاہے قائلہ کی کہیں بھی شادی کر دیتیں۔ [illegible] ابھی ان کا ارادہ صرف منگنی کرنے کا تھا۔ میری قائلہ کے لیے پسندیدگی جاننے کے بعد انہوں نے جھٹ نکاح کا پروگرام ترتیب دے ڈالا۔ حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کم از کم پانچ سال بعد قائلہ کی شادی کرنا تھی۔ نومی ابھی پڑھ رہا تھا اور قائلہ کی جاب سے ہی گھر کے اخراجات پورے ہو رہے تھے۔ خالہ پہلے خود جاب کرتی تھیں۔ بیوگی کے بعد وہ کسی پر بوجھ نہیں بنی تھیں۔ اور اب قائلہ انہیں کام نہیں کرنے دیتی تھی۔
دوسری بڑی غلطی یہ تھی۔ انہوں نے فوراً توصیف کو لندن بلوانے کے انتظامات کرنا شروع کر دیے تھے۔ دیکھا جائے تو یہ کچھ غلط یا انہونا نہیں تھا مگر مجھے یہ سب اپنی توہین کا احساس دلانے کے لیے کافی تھا۔ مجھے لگتا تھا۔ میری خالہ نے اور قائلہ نے میرے جذبات میری محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ اور خالہ کہتی تھیں کہ ان کی بیٹی کسی ایسے گھر میں نہیں جائے گی جس کی اینٹ اینٹ حرام کی کمائی سے خریدی گئی ہے۔
ہم نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی۔ جس آزاد معاشرے میں [illegible] گئی تھی۔ جو کچھ ہم نے دیکھا اور [illegible] کی باتیں بہت مس فٹ تھیں مگر میری [illegible] ایک ہی تھیں' درویش قسم کی۔ اور ان کے [illegible] بالکل اپنی ماؤں کا پرتو۔ کم از کم قائلہ اور [illegible] تو ایسے ہی تھے۔
توصیف کے مرنے کے بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ تھا کیا؟ اس میں کیسی کیسی خوبیاں تھیں۔ وہ کتنا پیارا دل رکھنے والا انسان تھا۔ وہ ہیرا تھا نادر و نایاب۔ بہت قیمتی انسان' اور وہ مٹی میں مل کر رہ گیا تھا۔ وہ مر گیا تو مجھے احساس ہوا کہ قائلہ ٹھیک ہی اس کے عشق میں گرفتار تھی۔ وہ ایسا ہی تھا ساشا! بہت پیارا' بہت حساس' شیشے جیسا دل رکھنے والا۔
میری قائلہ سے محبت دودھ کے ابال جیسی تھی۔ اور ان دونوں کی محبت لازوال تھی۔ وہ دونوں میں ابھی تک اچھی "یاد" بنے زندہ ہیں۔ آج بھی' اور ہمیشہ کے لیے میرا یہ دل ان دونوں کی یاد سے کبھی خالی نہیں رہے گا۔ ساشا! مجھے کبھی مجبور مت کرنا کہ میں ان دونوں کو اپنے دل سے نکال دوں یا پھر خاموشی کے اس شہر میں کبھی نہ آؤں۔ مجھے کبھی روکنا مت۔ میرا سکون یہاں پوشیدہ ہے۔ یہاں دفن ہے۔ مگر یہ قبر والے میرے آنسوؤں سے میری منتوں سے بھی نہیں پگھلتے نجانے کیوں انہوں نے اپنے دل پتھر کر لیے ہیں۔ ساشا! نجانے کیوں؟"
حسن اس کے زانو پر سر رکھے تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا۔ ساشا کے ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گئے تھے۔ اور اس کے لبوں سے پھر سے سرگوشی نما آواز برآمد ہوئی تھی۔ قبرستان میں اب بھی ہولناک سناٹا تھا۔ اور اس سناٹے کو چیرتی حسن کی سسکیاں۔
"پھر کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔
"پھر۔" حسن تھم سا گیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں رک رک کر چلنے لگی تھیں۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر ساشا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"ہو گئے ہو حسن؟" اس کی آواز میں ہمیشہ والی نرماہٹ تھی۔ حسن کی خاموشی اور بھی گہری ہو گئی۔

"تم ایک وعدہ کرو مجھ سے۔" وہ ناقابل فہم انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا؟" ساشا حیرت سے بولی۔

"تم۔ تم مجھ سے نفرت تو نہیں کرو گی؟ مجھے بھی زندگی کے کسی موڑ پہ چھوڑ کر مت جانا ساشا! میں نے زندگی کو تمہیں دیکھنے کے بعد پھر سے زندگی سمجھنا شروع کیا ہے۔ مجھے کبھی تنہا مت کرنا۔ میں بہت سالوں سے اپنی ذات کی قبر میں قید ہوں' اکیلا اور تنہا۔" وہ لرزیدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ میں کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔" ساشا نے اپنے سابقہ لہجے میں بہت نرمی سے کہا تھا۔

"آپ کچھ بتا رہے تھے حسن؟" قبرستان کے سناٹے کا مخصوص خوف ان دونوں سے کوسوں دور چلا گیا تھا۔

"خالہ نے ہمارے گھر قائلہ اور توصیف کے نکاح کی مٹھائی بھجوائی تھی۔ ممی بھی بہت عرصے بعد نویلہ خالہ کی طرف مبارک باد دینے پہنچ گئی تھیں۔ انہی کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ توصیف بہت جلد لندن آ رہا ہے۔

ان دنوں خالہ رخصتی کی زور و شور سے تیاریاں کر رہی تھیں۔ اور میں پھر سے خالہ کی منتیں کرنے پہنچ گیا۔

مجھے یاد ہے۔ وہ دن میری زندگی کے اذیت ناک دن تھے۔ وہ راتیں اتنی طویل ہوا کرتی تھیں کہ صبح کی سپیدی دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ میرا ان دنوں صرف ایک ہی کام ہوا کرتا تھا۔ خالہ کے گھر چکر لگانا۔ فون کرنا اور بار بار خالہ کو قائلہ کی شادی سے روکنے کی کوشش کرنا۔

مجھے یاد ہے میری دھمکیوں' منتوں اور [illegible] کا خالہ کے پاس صرف ایک جواب تھا۔

"تم میری بیٹی کے قابل نہیں ہو۔ تم امیچور اور جذباتی لڑکے ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ بدلحاظ ہو۔ [illegible] تمہارے پاس علم نہیں۔ ورنہ اتنا تو ضرور سمجھتے ایک نکاح شدہ لڑکی کے گھر نکاح کا پیغام بھجوانا حماقت ہے۔ قائلہ توصیف سے محبت کرتی ہے۔ اگر وہ تمہاری طرف ملتفت ہوتی تو پھر بھی میں کچھ نہ کچھ ضرور کوشش کرتی۔ وہ اپنے فیصلے خود کر سکتی ہے۔ اگر تم مجھے یوں ہی ذہنی طور پر ٹارچر کرتے رہے تو مجھے مجبوراً پولیس کو انفارم کرنا پڑے گا۔ اور مجھے بھول جائے گا کہ تم میرے سگے بھانجے ہو۔"

خالہ کے لہجے میں بلا کی کاٹ پوشیدہ تھی۔ اور پولیس کی دھمکی نے مجھے غصے سے پاگل کر دیا تھا۔ اور میں نجانے کیوں اپنے مقام اور سطح سے گر گیا۔ میں نے خالہ کو گالیاں دیں۔ میں چلاتا رہا تھا۔ بکواس کرتا رہا۔ انہوں نے میری ساری بکواس سننے کے بعد ہی فون رکھا تھا۔ اور آخری الفاظ جو ان کے لبوں سے برآمد ہوئے تھے۔ وہ آج بھی میرے دل پر نقش ہیں۔

خالہ نے کہا تھا "تم زینی! تم ایک بہت ہی کمینے لڑکے ہو۔ قصور تمہارا بھی نہیں جو حرام تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ یہ اسی حرام کی کرامات ہیں۔ تم بزرگوں کو گالی دیتے ہو۔ میں تمہاری ماں [illegible] ماں ہوں ماں۔ افسوس تو یہ ہے [illegible] ایک سانپ کو پالا۔ تمہاری ماں [illegible] کوڑا [illegible] کی گود میں پھینک [illegible] پیار اور اس محبت کا خوب صلہ [illegible] اور قائلہ نے تم پر بے دریغ لٹایا۔ [illegible] بند کر دیا تھا اور میں [illegible] چلاتا رہا۔

"میری ماں ہوتیں تو میرے بارے میں [illegible]" میری نفرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میری شخصیت میں بے شمار دراڑیں تھیں۔ میں ایک الجھی ہوئی شخصیت کا مالک تھا۔ اور اس الجھاؤ کی ایک بڑی وجہ ہمارے گھر کا ماحول تھا۔ اپنے گھر کے ماحول کو ڈسکس کرنا مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا۔ لیکن میں تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا۔ ممی نے جو بھرم جو پردہ تمہارے اور اپنے درمیان تان رکھا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ممی خود [illegible] لگے اس بدنما داغ کو دنیا والوں کے سامنے عیاں کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ چلو' تمہیں کچھ اپنے ماضی کے بارے میں بھی بتا دیتا ہوں۔ جس کا براہ راست تعلق بھی قائلہ اور توصیف کی موت سے ہے۔ مگر اس سے پہلے تمہیں کچھ اور بھی بتاتا ہوں۔

میرے ڈیڈی کی زندگی عیش و عشرت اور دولت کے حصول میں کٹ رہی تھی۔ [illegible] بیوی اور اپنی اولاد صرف [illegible] میری تینوں بہنیں اور ممی ڈیڈی سے [illegible] رہتے تھے کیونکہ [illegible] ظلم کے علاوہ مارنے پیٹنے سے بھی [illegible]

[illegible] تعلیم کے سلسلے میں گھر سے دور [illegible] فوراً انہوں نے بخوشی قبول کیا تھا۔ ایسے ماحول میں کوئی بھی نارمل انسان ایب نارمل ہو سکتا ہے۔

رہ گیا میں تو میرے لیے بھی ممی کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ ڈیڈی کو خوش کرنے کے لیے پارٹیز اٹینڈ کرتی تھیں۔ اور ان کی زندگی کا صرف ایک مقصد تھا یعنی ڈیڈی کو خوش کرنا۔

تب خالہ میرے لیے مہربان فرشتہ بن کر آئی تھیں۔ اس دن ڈیڈی نے ممی کو بہت پیٹا تھا ممی کے سر پر کافی چوٹیں آئی تھیں۔ اور ممی ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں۔ نجانے خالہ کو کس نے اطلاع کر دی تھی۔ وہ آئیں تو ممی سے ملنے تھیں مگر مجھے گم صم پریشان اور بے تحاشا روتے دیکھ کر گھر لے آئیں۔ اور یوں میں ممی سے بھی زیادہ نویلہ خالہ سے اٹیچ ہو گیا۔ مگر میری جان سے پیاری خالہ نے میرے دل کو کرچی کرچی کر دیا تھا۔

میں جانتا ہوں۔ میں غلط تھا۔ میرا مطالبہ غلط تھا۔ اس ایج میں کی جانے والی ڈیمانڈ اور محبت تک غلط تھی۔ مگر میں جانتے بوجھتے بھی محض ضد اور انا کی خاطر وہ سب کچھ کر گزرا جس نے مجھے انسانیت کی معراج سے گرا دیا۔

جس رات توصیف یو کے کے ایئرپورٹ پر کھڑا قائلہ [illegible] کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹھیک اسی رات میرا [illegible] پلاننگ کر چکا تھا۔

دوسری رات ان دونوں کی رخصتی کی تقریب تھی۔ خالہ نے وہ ساری رسمیں اور شوق پورے کیے تھے جن کی پاکستانی شادیوں میں بہت اہمیت ہوتی ہے۔ توصیف کی آمد سے پہلے ڈھولکی تک رکھوائی گئی تھی۔ یہ شادی کی تقریب ایک یادگار تقریب تھی۔ جسے میں نے ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا۔

خالہ نے قائلہ اور توصیف کا بیڈ روم بہت شاندار انداز میں ڈیکوریٹ کروایا تھا۔ اور میں جانتا ہوں' اس سلسلے میں خالہ خاصی مقروض ہو گئی تھیں مگر وہ اپنی لاڈلی بیٹی کے سارے ارمان پورے کرنا چاہتی تھیں۔

سرخ گلابوں سے سجے اس کمرے میں گویا رنگوں کی بہار اتر آئی تھی۔ قائلہ سرخ لباس میں سجی بنی توصیف کے سامنے بیٹھی تھی۔ نجانے انہوں نے کیا کیا باتیں کی ہوں گی۔ کون کون سے وعدے کیے ہوں گے۔ یقیناً" توصیف نے کہا ہو گا کہ وہ خالہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے رخصتی کے لیے لندن آیا ہے اب قائلہ کو اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے پاکستان جانا ہو گا۔ وہ اس سے وعدہ لے رہا ہو گا۔ اور یقیناً" قائلہ نے اس کی ہر خواہش پر سر جھکایا ہو گا۔

اس رات میں انگاروں پر تڑپا تھا۔ اور صبح قیامت لے کر طلوع ہوئی تھی۔

"قائلہ اور توصیف مر گئے۔"

ممی اور میری بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں۔ رات کو ہی تو وہ سب خوشی خوشی تقریب کے اختتام پر گھر آئی تھیں اور اب انہوں نے گویا قیامت کی خبر سنی تھی۔

یہ خبر مجھ پر بجلی بن کر گری تھی۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟

اس میں شک نہیں غصہ اور جذبات میں آ کر میں نے انہیں قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں نے نویلہ خالہ کی میڈ کو اعتماد میں لے کر اسے ہزاروں پونڈ اور

امریکہ کے ویزے کا لالچ دے کر کہا تھا کہ وہ توصیف اور قائلہ کے سوپ یا جوس میں زہر شامل کر دے۔ لیکن اچانک نہ جانے مجھے کیا ہوا تھا مجھے لگا تھا کہ قائلہ کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ میں نے اس میڈ کو فون کر کے منع کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا فون نہیں ملا تو میں نے اسے مسیج کیا کہ وہ اس پلان پر ہرگز عمل نہ کرے۔

قائلہ اور توصیف کی موت کا سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ میڈ نے وہ مسیج نہیں دیکھا اور اس نے طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں زہر دے کر مار دیا ہے۔

احساس جرم نے مجھے پاگل کر دیا۔ میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں نے خالہ کو فون کر کے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ خالہ مجھے گالیاں دے رہی تھیں۔ بددعائیں دے رہی تھیں۔ صدمے کی شدت نے انہیں پاگل کر ڈالا تھا۔

دوسری طرف قانونی کارروائی فوری طور پر ہو رہی تھی۔ صرف آدھے گھنٹے بعد میں گرفتار ہو گیا۔

نویلہ خالہ تابوت میں بند اپنی بیٹی اور جان سے پیارے بھانجے اور داماد کو پاکستان لے گئی تھیں۔

حوالات میں بند میں کسی اور ہی جہان میں تھا۔

میرے گھر والوں پر کیسی قیامت بیت رہی تھی مجھے قطعاً "پروا نہیں تھی۔

میرے حواس تو اس وقت سلب ہوئے تھے جب ایف آئی آر میرے سامنے آئی۔ ایف آئی آر پر لکھی تحریر نے میرے ہوش اڑا دیے تھے۔ مجھ پر کون سا الزام لگا تھا یہ تو میں جانتا ہی تھا۔ ایف آئی آر کا متن کچھ یوں تھا کہ مقتولہ اور مقتول گیس لیک کر جانے کی وجہ سے جاں بحق ہوئے ہیں۔ اور یہ منصوبہ اور سازش زیب حسن کی تھی۔ جس میں وہ کامیاب ہوا۔ گیس کے پینڈل کو لوز کر دیا گیا تھا۔ رات کے کسی پہر پائپ میں سے نکلنے والی گیس سے ان کی [illegible] ہوئی تھی۔ مجرم نے تمام منصوبہ بہت چالاکی [illegible] سے بنایا تھا۔

اس کے علاوہ کچھ اور قانونی تفصیلات تھیں۔ تاہم

میرا دماغ شائیں شائیں کر رہا تھا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ نے ثابت کر دیا تھا کہ ان دونوں کی موت کسی زہریلی دوا سے نہیں بلکہ آکسیجن کے ختم ہو جانے اور گیس ہیٹر کا برنر کھلے رہ جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ یقیناً "والو لوز ہو گیا تھا۔ یا پھر ٹھیک سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ جو بھی تھا۔ میرا اقبال جرم مجھے میرے اپنوں اور قانون کی نظروں میں مجرم تو بنا چکا تھا۔

پھر ایک دن خالہ کی میڈ سے میری بات بھی ہو گئی۔ اس نے میرے خدشات رفع کر دیے تھے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سوپ اس نے سنک میں بہا دیا تھا اسے میرا مسیج مل گیا تھا ویسے بھی وہ اتنی سنگدل نہیں ہو سکتی کہ محض پیسے کے لیے کسی کی جان لے لیتی۔ وہ سوپ جس میں پوائزن ملایا گیا تھا وہ ان تک نہیں پہنچا تھا۔ اور ان کی موت گیس لیک ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ مگر پولیس کے پاس میرا اقبال جرم ریکارڈ ہو چکا تھا۔ اور یہ اقبال جرم مجھے عمر قید کے قریب لے آیا تھا۔

میں پولیس تو کیا خالہ تک یہ بات نہ پہنچا سکا تھا میں نے قائلہ اور توصیف کو مارنے کا منصوبہ ضرور بنایا تھا مگر عین وقت پر میری محبت جیت گئی تھی اور نفرت اور رقابت ہار گئی تھی۔ اور وہ اپریل [illegible] اپنی وصل کی شب وداع کہہ [illegible] اتنی جلدی میں ابدی [illegible] ہو جاؤں گا۔ یہ تو میں نے سوچا [illegible] تھا۔ یہ [illegible] کسی کے عذاب میری نیندیں [illegible] گئے۔ میں رات رات بھر جاگتا رہتا۔ اب جاگنا ہی میرا مقدر تھا۔ آٹھ سالوں سے [illegible] رہا ہوں۔ چار گھنٹے نیند کے بعد خود بخود میری [illegible] کھل جاتی ہے۔ پھر باقی کی رات میری جاگتے گزرتی ہے۔

جس صبح کورٹ نے مجھے سزا سنائی تھی میرے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔ آتا بھی کون؟ ڈیڈی نے میری گرفتاری کے بعد ممی کو طلاق دے کر گھر سے بے دخل کر دیا تھا۔ ڈیڈی جیسا بزنس مین گھاٹے کا سودا کر

ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈیڈی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ مجھے بڑی سزا کے ساتھ ساتھ بھاری جرمانہ بھی ضرور ہو گا۔ سو انہوں نے مجھے اپنی پراپرٹی سے عاق کر دیا۔

ممی ان دنوں ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار تھیں۔ ایک طرف اکلوتے بیٹے کی جدائی اور دوسری طرف ڈیڈی کی سنگدلی نے ممی کو بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔

کورٹ میں تنہا میں کٹہرے میں کھڑا تھا میرا اپنا کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر کچھ دیر بعد میری دونوں خالائیں چلی آئی تھیں۔

اور ان دونوں نے حکم سنے جانے سے پہلے ہی عدالت سے درخواست کی تھی کہ [illegible] رہی ہیں مجھے باعزت بری کر دیا جائے۔ [illegible] خالہ نے اور نویلہ خالہ نے معاف [illegible] ششدر تھا۔ میں حیران تھا۔ اور شاید [illegible] کو یقین ہو چکا تھا کہ گیس ہیٹر کے برنر [illegible] کے پیچھے میرا کوئی عمل دخل نہیں۔ [illegible] میری بھول تھی۔ نیر خالہ اور نویلہ خالہ نے معاف کیا تھا۔ اپنے بچوں کا خون مجھے معاف کیا تھا۔ صرف اور صرف اس لیے کہ وہ دونوں کہتی تھیں کہ دو گھر تو برباد ہو ہی چکے ہیں۔ اب یہ تیسرا گھر جو پہلے ہی طوفانوں کی زد میں تھا۔ ٹوٹنے سے بچ جائے۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ صدموں سے نڈھال میری ماں کو میری دائمی جدائی کا ایک اور صدمہ دیکھنا پڑے۔ ان کی معافی نے مجھے ضمیر کے کوڑوں کے حوالے کر دیا تھا۔

آج تک ان کوڑوں کی زد میں ہوں۔ روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں۔

بہت سال بعد جب دل قدرے ٹھہر گیا تو میں نے واپسی کا قصد کیا۔ مجھے لگتا تھا میرا سکون اسی شہر خموشاں میں پوشیدہ ہے۔ یہیں پر میں نے تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ پھر میں تمہیں روز ہی دیکھنے لگا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے تمہارے متعلق معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دی تھیں۔ میں جان گیا تھا کہ تم بہت حساس دل رکھنے والی لڑکی ہو۔ مجھے لگتا تھا کہ تم میرے گناہوں اور دکھوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں میری مدد کرو گی۔

مجھے لگتا تھا "اک عمر کی مسافت طے کرنے کے بعد مجھے بھی ایک [illegible] دکھائی دینے لگا ہے۔ میں اس جزیرے کی طرف [illegible] رہا ہوں۔ میرے مجبور کرنے پر ہی [illegible] تمہارے گھر بھجوایا تھا۔ میری [illegible] کی [illegible] سے جھانکتی اور پھر قبرستان کی [illegible] تک آنے والی ساشا علیم مجھے متاثر کر گئی [illegible]۔

میں اس کہانی کا تیسرا کردار ہوں۔ ساشا! تم کیا سمجھتی ہو میں کتنی سزا کا حق دار ہوں؟"

حسن خاموش ہو گیا تھا۔ اب صرف سائیں سائیں کرتے سناٹے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اور ساشا گویا دم بخود تھی اسے سنبھلنے کے لیے بہت سے لمحے درکار تھے۔ اور جب اس کا دل قدرے معمول کی رفتار پکڑنے لگا تو وہ از سر نو تمام واقعات کو ذہن میں دہرانے لگی۔

جو کچھ وہ سوچ رہی تھی۔ سب روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا تھا۔ اور پھر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں واضح ٹھہراؤ تھا۔

"حسن! آپ رب رحیم کا شکر ادا کیا کریں۔ اس نے آپ کو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہونے سے بچا لیا ہے۔ آپ نے گناہ کی نیت ضرور کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا کرم کیا۔ آپ نے کسی کا قتل نہیں کیا حسن! آپ خود کو اس احساس جرم سے آزاد کریں۔ قائلہ اور توصیف نے عین وصل کی شب اسی وقت اسی گھڑی اور اسی لمحے جان دینی تھی۔ اس لیے کہ لوح محفوظ میں بہت پہلے آسمانوں پر لکھا جا چکا تھا۔ یہ حادثاتی موت ان کی مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ رب نے آپ پر اپنا کرم کیا آپ کو بروقت احساس ہو گیا حسن!" وہ لرزتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"مگر اس دل میں سکون کیوں نہیں" "تو تڑپ"۔ "حسن بے بس تھا۔ اور اسی بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھوں کو نمکین پانیوں سے بھر دیا تھا۔

"اس لیے کہ آپ نے اپنی سچائی ان لوگوں تک نہیں پہنچائی۔ جن کے دل ابھی تک دکھے ہوئے ہیں۔"

زخمی ہیں۔ خون رس رہا ہے۔ آپ نے نیر آپی کو اور نوبلہ خالہ کو کیوں نہیں بتایا کہ آپ مجرم نہیں۔ ہاں آپ نے جرم کا منصوبہ ضرور بنایا تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے آپ کو اس گناہ سے بچالیا۔ اور وہ اپنے بندوں پر اسی طرح مہربان ہے۔"

"مجھے یقین آگیا ہے۔ مجھے تو اسی وقت یقین آگیا تھا۔ جب توصیف اور قائمہ تابوت میں بند میری آنکھوں کے سامنے آئے۔ میرے دل نے کہا تھا ہمارا دودھ اتنا ناپاک نہیں ہو سکتا۔ نور بانو کا بیٹا ایسا سنگدل تو نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دل نے تجھے اسی شب بری قرار دے دیا تھا بیٹے! جب تجھے سزا سنائی جانی تھی۔ پر تو نے "سچائی" بتانے میں آٹھ سال کیوں ضائع کر دیے ہیں میرے لعل!"

اس آواز نے ان دونوں کو چونکا کر رکھ دیا تھا۔ ساشا اور حسن نے بیک وقت گردن گھما کر دیکھا تھا۔ نیر حیات، حسن کے قریب آرہی تھیں۔ پھر انہوں نے حسن کے منہ کو چوم لیا تھا۔

"تجھ میں اور توصیف میں بھلا کیا فرق ہے میرے شہزادے! تو میری نور آپا کا بیٹا ہے۔ تو میرا زیبی ہے۔"

"خالہ! میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے قائمہ کو نہیں مارا۔ میں بھلا کیسے مار سکتا تھا۔ نہیں، کبھی نہیں۔" دونوں طرف دلوں پر جمی برف پگھل رہی تھی۔ ساشا نے ان دونوں کو دیکھ کر نم آنکھوں کو پونچھا تھا۔ اب وہ قبرستان کے احاطے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کا دوسرا پہر شروع تھا جب نیر حیات کی آنکھ عجیب سے شور کی آواز سے کھل گئی تھی۔ پہلے پہلے انہوں نے اسے اپنا وہم جانا تھا مگر پھر اس آواز [illegible] ان کے قدموں کے نیچے سے زمین [illegible]

"نور بانو آپا [illegible] تو آپا کی آواز [illegible]" وہ بھاگتی ہوئی گیٹ تک [illegible] کچھ دیر ہو گئی تھی۔ آپا گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں۔ پھر یہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مگر ان کی نگاہوں نے بڑا ہی عجیب منظر دیکھا تھا۔ اور ساعتوں نے وہ کچھ سنا جس کے حرف حرف پر دل یقین کی مہر لگا رہا تھا۔

سامنے ساشا اور حسن پھاٹک کے قریب زمین پر بیٹھے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ ساشا کی شادی حسن سے ہوئی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے روزینہ اور ساشا سے ملنا ملانا کم کر دیا تھا۔ شادی میں شرکت نہ کرنے کی اصل وجہ بھی یہی تھی۔ اگر وہ چاہتیں تو روزینہ کو بتا سکتی تھیں کہ حسن ان کا بھانجا ہے۔ اور ان کے بیٹے کا قاتل بھی۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا کیونکہ ممتا سے بھرے اس دل نے بڑی بہن کے اکلوتے نور نظر کو کب سے معاف کر دیا تھا۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ سچائی کیا ہے۔ وہ کل تک یہی سمجھتی رہی تھیں کہ زیب حسن نے ہی منصوبہ بنا کر ان کے بچوں کا قتل کیا ہے۔

مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ سچائی تو یہ تھی جو زیب حسن کے لب ادا کر رہے تھے اور انہیں زیبی کی ہر بات پر یقین آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو گواہ تھے اور یہ آنسو اسی آنکھ [illegible] آنکھ خوف خدا سے [illegible] بند نہیں ہوئی [illegible] سے زیب حسن کی آنکھ نے [illegible] نہیں کیا تھا۔ [illegible] سزا کیا کم تھی [illegible]

آج جب زیبی اور [illegible] الوداعی ملاقات کرنے کے بعد [illegible] تو وہ دور [illegible] میں کھڑی [illegible] رہی تھیں۔

[illegible] سے ساشا ان کے پاس آئی تھی۔

[illegible] میں زیبی کی ڈائریاں تھیں جن کو بغیر [illegible] وہ جانتی تھیں کہ ان میں درد کی کون کون سی داستان رقم ہے۔ ساشا جو چند گنتی کے دنوں میں ان کے قریب رہی تھی انہیں بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح پیاری ہو گئی تھی اور وہ روتے ہوئے اپنے شوہر کی زندگی سے اس "دوسرے پہر" کی بھیک مانگ رہی تھی۔

اور وہ کیا ایسی سنگدل تھیں ایک بیٹی کو خالی ہاتھ لوٹا دیتیں۔ انہوں نے اسے دوسرا پہر دان کر دیا تھا۔ اب زیب حسن کو رات کی تاریکی میں چھپ کر آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتا فاتحہ کے لیے شہر خموشاں کا رخ کر لیتا۔ ان دو قبروں کا دیدار کرتا۔ پھول چڑھاتا، دعا کرتا اور مطمئن سا لوٹ آتا۔

ساشا نے کہا تھا۔ "آپ حسن کو معاف کر دیں خالہ جان! وہ قاتل نہیں ہے۔"

اور وہ تو آٹھ سال پہلے ہی زیبی کو ہر [illegible] سے آزاد کر چکی تھیں۔ پھر بھی انہوں نے [illegible] کو نہیں [illegible] تھا۔

ساشا اور زیبی [illegible] گئے تھے۔ وہ تو صرف نوبلہ [illegible] کے لیے اور اسے لینے کے لیے [illegible] گئے۔

[illegible] توصیف کو چھوڑ کر لندن نہیں جانا چاہتی [illegible] کی طرح نور بانو آپا بھی واپسی کے سفر [illegible] تیار تھیں۔ اب وہ بھی ہمیشہ کے لیے [illegible] وطن میں رہنا چاہتی تھیں اور زیبی کی خواہش تھی کہ تینوں بہنیں حیات ہاؤس کو آباد کریں۔ نوبلہ سے ان کی اور نور آپا کی بات ہو چکی تھی نوبلہ بھی پاکستان میں رہنے کے لیے آمادہ تھی۔

بہت سالوں بعد حیات ہاؤس میں ایک ساتھ خوشیوں کی بارات اترنے والی تھی۔

حسن نے جو کچھ اسے بتایا تھا۔ وہ سب کچھ سن کر اور جان کر اسے جھٹکا ہرگز نہیں لگا تھا۔ بلکہ اس کی خوشی کے لیے یہی کافی تھا کہ حسن نے اس پر اعتبار اور اعتماد کے رشتے کو مضبوط کیا ہے۔ اور وہ حسن کے اس اعتبار کو اور بھی مضبوط کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

اسے اب حسن کے لیے نوبلہ خالہ سے معافی چاہیے تھی۔ حسن کے ہر کردہ ناکردہ گناہ کی معافی، کیونکہ اسے زیب حسن ادھورے دل اور ادھورے وجود کے ساتھ نہیں چاہیے تھا۔ وہ اس کے ہر خسارے اور پچھتاوے کا خاتمہ چاہتی تھی۔

زندگی کی شاہراہ پر ان دونوں کے حصے کی خوشیاں ان کی منتظر تھیں اور وہ اپنے سفر پر رواں دواں تھے۔ یہ سفر محبت کا سفر تھا جو کبھی نہ ختم ہونے والا۔

☆

عہد اسیری سے

حرا قریشی

خاموشی؟ ہاں اب ہر طرف خاموشی تھی مگر اس کے اندر بڑا شور تھا۔

سکون؟ اسی کی تو تلاش تھی۔ مگر وہ یک دفعہ پھر کھو گیا تھا۔

وحشت... اداسی... اکتاہٹ...؟

یہ سب تو اس نے اس سے چھین لیے تھے مگر وہ خود کہاں کھو گئی تھی؟

محبت... زندہ دلی... مسکراہٹ؟

ہاں اب یہ سب اسے اٹریکٹ کرتے تھے مگر یہ تبدیلی لانے والی خود کہاں تھی؟

پارک میں ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ خزاں نے درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جھیل کے اوپر بھی زرد پتے تیر رہے تھے۔ لگتا تھا پورا جہان اس کے کھونے کا سوگ منا رہا ہے۔

"میں اسے بھول کیوں نہیں جاتا؟" جبران کو اپنی بے بسی پر غصہ آیا تھا۔

"تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتیں؟" اسے کہیں دور سے اپنی جھنجلاہٹ بھری آواز سنائی دی۔

"نہیں رہ سکتی بھئی۔ آپ کو پتا تو ہے۔ میں تو سوتے میں بھی بولتی ہوں۔" وہ ایک دفعہ پھر [illegible] کر ہنس پڑی تھی۔

"خالی بولتی ہی نہیں ہو' بات [illegible] فرض سمجھتی ہو۔" جبران نے اکتاہٹ [illegible] لہجے میں کہا تھا۔

"جس دن میری ہنسی رک گئی نا اس دن میری سانسیں بھی تھم جائیں گی۔ اصل میں مجھ سے کوئی بات بغیر ہنسی پوری ہی نہیں ہوتی اور ایک آپ ہیں ہنسنے کی بات پر بھی نہیں ہنستے۔ دیکھیے گا اگر کبھی میں نے بولنا اور ہنسنا چھوڑ دیا نا تب یاد کریں گے... ہنسنے سے زندگی کا احساس ہوتا ہے اور ہنسنے سے۔"

اس سے آگے کیا کہا تھا اس نے؟ ہنسنے سے... کیا بتانے والی تھی وہ؟ جبران نے چلتے چلتے ایک دم رک کر یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ بات کرتے کرتے ادھوری کیوں چھوڑ دیتی تھی؟

"شاید اس کے پاس کرنے کو ڈھیر ساری باتیں ہوتی تھیں اور میرے پاس اس کے لیے بہت کم وقت... وقت کی تو خیر کمی نہیں تھی مگر میرا اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا تھا۔ میرا اپنا سوگ ختم ہوتا تو اس کی طرف دھیان دیتا نا۔ پھر شاید اس کی وجہ بھی میرا رویہ تھا۔ میں اس کی باتیں سنتا ہی کب تھا؟ مگر وہ پھر بھی بولتی رہتی تھی اور اس کے ہونے سے زندگی کا احساس ہوتا تھا۔

"خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب بھی [illegible]" جبران نے تھک کر [illegible] غلطی بھی [illegible] پھر سے چل پڑا۔ اگلے ہی [illegible] کے نیچے جانے والے [illegible] اور تھک کر قریبی [illegible] گیا تھا اور [illegible] سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

"مجھے [illegible] بالکل اچھا نہیں لگتا۔" سامیہ کی [illegible]

"[illegible]؟" بے دھیانی میں کیا گیا اس کا اپنا سوال۔

"پتوں کو بھی کچلا جانا پسند نہیں۔" سامیہ نے فوراً جواب دیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا؟" وہ پتا نہیں کس دھن میں تھا جو اتنی بات کر لی تھی ورنہ تو وہ چپ ہی رہتا تھا۔ ہمیشہ سامیہ ہی سوال بھی کرتی تھی اور جواب بھی دیتی تھی۔

"کیا سامی نے واقعی مجھے بدل دیا ہے؟ میں ابھی تو خود ہی سوال جواب... کر رہا ہوں... تھا... کوئی سننے والا نہیں۔" اس نے حال میں لوٹتے ہوئے سنسان پارک پر ایک نظر ڈالی مگر کسی کی آواز پھر سے اس کے ارد گرد گونجنے لگی تھی۔

"مجھ سے کس نے کہا؟ پتوں کے احتجاج سے۔ ان پر چڑھ جائیں تو وہ کتنا شور مچاتے ہیں۔ [illegible] ہی ہے جس بات سے انہیں [illegible] اس کا زور دار طریقے سے احتجاج [illegible] ہے نا؟"

اس کے سوال [illegible] تھا مگر آج اس کے پاس سامیہ کی [illegible] جواب موجود تھا لیکن وہ سننے [illegible] دیر بعد سامیہ کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"[illegible] پھول [illegible] مسلنا بھی پسند نہیں ہے نہ ہی ان کی پتیاں توڑنا۔" جبران نے بے اختیار اپنے ہاتھ میں [illegible] سرخ گلاب کے پھول کو دیکھا تھا جس پر اب صرف تین چار پتیاں رہ گئی تھیں۔ وہ بے دھیانی میں اس کے کچھ دیر پہلے دیے گئے پھول کی ایک ایک پتی توڑ کر پتا نہیں کب سے پھینک رہا تھا۔ اس نے اپنے برابر میں دیکھا تو اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

"سامی" اس نے کچھ پریشانی کے عالم میں ارد گرد سامیہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں... وہ ہوتی تو نظر آتی... نہ وہ تھی نہ اس کے دیے گئے پھول... وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔

اسے اب سوچ کر شرمندگی ہوئی تھی۔ شرمندگی یا دکھ؟ وہ پتیوں کو بے دردی سے توڑ توڑ کر اچھال رہا تھا اور پھر سامیہ کے احساس دلانے پر شرمندہ ہوئے بغیر باقی پتیاں بھی توڑ کر ہوا میں اچھال دی تھیں۔ مگر وہ کیا تھی؟ وہ روز اس کے لیے گلاب کا پھول لاتی تھی۔ چاہے کوئی بھی موسم ہو اسے پتا نہیں کہاں سے پھول مل جاتے تھے۔ مگر وہ ہمیشہ اس کے دیے گئے پھولوں کی پتیاں یونہی بے دردی سے توڑ توڑ کر پھینکتا رہتا تھا اور وہ چپ رہتی تھی اور پھر پارک سے نکلنے سے پہلے جھیل میں بہت احتیاط سے ڈال دیتی تھی۔ بنا کچھ کہے... بنا کسی ناراضی کا اظہار کیے۔ نہ کبھی اس نے کچھ کہا نہ ہی جبران کو کبھی احساس ہوا۔ مگر ایک دن سامیہ کے لبوں پر شکوہ آ ہی گیا تھا لیکن اسے پروا ہی کب تھی؟ اس دن سامیہ کی آنکھوں میں جلتے دیوں کی لو بھی کچھ دھندلی ہو گئی تھی۔ مگر مجھے تب کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا یا سب کچھ جانتے، سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی مجھے اس کی فکر نہ ہوتی تھی۔ جبران نے سوچتے ہوئے پارک سے نکلنے سے پہلے ساکت جھیل پر گلاب کی کچھ پتیاں اچھال دیں۔ یہ اس کی یاد سے پیچھا چھڑانے کا ایک



طریقہ تھا۔ اس کی ڈائری میں رکھے سوکھے پھول بھی ایک ایک کرکے ختم ہوتے جا رہے تھے۔ جبران کو بھی خبر ہی نہیں ہوئی وہ روز دو پھول خرید اکرتی تھی۔ ایک جبران کو دے دیتی تھی اور دوسرا اپنی ڈائری میں رکھتی تھی۔ اب وہ نہیں تھی تو وہ ان سوکھے پھولوں میں اس کے ہونے کا احساس تلاش کرتا تھا۔

کل رات کو جبران نے اس کی ڈائری پہلی دفعہ پڑھنا شروع کی تھی۔ وہ مستقل نہیں لکھتی تھی۔ اس نے سامیہ کو بھی کبھار ہی لکھتے دیکھا تھا۔ شاید جب وہ بہت خوش ہوتی تھی یا شاید جب بہت اداس۔ جبران نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کیا لکھتی تھی۔

مگر کل رات اس کی ڈائری رکھی نظر آئی تو وہ بے اختیار پڑھتا چلا گیا۔

"4 ستمبر 2009ء آج میں نے ٹھیک کیا یا غلط مگر میں جبران کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ ایسے نہیں تھے مگر اپنوں کے رویے نے انہیں ایسا بنا دیا ہے۔ میں بہت محبت سے انہیں پھول دیتی ہوں لیکن وہ اس کی پتی پتی نوچ کر پھینک دیتے ہیں۔ میں شکایت کروں بھی تو کیوں کیا انہیں میرے دکھ کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا۔" آگے آڑی ترچھی لکیروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"20 اکتوبر 2009ء آج جبران بہت اداس تھے۔ انہیں پت جھڑ کا موسم بالکل پسند نہیں ہے۔ انہیں لگتا ہے خزاں کے موسم میں ہر چیز اداسی کی لپیٹ میں آجاتی ہے مگر مجھے تو ہر موسم اچھا لگتا ہے۔ اگر بہار میں رنگین پھولوں پر رنگ برنگی تتلیاں آتی ہیں تو خزاں میں پتے پیلے، نارنجی، سرخ رنگ کے لباس پہن لیتے ہیں۔ ہر طرف رنگوں کی بہار آجاتی ہے اور موسم تو انسان کے اندر بستے ہیں۔ ہم جب چاہیں بہار کو اپنے اندر ہی قید کر سکتے ہیں۔ میں تو ایسا ہی کرتی ہوں پھر باہر کے موسموں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مجھے ہر موسم خوشیاں بکھیرتا لگتا ہے۔ کاش میں جبران کو بھی اپنی طرح سوچنا سکھا سکوں۔ مگر وہ میری بات غور سے سنتے ہی نہیں ہیں۔"

اس صفحے پر ایک سوکھا پتا بھی رکھا تھا۔ جبران کو اب تک یاد تھا پچھلے سال انہی دنوں میں وہ دونوں پارک میں بینچ پر بیٹھے تھے جب ایک اڑتا ہوا پتا آکر اس کی شرٹ میں اٹک گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے پھینکتا سامیہ نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

"17 نومبر 2009ء آج میری سالگرہ تھی۔ جبران نے مجھے سرخ گلاب کا پھول دیا۔ میں سمجھتی تھی صرف مجھے ان سے محبت ہے مگر انہیں میری سالگرہ یاد رہی۔ آج مجھے صبح سے ان کے آفس سے آنے کا انتظار تھا۔ میں بہت خوش ہوں۔"

شاید اس نے اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ بہت دیر یاد کرنے کے باوجود جبران کو کوئی ایسا دن یاد نہیں آیا جب اس نے سامیہ کو کوئی پھول دیا ہو۔ جگہ جگہ سے پھیلی ہوئی سیاہی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ یہ لکھتے وقت وہ رو رہی ہوگی۔

وہ ایسی کیوں تھی؟ ہمیشہ ہنستی مسکراتی، زندہ دلی سے قہقہے لگاتی نہ کبھی کوئی شکوہ نہ ناراضی۔ مگر اندر کتنی اداس تھی۔ اس نے اپنے [illegible] رنگ کہانیاں گھڑ کر ہنسنا سیکھ لیا تھا اور [illegible] رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ [illegible] نہیں ہوا؟ [illegible] تو میری [illegible] پر بھی تڑپ اٹھتی [illegible] جبران [illegible] سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ [illegible]

وہ اسے [illegible] کوشش کرتا تھا وہ اتنا ہی یاد آتی [illegible] میں بھی اس نے سامیہ کی ہر [illegible] کو یاد رکھا تھا۔ اس نے پارک سے باہر کی جانب جانے والی پتلی سی سڑک پر قدم رکھ دیے۔ آج صرف جبران کے قدموں تلے کچلے جانے والے سوکھے پتوں کی آواز تھی۔ اس کے پیچھے سے رک رک کر آتے قدموں کی آواز شامل نہیں تھی۔ نہ ہی کسی کے ساتھ کا احساس تھا۔

مگر پھر بھی وہ ہر آہٹ پر پلٹ پلٹ کر دیکھتا تھا کہ شاید۔۔۔ شاید ہمیشہ کی طرح وہ اپنی دھن میں چلتی اس کے ایک دم رکنے پر اس سے آکر ٹکرا جائے گی اور پھر اس کی ڈانٹ پر کھکھلا کر ہنس پڑے گی مگر اب دور تک پھیلے زرد پتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ لگتا تھا سارے خزاں رسیدہ درخت سوکھے پتے، پر سکون جھیل سب شکوہ کناں تھے۔ جبران نے ان سب سے نظریں چرالیں۔ اسے وہ سب سوال کرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"اب اکیلے کیوں ہو؟ تمہیں تو خوشی ہونی تھی نا؟ تم اسے بات بات پر جھڑک دیا کرتے تھے۔ تمہیں اس کی چھوٹی چھوٹی [illegible] ڈھونڈ لینے کی عادت سے [illegible] وہ [illegible] ضرور عادتیں تمہیں [illegible]۔۔۔ لیکن وہ نہیں ہے۔ اب [illegible] کیوں [illegible] ہو؟"

[illegible] اور وہ صرف سامیہ کے ضد کرنے پر آتا تھا۔ اسے روز پارک میں چہل قدمی کا شوق کب تھا۔ جبران کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔

"اب وہ نہیں ہے" کی بازگشت اسے پاگل کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آفس سے نکل کر وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہتا تھا۔ گھر جانے کا سوچ کر ہی وحشت ہوتی تھی۔ جبران نے آٹھ سال ہوسٹل میں گزارے تھے۔ نو سال پہلے کے وہ دن اسے اب بھی یاد تھے جب اس کا بھی ایک محبتوں بھرا گھر ہوا کرتا تھا۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ دونوں ہی اس کے خوب لاڈ اٹھاتے تھے۔ مگر پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔ آفس سے گھر آتے ہوئے اس کے پاپا کی کار ایکسیڈنٹ میں ڈنٹھ ہو گئی تھی اور وہ جو انگلینڈ پڑھنے کے لیے گیا ہوا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان میں ہی رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن سب کے سمجھانے پر بہت مشکلوں سے چند ماہ کے لیے انگلینڈ جا کر سیشن پورا کرنے پر تیار ہوا اور جب پانچ مہینے بعد وہ مستقل پاکستان آیا تو ایک اور جھٹکا اس کا منتظر تھا۔

[illegible] بے مقصد گاڑی دوڑانے کے بعد [illegible] آیا تھا۔ بے دھیانی میں بیل بجا کر وہ دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا لیکن پھر کچھ یاد آنے پر خود ہی لاک کھولا اور اندر آگیا تھا۔ پورے گھر میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

"مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آج بارش ہو گی اور لائٹ بھی ضرور جائے گی۔ آپ جلدی آجایئے گا۔"

اسے اتنے مہینوں بعد سامیہ کی بات یاد آگئی تھی مگر ساتھ ہی اس کے کانوں میں کسی کی سسکیاں بھی گونجنے لگی تھیں۔ "سامی۔۔۔" وہ گھبرا کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور ساری لائٹیں جلا دیں۔ خالی کمرا دیکھ کر وہ ایک گہری سانس لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"آپ بہت برے ہیں جبران۔۔۔ میں نے کہا بھی تھا آج لائٹ جائے گی اور بارش بھی ہو گی۔ اتنی زور زور سے بادل گرج رہے تھے۔ آپ کو بتایا تھا مجھے ڈر لگتا ہے مگر آپ پھر بھی جلدی نہیں آئے۔" اس کی سسکیوں کی آواز کچھ اور بلند ہو گئی تھی۔

"میں آفس میں فارغ نہیں بیٹھا ہوتا سامیہ! تمہیں اب اکیلے رہنے کی عادت ڈال لینی چاہیے اور اگر زیادہ ہی مشکل ہو تو پھپھو کو بلوا لیا کرو یا خود چلی جایا کرو۔"

جبران نے لاپروائی سے کہتے ہوئے اپنے کپڑوں کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں جو کہیں نظر نہیں آئے۔ شاید اتنے ماہ میں پہلی اور آخری دفعہ ایسا ہوا تھا کہ آفس سے گھر آنے پر اسے اپنے استری شدہ کپڑے رکھے ہوئے نہیں ملے تھے اس کا موڈ مزید آف ہو گیا۔

"نہ میں روز روز گھر جا سکتی ہوں نہ ہی امی کسی بھی وقت اٹھ کر یہاں آسکتی ہیں۔ ہاں اکیلے رہنے کی عادت ڈال سکتی ہوں وہی کر لوں گی۔" سامیہ نے

ناراضی سے کہتے ہوئے الماری سے اس کے کپڑے نکال کر استری کرنا شروع کر دیے تھے۔

جبران نے کمرے میں نظر دوڑائی۔ استری اسٹینڈ پر کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اب تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ اس کا خیال رکھنے والی جو جا چکی تھی۔

جبران نے اٹھ کر کھڑکیاں کھول دیں۔ آج بھی بالکل اس دن جیسا ہی موسم تھا۔ باہر ہوتی بارش، گرجتے ہوئے بادلوں اور تھوڑی دیر بعد چمکتی بجلی نے اس جیسے بہادر انسان پر وحشت طاری کر دی تھی، وہ تو پھر ایک لڑکی تھی۔

اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک شعر ایس ایم ایس کیا تھا۔

میں تجھے ڈھونڈنے یادوں کی کھلی سڑک پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں

اسے امید تو نہیں تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس کا جوابی ایس ایم ایس دیکھ کر جبران کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ کم سے کم اس نے جواب تو دیا تھا ورنہ اتنے دن سے اس کے کسی ایس ایم ایس، کسی کال کا جواب نہیں ملتا تھا۔ وہ اس کا میسج پڑھنے لگا۔

"کہا نہیں تھا۔۔۔؟"

کہا نہیں تھا، بچھڑ کے جینا محال ہو گا
یہ زندگی تم پہ بار ہو گی
خزاں میں کیسی بہار ہو گی
تم ہفت افلاک میں تلاشو گے میرا چہرہ
مری وفائیں سزا لگیں گی
فضائیں ہر پل خفا لگیں گی
کہا نہیں تھا۔۔۔؟
زمانہ دھڑکن کی تال سر کا
ازل سے بیری ہے یاد رکھنا
وصال لمحوں کے سلسلوں سے
لہو کا بہہ کر خراج مانگے
فراق کا بس یہ راج مانگے
یہ دو دلوں کو بھی جو اک ساتھ [illegible]
ہوا پہ سازش کا جال رکھ کر [illegible]
ستم پرندو! محبتوں کا ملن کبھی بھی نہ ہو سکے گا
اور اس زمیں میں کوئی بھی چاہت کا بیج ہرگز نہ بو سکے گا
کہا نہیں تھا۔۔۔؟
مگر جو میں نے کہا تھا تم نے سنا ہی کب تھا؟
سنا جو میں نے وہ تم نے جاناں! کہا ہی کب تھا؟"

جبران نے ایک فیصلے پر پہنچتے ہوئے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

شدید پیاس کے احساس نے اسے بالآخر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ پسینے میں شرابور وہ اٹھ کر کچن تک آیا اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ پچھلے تو سال اس کی آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چل پڑے تھے۔

"سوری جبران! میں تمہیں بتانا چاہتی تھی مگر میری ہمت ہی نہیں ہوئی۔ میں جانتی ہوں، تمہیں میرے فیصلے سے بہت دکھ پہنچا ہے مگر بیٹا اس بات کی تو اسلام نے بھی اجازت دی ہے۔"

"جبران نے خاموش نظروں سے سامنے [illegible] کی طرف دیکھا۔ شاید وہ غلط سمجھا تھا۔ [illegible] سکتی تھیں؟ اتنی جلدی؟ ابھی تو [illegible] نہیں بھولا تھا اور انہوں نے [illegible] دیا تھا۔

"تیمور [illegible] بہت [illegible] ایک دفعہ پہلے بھی ٹھکرا [illegible] دوبارہ ایسا نہیں کر سکی۔ تم بنتے ہو [illegible] بھی میرے اور تمہارے پاپا کے [illegible] سے خوش نہیں ہو سکے۔ اب [illegible] بعد مجھے ان کو خوش کرنے کا موقع ملا تھا۔ [illegible] مجھے منع کر دیتی؟" آسیہ بیگم نے شرمندہ سے لہجے [illegible] اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی تھی مگر جبران بالکل خاموش تھا۔ وہ جانتا تھا اس کے ماما اور پاپا کی پسند کی شادی تھی اور نانا نے اس شادی کو کبھی بھی دل سے قبول نہیں کیا تھا لیکن اب اتنے سالوں بعد بھی؟ اب تو وہ شخص بھی اس دنیا میں نہیں رہا تھا جسے اس کے نانا

ناپسند کرتے تھے۔ جبران نے تلخی سے سوچا تھا۔

تین بجتے ہی وال کلاک میں میوزک بجنے لگا۔ اس نے چونک کر ٹائم دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا گلاس ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر ہی دراز ہو گیا تھا۔

"اگر اپنی ماں کو پرسکون دیکھنا چاہتے ہو تو دوبارہ [illegible] شکل مت دکھانا۔ تمہاری شکل دیکھ کر مجھے [illegible] سال پہلے کی بار بار یاد آ جاتی ہے [illegible] نے ثابت کر [illegible] آسیہ کو صرف میرا بننا تھا۔ تمہارے باپ کے ساتھ اٹھارہ سال گزار [illegible] اور تمہارا باپ [illegible] میں کر [illegible]"

تیمور [illegible] جبران کو اتنے سالوں بعد [illegible] نے بہت دفعہ اپنی ماما کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ تیمور صاحب صرف انتقام لینے کے لیے ان سے شادی [illegible] لیکن وہ اسے اپنی زندگی سے مطمئن لگتی تھیں [illegible] خاموش ہو گیا تھا۔

"تم کب تک ایسے اکیلے پھرتے رہو گے؟ میں نے بھابھی سے بات کر لی ہے۔ بس اب تمہاری اور سامیہ کی شادی ہو جانی چاہیے۔"

کچھ دیر بعد اس کے کانوں میں پھپھو کی آواز گونجی تھی اور پھر پوری رات ہی سب باتیں یاد کرتے گزر گئی تھی۔ فجر کی اذان کی آواز اسے ماضی سے ایک بار پھر باہر کھینچ لائی تھی۔ آج کے بعد یہ سب نہ سوچنے کا عہد کرتے ہوئے وہ اٹھ کر مسجد کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کی زندگی میں جو تھوڑا بہت سکون آیا تھا وہ اسے اپنی غلطیوں کی بھینٹ چڑھا چکا تھا۔ مسجد کے ٹھنڈے فرش پر پاؤں رکھتے ہی اسے لگا کہ پوری رات کی بے چینی اور وحشت کہیں غائب ہو گئی ہے۔ اسے اپنے پورے وجود میں ایک سکون سا پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔

☼ ☼ ☼

جبران کے بیل بجانے پر سامیہ نے ہی دروازہ کھولا تھا اور سلام کر کے اس کے جواب دینے سے پہلے ہی اندر چلی گئی۔ آج اسے یہاں آئے پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔

"مجھ کو نہیں کہو گی؟" اندر آ کر جبران نے [illegible] خاموش سامیہ کی طرف دیکھا۔ اس نے جواب [illegible] صوفے پر بکھرے اخبار سمیٹنے لگی۔

"کیسی ہو؟" جبران نے اس کی خاموشی توڑنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہی۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"ٹھیک لگ تو نہیں رہیں۔ تم تو نان اسٹاپ بولنے کی عادی ہو۔" جبران نے اسے بولنے پر اکسایا مگر شاید وہ واقعی بدل گئی تھی۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے روز اس سے ملنے آ رہا تھا مگر اسے شاید کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔ جبران کو یاد نہیں تھا کہ وہ کبھی پہلے اس سے ناراض ہوئی ہو مگر اس دفعہ وہ واقعی ناراض ہو گئی تھی اور آج وہ اسے ہر قیمت پر منانے آیا تھا۔

"اتنے سارے اخبار ایک ساتھ پڑھے جا رہے تھے؟" جبران نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

"جاب ڈھونڈ رہی تھی۔" اس کے لہجے میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے بتائے بغیر؟" جبران صوفے پر اس کے برابر ہی بیٹھ گیا تھا اور وہ اخبار پر نظریں دوڑانے لگی۔

"آپ مجھے بتا کر گئے تھے؟ ویسے بھی آپ کو فرق بھی کب پڑتا ہے، میں جو بھی کروں۔" اس نے جبران کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔

"مجھے فرق پڑتا ہے سامی!" سامیہ نے چونک کر جبران کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کب سے اتنی محبت سے اسے سامی کہنے لگا؟ وہ تو ہمیشہ طنزیہ انداز میں سامیہ کہنے کا عادی تھا مگر وہ کچھ بولی نہیں تھی۔

"سامیہ! میں مانتا ہوں، میری ہی غلطی تھی مگر حالات نے مجھے ایسا کر دیا تھا۔ پاپا کی ڈیتھ کے صرف پانچ مہینے بعد ماما نے دوسری شادی کر لی تھی۔ انہوں نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ میں کوئی بچہ نہیں تھا، پورے 17 سال کا تھا۔ مشورہ تو دور کی بات وہ کم سے کم مجھے اور پھپھو کو بتا ہی دیتیں۔ میں اپنی پڑھائی، اپنے خواب سب کچھ چھوڑ کر صرف ان کی

ناطر واپس پاکستان آیا تھا۔ مگر یہاں آکر پتا چلا انہیں میری ضرورت ہی نہیں رہی۔ ماما کے بیسٹ کو بھی ان کا میرے لیے پریشان ہونا اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں پورے آٹھ سال بالکل تنہا رہا ہوں۔ میں نے سب سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ میرا سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ محبت کرنے والے ماں باپ، خوشیوں بھرا گھر، مستقبل کے خواب۔۔۔ سب کچھ۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"آپ نے کبھی ان سے وجہ پوچھنے کی کوشش کی؟ ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ٹھوس جواز موجود ہو اور ویسے بھی دوسری شادی کر لینا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔" سامیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے ان کے شادی کرنے پر اعتراض نہیں تھا مگر تم خود سوچو میں سب کے سامنے مذاق بن کر رہ گیا تھا۔ دوست رشتہ دار جب ان کے بارے میں پوچھتے تھے تو ان کے طنزیہ لہجے مجھے اپنا تمسخر اڑاتے محسوس ہوتے تھے۔ میں نے ماما سے پوچھا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ انہیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ کیا میں ان کا مضبوط سہارا بننے کے قابل نہیں تھا؟ میں ہوسٹل میں ٹھوکریں کھاتا رہا۔ میرے لیے عید، سالگرہ سب عام دن تھے۔ مجھے ان کی ضرورت تھی اور وہی مجھے بالکل تنہا کر گئی تھیں۔ ان کے اس اقدام سے صرف مجھے ہی نہیں پورے خاندان کو ہی حیرت ہوئی تھی۔ وہ ہمیں سنبھلنے کا موقع تو دیتیں۔ مگر نہیں۔۔۔ انہوں نے صرف ناٹا اور اپنے لیے سوچا۔"

جبران کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سامیہ کے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کے اپنے گھر میں بھی سب حیران رہ گئے تھے جب ہی نے کال کر کے امی کو بتایا تھا کہ وہ شادی کر چکی ہیں۔ انہوں نے کسی سے مشورہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ اموشنل بلیک میلنگ [illegible] منع نہ کر سکی ہوں۔ جو بھی ہوا تھا [illegible] جبران! ہر انسان اپنے لیے فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔" اس نے جبران کا دکھ کم کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں ہر انسان مگر ماں؟ کیا وہ سب سے پہلے اپنے بچوں کے لیے سوچتی ہیں پھر وہ اتنی خود غرض کیوں ہو گئی تھیں؟ مگر خیر یہ باتیں رہنے دو ان سے مجھے صرف تکلیف ہی ہوتی ہے۔" وہ کچھ دیر چپ رہا پھر دوبارہ بولا۔

"پھپھو کے کہنے پر میں نے چپ چاپ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا۔ شاید یہ میری سب سے بڑی زیادتی تھی۔ میں اپنی ٹوٹی پھوٹی شخصیت کے ساتھ تمہیں کب خوش رکھ سکتا تھا؟ پھپھو نے اپنی محبت میں تمہیں بھی قربان کر دیا اور میں تو بالکل بے حس ہو چکا تھا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔" اس نے دکھ سے اپنے سامنے بیٹھی سامیہ کے سامنے آج پہلی دفعہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا۔ ورنہ اسے کسی کے احساسات کی فکر ہی نہیں رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اس نے جبران کو ٹوکا نہیں کہ یہ سب وہ پہلے سے جانتی ہے۔ وہ اسے پورے تین مہینے بعد دیکھ رہی تھی۔ تین مہینے پہلے کا وہ دن اسے اب بھی تکلیف دیتا تھا جب جبران کی سالگرہ پر اس نے اسے سرپرائز دینے کے لیے سب کو انوائٹ کر لیا تھا۔ اس کی ماما کو بھی بڑی مشکلوں سے تھوڑی دیر کے لیے آنے [illegible] تھیں۔ اگر اسے اندازہ ہوتا کہ جبران [illegible] بجائے اس حد تک ناراض ہو [illegible] کا سوچتی بھی نہیں۔ [illegible] ہی چلا گیا تھا لیکن [illegible] بھی پھپھو کے گھر بھجوا دیا تھا۔

"میں [illegible] حرکتیں برداشت نہیں کر سکتا [illegible] مزاج بالکل مختلف ہیں۔ اس لیے بہتر ہے [illegible] ایک دوسرے کو بدلنے کی کوشش نہ ہی کریں۔" اور سامیہ نے چپ چاپ اس کا فیصلہ قبول کر لیا تھا مگر گھر میں سب کے پوچھنے پر وہ کچھ بھی نہیں بولی تھی۔ پھپھو کے بار بار کال کرنے پر جبران نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ ماہ کے لیے انگلینڈ جا رہا ہے۔ سامیہ جانتی تھی کہ وہ کہیں نہیں جا رہا مگر وہ خاموش [illegible] تھی۔ شاید اب وہ بھی تھک گئی تھی۔

"[illegible] آپ نے کہا تھا تم سے شادی کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی اور آپ مجھے مزید برداشت نہیں کر سکتے۔" سامیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ تمہاری ہنستی مسکراتی زندگی میں اداسیاں بھر دیں۔ میں نہیں چاہتا تھا تم مجھے بدلنے کی کوشش میں اپنا آپ کھو دو۔" جبران نے سامنے کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں بھی آپ کی ہی غلطی [illegible] وقت اداسی اور غصہ طاری [illegible] نے اخبار ٹیبل پر رکھتے ہوئے [illegible] کہا۔

"یہ بھی مان لیتا ہوں [illegible] مسکراتے ہوئے [illegible] ایک اور غلطی [illegible]

"اور آپ [illegible] امی نے مجھے قربان کر دیا لیکن انہوں نے مجھے فورس نہیں کیا تھا میں خود ہی [illegible] تیار ہوئی تھی۔" اس نے ناراض لہجے [illegible]

"[illegible] بھی جانتا ہوں میں۔ تم اپنی ڈائری چھپانا بھول گئی تھیں۔" جبران کے بتانے پر اس نے ایک ناراض نظر اس پر ڈالی۔

"اب چلیں؟" جبران نے امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں اب ایسا کیا ہو گیا ہے۔ آپ بھی وہی ہیں۔ میں بھی وہی ہوں۔ اب مجھے کیسے اور کیوں برداشت کریں گے؟" سامیہ نے اسے اس کی بات یاد دلائی۔

"اتنے دن میں مجھے احساس ہو گیا ہے کہ نہ میں [illegible] رہا ہوں نہ تم رہی ہو۔ جو اداسی ہر وقت میرے اندر چھائی رہتی تھی اسے تمہاری باتوں اور ہنسی نے مجھ سے کہیں بہت دور کر دیا ہے۔ مگر مجھے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ میری اداسی کو تم اپنا رہی ہو اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ جس لڑکی نے مجھے زندگی کا احساس دلایا ہے میں اسے اداسیوں میں کیسے دھکیل دوں؟" جبران نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا تھا۔

سامیہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے بغیر کچھ کہے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ وہ جانتی تھی جبران کو حالات نے ایسا بنا دیا تھا ورنہ اسے سب کی بہت [illegible] ایک کے بعد ایک لگنے والے [illegible] نے چڑچڑا اور لاپروا بنا دیا تھا۔ اس کے [illegible] آٹھ مہینوں میں سامیہ نے اسے ایک [illegible] مسکراتے نہیں دیکھا تھا مگر اب وہ دل سے [illegible] رہا تھا اور صرف اسی مسکراہٹ کے لیے ہی تو سامیہ نے اتنی محنت کی تھی۔ اب اسے خالی ہاتھ کیسے لوٹا دیتی۔

گھر سے نکلنے سے پہلے جبران پھپھو سے دعائیں لینا نہیں بھولا تھا اور انہوں نے اتنے عرصے بعد دونوں کو مسکراتے دیکھ کر انہیں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی۔

"ہم سب سے پہلے پارک کا چکر لگائیں گے۔ تمہیں پتا ہے میں روز پارک آتا تھا۔ یہ عادت بھی تم نے ڈالی تھی مگر تمہارے بغیر یہاں آکر مزید وحشت ہوتی تھی۔" جبران نے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اب بھی چپ چپ تھی۔

"کتنے دن سے منا رہا ہوں اب تو معاف کر دو۔ اب تمہارا بہت خیال رکھوں گا۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میری زندگی میں اب بھی بہت سے لوگ موجود ہیں جنہیں میری ضرورت ہے۔ جنہیں میری فکر ہے۔ مجھ سے محبت ہے اور پتا ہے تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں ان پودوں کو بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا آتا ہے۔ یہ تمہارے بغیر آنے پر مجھ سے بہت احتجاج کرتے تھے۔"

آج وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا اور سامیہ سن رہی تھی۔ جبران نے کہتے ہوئے تھوڑا جھک کر اسے پھول پیش کیا تھا۔ سامیہ نے حیرانی سے اس کے ہاتھ میں پکڑے سرخ گلاب کے پھول کی طرف دیکھا اور اس کے انداز پر اتنے دن میں پہلی دفعہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور جبران نے شکر کیا کہ ابھی اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔۔۔ خزاں کو بہار میں بدلنے کے لیے اس کی پہلی والی سامیہ لوٹ آئی تھی۔

☆



دل کے رشتے عجب ہوتے ہیں

کہانی کا آغاز اس شخص سے ہوتا ہے جو شدید دکھ، پریشانی اور ذہنی اذیت کی کیفیت میں ہے۔ وہ اس کیفیت سے نکلنے کے لیے کسی کو فون کرنے کے لیے نمبر ڈائل کرتا ہے۔

ایک ماں اپنے بچے کی خاطر دوسری شادی کرتی ہے لیکن اس کا شوہر بچے کو رکھنے سے انکار کرتا ہے مجبوراً وہ بچے کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔

کہانی کا تیسرا رخ ایک وہ ادھیڑ عمر عورت ہے جو ایک قبرستان میں رہتی ہے اور ایک قبر پر پھول چڑھانے کے لیے خریدتی ہے۔

ماہم اور شاہم کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ ماہم کی شادی اس کے چچازاد بھائی منصور سے ہوئی ہے اور اس نے اپنی چھوٹی بہن شاہم کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ منصور شاہم کو پوری شدتوں سے چاہتا ہے لیکن شاہم کا رویہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے، وہ ماضی میں کسی کو چاہتی رہی ہے۔ وہ شخص کاشا ہے۔ ایک دن اچانک کاشا اسے نظر آتا ہے تو پرانی چاہت بیدار ہو جاتی ہے۔ کاشا ایک انتہائی اکھڑ مزاج نوجوان ہے۔ ہر طرح کا نشہ کرتا ہے اور اس کے کئی لڑکیوں سے تعلقات بھی رہے۔

اس کی چھوٹی بہن شاہم ایک نوجوان ارسل کو چاہتی ہے۔ ارسل کی ماں اس رشتے پر رضامند نہیں۔ منصور کے مشورے پر ارسل اپنا گھر چھوڑ کر ایک فلیٹ لے کر اس میں رہنے لگتا ہے تاکہ اس کی جدائی ماں کو یہ رشتہ قبول کرنے پر مجبور کر دے۔

ماہم منصور کی محبت، اپنے بچوں، شوہر، عزت سب کو بھلا کر کاشا کو فون کر کے ملنے کے لیے بلا لیتی ہے۔

مکمل ناول



"وہ ارسل میں کبھی کبھی یہی سوچتی ہوں کہ۔۔۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم بھی کبھی یہی سوچتی ہو۔" اس کی اچھی بات کو اپنے مطلب میں رکھتے اس نے "بھی" پر خاصا زور دیا۔

"تو تم کہاں کے سقراط لاسفر ہو؟ میں ان پڑھ جاہل عقل سے پیدل۔" وہ چڑ گئی۔

"شکر ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر شکر ادا کیا۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ مجھے حقیقت سے روشناس کروانا پڑے گا مگر تھینکس گاڈ تم خود ہی اپنا ٹیلنٹ جانتی ہو۔" اس نے آمین کے انداز میں ہاتھ منہ پر پھیرے۔

"اگر مجھ میں اتنی ہی خامیاں نظر آتی ہیں تو ڈھونڈ لو کوئی اپنی جیسی خوبیوں سے پر۔ میں چلتی ہوں۔"

"ہاں ہاں جاؤ ڈھونڈ لوں گا تم جیسی ہزار ملیں گی۔" ارسل نے نچلا ہونٹ دانت میں دبا کر اپنی آواز میں ذرا رعب پیدا کیا۔

شاہم نے سب سے بڑا اور وزنی فلور کشن اٹھایا اور اس کی کمر پر پوری طاقت سے وار دیا۔

"ہائے اللہ میں مر گیا ہائے بابا جانی۔" وہ منہ کے بل صوفے پر گر کر زور زور سے چیخنے لگا۔

"چلاؤ، مو میں جا رہی ہوں۔" اس کے واویلا کی پروا کیے بغیر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"ہائے میری ریڑھ کی ہڈی کے سارے مہرے ہل گئے میرا نچلا دھڑ بیکار ہو گیا۔" اسے باہر جاتا دیکھ کر اس نے اور اونچی دردناک آواز میں کیسے بین ڈالنا شروع کر دیے۔ شاہم جیسی کمزور دل اور معصوم لڑکی۔ ارسل کے درد کو کیسے نظر انداز کرتی۔ دبے دبے قدموں چلتی وہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ جو اب صوفے سے قالین پر گرا ہوا تھا۔

"ارسل! کیا ہوا؟" اس کا بازو ہلاتے اس کے اندر خوف سا بھر گیا۔

"کوئی ہے جو اس قاتل حسینہ کی معصومیت کو دیکھے۔ مارتی بھی خود ہے پھر پوچھتی بھی مرنے والے سے ہے کہ کیا ہوا؟" وہ ۔۔۔ رہا تھا۔

شاہم کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

"اب کھڑی کیا تک رہی ہو؟ مجھے پکڑ کر سیدھا کرو اور میرا موبائل پکڑاؤ۔"

شاہم نے اس کا حکم بجا لانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی اور ایڑیوں تک زور لگا کر اسے بمشکل سیدھا کیا اور ریک پہ پڑا موبائل اٹھا کر اسے پکڑا دیا۔ موبائل تھامتے ہی وہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟" اس کی اتنی عجلت شاہم سے ہضم نہیں ہوئی تھی۔

"پولیس کو ابھی جیل بھجواتا ہوں تمہیں یہاں کا ایڈریس اور تمہارے اس جارحانہ اقدام قتل کے متعلق بتاؤں گا۔ دیکھنا لیڈیز پولیس کیسی تمہاری چھترول کرتی ہے۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور شاہم کا خون خشک ہو رہا تھا۔

"قسم لے لو ارسل! میں نے جان بوجھ کر اتنی زور سے نہیں مارا۔" اس نے ارسل سے موبائل چھین لیا۔

ارسل کی ایکٹنگ اتنی زبردست تھی کہ وہ خوف اور پریشانی سے جان نہ پائی۔

"ادھر دو موبائل سب سمجھتا ہوں ۔۔۔ سیدھی ٹارگٹ کلنگ تھی۔ جوان ۔۔۔ دن دیہاڑے گھس کر ۔۔۔ کے بعد اس کی کمر توڑ کر ۔۔۔" وہ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"تم ۔۔۔ سزا دے لو مگر اس۔۔۔"

۔۔۔ آنسو آ گئے ۔۔۔ کے انداز ۔۔۔ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ارسل کی ساری ۔۔۔ اس کے آنسوؤں تک ہی تھیں۔

"نن۔۔۔ نن نہیں رو دوست چونکہ میرے تم سے پرانے مراسم ہیں ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں تمہاری سزا میں تخفیف کر سکتا ہوں۔"

اس کے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کر کے وہ بولا۔

تخفیف کا لفظ اس کے بالکل پلے نہیں پڑا تھا "کیا کر سکتے ہو؟"

"تمہاری کم سے کم سزا یہ ہے کہ تمہیں میرے ساتھ چائے پینی ہوگی۔" اس نے احسان عظیم کرتے ہوئے جتایا۔

"میں ابھی بنا لاتی ہوں۔" وہ پھرتی سے اٹھنے لگی۔

"نہیں تم بیٹھو تمہارے ہاتھ کی ہی چائے پینے سے بہتر ہے کہ میں جا کر گٹر میں ڈبکیاں لگاؤں۔" اس نے بھی بڑبڑاہٹ سے کہا جو وہ سن ۔۔۔

"پھر چائے کون بنائے گا؟" ۔۔۔ حالت کے پیش نظر اس نے پوچھا۔

"میں بناؤں گا ۔۔۔" وہ بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑا ہو گیا۔

"ارسل ۔۔۔" ۔۔۔ زور سے چلائی کہ وہ کان دبا کر باہر ۔۔۔

۔۔۔ بار وہ کمرے کا دروازہ لاک کرنا نہیں بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کاشا! تو اس رات کیا بتا رہا تھا؟" آج سنڈے تھا۔ وہ دونوں باتوں کے موڈ میں تھے۔

"کیا بتا رہا تھا؟" اسے بالکل یاد نہیں آیا۔

"تاہم کا ذکر کیا تھا تو نے۔"

غنی کو وہ معصوم سی لڑکی آج بھی یاد تھی جو کاشا کے لیے بہت بے تاب رہتی تھی۔

"ہاں تاہم ملی تھی۔۔۔ میرا مطلب تھا نظر آئی تھی، اپنے شوہر کے ساتھ۔" کاشا نے ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے اسے بتایا۔

"تجھے کیسے پتہ کہ اس کے ساتھ جو مرد تھا وہ شوہر تھا اس کا؟"

کاشا کے ساتھ اتنا وقت گزار کے بھی غنی اسے سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتا تھا۔ یا کاشا کی باتیں ہی ایسی تھیں کہ دونوں میں مطابقت نہیں پائی جاتی تھی۔

"جہاں تک میں اسے جانتا تھا 'آئی تھنک' وہ تجھ سے اتنی محبت کرتی تھی کہ تیری خاطر ساری عمر کنواری رہ سکتی تھی۔"

غنی نے سگریٹ کے تمباکو اور چرس کو برابر مسلتے ہوئے ۔۔۔ بارے میں اپنی رائے پیش کی۔

"۔۔۔ صرف شادی کر چکی ہے بلکہ ماں بھی بننے والی ہے۔" کاشا نے کہا۔

ٹیبل پر اپنی دونوں ٹانگیں رکھتے غنی کا منہ کھلا رہ گیا۔

"ملا تھا تو اس سے؟" اس نے مشکوک نگاہوں سے گھورا۔

"نہیں، اس کی چال سے اندازہ لگایا۔ یہ بھی کہ وہ پہلی دفعہ ماں نہیں بن رہی۔" کاشا غنی کے ساتھ نہ کبھی اتنا سنجیدہ مذاق کرتا تھا نہ ہی جھوٹ بولتا تھا۔

اس کے اندازے حتی کہ قیاس آرائیاں بھی کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ غنی تمباکو مسلنا چھوڑ کر اسے سن رہا تھا۔ کاشا کا تجربہ بول رہا تھا اور وہ بے یقین تھا۔ کاشا نے اس کی ہتھیلی پکڑ کر اپنی ہتھیلی پر سارا تمباکو اور چرس الٹ لی اور اسے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے باریک مسلنے لگا۔

"اچھی لڑکی تھی۔" غنی نے خالی سگریٹ اسے بھرنے کے لیے پکڑا دیے۔

"تھی سے کیا مراد؟ ہوگی بہت جلد۔"

دونوں سگریٹ کو برابر جوڑ کر بڑے ماہرانہ انداز میں ٹھونک ٹھونک کر برابر بھرتے ہوئے اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہوگی مطلب؟" غنی نے بھنویں اچکائیں۔

"مطلب، عنقریب تیری بھابھی اور میری پہلی بیوی۔" اس نے غنی کی محدود سوچ اور سماعت کے لیے دھماکا کیا۔

"یار کھل کے بول ناں۔" اس نے لائٹر جلا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"اس کا شوہر بہت موٹی آسامی ہے کروڑوں کا مالک یعنی پانچوں گھی میں۔ یہ میرا قیاس نہیں بلکہ گڈ لک ہے کہ اس نے بذات خود مجھے کال کی ہے بلکہ ملاقات بھی ڈن ہو گئی ہے۔ جب سونے کی چڑیا خود ہی پنجرے

میں آرہی ہے۔ تو کیسے اسے دانہ ڈالتے تکلیف ہوتی ہے؟" وہ بہت بے بس لگ رہا تھا۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے کش پہ کش لگا رہا تھا۔

"وہ شادی شدہ ہے کاشا! تو اس پہ..." غنی بات مکمل نہ کر سکا۔

"غنی...!" اس نے تنبیہی انداز میں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔

"نہ میرا بحث کا موڈ ہے نہ ہی لیکچر کا۔ بہت سکون مل رہا ہے، بے سکون نہ کر۔" وہ مزید ٹانگیں پسار کر ہلکی ہلکی غنودگی میں جانے لگا۔

غنی نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر سارا غصہ اس پر اتارا تھا۔

☼ ☼ ☼

کاشا سے دوبارہ رابطہ کر کے اتنے عرصے بعد اس کی آواز سن کر وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ صدیوں سے اس کے دل و دماغ پہ بوجھ تھا جسے صرف کاشا کے ہونے نے بالکل سرکا دیا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات، اس کی روح اب تک کسی زندان میں مقید تھی جسے اب آزادی نصیب ہوئی تھی۔ کھل کر سانس لینے کی اجازت مل گئی تھی۔ ساری حدیں، ساری پابندیاں ختم ہو گئی ہوں۔ وہ بہت خوش رہنے لگی تھی۔ کاشا سے اس کی ملاقات بھی طے تھی۔

"منصور! آپ مجھے سیلون تک ڈراپ کر دیں گے؟"

چائے پیتے ہوئے اس نے منصور سے پوچھا۔ جو نیوز پیپر میں مگن تو ساتھ میں چائے کے سپ بھی لے رہا تھا۔ اسے ابھی تھوڑی دیر میں آفس واپس جانا تھا۔

"سیلون کیوں؟" منصور نے اخبار چھوڑ کر حیرت سے دیکھا۔

ماہم کو جیسے سنورنے کا خیال [illegible] ورنہ اس نے کب خود پر توجہ دی [illegible] اب معاملہ الٹ تھا۔ اب اس کے سامنے منصور نہیں کاشا تھا۔ خوب صورت عورت کاشا کی کمزوری تھی، ماہی تو واقف تھی ہی وہ اس سے۔

"یا آف کورس! آئی وانٹ چینج، دل اوب گیا ہے میرا اس روٹین لائف سے۔"

اس نے خالی پلیٹیں اکٹھی کرتے ہوئے کہا۔ اپنا دھیان پلیٹوں پہ لگا کر وہ آسانی سے منصور سے نظریں چرا سکتی تھی۔

"اس... ہاں، تم تیار ہو جاؤ، میں ڈراپ کر دوں گا۔ واپسی پہ ڈرائیور تمہیں پک کر لے گا۔" ماہم کی اس تبدیلی کو ہضم کر کے وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔

منصور کی خاطر اس نے اپنا سراپا کبھی قابل توجہ نہ جانا تھا مگر وہ کاشا کے لیے تبدیلی چاہتی تھی۔ کاشا کو وہ گلابی رنگ میں اچھی لگتی تھی۔ وہ جب بھی گلابی رنگ پہنتی تھی وہ دل کھول کر تعریف کرتا تھا پھر وہ اس کی خواہش پر یہ رنگ پہننے لگی۔ اس سے بچھڑنے کے بعد اس نے کبھی یہ رنگ زیب تن نہیں کیا تھا۔ اس کے کپڑوں کی شاپنگ اور کلر سلیکشن بھی منصور کرتا تھا۔ وہ اکثر اکیلا ہی شاپنگ کے لیے چلا جاتا۔ [illegible] اس کی چوائس پہ بھروسہ تھا۔ منصور وہ [illegible] لیے گلابی رنگ لایا مگر اس نے [illegible] مجھے یہ رنگ اچھا نہیں لگتا [illegible] منصور کا بھی فیورٹ تھا۔

آج وہ کاشا سے [illegible] کے لحاظ سے کاشا کی پسند کے [illegible] دکھنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر ایک [illegible] اور دلربا سی خوشی کا احساس ہلکورے [illegible] رہا تھا۔ وہ غلط کر رہی ہے۔ اس کے [illegible] جس پر وہ کان دھرنا بے وقوفی سمجھ رہی تھی۔ [illegible] سلور کاشا کے لیے رہی تھی مگر منصور کی آواز اس کے چھوٹے چھوٹے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

وہ کبھی گھر سے اکیلی باہر نہیں گئی تھی۔ منصور کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس نے خود ہی اپنی ذات پہ بیرونی دنیا کی طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند

رکھا تھا۔ وہ منصور کو کہتی آئی تھی کہ "مجھے زیادہ سوشلائز ہونا اچھا نہیں لگتا، میں گیدرنگ میں ایزی فیل نہیں کرتی۔" کبھی منصور یا شاہم کا باہر کھانا کھانے کا پروگرام بن جاتا تو اسے ڈھیروں منتیں کر کے منانا پڑتا تب بھی اس کا مزاج اور موڈ برہم ہوتا۔ وہ ابھی [illegible] سے انجوائے بھی نہ کر پاتے تو واپسی کا شور مچا دیتی۔

شاہم منصور کو بتاتی تھی جب تک بابا جان زندہ تھے، ماہم آپی نے سارے گھر کی ذمہ داری بہت خوش اسلوبی سے اٹھائی ہوئی تھی۔ اکثر کام خود ہی نپٹاتی تھیں۔ [illegible] گھر کی خریداری اور [illegible] شاہم کی جان تھی۔ ان کی فرینڈز سے [illegible] گیدرنگ، ڈنر پارٹیز بھی چلتی [illegible] کبھی منع نہیں کیا تھا۔

[illegible] کی زبانی اس کی پرانی زندگی کے بہت [illegible] سن چکا تھا۔ جس میں وہ ایک خوش باش، بے فکری اور ہنستی مسکراتی لڑکی ہوا کرتی تھی۔

آہستہ آہستہ منصور نے اس سے اور اس کی عادات سے بھی سمجھوتہ کر لیا۔ اس کا محبت کرنے کا نرالا ہی انداز تھا، بس محبوب کی ہاں میں ہاں ملائے جاؤ۔

وہ اپنے لمبے بالوں میں برش پھیر رہی تھی کہ شاہم چلی آئی۔

"ہیلو آپی..." اگلے ہی لمحہ اس کی حیرت دیدنی تھی۔ وہ ماہم کے کمرے میں شاذونادر ہی آتی تھی۔ جھمکاتے گلابی رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس نک سک سے تیار ماہم کو دیکھ کر رہ گئی۔

"واؤ... ڈیئر آر یو گونگ؟ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

اس نے ایک عرصے سے ماہم کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

"ہاں..." اس کی تعریف پہ ہلکا سا جھینپتے ہوئے وہ اس کا اگلا سوال گول کر گئی۔

"منصور بھائی تیار ہو رہے ہیں؟" شاہم نے ڈریسنگ روم کے بند دروازے سے اندازہ لگایا۔

"نہیں تو..." شاہم کو نفی میں جواب دیتے ہوئے ماہم کو احساس ہوا تھا کہ وہ غلط وقت پر آگئی ہے۔

"منصور بھائی کہاں ہیں؟"

"[illegible] کال..." منصور کا ذکر سننا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے [illegible] خواہ مخواہ ہی بل پڑ گئے۔

"میں اکیلی ہی جا رہی ہوں۔ منصور نہیں۔" وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھتی بالوں کو جوڑے میں سمیٹنے لگی۔

"آپ اکیلی کہاں جا..."

"اسٹاپ اٹ شاہم! تم اپنی انویسٹی گیشن بند کرو۔ ضروری کام ہے۔ اب ایک ایک کو پکڑ کر بتاؤں؟" اس نے شاہم کو بہت سختی سے ٹوکا۔

وہ بہت کم جھوٹ بولتی تھی۔ جھوٹ اس کی تربیت کا کبھی حصہ نہیں رہا تھا مگر اب وہ جو آنکھ مچولی کا کھیل کھیلنے جا رہی تھی، اس میں قدم قدم پر جھوٹ کے سہارے کی ضرورت تھی۔

"جی... میں نے تو یونہی پوچھ لیا۔" شاہم نے سر جھکا کر آنکھوں کو چھلکنے سے روکا۔ ماہم کبھی اس سے اتنا اونچا نہیں بولی تھی۔ اس سے مزید وہاں رکنا دوبھر ہو گیا۔ وہ واپسی کے لیے مڑ گئی۔

ماہم نے ترچھی نظر سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ اسے دکھ تو ہوا مگر اس نے دل ہی دل میں شکر بھی ادا کیا۔ شاہم نے یقیناً اب سیدھی اپنے کمرے میں جانا تھا اور اس کا گھر سے نکلنا اور آسان ہو گیا۔ اگر وہ اسے نہ ڈانٹتی تو وہ اس کا بہت وقت ضائع کر دیتی۔

"آپی..." ڈریسنگ پہ ہاتھ دھرے وہ یکدم پلٹی۔

"آپ نے گلابی رنگ کافی سال بعد پہنا ہے، شاید... شادی کے بعد پہلی بار۔"

وہ اتنا کہہ کر جا چکی تھی۔ اس کے یہ الفاظ ماہم کے گرد کتنی دیر اودھم مچاتے رہے۔

☼ ☼ ☼

سلور اسپون میں وہ کاشا کے دیے گئے وقت سے

دس منٹ لیٹ پہنچی تھی۔ گھر میں چوبیس گھنٹے ڈرائیور رہتا تھا مگر اس سے کچھ دوری سے کام لیتے ہوئے ڈرائیور کو ساتھ لانا مناسب نہ سمجھا۔ اسے ڈرائیونگ آتی تو تھی مگر بہت عرصے سے گاڑی ڈرائیو نہیں کی تھی اسی لیے وہ بہت آہستہ گاڑی چلا کے آئی تھی۔

کاشا ریزروڈ ٹیبل پہ موجود تھا۔ اس نے ہال میں داخل ہوتی ماہم کو دیکھا اور پھر رخ موڑ کر گلاس وال کے دوسری طرف بے سوئمنگ پول کو دیکھنے لگا۔

اس کی طرف بڑھتے ہوئے ماہم کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس نے اپنا آپ چھپانے کے لیے بڑی سی شال کندھوں کے گرد لپیٹی ہوئی تھی۔ گرم شال میں بھی اس پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری ہو گئی۔ کاشا کے سامنے چیئر سنبھالتے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کاشا ابھی بھی گلاس وال سے پرے نظریں جمائے تھا۔ وہ بولنے میں اس کی پہل کی منتظر تھی سو خاموش رہی۔

"اگر تمہارا حافظہ کمزور نہیں تو تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ میں بہت پنکچوئل ہوں۔ کسی کا انتظار مجھے زحمت لگتا ہے اور تم۔۔۔ پورے دس منٹ تاخیر سے آئی ہو۔" کاشا کے منہ سے نکلے پہلے الفاظ اور انداز تخاطب پر وہ حق دق رہ گئی۔

کاشا چوہدری کو وہ ظاہر پن راس ہی نہیں آتا تھا۔ عورت کے معاملے میں وہ اپنی اصل شخصیت کو خول میں بند کرنے کا قائل نہیں تھا۔ مگر پہلے کی بات اور تھی تب وہ ایک کچی عمر کی لڑکی تھی جس کے بہت سے خواب تھے۔ ان خوابوں کا کاشا چوہدری اکلوتا شہزادہ تھا۔ وہ اس سے جو کہتا تھا وہ مان لیتی تھی۔ وہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ پر اب وہ ایک میچور عورت تھی کوئی جذباتی الھڑ دوشیزہ نہیں۔ وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ اس گزرے وقت نے اس کی [illegible] کی نرمی کو بہت سی تبدیلیوں سے گزار کر پختہ [illegible] دیا تھا۔ کاشا کو اس کے سامنے بہت [illegible] سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے [illegible] اسے "روڈی پکچر" دکھانی تھی۔ اس [illegible] کا کردار نبھانا اسے خاصا مشکل لگ رہا تھا۔

"اوہ اس۔۔۔ سوری کاشف! ایکچوئلی رش اتنا زیادہ تھا کہ میں۔۔۔"

"لگتا ہے تم اس رش سے آج ہی متعارف ہوئی ہو۔" وہ اسے کاٹ کر بولا۔

"اٹس او کے 'نیکسٹ ٹائم بی کیئر فل۔" اس کے جھکے سر کو گھورتے اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

یہ سر ہمیشہ کاشا کے سامنے ہی جھکتا آیا تھا۔ اس زبان پر معافی کا لفظ بھی کاشا کے لیے ہی ادا ہوتا تھا۔ بہت دفعہ اسے لگا کرتا تھا کہ سارا قصور کاشا کا ہے' اسے معافی مانگنی چاہیے مگر ایسا کبھی ہوا نہیں تھا۔ وہ تو اپنی گاڑی سے کسی راہگیر کو ٹکر مار کر بھی سوری کہنے والا نہیں تھا۔ وہ بے قصور ہو کر بھی اسے منایا کرتی تھی۔ اس کی منت سماجت کرتی' اس کے پیچھے پھرا کرتی تھی۔

منصور کے معاملے میں وہ بالکل الٹ تھی۔ غلطی اور بدتمیزی کر کے شرمندہ ہونے کے بجائے وہ ڈھٹائی سے منصور سے بول چال بھی بند کر دیتی۔ منصور کو ہی اس کے ہر برے رویے کے سامنے جھکنا پڑتا۔

"بائی داوے 'یو آر لکنگ سو پریٹی۔ [illegible] بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ بھی جھوٹی تعریف [illegible] تھا۔

"تھینک یو۔" وہ جھینپ [illegible] ویٹر کے کھانا سرو کرنے [illegible] خاموش رہے۔

"کب شادی [illegible] تمہاری؟" گلاس میں پانی انڈیلتے [illegible]

"[illegible] پانچ سال ہونے والے ہیں۔" وہ ذرا سا [illegible] کاشا کا انداز اور سوال دونوں اس کے لیے [illegible] متوقع تھے۔ اس کا خیال تھا کاشا اس سے پوچھے گا کہ اس دن تمہارے ساتھ مرد کون تھا تو میں اسے ساری روداد سناؤں گی۔

"اینڈ کڈز؟" اس کے پاس تمام تفصیلات موجود تھیں۔

"تو کتنے بیٹے ہیں۔" ماہم کو کاشا کا یوں منہ پھاڑ کر بچوں کا پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"تم نے شادی کب کی؟" اس کے مزید کچھ نہ پوچھنے پر ماہم نے اپنا تجسس دور کرنا چاہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے شادی کر لی ہے۔"

روسٹ چکن کا بڑا سا ٹکڑا کانٹے میں پھنسائے منہ کی طرف لے جاتے اس نے روک لیا۔

"مطلب 'شادی نہیں کی؟'" ماہم نے اس کے انداز میں دریافت کیا۔

"نہیں۔ مجھے [illegible] میں [illegible] لگانے والے لوگ پسند [illegible] ہی ایک اور تنبیہ [illegible] ماہم [illegible] ہی اٹک گئے [illegible] بے یقینی کا عالم تھا۔

"[illegible] تمہاری کیوں ہو؟ کوئی ملی نہیں؟"

اس [illegible] انجانے میں خوش فہم ہوا تھا۔ ہو نہ ہو اس کی اب تک تنہائی کی وجہ وہی ہے۔

"ہو سکتی ہو' ملی بھی نہیں۔۔۔ ویسے بھی میری زندگی کا صرف ضرورت کا خانہ عورت کے لیے خالی ہے سو کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔"

اس کا اپنا مخصوص انداز گفتگو تھا جس پہ قابو پانا اس کے لیے خاصا مشکل تھا۔

"تم بالکل بھی نہیں بدلے۔" وہ بڑی دلکشی سے مسکرائی۔

کاشا کی عورت کے معاملے میں ذہنیت سے وہ واقف تھی۔

"کیوں' مجھے بدلنا تھا؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔

"بالکل نہیں' تم ایسے ہی بہت اچھے اور مکمل لگتے ہو۔"

تین گھنٹے گزرنے کی انہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ وہ دو دفعہ کریم کافی بھی منگوا چکے تھے۔ ان کی گزری یادیں' باتیں' 'چھوٹے چھوٹے قصے' 'قہقہے' 'موجودہ اپنی زندگیوں کی روداد' بے شمار سوالات' بہت کچھ تھا کہنے سننے کو۔ کاشا کو نمی کی کال موصول ہوئی تو ماہم کو بھی یاد آیا کہ منصور کے گھر لوٹنے میں تھوڑی ہی دیر باقی ہے۔ ایک دوسرے سے فون پر رابطہ رکھنے اور پھر بھی ملاقات کا وعدہ کر کے وہ اٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

[illegible] کبھی کہیں آئی گئی نہیں تھی۔ اب وہ خاصی [illegible] رہی تھی۔ ملاقات پہ جانے کے لیے جو ایک جوش سا اس کے اندر اٹھا تھا اب وہ بیٹھ چکا تھا۔ اگر اسے ایمرجنسی میں کہیں جانا ہوتا تو وہ منصور کو کال کر دیا کرتی' وہ خود آجاتا یا ڈرائیور کو ہدایات کر دیتا۔ اس کے اور منصور کے تمام رشتے دار مشترکہ تھے۔ کسی رشتے دار کے ہاں جانے کا بہانا بھی نہیں گھڑا جا سکتا تھا۔ دوست کے ہاں جاتا تو وہ اس نے کبھی اپنی کسی دوست کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس واحد حل یہ تھا کہ منصور بے خبر ہی رہے کہ وہ گھر سے باہر گئی تھی اس پہ مستزاد ڈرائیور کی موجودگی میں خود ڈرائیو کر کے۔

ان کے گھر میں کون سا رشتوں کے بکھیڑے اور لڑائی جھگڑے تھے۔ ماہم اور شاہم بس تھیں اور منصور جان چھڑکنے والا شوہر۔ ملازموں نے بھی کبھی اندر کے معاملات میں دلچسپی نہیں لی تھی نہ کبھی ادھر کی ادھر کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی بھی ملازم منصور سے ذکر نہیں کرے گا۔ اس نے غسل کر کے کپڑے تبدیل کیے۔ بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی باندھ کر وہ روز مرہ کے حلیے میں آگئی۔

چھ بجے منصور کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ وہ مزید درست ہو کے بیٹھ گئی۔ جب سے اس کا پریگننسی پیریڈ شروع ہوا تھا' منصور نے اسے زیادہ سیڑھیاں چڑھنے اترنے سے منع کر دیا تھا۔ اس کا بیڈ روم اوپر تھا۔ اس نے بہت اصرار کیا کہ وقتی طور پر نیچے کسی روم میں شفٹ ہو جاتے ہیں مگر وہ نہ مانی۔ اب وہ نیچے منصور کا انتظار نہیں کرتی تھی۔ وہ بچوں سے ڈھیر سارا لاڈ پیار کر کے خود ہی اوپر آجاتا۔ وہ صرف کھانے پینے کے اوقات میں ہی نیچے جاتی تھی۔

وہ جیسے ہی اپنی گاڑی سے اترا اس کی نگاہ پورچ میں

کسی کا ٹری کے ٹائر کے نشانات پڑے تھے۔ شاہم کی گاڑی پورچ تک نہیں آئی تھی یعنی وہ گھر نہیں گئی تھی۔
"کون آیا تھا؟" اس نے قریب کھڑے سیکورٹی گارڈ سے پوچھا۔ جو اسے دیکھ کر قریب آگیا تھا۔
"جی... آیا تو کوئی بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے کہا۔
"تو یہ کیچڑ بھرے ٹائر کس کی گاڑی کی یادگار ہیں۔" اس کی نفاست پسند طبیعت کو کیچڑ سے کراہیت ہو رہی تھی۔
"میڈم باہر گئی تھیں سر۔"
"میڈم۔" اس نے زیر لب دہرایا۔
وہ "میڈم" ماہم کو پکار رہا تھا۔
"تو کتنے دنوں سے بارش تو ہوئی نہیں پھر کیا کسی گڑ میں ٹائر پھنس گئے تھے؟ گاڑی اچھی طرح دھو اور پورچ بھی صاف کرواؤ۔ صاف جگہوں پر چلایا کرو۔" منصور اب ڈرائیور کو ڈانٹنے لگا تھا۔
"سر! میڈم خود ڈرائیو کر کے گئی تھیں۔" وہ باادب صرف اتنا ہی کہہ سکا۔
"میڈم کب... " بلا ارادہ اپنی پھسلتی زبان کو اس نے جھٹکے سے روک لیا۔ ملازموں کو وہ شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
ماہم بستر میں گھسی بظاہر میگزین میں مصروف اندر ہی اندر بے چین ہو رہی تھی۔
"السلام علیکم۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے حسب معمول سلام کیا۔ کوٹ اور بریف کیس صوفے پر دھر کے اپنے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا براؤن لفافہ ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔
"وعلیکم السلام۔" اس نے مصنوعی مسکراہٹ کی نمائش کی۔
"آج تم کہیں گئی تھیں؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے اس کے قریب کھڑا وہ پوچھ رہا تھا۔
"ال... ہاں... آپ ... کا مطلب ہے ضروری کام۔" وہ ہکلائی۔ منصور کو اتنی جلدی کس نے باخبر کر دیا۔ شاہم بھی موجود نہیں تھی۔
"کیا ضروری کام آن پڑا تھا؟" بیڈ پہ بیٹھ کر وہ شوز اتارنے لگا۔
"بس ایک پرانی دوست سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا اسی کی طرف گئی تھی۔" زبان کی لڑکھڑاہٹ پہ قابو پا کے اس نے جھوٹ سے یہ معاملہ نپٹایا۔
"کون سی دوست؟" اس کی حیرانی بجا تھی۔
"ہے کوئی آپ نہیں جانتے۔"
"تم مجھے آفس فون کر کے بتا تو دیتیں۔" اس نے سرسری سا کہا۔
"اگر میں اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہوں تو آپ نے فوراً گلہ کر دیا ہے 'بتا تو دیتیں'... میں اپنی مرضی سے کہیں آجا بھی نہیں سکتی، آپ کی پرمیشن (اجازت) چاہیے؟" کاشا سے ملاقات کا اثر تھا۔ اب اس کے رنگ ڈھنگ بدلنے ہی تھے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق اسے جھڑکنے لگ گئے۔
"سوری ماہی! میں نے یونہی کہہ دیا۔" اس کا ناراض پھولا ہوا چہرہ منصور کو بالکل ٹھنڈا کر گیا۔ وہ ماہم کی طبیعت کے پیش نظر کافی محتاط رہنے لگا تھا۔ ابھی بھی وہ ماحول کی کشیدگی کو کم کرنے کے لیے بولا۔
"اچھا چھوڑو، میں تمہارے لیے... لایا ہوں۔"
اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے لفافہ اٹھایا۔ جس میں موتیے اور گلاب کے گجرے تھے۔ جب بھی اس کی گاڑی سگنل پہ رکتی وہ... ماہم کے لیے گجرے خرید لیا کرتا تھا۔
"...
ماہم نے کو... دھرا ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھایا اس نے خود پکڑ لیا اور دونوں کلائیوں میں گجرے پہنا دیے۔
"دیکھو کتنے خوب صورت لگ رہے ہیں۔" اس نے ماہم کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تکتے کہا۔
"گجرے خوب صورت ہیں۔" ماہم نے بے دلی سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
"میں تمہارے ہاتھوں کی تعریف کر رہا ہوں۔" وہ

جھنجلی سے بولا۔ وہ مبہم سا مسکرا دی۔ منصور کے لیے اس کی اتنی سی مسکراہٹ ہی کافی تھی۔
"اگر آپ اس مسکراتے چہرے اور خوب صورت ہاتھوں سے مجھے ایک اسٹرانگ سا چائے کا کپ بنا دو پلیز۔" منصور نے بڑے لاڈ سے فرمائش کی۔
"میں بہت تھکی ہوئی ہوں یا جدو سے کہہ دیتی ہوں۔" وہ اتنی تھکی ہوئی نہیں تھی مگر اسے منصور کا قرب اور دلار بہت چبھ رہا تھا۔
"تم ریسٹ کرو۔ میں چینج کر کے خود چائے بناؤں گا جسے پی کر تمہاری ساری تھکن اتر جائے گی۔" اس کی آنکھوں میں شرارت جھلکی۔
ایسی صورت حال میں ماہم کوئی کام نکال لیا کرتی تھی۔
"میں آپ کے کپڑے..." وہ ابھی آدھی اٹھی اس نے پھر پکڑ کر بٹھا دیا۔
"اوں... ہوں، میں خود کپڑے نکال لوں گا بلکہ اپنے شوز بھی ریک میں رکھ دیتا ہوں۔ تم لیٹ جاؤ۔" اس نے کندھوں سے پکڑ کر اسے لٹا دیا۔ اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"میں چلتی ہوں ارسل! بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ اپنا بیگ اور موبائل پکڑے اٹھ گئی۔
"اتنی بھی جلدی نہ کرو، تھوڑی دیر بیٹھو، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" ارسل نے اس کا بیگ واپس پکڑ کر اپنی گود میں دھر لیا۔
"پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے جو فضول میں اوپریں ہانک رہے تھے اب جانے لگی ہوں تو تمہیں ضروری بات یاد آگئی ہے، ہاں بولو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بادل نخواستہ پھر بیٹھ گئی۔
"ہم شادی کب کر رہے ہیں؟" اس نے کچھ بھی خاص نہیں کہنا تھا۔ وہ شاہم کو مزید روکنا چاہتا تھا۔
"ابھی میرا شادی کا موڈ نہیں ہے، جب ہو گا تو تمہیں انفارم کر دوں گی۔ بس یا اور کچھ۔"
"وہ کہیں تمہیں یہ خوش فہمی تو نہیں ہے کہ تمہیں ابھی سولہ کا من لگا ہے۔"
"میں یہ تو غلط فہمی نہیں ہو گئی کہ تم ابھی سے ریٹائرڈ ہو گئے ہو؟" وہ اس سے بھی زیادہ برجستگی سے بولی۔
"ڈونٹ مس شاہی! میرے دادا ابو کہتے تھے کہ جوان مرد کو تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ خدا جنت نصیب کرے بہت سیانے تھے میرے دادا ابو۔" اس نے بونگے پن سے بتایا۔
وہ اپنا بیگ اس سے کھینچ کر اٹھ گئی۔
"دی از ناٹ فیئر یار! میرے مرحوم دادا کی پوری بات تو سنتی جاؤ۔" وہ اس کے پیچھے لپک کر اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔
"اسٹوپڈ انسان! مجھے تمہارے دادا کی گوہر افشانیوں سے کوئی غرض نہیں۔ اپنے دادا کے اقوال زریں کسی اور کو سنانا، ہٹو میرے راستے سے۔"
"نیور یار! ایک تو میں سچ بولتا ہوں اور تم غصہ کرتی ہو۔" وہ ابھی بھی اپنی بات پر قائم اسے منوانے پر تلا ہوا تھا۔
"ارسل کے بچے تم کب...."
"ہیں؟ میرے بچے! کہاں ہیں میرے بچے؟" وہ اچک اچک کر اس کے پیچھے دیکھنے لگا۔ جیسے سچ مچ یہاں کوئی موجود ہو۔
"تم سے کتنی بار کہا ہے کہ بچوں کو میری اجازت کے بغیر خالہ کے گھر نہ بھیجا کرو، تم مانتی ہی نہیں ہو۔ پھر کھو گئے میں جھگڑا کرتا ہوں۔ اب انہیں کون واپس لائے گا؟"
وہ اتنی مصنوعی سنجیدگی سے یہ سب کہہ رہا تھا کہ شاہم ہونقوں کی طرف منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی۔
"میں ایک منٹ بھی اور یہاں نہیں رکوں گی۔ ہٹو پرے۔" اس نے اسے دھکا دیا اور سیڑھیاں اتر گئی۔
"نہیں سدھرو گی تم۔" اسے اپنی پشت پہ ارسل کی آواز سنائی دی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات کے دو بجے کاشا کے ساتھ موبائل پہ مصروف تھی۔ وہ سوتے ہوئے منصور کو چھوڑ کر باہر کاؤچ پہ آبیٹھی تھی۔

ماہم میں بہت سی خوشگوار تبدیلیاں آتی جارہی تھیں۔ جو یقیناً" صرف کاشا کے ہونے سے تھیں۔ وہ بہت خوش رہنے لگی تھی۔ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کا گھیراؤ کیے رکھتی۔ اور اس کی کھلی کھلی رنگت منصور کو مسحور کیے رکھتی۔ وہ اسے خوش دیکھ کر خوش تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی ماہم کی اس قدر اچانک تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟

ڈھیروں باتیں، ہنسی مذاق، دنیا جہاں کے تبصرے، لاتعداد واقعات تھے جو ان کے بیچ موضوع بحث بنے رہتے۔ اس نے ایک بار بھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ جو وہ کر رہی ہے اس میں غلط کتنا ہے اور درست کس قدر؟

وہ منصور کے ساتھ دھوکا اور اپنے بچوں سے زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے اردگرد موجود رشتوں سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ اگر ان کا سوچتی تو پھر دل پہ پتھر رکھنا پڑتا تھا جو وہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنی خواہشات، دل، دماغ اور جذبات کو بالکل بے لگام چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ نہیں تھی بلکہ حد سے بڑھتی ہی جارہی تھی۔ کاشا کے سنگ اسے کہاں تک چلنا ہے، اس نئے سرے سے شروع ہونے والے تعلق کو کس موڑ تک لے جانا ہے، وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ منصور سے جھوٹ بولتی، غلط بیانیاں کرنے لگی تھی۔

جو آنکھ مچولی کا کھیل اس نے شروع کر لیا تھا اس میں جھوٹ کا شمار لازم تھا۔ وہ ایک شریف باپ کی اولاد تھی۔ جنہوں نے اپنی ساری زندگی پروفیسری اور پارٹ ٹائم میں بچوں کو پڑھاتے میں گزاری۔ اپنے طالب علموں کو ہمیشہ سچ اور حق کا سبق پڑھاتے رہے تھے۔ جن کے اسٹوڈنٹس آج تک ان کا بہت عزت و احترام سے لیتے تھے۔ بہت کھلے دل سے طالبات کا یہ کہنا تھا کہ پروفیسر حبیب رضا نے ان کی زندگی کو مثبت رخ دیا۔

اس پروفیسر نے اپنی دونوں بیٹیوں کی پرورش میں کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ ماہم ان کی پہلی اولاد تھی۔ کئی سال انتظار کروا کے ان کے آنگن میں رونق بن کے اتری تھی۔ شاہم اس سے بھی پانچ برس چھوٹی تھی۔ اس نے پورے پانچ برس اکلوتے پن میں گزار کے ماں باپ کا بے انتہا پیار و شفقت سمیٹی تھی۔ اس کے باپ حبیب نے اپنی بڑی لاڈلی بیٹی ماہم کو گن گن کر اچھائیوں کا مجسمہ بنایا تھا۔ ان کا کہنا تھا بیٹی کی تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ عورت ایک ترقی یافتہ معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ جب ایک لڑکی اچھی بیٹی ہوتی ہے تب ہی وہ دوسرے رشتے نبھانے کے قابل ہوتی ہے۔ وہ اچھی بہن، سلیقہ مند بیوی، با اخلاق بہو اور اپنی آئندہ نسل کی امین ہوتی ہے۔ اسے اپنے باپ کے اتنے سال لگا کر ذہن نشین کروائے گئے سبق یاد تھے۔ بھولی وہ کچھ بھی نہیں تھی مگر نظر انداز اس نے سب کچھ کر دیا تھا۔

اس کے باپ نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد دوسری عورت کو زندگی کا حصہ نہیں بنایا تھا اور اس نے ایک غیرت مند شوہر کی بیوی اور دو بچوں کی ماں ہو کر ایک نامحرم کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ [illegible] رات کی مصروفیت کا حصہ تھا۔

"ماہم! ہمارے اس تعلق کا مستقبل کیا ہو گا؟" [illegible] انگلش مووی دیکھتے ہوئے اس نے اچانک ہی بریک لگایا۔

"[illegible] آئی ڈونٹ نو۔" وہ کنفیوز ہو گئی۔

"[illegible] کیوں؟ یو آر ناٹ اے چائلڈ۔" "مگر کیوں؟"

"تم کوئی بچی نہیں ہو۔" وہ طنزاً بولا۔ ماہم کا جواب اسے زہر لگا تھا۔

کاشا اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور کسی بھی عورت کو نہ تو اتنا وقت دینے کا قائل تھا نہ ہی وہ کسی عورت سے اپنے تعلق کو ایک ماہ سے زیادہ برداشت کرتا تھا۔ اس نے گزرے برسوں میں جو ماہم کے ساتھ دو سال گزارے تھے اس میں بھی ماہم کی خواہش اور اصرار کا ہاتھ تھا۔ کاشا خود بھی اس کے دیے گئے وقت پہ پہنچتا تھا مگر ماہم [illegible] ہمیشہ وقت لیتی تھی۔ وہ کبھی مصروف ہوتا اور بیشتر ماہم کی کال جان بوجھ کر ریسیو نہ کرتا اور اگر ایسا کچھ ماہم کے ساتھ مجبوراً بھی ہو جاتا تو وہ اس پر چیختا چلاتا۔ [illegible] چال بند کر دیتا تھا۔ وہ اس کی منت و سماجت کر کے مناتی مگر اس بار تو اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ بہت محتاط رہ کر اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ کاشا وہ بندہ تھا جس نے اپنی زندگی میں کبھی [illegible] نہیں برتی تھی۔ احتیاط اس کی فطرت کا خاصا نہیں تھی۔ [illegible] اور معمولی کاموں پہ غرور [illegible] اسے ماہم کی پہلی فون کال کا انتظار ہوتا تھا۔ اس نے ماہم کے توسط سے سب حاصل کرنے کے لیے زیادہ تردد نہیں کیا تھا۔ وہ خود ہی سب کچھ کرتی جارہی تھی۔ کاشا اسے صرف بہلا رہا تھا۔ اس نے اپنے تئیں ماہم کو اتنا رام تو کر لیا تھا کہ جب وہ اس سے مستقبل کی پلاننگ کرتا تو وہ خاموشی سے آنکھیں بند کر کے اس کی ہاں میں ہاں ملاتی۔

"ماہم! تم اس تعلق کو واضح شکل دو یا پھر مجھے چھوڑ دو۔" اس کا صاف گو انداز تھا۔

وہ تو گھر آئی سونے کی مرغی سے انڈے لینا چاہتا تھا اگر وہ اس کا پیچھا [illegible] کھانے پر راضی ہو جاتی ورنہ اس کی زندگی میں ایسی کوئی حسرت نہ تھی نہ ہی وہ لالچ میں اپنا بہت سا وقت برباد کرنا چاہتا تھا۔

"نن... نہیں کاشف! میں تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اور پلیز تم بھی ایسا کچھ مت سوچو۔" وہ بہت بے بسی سے بولی۔

"اور منصور؟" کاشا نے شوہر کے متعلق اس کی رائے چاہی۔ اپنے لیے تو ماہم کی بے قراریاں اس سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔

"وہ... وہ تو شروع دن سے میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اب تو میرا صبر بھی تھکنے لگا ہے۔" منصور کے ذکر پر اس کے لہجے میں کڑواہٹ سی اتر آئی۔

"[illegible] ماہم! ایز سون ایز پاسبل۔" (جلدی ملنے کی کوشش کرو۔)

ماہم نے اسے گرین سگنل دے دیا تھا۔ وہ تاخیر کیوں کرتا۔

"کاشف! میرے لیے ملنے آنا اتنا ایزی نہیں ہے۔" اس نے مجبوری بتائی۔

"پلیز ماہم! ٹرائی کرو، جسٹ ونس ٹائم۔" (صرف ایک بار۔)

"ویل، آئی ول ٹرائی (میں کوشش کروں گی) پھر تمہیں انفارم کروں گی۔" وہ اپنے اردگرد سے اتنی بے نیاز تھی کہ اسے اپنی تلاش میں آئے منصور کی بھی خبر نہ ہو سکی۔

"ماہی!" اس نے پیچھے سے پکارا۔

ماہم کے ہاتھ سے موبائل اچھل کر کارپٹ پر جا گرا۔ اس نے حواس باختہ چہرہ موڑا۔

"اس وقت کس سے بات کر رہی تھیں؟" چند خاموش لمحوں کا توقف کر کے اس نے جھک کر موبائل اٹھا کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

"و... وہ... وہ میری فرینڈ تھی۔ اس کے ہزبینڈ آؤٹ آف سٹی گئے ہوئے ہیں تو اسے ڈر لگ رہا تھا تو اس نے مجھے کال کر لی۔"

کال ڈسکنیکٹ کر کے اس نے سہمے ہوئے اپنی نامعلوم دوست کی کہانی گھڑی۔

"ہوں، اب سونے کا موڈ ہے یا مزید..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں، مجھے خود سخت نیند آ رہی ہے۔"

وہ منصور کے ہمراہ اٹھ کھڑی ہوئی حالانکہ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بے وقوف ایک لفظ ہے اور اس کے معنی عورت

ہے۔" کاشانے آج پھر اپنی پٹاری میں سے عورت نامہ کھول لیا تھا۔

"یہ تیرا ذاتی فلسفہ ہے۔" غنی نے بےزاری سے اس کی تمہید سنی۔

"بالکل! عورت کے بارے میں میری پرسنل آبزرویشن (ذاتی مشاہدہ) اتنی وسیع ہے کہ مجھے کسی سے مستعار لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔"

"ہیلو' سوری تو سے ...... ' پرسنل ایکسپیری منٹ۔" (ذاتی تجربہ)۔

غنی نے فوراً اس کی درستی کی۔ "مگر مجھے فی الوقت تمہاری ذات سے لے کر تمہارے ذاتی فلسفے تک کوئی دلچسپی نہیں۔"

غنی نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ "یار اس قصے کو یہیں ختم کر دے۔"

"اگر یہی بات شیکسپیئر یا خلیل جبران نے کہی ہوتی تو عورت کی اس قدر پذیرائی پر بہت ایپری شیٹ (تعریف) کرتا۔" کاشا کو غنی کی بےزاری بہت کھلی تھی۔

وہ ابھی غنی کو اپنے اس تازہ فلسفے کی وجوہات اور بہت سے دلائل دینا چاہتا تھا۔

"جہاں تک میری انفارمیشن ہے' خلیل جبران کو خود کسی لڑکی سے محبت تھی۔" غنی کو اس کا الزام ذرا پسند نہیں آیا تھا۔

"یعنی وہ بھی بہت گھامڑ انسان تھا۔" کاشانے اپنا سارا غصہ خلیل جبران کے کھاتے میں ڈال دیا۔

"ڈونٹ وری' تم بھی بہت جلد گھامڑوں کی رینج میں آنے والے ہو۔" غنی نے اپنی پسندیدہ شخصیت کی بےعزتی کا فوراً بدلہ لے لیا۔

"تو مجھے تیز کرنا چاہ رہا ہے۔" کاشانے اس کی برجستگی پہ اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"تیز تو بہت دور' کاشا کو کبھی درد بھی [illegible] کاشا اور درد' دو متضاد الفاظ ہیں۔"

"جسٹ شٹ اپ غنی' [illegible] رائٹر ہو تو وات' مجھے اسکولنگ لائف میں سب سے زیادہ بورنگ سبجیکٹ اردو لگتا تھا۔ کیا ہر سبق میں آداب و اخلاق کے رٹے لگوائے جاتے ہیں۔" کاشا کے لہجے میں واضح اکتاہٹ تھی۔

"ویسے اگر تم غور سے سبق پڑھ لیتے تو شاید تمہاری حالت میں کسی حد تک افاقہ ہوتا۔"

"آداب و اخلاق صرف دو جگہوں پہ ملتا ہے۔" کاشا نے دو انگلیاں کھولیں۔

اسے اپنی ہر مشکل اور آسان بات بیان کرنے کے لیے صرف دو کا سہارا لینا پڑتا تھا اور وہ اپنا مطلب سامنے والے کو کلیئر کر جاتا۔ نمبر ایک نمبر دو۔ اس سے آگے وہ کبھی نہیں بڑھتا تھا۔ ہر بحث مسئلے کے متعلق جان دار دلائل اس کی بائیں ہاتھ کی جیب میں ہمہ وقت موجود رہتے۔

"ایک درویش کے حجرے میں' اس کے پیروں میں بیٹھ کے اور دوسرا تجربوں کے کوٹھے پہ ان کے چرنوں کو چھو کے۔"

اسے اپنے متعصب نظریات پیش کرنے پر تالیوں کی صورت میں کسی داد کی ضرورت نہیں ہوتی' بے شک کوئی اس کے نظریات سے اختلاف کرے [illegible] مانے' وہ اپنے موقف پہ ڈٹا رہتا۔

"کاشا جگر! بالکل سچ بتا تو نے اپنی [illegible] کی عورت کی بھی عزت کی ہے؟"

"کاشا چوہدری ہمیشہ اس [illegible] عزت کرتا ہے جو اپنی عزت کروانا [illegible] اپنی حیثیت کو پہچانتی ہو اور اس [illegible] نگاہ غلط بھی نہیں ڈالتا جو عزت کی حق دار [illegible] ہے۔" کاشانے بالکل سچ بتا دیا تھا۔

"[illegible] تیرے عورت نامے سے کبھی متفق نہیں ہو سکتا۔ نہ سر کھپایا کر میرا۔" غنی ان قصے کہانیوں سے کافی چڑا ہوا تھا۔

"میں میٹرک میں ایک رائٹر کو پڑھا کرتا تھا۔ میرا موسٹ فیورٹ رائٹر تھا۔ بہت کچھ سیکھا میں نے اس سے۔ اسے پڑھ کے میرے اندر ایک چیز کا خوف ختم ہو گیا۔ موت ...... موت کا خوف' Suddenly

(اچانک) کچھ ہو جائے تو وہ الگ بات ہے۔" کاشانے بہت سال پرانی بات یاد آ جانے پر اسے اپنی قابلیت سے آگاہ کیا۔

"اچھا کون سا رائٹر ہے؟" غنی نے کافی اشتیاق سے پوچھا۔

اس کے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ کاشا کو بھی کتابوں سے شغف رہا ہو گا۔

"ارنسٹ ہیمنگوے (Ernest Hemingway)"

کاشانے جیسے ہی نام لیا' غنی کا سارا اشتیاق غبارے میں سے ہوا کی طرح [illegible] گیا۔

"آف کورس [illegible] مطابقت رکھنے والے رائٹر [illegible] پریکٹیکل بھی کرتے چلے آ [illegible] اس کی رائٹنگ سکلز نے تمہیں بھی [illegible] ہے۔" غنی بہت سنجیدگی سے اسے [illegible] کر رہا تھا۔

"[illegible] اس کی Seculor Philosophy (غیر مذہبی فلسفہ) نے اٹریکٹ کیا تھا۔ اس نے مجھے دنیا برتنی سکھا دی' آزادی ہی جینے کا اصل رنگ ہے۔ مرنے کے بعد کی خبر سے کوئی غرض نہیں' رکھو تقدیر کبھی بھی ہم پر مکمل طور پہ مہربان نہیں ہوتی' نہ ہی مجھے اس تقدیر نامی شے پہ بلیو (یقین) ہے۔"

"اور تم جانتے ہو اس نے آخر میں اپنے آپ کو گولی مار کر خود کشی کر لی۔" غنی کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

"یس ہی واز رئیلی اے بریو مین۔" (ہاں' وہ واقعی ایک بہادر آدمی تھا۔) غنی کو اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا جو خود کشی جیسے بزدلانہ عمل کو بہادری گردان رہا تھا۔

"لیو دس ٹاپک' ہاسم والے افیئر کی سناؤ۔" غنی نے موضوع بدل دیا تھا۔

"اس سے بھی آخری ملاقات ہے' معاملہ آر یا پار کر دوں گا۔ مجھ سے کسی کے چونچلے نہیں اٹھائے جاتے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا۔

"ہوں۔۔۔ چائے بناؤں' پیئے گا۔" غنی نے چائے کے دوران ہاسم کی نئی تازی سننے کا سوچا۔

"بتانے لگا ہوں ناں۔" اس نے صوفے کی پشت سے [illegible] لگا لی۔

☆ ☆ ☆

منصور کے اس طرح اوپر سے آ جانے پر بہت [illegible] تھی۔ اس رات تو وہ جلدی سے سوتی بن گئی مگر اگلے چند دن اس نے منصور کے رویے کا بہت غور سے مشاہدہ کیا۔ اسے شک تھا کہ منصور کہیں کچھ سن نہ چکا ہو۔ جو منصور کے نارمل رویے سے دور ہو گیا ورنہ منصور میں ابھی اتنی غیرت تو تھی کہ کچھ سن کر زیادہ نہیں تو ایک آدھ تھپڑ تو ضرور مارتا۔ بالآخر وہ ایک مرد تھا اور اپنی بیوی سے بے تحاشا محبت کرتا تھا جو رات کے پچھلے پہر کسی اور سے دل بہلا رہی تھی۔

شام کی چائے پیتے وہ گاہے بگاہے منصور کو بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

"ہاسی۔۔۔" منصور کے پکارنے پر وہ یکدم سنبھل کے بیٹھ گئی۔

"جی۔۔۔"

"ایک بہت ضروری میٹنگ ہے' جس کے لیے مجھے دو دن کے لیے اسلام آباد جانا پڑے گا۔ تم بھی مجھے جوائن کر لو' دس دن کا Stay (قیام) کریں گے۔"

منصور شہر سے باہر بہت کم جاتا تھا۔ زیادہ ضروری جانا ہوتا تو ہاسم کو بھی ساتھ لے جاتا۔ کبھی کبھار شاہم بھی ان کے ہمراہ چلی جاتی تھی۔

"سوری منصور! میری طبیعت بہت ڈاؤن رہتی ہے۔ اس سچویشن میں تو میرا بی پی پرابلم بہت بڑھ گیا ہے۔ میں سفر کرنے کا رسک نہیں لے سکتی۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"ہم بائی ایئر جائیں گے۔" اس نے ہاسم کے انکار کو نظر انداز کر کے ایک بار پھر کہا۔

"پلیز منصور! مجھے فورس نہ کریں۔ میں گھر میں ایزی فیل کرتی ہوں۔" منصور کے دوبارہ کہنے پر وہ اندر سے تپ گئی تھی مگر بظاہر تحمل سے بولی۔



اس کا ذہن بہت تیزی سے چل رہا تھا۔ منصور چلا جائے گا تو وہ بھی آسانی سے کاشا سے ملنے جا سکے گی۔ منصور کی موجودگی میں جانا مشکل تھا۔ سو بہانے تراشنے پڑتے تھے۔

"ہاں! صرف دو دن کے لیے جانا ہے۔" منصور نے دل میں سوچ کر خود کو مطمئن کرنا چاہا۔

منصور کو اگلے روز جانا تھا۔ اس نے رات ہی کاشا کو میسج کر دیا تھا کہ وہ کل کا لنچ ایک ساتھ کریں گے۔ وہ منصور کے یوں جانے اور اپنا رستہ اتنی آسانی سے صاف ہو جانے پر خوش تھی۔ بظاہر اس نے اپنے ارد گرد والوں اور خاص کر منصور کو دکھاوے کے لیے رنجیدگی اور چپ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ اپنے ہر عمل میں بہت سستی دکھا رہی تھی۔

وہ دس بجے ناشتہ کرنے گھر آیا تھا اس کے بعد پھر اسے آفس جانا تھا اور وہیں سے اس کی اسلام آباد کے لیے روانگی تھی۔ ماہم کے لیے وہ از حد فکر مند تھا۔ شاہم اور ماجدہ کو اس نے ڈھیروں نصیحتیں کی تھیں۔ اس کا جانا اشد ضروری تھا ورنہ وہ کبھی بھی ماہم کو اس حالت میں چھوڑ کر نہ جاتا۔

"شاہم! اب یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔ ماہی کو زبردستی دوائیں اور پھل ضرور دینا۔ رات کو دودھ بھی یاد سے دینا اور میڈیسن ٹائمنگ میں گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے ڈاکٹر تبسم کو بھی کہہ دیا ہے اگر خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہو جائے تو انہیں کال کر لینا۔"

اس نے کوئی ساتویں بار شاہم کو حکم نامہ جاری کیا تھا۔

"ان کو کھلانے پلانے کی ڈیوٹی بہت ٹف ہے۔ یہ آپ کا ہی حوصلہ ہے۔ مجھ میں اتنا اسٹیمنا نہیں ہے۔ پھر بھی ایک آدھ بار ٹرائی کر لوں گی۔ آپ کی طرح نہ منت سماجت کروں گی نہ ہی نوالے بنا بنا کر منہ میں ڈالنے آتے ہیں مجھے۔"

شاہم نے شرارت سے اسے [illegible] کے لیے کہا۔ اسے منصور کا یوں ماہم کے [illegible] کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"ماجدہ! تم زیادہ تر اوپر ہی رہنا۔ ماہی کچن میں ہرگز نہ جانے پائے۔ خاص دھیان رکھنا۔" شاہم کو خود کے اس نے ماجدہ کو بھی اس کا ذمے دار بنایا۔

"منصور! میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔ خود رکھ لوں گی اپنا خیال۔" اسے منصور کا یوں شاہم اور ماجدہ کے سامنے اپنے لیے اتنا باؤلا ہونا شرمندہ کر رہا تھا۔

"بریکنگ نیوز! تم بچی سے بڑی ہو گئی ہو۔"

"منصور!" ماہم نے اس کے بازو پہ مکا مارا۔

"چلو، مجھے گاڑی تک سی آف کرنے آؤ۔" اس نے شاہم کے گرد بازو لپیٹ کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں بھی گاڑی تک آؤں ــــ سی آف کرنے؟" شاہم نے جان بوجھ کر ٹانگ اڑائی۔ منصور کی حرکت اس کے لیے تفریح کا باعث بنی ہوئی تھیں۔

"نو تھینکس۔ اینڈ اللہ حافظ مائی لٹل فرینڈ۔" اس نے نرمی میں سہلاتے شاہم کی ناک کو دبایا۔

"او ماہی!" انہیں یوں ایک ساتھ باہر نکلتے دیکھ کر شاہم نے تہہ دل سے ان کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔

☆ ☆ ☆

منصور کے جاتے ہی شاہم بھی تھوڑی دیر بعد گاڑی لے کر نکل گئی۔ اب ماہم کا رستہ [illegible] صاف تھا۔ شاہم بھی نہیں تھی سو اس [illegible] اور وہ اس سے [illegible] بھی نہیں کہہ [illegible]

"منصور سے [illegible] کا ذکر نہ کرنا۔"

شاہم کی واپسی [illegible] کی۔ اس نے کمرے میں آ کر [illegible] کاشا کو فون کیا۔ اسے اپنے آنے کا بتایا [illegible] وہ تیار ہونے لگی۔ اس نے [illegible] باریک شیفون کی ساڑھی پہنی جس کے بارڈر اور بلاؤز پہ سلور کام کیا گیا تھا۔ یہ ساڑھی منصور اس کی برتھ ڈے پر پہننے کے لیے لایا تھا۔ برتھ ڈے پارٹی میں ہر فرد نے اس ساڑھی میں ماہم کی تعریف کی تھی۔ ساتھ میں اس نے ہم رنگ گرم شال نکال لی تاکہ اپنا آپ اچھی طرح ڈھانپ سکے۔ لباس زیب تن کر کے اس نے اپنے لمبے سلکی بال کیچر لگا کر اوھ

کھلے چھوڑ دیے۔ اس نے بہت خوشی اور آزادی سے اس نامحرم شخص کے لیے لائٹ سا میک اپ کیا۔ ورنہ تو وہ کبھی بھی منصور کی خاطر نہیں کرتی تھی۔ منصور کے لیے بننا سنورنا اسے "وقت کا ضیاع" لگا کرتا تھا۔

وہ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ جلد پہنچی تھی۔ کاشا پانچ منٹ لیٹ تھا۔ اس کی ٹیبل کے قریب وہ ذرا سا ٹھٹک کر رک گیا۔

"ہیلو بیوٹی فل!" ستائش سے بھرپور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ ماہم ذرا کی ذرا جھجکی پھر اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"ہائے مسٹر کاشف!" وہ بھی اسی کے انداز میں مخاطب ہوئی۔

"رئیلی تم کہیں سے بھی میرڈ نہیں لگ رہی ہو۔" اس کی توصیفی نظریں اس پہ جمی ہوئی تھیں۔ ویٹر آگیا تو وہ مینو کارڈ دیکھتے ہوئے لنچ آرڈر دینے لگے۔ کاشا نے کھانے کے دوران کوئی بات نہ چھیڑی۔ لنچ کروا کے وہ اسے شاپنگ کے لیے لے گیا۔ وہ بھی آزاد تھی۔ اسے کاشا کے ساتھ گھومنا، وقت گزارنا اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں پہ قہقہے لگانا اچھا لگ رہا تھا۔ کاشا نے اس کے لیے کتنے ہی رنگوں کے کپڑے، ساڑھیاں، شوز، بیگ خریدے۔ اس نے بھی اپنے کریڈٹ سے کاشا کی شاپنگ دل کھول کر کی۔ کاشا کی ہمراہی میں مختلف دکانوں پہ خواری کرتے، بار بار کپڑوں کی ٹرائی لیتے، کلر کامبی نیشن منتخب کرتے، جوتے کا سائز اور اسٹائل تبدیل کرواتے ہوئے، کاشا کی ٹائیوں کی سلیکشن 'پینٹ کوٹ' 'پرجیکٹس' وغیرہ چار گھنٹے وہ مسلسل شاپنگ کرنے میں مگن رہے تھے۔

اسے اب یاد نہیں رہا تھا کہ شاپنگ کرنا اسے کتنا بورنگ لگتا تھا۔ وہ پانچ سال میں ایک بار بھی دل سے منصور کے ساتھ بازار نہیں آئی تھی۔ اس نے کبھی منصور کی ٹائی کی پن تک نہیں خریدی تھی۔ اس کی برتھ ڈے 'ویڈنگ اینی ورسری' ٹائی ڈے 'نیو ایئر' عید... کسی خاص موقعوں کو یاد رکھ کر گفٹس خریدنا تو... منصور کی برتھ ڈے ہی بھول جاتی تھی۔ اس کا دھیان منصور کی طرف کبھی تھا ہی نہیں۔ اور شاپنگ کرتے شام کا اندھیرا رات میں بدل گیا۔ وہ اب سیدھا گھر جانا چاہتی تھی۔ شاہم بھی آنے والی تھی۔ وہ اسے گھر نہ پاکر پریشان ہو جاتی۔ کاشا نے اسے ڈنر تک کے لیے روک لیا۔ جس مقصد کے لیے وہ ملے تھے اس کا تو ذکر ہی نہیں ہوا تھا۔

"ماہم! میں بہت اسٹریٹ فارورڈ بات کروں گا کہ تمہیں میرے اور اپنے ہزبینڈ میں سے کسی ایک کو رکھنا ہوگا۔"

کاشا کی اس تنبیہ پہ اس کا ذہن ماؤف ہوگیا۔ وہ کتنی ہی دیر پلک نہ جھپک سکی۔ وہ کاشا کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کاشا کو چھوڑنے کا تصور ہی لحظہ موت لگتا تھا۔ منصور کو چھوڑنا اتنا آگے کا بھی اس نے نہیں سوچا تھا۔ درحقیقت اسے کچھ بھی نہیں پتا تھا۔ اسے منصور کو رکھنا ہے۔ جو اس کا شوہر بچوں کا باپ، اس کی عزت کا رکھوالا ہے یا پھر اس کاشا کو اس نامحرم مرد کو جس سے وہ چھپ چھپ کے ملتی ہے اور تعلقات بڑھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گزرے ہوئے کل کا حصہ ہے۔

فیصلہ تو اسے کرنا ہی تھا۔ کسی ایک کا... کسی ایک شوہر یا عاشق۔

نیا رشتہ استوار کرنے کے لیے پرانے اور اٹوٹ بندھن کو توڑنا پڑتا تھا۔

"اس... یہ..." وہ نظریں چرانے لگی۔

"مجھے... جواب چاہیے ماہم!" اس نے اپنے لفظوں کو... کنٹرول کیا تھا۔

"مجھے تھوڑا سا وقت دو کاشف! پلیز۔"

"وقت؟ ٹائم کیوں چاہیے؟ میں کیا عمر نوح لکھوا کے لایا ہوں؟ جو تمہارے چکروں میں برباد کرتا پھروں... دو ماہ کا ٹائم کم تھا سوچنے اور فیصلہ کرنے کو۔ پرابلم کیا ہے ایوری تھنگ از کلیئر۔ منصور تمہارا شوہر دو بچوں کا باپ ایک ویل اسٹیبلش پرسن ہے۔ گھر بار ہے تمہارا رشتے ہیں زندگی سکون سے گزر رہی ہے جبکہ میں... میں تمہارا ماضی ہوں۔ ایک نامحرم اور غیر مرد جس کے ساتھ تم بازاروں میں عیاشی کرتی پھرتی ہو جسٹ فار ٹائم پاس لمبی لمبی کالز کرتی ہو۔ شوہر کو بھی دھوکا دے رہی ہو اور مجھے بھی خوار کر رہی ہو۔ آئی ایم ناٹ منصور' جو تمہارے سامنے ہاتھ باندھ کر جی حضوری کرتا کھڑا رہے گا۔ میں بہت ٹیڑھا اور کلیئر کٹ بندہ ہوں۔ میری مالی حیثیت کا تمہیں بخوبی اندازہ ہے۔ اگر تمہیں میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے تو منصور کو فارغ کرو... آئی ہوپ... اور اگر منصور کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہو تو دوبارہ میرا نمبر میرے... ملنے کی... مجھ سے... میں تمہاری خواری... آئی ہوپ سو کہ تم اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی۔"

وہ... اور گلاس زور سے... اٹھا کر وہ چھوڑ کر چلا گیا۔

❊ ❊ ❊

وہ نو بجے واپس آئی تھی۔ سیکیورٹی گارڈ نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اس نے اس سے شاہم کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کے نفی میں جواب دینے پر وہ شکر ادا کرتی۔ شاپنگ بیگز اٹھائے اندر بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں صوفے پر تمام بیگز پھینک کر وہ جلدی سے فریش ہونا چاہتی تھی تاکہ شاہم آکر اسے اس حلیے میں نہ دیکھ لے۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ ابھی میک اپ صاف کرنے ہی والی تھی کہ ماجدہ کا شوہر جو خانساماں بھی تھا چلا آیا۔

"یس کم ان۔" دستک پہ اس نے اندر آنے کی اجازت دی۔

"میڈم! آپ کو سر اسٹڈی روم میں بلا رہے ہیں۔"

اس پیغام پہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"من... منا... منصور۔" منصور کا نام لینے میں اسے کافی دقت پیش آئی۔

"جی..." نظریں جھکائے وہ مؤدب سا جیسے آیا تھا واپس مڑ گیا۔

ماہم کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ ابھی... ٹوٹ پڑا ہے یا کم از کم کمرے کی چھت... گر گئی ہے۔

اس نے نہ تو کپڑے تبدیل کیے تھے نہ ہی ذہن میں کوئی نیا جھوٹ گھڑا تھا۔ وہ اسٹڈی روم تک صرف یہ سوچتی ہوئی آئی تھی کہ منصور اتنی جلدی واپس کیوں آ گیا؟ یا گیا ہی نہیں؟ وہ اپنے کمرے کے بجائے اسٹڈی روم میں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟ وہ اپنا آپ گھسیٹتی ہوئی چل رہی تھی۔ وہ ہوٹل سے گھر تک بہت مشکل سے ڈرائیو کر کے آئی تھی۔ کاشا کی باتیں کسی جھکڑ کی طرح اس کے ذہن میں چل رہی تھیں۔ اب منصور کی مصیبت اس پر آن پڑی تھی۔ سب کچھ الٹا ہوتا جا رہا تھا۔

اسٹڈی روم میں ہلکی سی روشنی تھی۔ کمرے کی ترتیب اور اس کے وسط میں ایزی چیئر۔ جھولتا منصور کا وجود نظر آ رہا تھا۔ اس کی موجودگی کو محسوس کر کے ذرا دیر کو کرسی رکی تھی۔

"من... منصور آپ گئے نہیں؟" اس نے خشک حلق سے سوال کیا۔ اس کے علاوہ وہ کیا پوچھتی۔

"میں تو نہیں گیا مگر تم بھی نہیں رکیں۔"

کافی توقف کے بعد اس کی بہت بھاری آواز خاموش کمرے میں گونجی۔

ماہم نے کسی مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔ اس کے اندر کوئی اسے بتا رہا تھا کہ گڑبڑ ہو چکی ہے۔ وہ کبھی بھی منصور کے سامنے اس طرح سر جھکائے کھڑی نہیں ہوئی تھی۔

"کون ہے وہ؟" چیئر کی پشت سے سر ٹکائے اس کی آنکھیں سامنے دیوار کی اونچائی پہ ساکن تھیں۔

"ک... کک... کون؟"

الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔ اسے سینے کے اندر سانس رکتی محسوس ہوئی۔ وہ متوحش سی کھڑی تھی۔ اب جھوٹ کا سہارا نہیں لیا جا سکتا تھا۔

"تم مجھے chase (تعاقب) کر رہے تھے؟" وہ

الٹ ہوئی تھی۔

منصور کا اسلام آباد جانے کا ڈرامہ اسے یاد آگیا۔ ساتھ یہ بھی کہ اس رات وہ اس کی ساری باتیں سن چکا تھا۔

"ہماری شادی کو کتنے سال گزر گئے؟"

"آل موسٹ فائیو ایئر۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"لاسٹ فائیو ایئرز سے ہی میں اس ایک لمحے کو تلاش کر رہا تھا۔ جس کی کھوج اس رات لگ گئی اور تلاش آج ختم ہوئی۔ شوہر بیوی کے ریلیشن شپ میں کوئی بھی پارٹنر زیادہ دیر اپنی اصلیت نہیں چھپا سکتا۔ اگر تم آج تک یہ سوچتی آرہی ہو کہ میں بے خبر تھا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں نے تم سے محبت کی، مجبور محبت اور یہ مجبور محبت ہی مجھے بہت سی باتوں کی چھان پھٹک سے روکتی تھی۔ لیکن یہ محبت ہی میرے ہونٹوں پر قفل لگائے رکھتی۔ کبھی کبھی خود کو اذیت دینے سے بہتر دھوکا دینا لگتا ہے۔ میں اسی دھوکے میں رہ کے پوری زندگی بتانے کو تیار تھا اور تم..."

ماہم دم سادھے اسے سن رہی تھی۔ اس کی رگ و جاں میں سرایت کرتا خوف کم ہو رہا تھا۔ سب کچھ روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا۔ وہ بھی منصور سے مزید جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ دو کشتیوں کے سوار کو بالآخر ایک کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اب اس کا "بالآخر" دونوں اطراف سے اسے گھیرے ہوئے تھا۔ اسے اپنی عقل و ہمت کے مطابق ایک کو چننا تھا۔ بہت سوچ و سمجھ کر۔

"آئی ایم سوری منصور! میں بھی اب آنکھ مچولی کا کھیل مزید نہیں کھیل سکتی۔" اضطرابی کیفیت میں گھرے اس نے بڑی جرأت سے کہا۔

"تم نے میرے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچائی ہے [illegible]"

اس کی مدھم سی سرگوشی ابھری۔

"مجھے اگر تمہارے اعتماد کی پروا ہوتی تو [illegible] نہ کرتی اور دوسری بات یہ کہ میں [illegible] کی Clearification (صفائی) [illegible] دے رہی۔"

یہ کاشان سے ملاقات اور اس کے الفاظ کا اثر تھا کہ اسے اپنا مجازی خدا [illegible] لگ رہا تھا جسے وہ مکھن سے بال کی طرح نکال باہر کرنے والی تھی۔

"جو بھی کہنا ہے لاؤڈ اینڈ کلیئر کہو۔" [illegible] رک گئی تھی۔

اس کا ہر عضو سماعت بن کر متوجہ تھا۔ اس ہونی کا خدشہ بہت عرصے سے اس کے اندر جڑ پکڑ چکا تھا۔

"مجھے خلع چاہیے منصور!" ایک لمبا سانس خارج کر کے وہ بڑے تحمل سے بولی۔

☼ ☼ ☼

ان کی زندگی کی پانچ سالہ رفاقت میں آج کی صبح بہت انوکھی، عجیب، خاموش اور لاتعلق سی طلوع ہوئی تھی۔ آج ان کے رشتے میں بہت کچھ پہلی بار ہوتے جا رہا تھا۔ جس کا سلسلہ اب چلتے ہی رہنا تھا۔ منصور کی صبح چھ بجے ہی ہوئی تھی۔ حسب معمول اس نے بے اختیاری سے اپنے دائیں طرف سوئی ماہم کو دیکھا۔ اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا مگر چھوا نہیں تھا۔ روزانہ کی طرح اس کے سوئے چہرے سے بال ہٹا کر بوسہ نہیں دیا تھا نہ وہ ایکسرسائز کے لیے گیا تھا نہ واک کے لیے۔ ڈریسنگ میں اس کی چوائس بہت انوکھی ہوئی تھی۔ وہ خود کو نک سک سے تیار [illegible] اس نے ہاتھ میں آنے والا سوٹ [illegible] نکال لیے۔

وہ ناشتہ تو ماہم کے [illegible] آج پہلی بار جوس یا پانی کا [illegible] آفس چلا گیا تھا۔ آفس میں بھی [illegible] سارا دن کچھ نہ کھایا۔ اپنے اسٹاف کے ساتھ [illegible] نرمی اور شائستگی سے پیش آنے والا [illegible] تین ایمپلائز پہ چلایا تھا۔

ساڑھے گیارہ کا وقت جب وہ اتنے سالوں میں ماہم کو اٹھانے دوبارہ گھر جاتا تھا، بہت مضطرب کرنے والا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔ اس کی خود سے آنکھ کھل گئی ہوگی یا ابھی تک سو رہی ہوگی۔ آج تو اس پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ وہ ناشتے میں اپنی مرضی سے صرف چائے پیے گی یا جوس، دودھ اور سلائس بھی نہیں کھائے گی۔ جو وہ اصرار کر کر کے اس کے منہ میں ڈالتا تھا۔ وہ سارا دن اس کے بارے میں نہ سوچتے ہوئے بھی اسی طرح کی متضاد سوچوں میں گھرا رہا تھا۔

دوسری طرف وہ جو رات کو تمام معاملات واضح کر کے خود کو یہ باور کروا چکی تھی کہ باقی کا وقت وہ یہاں اپنی من مرضی سے منصور کی رکاوٹوں کے بغیر گزارے گی۔ اس کی نرم قربت جس سے اسے وحشت ہوتی تھی اس سے جان چھوٹنے پر اس نے [illegible] شکر ادا کیا تھا۔

دن کے ٹھیک [illegible] ہو گیا [illegible] احساس کے زیر اثر آنکھیں [illegible] گال کو ہلکا ہلکا تھپک رہا [illegible] نے وال کلاک کی [illegible] بجا رہا تھا۔

"ابھی [illegible] نہیں آئے۔" وہ یکدم پریشان ہو کر اٹھی۔ صرف ایک لمحے کے لیے اس سے یہ [illegible] حرکت سرزد ہوئی تھی۔ ایسی ہی بے [illegible] منصور بھی گزر چکا تھا۔ اگلے لمحے وہ خود کو [illegible] سرزنش کر رہی تھی۔ وہ پھر سے سونے کا ارادہ کر کے لیٹ گئی تھی۔ بیس منٹ گزرنے کے بعد بھی اس کی آنکھ میں ہلکی سی نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ تکیے میں منہ چھپائے وہ کروٹ پہ کروٹ بدلتی رہی۔ اس پر [illegible] اسے بھوک لگنے لگی۔ وہ خود پہ حیران ہو رہی تھی کہ اسے تو ناشتہ کرنے سے چڑ تھی۔ بستر سے اٹھ کر وہ واش روم میں چلی گئی۔ ساجدہ نے ٹیبل لگوا دی۔ وہ اکیلی ٹیبل پر آگئی۔ اسے اکیلی چیئر سنبھال کر پانی پیتا دیکھ کر ساجدہ حیران و بے یقین تھی۔ ان کے ملازم تک ان کی عادتوں کے عادی ہو چکے تھے۔ اس نے ساجدہ کی کھوجتی نظریں محسوس کیں اور پھر لاپروائی سے ناشتہ کرنے لگی۔ وہ جس کا اصرار صرف چائے کے کپ کا ہوتا تھا، میکانکی انداز میں روٹین کے لوازمات اپنے ہاتھوں سے کھانے لگی۔ اس نے اپنی اس حرکت پر ہاتھ روکنے کی بہت کوشش کی مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کئی دن سے بھوکی ہے۔ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے وہ ساجدہ سے کہنا چاہتی تھی کہ کل سے اتنا انتظام نہ کیا جائے مگر کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔

شام کو منصور کے گھر آنے کے ٹائم پر وہ جان بوجھ کر کچن میں چلی گئی۔ جب وہ سب کچھ صاف صاف کہہ چکی تھی پھر وہ اس سے کیوں چھپ رہی تھی؟ جب اس نے اتنی جرأت کا مظاہرہ کر دیا تھا تو اس کی نگاہوں کے خاموش شکووں سے خائف کیوں تھی؟

پانچ برسوں کے دوران وہ کبھی بھی کچن میں قدم نہیں دھرتی تھی۔ کچن میں پکتی مختلف ڈشز' ان سے اٹھتی بھاپ اور خوشبو سے اس کا جی متلانے لگتا تھا۔ اس کی حالت بہت بگڑ جاتی تھی مگر آج اسے کچن ہی سب سے محفوظ پناہ گاہ لگ رہا تھا۔ منصور بھی کپڑے تبدیل کر کے سارا وقت باہر لان میں بچوں کے ساتھ کھیلتا اور باتیں کرتا رہا تھا۔

آخر کب تک؟

رات کو بالآخر انہیں ایک ہی بیڈ روم میں جانا پڑا تھا۔

منصور نے کمرے میں آتے ہی لیپ ٹاپ سنبھال لیا تھا۔ جبکہ وہ دھیمی آواز میں ٹی وی دیکھنے لگی۔ پہلی رات ہی ایسا ہوا تھا کہ وہ بیڈ روم میں ساڑھے بارہ بجے تک لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔ جبکہ وہ اب اکتائے ہوئے انداز میں چینل سرچنگ کر رہی تھی۔ اس نے گھور کر اس کی پشت کو دیکھا۔

"یہ آخر سو کیوں نہیں جاتا۔"

اسے منصور کے سونے کے انتظار سے کیا سروکار تھا؟ خود اسے تو سو جانا چاہیے تھا۔ اسے تو بہت سی شکایات میں سے منصور سے ایک یہ بھی شکایت تھی کہ وہ دیر تک اسے جگاتا ہے۔ فضول کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ اس رات اسے کوئی "بلاوجہ" دیر تک جگانے والا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ جاگ رہی تھی مگر پھر ریموٹ کو پٹخ کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ کچھ دیر میں وہ بھی لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ گیا اور بیڈ پر لیٹنے کے بجائے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے کا رخ سامنے بیڈ پر بے قراری سے کروٹیں بدلتی ماہم کی طرف تھا۔

ابھی پانچ سال میں پہلی بار ہو رہا تھا کہ ایک تو اس کے بائیں طرف منصور کی موجودگی نہیں تھی۔ دوسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ منصور کا بازو اس کے سر کے نیچے نہیں تھا۔ شروع شروع میں اسے الجھن ہوئی تھی۔ منصور کے بازو سر کے نیچے رکھنے سے مگر وہ ایسا کرنے سے اسے روک نہیں سکی تھی پھر دھیرے دھیرے وہ اس کی عادی ہو گئی اب منصور کو بھی اپنا بازو اس کے سر کے نیچے رکھے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ ابھی تکیے پر سر رکھے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا سر کسی گہرے کنویں یا پاتال میں گر چکا ہے۔ اسے نیند بھی آ رہی تھی۔ بار بار اس کی ٹوٹتی نیند اور کروٹیں بدلنے سے اس کا سر بھاری ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ پانچ سال کم نہیں ہوتے عادات کے پختہ ہونے میں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ دوسری طرف منصور کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے کہ وہ سوا ایک بجے صوفے پر بازو پھیلائے اتنی رات گئے کیوں بیٹھا ہے؟

وہ دونوں تنگ آ کر اب ایک ہی زاویے پر سوچ رہے تھے کہ آج رات نیند کیسے آئے گی اور آئے گی بھی یا نہیں۔۔؟؟

ماہم کو نیند کے غوطے آ رہے تھے مگر وہ سو نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں سے اوپر بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔ منصور جو اسے کب سے نوٹ کر رہا تھا؟ اس کے خود پر تشدد کرنے پر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کی یہ حرکت بالکل غیر ارادی تھی۔ ایک ہی رات میں وہ ایک دوسرے سے اتنے بے نیاز اور اجنبی تو نہیں ہو سکتے تھے کہ ایک دوسرے کی تکلیف جان کر بھی انجان بنے رہیں۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ وہ بے وقوف اگر کبھی اس کا سینہ چیر کر دل تک نکال لیتی تو وہ اف نہ کرتا۔

"جب تک تمہارے پاس میری امانت ہے۔ میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمہارا خیال رکھوں۔" اس کے برابر لیٹتے اس کے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر اس نے اپنا بازو رکھ دیا۔

بچہ تو بہانہ تھا سو وہ اس کا بھرم رکھنا چاہتا تھا۔

ماہم نے ذرا بھی چوں چرا نہ کی۔ اپنے اندر یک گونہ سکون اترتا محسوس کر کے منصور کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ وہ سیدھا لیٹا ایک ٹک چھت کو گھورنے لگا۔

وہ ہلکی ہلکی غنودگی میں جا رہی تھی کہ اسے منصور کی مدھم آواز سنائی دی۔

"جب دو میاں بیوی ایک گھر، ایک کمرے، ایک بستر اور ایک تکیے پر سر رکھ کر سوتے ہیں، ساتھ بچے پیدا کرتے ہیں، اپنا دکھ سکھ ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں تو اس سب کے باوجود انہیں ایک دوسرے سے محبت کیوں نہیں ہو پاتی؟ کہاں ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ انہیں کسی تیسرے کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔"

اس نے ماہم کو تکلیف دینے کی غرض سے یہ سب نہیں پوچھا تھا۔ بس اس کے جی میں آیا اور اس نے کہہ دیا۔

ماہم نے موندی آنکھیں کھول کر اس کی بات کو توجہ سے سننے کی کوشش کی پھر ناقابل غور [illegible] آنکھیں بند کر لیں۔

"پتہ نہیں۔" اس نے مختصراً [illegible]

وہ پانچ سال اس کی بھرپور [illegible] خود کو اندر سے تنہا اور اکیلا [illegible] کی۔ اب وہ چند سیکنڈز میں وجہ [illegible] اسے خود بھی معلوم نہیں تھی۔

"[illegible] کرے 'دوسرے' کے پاس اس کا جواب [illegible] تو غلط کون ہوتا ہے؟ سوال کرنے والا یا جواب نہ دینے والا۔" اس نے پھر بات برائے بات پوچھ لیا۔

وہ رات دیر تک اس سے باتیں کرتے رہنے کی عادت کو دہرا رہا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ ماہم اب اس کی پابند نہیں رہی۔

"پلیز فار گاڈ سیک منصور مجھے نہیں پتہ کچھ بھی سو جاؤ۔"

وہ غنودگی میں اترتی تھی کہ منصور کی آواز اسے جگا دیتی۔ اس کے مدہوش لہجے میں سخت چڑچڑی تھی۔

"ماہم اگر مجھ سے خلع نہیں لو گی میں تمہیں طلاق دوں گا کیونکہ میں نے ہمیشہ تمہاری ہر ضرورت بنا مانگے اور کہے پوری کی ہے۔"

سونے سے قبل اس نے آخری بات کری تھی۔

☆ ☆

ماہم بچوں کے کمرے سے نکلی تو اس نے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی شاہم کو [illegible] اور موبائل پر کال ختم کرتے دیکھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس [illegible]

"کہاں [illegible] نظر ہی نہیں آتیں۔" کشن درست [illegible] اس نے گلہ کیا۔

"جی؟ نظر تو آپ نہیں آتیں سارا دن کمرے میں بند [illegible] رہتی ہیں۔ میں تو آپ کو دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔" شاہم موبائل بند کر کے اس کے احترام میں کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھیں آپی۔"

"نہیں مجھے ابھی شاور لینا ہے۔ تم بتاؤ ارسل سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"

شاہم کو اچنبھا سا ہوا۔ ماہم نے کبھی ارسل کا اس طرح ذکر نہیں کیا تھا۔

"جی ملی تھی فون بھی آتا ہے اس کا۔ کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟"

"تم ارسل سے کہو کہ وہ اپنے پیرنٹس کو بھیجے بلکہ مجھے اس کا نمبر دو میں خود بات کرتی ہوں۔"

"اس کے پیرنٹس کیوں آئیں آپی؟" شاہم نے بے وقوفی سے پوچھا۔

"تکی تنگ۔۔ تمہارا پروپوزل لے کر اس کے والدین کو ہی آنا چاہیے فولش گرل!" ماہم کو اس کی بے عقلی کھلی تھی۔

"اوہ۔۔۔" اپنے رشتے کا سن کر اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

جب سے اس کے اور منصور کے درمیان خاموش معاہدہ ہوا تھا اسے شاہم کی فکر لگ گئی تھی۔ وہ [illegible] صرف سالی ہی نہیں چچا زاد کزن بھی تھی۔ جب ماہم اس سے بیوی کا رشتہ توڑ دیتی تو پھر شاہم کا یہاں رہنے کا قطعی جواز نہیں بنتا تھا۔ اس کی شادی میں تھوڑا ہی وقت تھا۔ وہ منصور کو چھوڑنے سے پہلے شاہم کا قصہ نبٹانا چاہتی تھی۔ شاہم آخری رکاوٹ تھی۔

اپنے بیٹوں اور آنے والی بچی کے بارے میں اس نے فیصلہ لے لیا تھا کہ وہ منصور کے پاس ہی رہیں گے۔

ایسا سوچتے ہوئے نہ تو اس کا دل کانپا نہ ہی وجود پہ لرزش طاری ہوئی۔ کاشا اور اس نے بچوں کے مستقبل کی بات نہیں کی تھی۔ وہ اس سے بچے ساتھ رکھنے کا کہتی تو شاید وہ مان ہی جاتا۔ آخر وہ جانتا تھا کہ وہ شادی شدہ دو بچوں کی ماں ہے اور ممتا اپنے بچوں کے بغیر ادھوری ہوتی ہے۔ اسے ایک بار اس سے بات کرنی چاہیے تھی مگر اس نے ذکر تک کرنا گوارا نہ کیا تو پھر کاشا کو کیا پڑی تھی کہ وہ پرائی مصیبت اپنے گلے میں ڈالتا۔ چلو بیٹوں کی خیر تھی مگر بیٹی وہ وجود ہے جسے وہ ابھی اپنے وجود کا خون دے کر اس کی آبیاری کر رہی تھی، جس نے ابھی اس دنیا میں آنا تھا، جسے اس نے دیکھا تک نہ تھا۔ وہ اس ننھی سی کائنات سے بھی خود کو آزاد رکھنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ وہ یہ سب کیوں اور کس کے لیے کر رہی تھی؟ "کاشا کے لیے۔۔۔ اس کی محبت میں۔" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اتنی محبت اتنی چاہت رکھنے والا دل رکھتا ہو اور اس دل میں صرف کسی ایک کے لیے جگہ ہو۔

کیا کوئی شخص ایک وقت میں تمام رشتوں کو نہیں نبھا سکتا؟ وہ تمام رشتوں سے مخلص نہیں ہو سکتا؟ رشتے تھے بھی کون؟ اس کے اپنے

پروفیسر وہیب رضا کی بڑی اور لاڈلی بیٹی جس پہ انہیں فخر تھا۔ اس کی قابلیت اور فہم و فراست پر۔ ان کے بچپن سے 'جوان ہونے تک پڑھائے گئے اخلاقیات

کے سبق وہ کیوں بھول گئی تھی۔ اس کا دل پتھر ہو چکا تھا یا اس نے کر لیا تھا۔ اس کے باپ نے بیوی کے مرنے کے بعد تیرہ سالہ ماہم اور آٹھ سالہ شاہم کو سنبھالا تھا۔ اکیلے ان کی پرورش کی تھی۔ ماں کا پیار بھی دیا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی حلیب رضا (منصور کے والد) نے بھی پانچ سالہ منصور کی ماں کی جگہ کبھی کسی اور عورت کو نہ دی مگر وہ ماہم تھی جو اپنے باپ اور چچا کے اس فیصلے کو غلطی "انتہائی سنگین غلطی" شمار کرتی تھی۔

تیرہ سالہ ماہم جوں جوں شعور کی سیڑھیاں طے کر رہی تھی' اسے ماں کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مرے ہوئے لوگ واپس نہیں آیا کرتے۔ اس کے ننھیال والوں نے بھی بیٹی کی موت کے بعد آنا جانا کم کر دیا۔ اس کے صرف ایک چچا منصور کے والد ہی تھے۔ اس کا اپنا کوئی بھائی بھی نہیں تھا۔ ماہم بھی پروفیسر صاحب کی شادی کے کئی سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے ہوئی تھی۔ بیٹیوں نے ان کی فیملی مکمل کر دی تھی۔ ان کے اندر کبھی بھی بیٹے کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

خاندان کے کچھ بزرگوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا تھا کیونکہ اب ان کے ساتھ مشکل وقت کاٹنے والی بیوی نہیں رہی تھی۔ اگر وہ دوسری شادی کر لیتے تو ہو سکتا تھا کہ ان کے گھر اولاد نرینہ بھی ہو جاتی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کے خیال اب شادی کی عمر نہیں رہی تھی۔ ماہم ابھی سے ان کے کندھے تک آتی تھی۔ بیوی کے جانے سے ان کی زندگی ڈسٹرب ضرور ہوئی تھی مگر دوسری عورت کو لا کر وہ اپنا اور اپنی بیٹیوں کا جینا اجیرن نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ماہم کو اتنی سی عمر میں پہلی بار اپنے باپ کی سوچ غلط لگی۔ وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرتی تھی۔ شاہم چھوٹی تھی' اسے اس کو بھی سنبھالنا پڑتا تھا۔ وہ گھر میں دو دو ماہ بٹ جاتی تھی۔ کام کرنے والیاں آتیں' اپنا کام مکمل کر کے چلی جاتیں۔ اسے ایک ایسی عورت چاہیے تھی جو مستقل ان کے ساتھ رہے۔ ان کے ساتھ کھیلے' انہیں اچھی بری بات سمجھائے' روک ٹوک کرے۔ ان کے کام کرے' کھانا پکائے۔ وہ دونوں اسکول سے آتیں تو ابھی وہ بیب رضا کالج سے نہیں آئے ہوتے تھے۔ ملازمہ ٹی وی دیکھنے یا کچھ اور کرنے میں مشغول ہوتی۔ ان کا بھوک سے برا حال ہوتا اور وہ بھوک بھوک چلاتی سارے گھر میں اس کے پیچھے پھرتیں۔ ان کا یونیفارم کبھی صاف نہ دھلا ہوتا یا پورا نہ ملتا۔ کبھی کوئی چیز اپنی جگہ پہ نہ ملتی۔ اس نے باپ سے خود کہہ دیا تھا کہ "ہمیں نئی ماما لا کر دیں" انہوں نے ہنس کر ٹال دیا۔ اس نے اپنی ٹین ایج کا دور بہت مشکل سے جیسے تیسے گزار لیا تھا۔ وہ بہت سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اپنی اسٹڈیز' چھوٹی بہن شاہم کا خیال' باپ اور ساتھ میں گھر بھی وہ سب سنبھال لیتی تھی۔ یہ سب سیکھنے کے لیے وہ جن دشواریوں سے گزری تھی وہ بھولی نہیں تھی۔ وہ بڑی ہو گئی تھی پھر بھی کبھی باتوں باتوں میں بابا سے گلہ کر جاتی کہ "انہوں نے دوسری شادی نہ کر کے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے باپ' چچا کی روایت کو خود پر لاگو کر کے اس تاریخ کو دوبارہ دہرانا نہیں چاہتی تھی۔ بچے اس کے گلے کا طوق اور پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتے تھے۔ اس نے بہت تفکر سے سوچا تھا۔

"بیوی کے بغیر بچے پالنا ان کا خاندانی کام ہے منصور بہت سلیقے سے نبھائے گا۔"

جس خاندان کے مردوں نے دوسری شادی نہ کی ہو۔ بچوں کی خاطر تنہا زندگی گزاری ہو۔ وہ اس خاندان کی عورت اور بیٹی ہو کر یہ قدم اٹھانے والی تھی۔ [illegible] ہوئی تھی کہ اپنی مرضی اور رضا سے طلاق لینے والی تھی۔ روتے بچے تو ان کی فکر اس نے نہیں کی تھی۔ وہ صرف نام کی ماں بنی تھی ورنہ تو اس نے اپنے بیٹوں کو دودھ پلایا تھا نہ ہی ممتا کی محبت سے لبریز انہیں بانہوں میں بھر کے سینے سے لگایا تھا۔ اس نے بچوں کی کبھی نیپی تک تبدیل نہیں کی تھی۔ بچے جاگ رہے ہیں یا سوچکے ہیں' انہوں نے کھانا کھایا' کھانے میں ان کے لیے کیا پکا تھا' انہیں کس چیز کی ضرورت ہے' کون سے والا بیمار ہے۔ یہ

سب معلومات اسے ماجدہ اور ہی پہنچا دیتی تھی۔ یہ سب نکریں منصور نے پال رکھی تھیں۔ بچوں میں اس کی جان تھی۔ صبح آفس جانے سے پہلے وہ بچوں سے مل کر جاتا تھا۔ شام کے دو گھنٹے وہ بچوں کے ساتھ ضرور گزارتا۔

وہ منصور سے بچوں کو ساتھ رکھنے کی ضد کرتی بھی تو وہ تب بھی اسے بچوں کا بال بیکا نہ دیتا۔

وہ تو بے حس ہو چکی تھی مگر وہ جذبات سے خالی نہیں تھا۔ پھر اس نے بچوں کو ساتھ لے جانا بھی نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ منصور اس سے زیادہ اچھی طرح ان کی پرورش کرے گا۔

☼ ☼ ☼

کوریا سے ڈیلی گیشن آیا تھا۔ ایک بجے اس کی ضروری میٹنگ تھی۔ میٹنگ نپٹا کر اسے انہیں کاٹن مل کا وزٹ کروانا تھا۔ اس کے پاس اسکریپ میں کچھ مشینری تھی جس کا سودا طے پانا تھا۔ وہ سارا دن بہت مصروف گزرا تھا۔ پانچ بجے وہ تھکن زدہ فارغ ہوا تھا۔ وہ چھ ساڑھے چھ بجے تک گھر جاتا تھا۔ مگر آج وہ اس قدر تھکن کا شکار ہوا کہ اس نے سوچا اب سیدھا گھر چلے جانا چاہیے۔ آفس ٹائمنگ آف ہونے میں محض گھنٹہ ہی باقی تھا۔ پھر غیر ارادی طور پر ہی اس نے گاڑی آفس روڈ پہ ڈال دی۔ گھر میں اب اسے سکون نہیں ملتا تھا۔ اس سے بہتر آفس ہی تھا جہاں وہ مصروف تو رہتا تھا۔ گھر میں اسے مصروفیت ڈھونڈنی پڑتی تھی۔ وہ آفس میں داخل ہوتے ہی لگا تھا کہ اس کی سیکریٹری اپنے کمرے سے اسے دیکھ کر باہر آ گئی۔

"زی سر۔"

"جی۔" وہ رک کر اس کی طرف پلٹا۔

"آپ کے گھر سے کئی بار کال آ چکی ہے سر! آپ کی مسز ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔"

"کب؟ آپ نے مجھے انفارم کیوں نہیں کیا؟" اسے پریشانی نے گھیر لیا۔

"سوری سر! آپ کا سیل فون مسلسل انگیج جا رہا تھا۔ کال دو گھنٹے قبل آئی تھی۔" سیکریٹری نے وقت اور وجہ بتائی۔

"اوہ نو۔" وہ الٹے قدموں واپس مڑ گیا۔

اپنی مصروفیت کے مد نظر اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ عام حالات میں وہ ایسی بے احتیاطی بھی نہیں کرتا تھا۔ اس نے گاڑی کو فل اسپیڈ سے دوڑاتے ہوئے ڈاکٹر تبسم کو کال کی تھی ان کی پرسنل اسسٹنٹ نے بتایا کہ "وہ لیبر روم میں بزی ہیں۔"

ماہم کی تکلیف کا سوچ کر اس کے حواس معطل ہو رہے تھے۔

درد سے تڑپتے اس نے میری راہ دیکھی ہو گی؟ اسے ہسپتال کون لایا ہو گا؟ شاہم تو خود کم فہم اور ڈرپوک سی ہے' اسے کس نے سنبھالا ہو گا؟ متعدد سوالات میں گھرا وہ ہسپتال پہنچا تھا۔ ریسپشن سے اسے پتا چلا تھا کہ ماہم منصور کو ابھی تھوڑی دیر قبل روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ پرائیویٹ روم نمبر پوچھ کر وہ بھاگتا ہوا پہنچا۔

اماں جاجراں روم کے باہر بینچ پر بیٹھی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ شاہم میڈیسن لینے گئی ہوئی تھی۔

"اماں! کیسی ہے ماہی؟" اس کا یوں بھاگنے سے سانس پھول چکا تھا۔ اس نے بہت عرصہ بعد اسے اس نام سے پکارا تھا۔

"دو جم... ہاں رو گئے تھے منصور [illegible] ہے ابھی بے ہوش ہے۔" اماں جاجراں [illegible] کھڑی ہو گئی تھیں۔ اس نے [illegible] اور اندر چلا گیا۔ وہ جب تک [illegible] اسے چین نہیں آنا تھا۔

[illegible] کی دیوار کے ساتھ لگے بیڈ پر وہ بے سدھ پڑی تھی۔ چند گھنٹوں کی تکلیف نے اس پر گہرے اثرات چھوڑے تھے۔ رنگت میں زردی گھلی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے مدھم سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے۔ ہونٹ بالکل خشک ہو چکے تھے۔ وہ کافی دیر تک اس کے وجود پہ ساکت نظریں جمائے رہا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تیرنے لگی۔ اس کا اس بے وفا کے ساتھ ایک معاہدہ تھا جو اس وجود کے دنیا میں

آنے سے پورا کرنا تھا۔

"کانگریچولیشن سر!"

"آں... ہاں... تھ... تھینک یو۔" اس کا ارتکاز اس درمیانی عمر کی نرس نے توڑا۔

"آپ کی بیٹی بہت خوب صورت اور صحت مند ہے۔ دیکھیں گے انہیں؟"

"... ہاں۔" بے جان قدموں کو گھسیٹتا وہ [illegible] تک آیا۔

نرس نے بچی کے منہ سے کمبل ہٹا کر اسے اٹھا کر منصور کی طرف بڑھا دیا۔

ذرا سا مسکراتے اس نے [illegible] شفقت سے بیٹی کو بانہوں میں بھر [illegible] گلابی گلابی' گھنی گھنی پلکیں [illegible] ننھی ننھی مٹھیاں بے اختیار ہو کر وہ بوسہ [illegible] لگے۔ جھک گیا۔ آنکھوں میں رکی نمی [illegible] کی صورت اس کی آنکھوں سے بہہ کر لڑھک گئی۔

جب ماہم پہلی بار ماں بننے والی تھی تب بھی اس نے بے تحاشا دعائیں مانگی تھیں کہ رب اسے بیٹی دے۔ اس کی بیٹی کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ پر کن حالات میں؟ وہ بہت خوش ہونا چاہتا تھا مگر اس کے اندر تو ویرانی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر کچھ ہونے کا دھڑکا لگ گیا تھا۔ جامد خاموشی نے اس کے سارے وجود کو گھیراؤ کر لیا تھا۔

"سر! بے بی کا نام کیا رکھیں گے؟" نرس نے اس کی کیفیت کو پھر توڑا تھا۔

"اوں... ہوں... دعا... میری دعا۔" وہ اب اس کے گال چوم رہا تھا۔ رو رہا تھا ہنس رہا تھا۔

نرس اس عجیب شخص کو الجھن سے دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

گیارہ بجے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے حسب عادت موبائل چیک کیا۔ یکدم ہی اس کے سارے سوئے جاگے حواس بیدار ہو گئے۔ موبائل پہ نہ تو ارسل کا کوئی میسج تھا نہ ہی مس کال۔ ارسل چاہے ابھی سے آخری [illegible] رات کے تین بجے ہی کرتا۔ پھر بھی صبح [illegible] بعد وہ میسج اس کے منتظر ہوتے۔ اس [illegible] کی آواز یا اسے پڑھ کر ہوتی تھی۔ اس کی [illegible] تھی۔ بالوں کو کیچر میں جکڑ کر اس نے [illegible] سیل کو کال ملائی۔

"ہیلو ارسل! واٹ ہیپنڈ؟ آر یو اوکے؟" (کیا ہوا؟ کیا تم ٹھیک ہو؟) اس کے پانچویں بیل پر فون اٹھانے پہ وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔

"آئی ایم ال یار۔" (میں بیمار ہوں) اس کی آواز میں نقاہت تھی۔

"کل تک تو بھلے چنگے تھے۔" اسے اتنی جلدی بیمار ہونے پہ یقین نہ آیا۔

"بیماری سمن دے کر تھوڑی آتی ہے کہ تیاری کر لو میں پہنچ رہی ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"تیاری نہیں ڈاکٹر کر لو' اچھا لیو اٹ' آئی ایم کمنگ۔" اس نے فون رکھنا چاہا۔

"سنو! آ جاؤ مگر بریک فاسٹ کر کے' ناشتے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے خود صرف چائے پی ہے۔ رات بیکری سے کچھ لیا ہی نہیں تھا۔" اس نے اسے اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

"کیا میں تمہارے پلّے سے ناشتہ کرتی ہوں۔" شاہم کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"کھا کے مکر جانے والی' نہ صرف ناشتہ بلکہ ایک عرصہ سے لنچ بھی کر کر کے تم میری جیب ہلکی کراتی چلی آ رہی ہو۔ جھوٹی' جھوٹوں پہ خدا کی لعنت ہو۔" بخار میں بھی اس کی زبان پٹر پٹر چل رہی تھی۔

"کیا' کیا' میں جھوٹی؟ تمہارا کھانے والی گھر سے نکلی ہوئی ہوں نا جیسے۔ میری نیند کے دشمن! آئی ول کل یو۔" شاہم اس کے الزام پر غصے سے لال ہو گئی۔

"یہیں سے اندازہ کر لو تم بچ بن کر کلٹ کھانے کو دوڑ رہی ہو۔ ہے نا مشکوک حرکت۔" وہ اس کے تپنے سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"واٹ یو وانٹ؟ میں تمہاری تعزیت کے لیے آؤں یا نہیں؟" گریم لہجے میں وہ رودینی سے بولی۔

"کیا تعزیت؟ تعزیت ہو تمہاری، تمہارے ہوتے سوتوں کی، مجھ جیسے جاتے، بٹے کٹے کی تم تعزیت کروا رہی ہو۔"

"وسس… سوری، مزاج پرسی، شاید حال پرسی، جو بھی بیماروں کے لیے استعمال ہوتا ہے وہی، خدا حافظ۔" اپنی تصحیح کرتے اس کی سنے بغیر اس نے فون بند کردیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد ہی وہ اس کے پاس موجود تھی۔ وہ کمبل میں اچھی طرح چھپا ہوا۔ تھوڑا سا منہ باہر نکالے دیکھ رہا تھا۔

"واٹ از دس کٹے؟" اس کا کہا دہراتے اس نے کمبل کھینچا۔

"ناٹ اونلی کٹے، بٹے کٹے!" وہ مصنوعی دھاڑا۔

"بے عقل، بے وقوف، پہلے ہی ٹھنڈ لگی ہوئی ہے اوپر سے کمبل بھی اتار رہی ہو۔" اس نے کمبل واپس کھینچ کر مضبوطی سے دبوچ لیا۔

"گلا تو تم اتنا پھاڑ رہے ہو جیسے صور اسرافیل پھونکنے کا حکم نامہ ملا ہو۔"

"تو تم بھی دعا لینے والے کام کرو۔ پتا ہے بیمار کی دعا کتنی لگتی ہے۔" کمبل کو مزید سر پہ ڈالتے اس نے برجستگی سے معلومات دیں۔

"جی حاجی جی۔" مسخرے پن سے کہتی اس کے قریب کرسی کر کے بیٹھ گئی۔

"میں بیمار پڑا ہوں اور تم اتنی تسلی سے بیٹھ رہی ہو جاؤ کوئی ترکیب کرو کہ میرا بخار فوراً چھو ہو جائے۔" اس نے اس کے بیٹھتے دہائی دی۔

"کیوں میں حکیم لقمان کی شاگرد ہوں؟ بیمار ہی ہو کوئی بستر مرگ پہ تھوڑی ہو۔" اسے طیش دلانے کے لیے اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

"شاہی پلیز…"

"میرے پاس ایسی کوئی جڑی بوٹی نہیں جسے گھونٹ کر پینے سے تم شفایاب ہو جاؤ نہ ہی میں کسی پرائیویٹ ہسپتال کی نرس ہوں، تم کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کرو۔" اپنا انداز جوں کا توں برقرار رکھے اس نے مشورہ دیا۔

"تم کچھ نہیں کرو گی؟" اس نے اب کے ذرا تلخی سے پوچھا۔

"اچھو… ہاں کچھ تو میں کر سکتی ہوں، ابھی آتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے فٹ سے کھڑی ہو گئی۔

کچھ دیر میں وہ پانی سے بھرا پیالہ ہاتھ میں پکڑے پلٹی تھی۔

"میں تمہیں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرتی ہوں۔" پانی کا پیالہ آگے کر کے اس نے سیانے پن سے کہا۔

"واٹ؟" وہ نیم دراز چلا کر اٹھ بیٹھا۔ اسے شاہم سے اتنی بھی کم عقلی کی توقع نہیں تھی۔

"جب بیمار ہوں تو پٹیاں کرنے سے بخار کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔" وہ شروع سے یہی دیکھتی اور سنتی آ رہی تھی۔

"مائی گاڈ شاہی!" اس نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"میں سردیوں کا بیمار ہوں، گرمیوں کا نہیں [illegible] کچھ تو مجھے مردہ ہوکے بھی ہے پردے برابر [illegible] دروازے بند ہیں، بلینکٹ اوڑھا ہوا ہے ابھی بھی مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ ٹھنڈے [illegible] ڈبو کر نمونیہ کرواؤ گی؟ بہت شکریہ [illegible] سائنس سے [illegible] ہو جائے گا۔"

اس نے [illegible] پہ سر پیٹا۔

"اچھا [illegible] سوپ بنا دیتی ہوں، مجھے یہی آتا ہے۔" [illegible] مزید پیشکش کی۔

"ہاں چکن سوپ بنا لو۔" اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر اندر سے سہمتے ہوئے اجازت دی۔

"یا اللہ تو ہی ہے میرا رکھوالا، بچالے مجھے۔" شاہم کے جاتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنی خیریت مانگی۔

اس نے کبھی ہانڈی میں چمچ تک نہیں ہلایا تھا۔ صرف بدمزہ سی چائے اسے بنانا آتی تھی۔ اس کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی۔ گھر سنبھالنے کی اس کی عمر تھی۔ منصور نے اس سے کئی بار کہا تھا کہ کچن میں جایا کرو۔ مگر اسے ارسل سے فرصت ملتی تو کچھ کرتی۔

ارسل بستر سے اٹھ کر کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگانے لگا۔ وہ اس کے پیچھے کچن میں جا کر اسے تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہو [illegible] سے اپنا سارا کام انجام دے لیتی۔ فلور کشن کو سیدھا کر کے وہ کمبل لے کر وہیں آ بیٹھا۔ کمبل کو ٹانگوں پہ [illegible] سامنے [illegible] دھیان بٹانے کو کھنگال رہا تھا [illegible] آئی۔ چھوٹی سی ٹرے میں سوپ کا پیالہ اور [illegible] ہی رکھے۔

شاہم کی اس سلیقہ مندی پہ اس نے دل ہی دل میں اسے سراہا۔

"یہ لو [illegible] ہو گئی۔" اس کے پاس ہی فلور کشن پہ بیٹھتے اس نے پیالہ اسے تھمایا۔

شاہم کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس نے پہلی بار کچھ بنایا تھا اور وہ بھی اپنی محبت ارسل کے لیے اس کی خوشی دوگنی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے بھنویں اچکا کر اسے پینے کا اشارہ کیا۔ ارسل نے شرارت سے سمنے کی ایکٹنگ کی مگر شاہم کے منہ بنا کے آنکھیں نکالنے پر وہ مسکرا دیا۔ پہلا چمچ منہ میں ڈالتے ہی اس کا تالو، حلق اور سینہ زہر آلود ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اسے لال مرچوں کی دھونی دے دی گئی ہو۔ اس کی آنکھوں اور ناک میں نمکین پانی آ گیا۔ بہت ضبط سے اس نے زہر کو حلق سے اتارا۔

"تم نہیں لو گی؟ میں تمہارے سامنے بیٹھا اکیلا پیتا اچھا نہیں لگ رہا ہوں۔" ارسل نے اپنے تاثرات نارمل رکھے اور پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔

"میں اپنے لیے لائی ہوں۔" ارسل کا بڑھا ہوا ہاتھ روک کر وہ اٹھ گئی۔ اس نے چمچ بھرنے کے بجائے سیدھا پیالے کو منہ لگا لیا۔

وہ اپنے ہونے والے انجام سے بے خبر تھی۔

اگلے ہی لمحے اسے زبردست اچھو لگا تھا۔ سارا سوپ منہ سے نکل کر ارسل کی شرٹ پہ داغ چھوڑ گیا۔ ارسل نے اس کے ہاتھ سے پیالہ پکڑا۔ وہ پینے کو مسلسل کھانستی ہی جا رہی تھی۔ ارسل کے بھاگ کر پانی کا گلاس لانے تک وہ ادھ موئی ہو گئی۔

"اوہ ارسل تم بہت چیپ ہو۔" وہ اس کی شرارت جان گئی۔

"تم بھی تو سقراط والا ریکٹیکل کرنے لگی تھیں۔ زہر کا پیالہ تیار کر کے لے آئیں۔" اپنی شرٹ کو جھاڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"حقیقتاً" اسے شاہم کی حالت پر افسوس ہوا تھا۔ اس کا ارادہ شاہم کو اتنا تنگ کرنے کا نہیں تھا۔

"سوری ارسل! تمہاری شرٹ بھی خراب ہو گئی۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ قصور بھی تو اس کا تھا۔

"تمہاری شرٹ پہ داغ لگ گیا ہے، اتارو میں دھو دیتی ہوں۔" دو دفعہ ناکام ہو کے اس نے تیسری کوشش کرنی چاہی۔

"پہلے نرس، پھر باورچن اب دھوبن، خدا کے واسطے رحم کھاؤ مجھ پہ۔ میں آل ریڈی بہت نڈھال ہوں۔"

شاہم کی اس نئی آفر پہ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ لیے۔

"ارسل…" شاہم اب رونے کی تیاری پکڑنے لگی۔

"ناٹ فیئر یار! تم نے اپنے پھوہڑپن کے سارے ایکسپیریمنٹ مجھ غریب پہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

"نہیں۔" اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔ ارسل نے اپنی پینٹ کی جیبیں ٹشو پیپر کی تلاش میں ٹٹولیں۔

"نہ… نہ رونا بالکل نہیں، میرے پاس ٹشو پیپر نہیں ہے، ویسے بھی داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔" وہ کمرشل کی نقل کرتا بچہ ہی لگ رہا تھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

"خوش رہا کرو گڈ گرل! تمہارا رونا مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔"

"ارسل! مجھے ایک دھڑکا سا لگ گیا ہے، کچھ ہو جانے کا، کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہو جائے گا۔" ارسل کے برابر سے اٹھ کر سامنے بیٹھتی وہ پوری سنجیدگی سے

اپنا ذہن بٹانے لگی۔

"تمہیں ایسا لگتا ہے۔" اس کی آواز کافی دھیمی ہو گئی تھی۔

"ہاں۔"

دعا جب سے ہوئی تھی۔ وہ زیادہ وقت اس گڑیا کے ساتھ کھیلنے میں گزارتی۔ تب ہی اسے ماہم اور منصور کے درمیان عجیب سی لاتعلقی کا احساس ہوا تھا اور کچھ ایسا ہی وہ ہم ارسل کے لاشعور میں بھی تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے گم صم ارسل کا بازو ہلایا۔

"ہوں... نہیں تو۔" وہ اسے اپنی کیفیت سے آگاہ نہ کر سکا۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آؤں۔" وہ اس کی توجہ ہٹانے کو پوچھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

منصور نے بچی کی پیدائش پہ جشن کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ بیٹوں کی پیدائش پر اس نے دونوں بیٹوں اور ماہم کا صدقہ دیا تھا۔ بیٹوں کے عقیقے کیے تھے۔ فقیروں کو خیرات دی تھی، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا، ضرورت مندوں کو کپڑے اور پیسے دیے گئے تھے۔ ان کے گھر مہینہ بھر رونق لگی رہی تھی۔ اب حالات یکسر ہی بدل گئے تھے۔

دعا دو ماہ کی ہو گئی تھی۔ ابھی اس کا عقیقہ بھی نہیں ہوا تھا۔ صدقہ خیرات تو اس نے باہر ہی کسی کو دے دیا تھا۔ ملازمین میں بھی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ انہیں منصور کا اتنا سرد رویہ الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ منصور نے ماہم کا خاص رکھا تھا۔ وہ اسے ٹائم پہ دوا دیتا۔ بچی کے لیے گورنس اور اس کے لیے کل وقتی ملازمہ کا انتظام بھی تھا۔

وہ شام کو اس کے پاس بیٹھتا۔ اس کا حال احوال دریافت کرتا۔ ماہم کا صرف ہوں، ہاں [illegible] اسے بہت دکھی کرتا تھا۔ ابھی بھی [illegible] وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے [illegible] کچھ

کہنے کی کوشش میں خاموش ادھر ادھر بغلیں جھانکنے یا کسی غیر ضروری سرگرمی میں مشغول ہو جاتے۔

ماہم اس سے طلاق کا موضوع زیر بحث لانا چاہتی تھی۔ کاشا کا اس پہ زور بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے دوبارہ خلع کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ یعنی اسے منصور کی زبان پہ بھروسا تھا۔ اب اسے اپنا کہا نبھانا تھا۔ بچی پیدا ہوئے بھی دو ماہ ہو گئے تھے۔

منصور ماہم کی بڑھتی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی زبان کا پکا تھا۔ اپنا کہا بھی بھولا نہیں تھا۔ محبت کرنے والے ہمیشہ خوش فہمی کے سمندر میں ڈبکیاں لگاتے ہیں۔ اسے بھی اس سمندر میں ڈوبتے کسی تنکے کے سہارے کا انتظار تھا۔ جو سب تو نہیں تھوڑا بہت ہی بدل دے۔ اگر وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے اسے بدل دیتی، اس کے لیے اس کی محبت کی خاطر نہیں۔ اس کی محبت کی وقعت ہی کیا تھی۔ بیٹوں کے لیے نہیں، بچی کی خاطر ہی رک جاتی ہے تو کیا وہ اسے پھر سے چاہ سکے گا۔ ان کے رشتے میں جو بال آچکا ہے، وہ نکال سکے گا؟

بال رشتے میں تھا۔ ماہم کے اجتناب کرنے کے باوجود بھی اس کی محبت میں کسی قسم کی [illegible] نہیں آئی تھی۔ اسے اب بھی سو فیصد [illegible] ماہم رک جائے تو وہ بہت جلد اس [illegible] کے دل صاف کر لے گا۔ اس کی [illegible] اس کی محبت میں اتنی [illegible] کہ وہ اسے شک یا بد نظری کی [illegible] سکتا تھا۔ دوسری طرف ماہم [illegible] الجھن کو سمجھا نہیں سکتی تھی۔ [illegible] دشوار تھا۔ منصور کی اوڑھی [illegible]

[illegible] گلبرگ والا گھر۔ اگر واپس لینا چاہو تو لے سکتے ہو۔" اس نے نقطہ ڈھونڈ کر آغاز کر دیا۔ حالانکہ کاشا اسے کہہ چکا تھا کہ اس کے پاس کوئی رہائش نہیں ہے۔ اس سے شادی کی صورت میں اسے اپنے موجودہ گھر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس نے امید دلائی تھی کہ وہ اسی گلبرگ والے گھر میں

شفٹ ہو جائیں گے۔ جو شادی کے چند دن بعد منصور نے اس کے نام کیا تھا۔ یہ اس کی محبت کا نذرانہ تھا۔ وہ صرف اسے جتانے کے لیے یہ ذکر چھیڑ رہی تھی۔

منصور نے سانس روک کر اسے سنا۔ جن لمحوں سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا، [illegible] قریب آگئے تھے۔

"اس طرح اور بھی بہت کچھ تمہاری طرف [illegible] ہے، لینے پہ آجاؤں تو کیا کیا لوں [illegible]؟" ماہم خاموش رہی تھی۔

"کچھ بھی [illegible] مزید جو کچھ چاہیے [illegible] لے جاؤ [illegible]"

ماہم کی [illegible] خاموشی کا گریہ بھر رہا تھا۔ [illegible] خوش فہمی تھی کہ وہ کہے گی۔ "مجھے [illegible] نہیں تو پھر بچی ضرور دے دو، میری [illegible] منصور بچی ہے، میں ماں ہوں اس کی، جنم دیا ہے میں نے، کیسے اس کے بغیر رہوں گی؟ بچی کی دیکھ بھال صرف ماں ہی کر سکتی ہے۔" وہ اسی طرح کے کچھ جذباتی جملے بچوں کے حوالے سے سننے کا منتظر تھا۔

اور ماہم کے نزدیک اس گھر میں جتنی غیر ضروری اور فضول چیزیں تھیں ان میں بچے سر فہرست تھے۔ منصور کی محبت و قرابت کو مد نظر رکھتے بچے اسے سونپ کر وہ بہت بے فکر تھی۔

"بے بہا دولت، عیش و عشرت، گاڑی، بنگلہ، بیلنس تو کر جا کر جسمانی سکون تو دے سکتے ہیں۔ دلی، ذہنی اور روحانی سکون نہیں۔"

ماہم اسے کن انکھیوں سے دیکھتی سن رہی تھی۔ وہ لاکھ اس سے بے زار اور بدگمان سہی اتنا تو اسے جانتی تھی کہ وہ یہ سب اسے سنانے یا طنز کرنے کو نہیں کہہ رہا ہے۔

"صرف محبت، محبت سکون دیتی ہے۔ اندر تک شانت کرتی ہے۔ تم کیا کہو گی؟" منصور نے ہاتھوں کو تکتی ماہم سے پوچھا۔ اس نے اس کا نام پکارنا چھوڑ دیا تھا۔

"میں [illegible] یک طرفہ محبت کی قائل نہیں ہوں [illegible] تمہاری سیٹ ڈالا [illegible] یک طرفہ محبت تو فساد کی جڑ تھی۔ منصور کی محبت یک [illegible]

[illegible] لازم نہیں کہ ہر میاں بیوی میں محبت بھی ہو، کئی ایسے کپلز بھی ہوں گے جو صرف کمپرومائز کی بنیاد پر ساری زندگی ساتھ نباہ دیتے ہیں۔ اس رشتے میں محبت شرط تو نہیں۔ بہت سے لڑکے لڑکیاں صرف ماں باپ کی رضامندی پہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر ہامی بھر لیتے ہیں۔ محبت نہ بھی ہو تو رشتے برقرار رہتے ہیں۔"

ماہم کو منصور کی اس ساری گفتگو سے چڑ ہونے لگی۔ وہ اسے کیا بتانا چاہ رہا تھا کہ محبت کی کوئی اہمیت نہیں۔ تم خود پر جبر کرو، سمجھوتہ کرو، قربانی دو، اس رشتے کو اولاد کے لیے ساری زندگی میرے ساتھ اس جہنم میں گزار دو۔

"آئی تھنک، ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں، ہمارے درمیان سب طے ہو چکا ہے۔" اس نے کھوئے ہوئے منصور کو یاد دلایا۔

"تمہیں جانے کی جلدی ہے؟" اس نے اصل سرا پکڑا۔

ماہم کے موبائل کی بپ ہونے لگی۔ اسکرین پہ کاشف کالنگ چمک رہا تھا۔ وہ موبائل تھامے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کاشف کی کال ہے۔ میں آل ریڈی بہت لیٹ ہو چکی ہوں، آئی ہوپ اب مزید نہیں کرو گے۔ آئی ہیو ٹو گو ناؤ۔"

سپاٹ لہجے میں اپنا آخری فیصلہ سناتی وہ منصور کو بالکل خالی ہاتھ، خالی دل چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

بہت دیر وہ یونہی گم صم بیٹھا رہا۔ اسے اپنی سماعتوں اور ماہم کی دلیری بہت بے یقین لگ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ آسمان پہ منتشر بادلوں سے خوف زدہ سہما ہوا اور پھر ان ہی بادلوں کی اوٹ میں

پچھتا گھٹتا چلا جائے بالکل اپنے جیسا لگا۔

"شاید بارش ہو جائے۔" آسمان کو تکتے وہ اندازا بڑبڑایا۔

کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر آکر دراز ہو گیا۔ آنکھوں پہ بازو رکھے وہ سونے کی ناکام سعی کرتا خود کو یہ باور کروا رہا تھا "یہ سب ہونا ہی تھا۔" اس سے آگے کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟ وہ اپنے وکیل سے ملے گا اسے کیسے ساری بات بتائے گا؟ ماہم چلی جائے گی۔ بچوں کا کیا بنے گا؟ میں کیسے جی پاؤں گا؟

بہت سے سوالات اسے بے چین کرنے کو ہمک رہے تھے جبکہ وہ سب کچھ جھٹلا کر نیند کی آغوش چاہتا تھا۔ نیند اسے بھلا کیسے آسکتی تھی؟ اس کے دماغ پہ چند سال قبل ماہم سے کی گئی ملاقات کی یاد دستک دینے لگی۔

☆ ☆ ☆

اس کا باپ حطیب رضا ایک لائق اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ اسکالرشپ کے بل بوتے پر انگلینڈ آیا تھا۔ جہاں جاب کے ساتھ تعلیم مکمل کر کے وہ لندن چلا گیا۔ وہیں اس نے ایک مسلم گھرانے کی لڑکی سے پسند کی شادی کر لی۔ شادی کے دو سال بعد اللہ نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا جس کا نام انہوں نے منصور رکھا۔ منصور کی پیدائش کے بعد سے اس کی ماں بہت بیمار رہنے لگی تھی۔ اس کے باپ نے بہت علاج کروایا مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ منصور پانچ سال کا تھا کہ اس کی ماں چل بسی۔

حطیب رضا نے بیوی کے بعد خود کو ہر طرح سے منصور میں مصروف کر لیا۔ وہ بیٹے کو اپنے نقش قدم پہ چلاتے ایک بہترین اسٹوڈنٹ اور اچھا انسان دیکھنا چاہتے تھے۔ منصور کی تربیت کے لیے انہوں نے [illegible] بنگالی ادھیڑ عمر عورت کا انتظام کر لیا تھا۔ [illegible] تھی۔ بیٹے کی بہترین تعلیم و تربیت [illegible] پاکستان شفٹ نہ ہونے دیا۔

دو تین سال کے وقفے سے [illegible] منصور کے ساتھ اپنے بھائی ذوہیب رضا سے ضرور ملنے آتے۔ ذوہیب حطیب سے بڑے تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج میں اپنے پیشے سے مخلص پروفیسر تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم کے لیے دن رات محنت کی تھی۔ اسے اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا۔ حطیب رضا کو اسکالرشپ ملا تو انہیں لگا کہ ان کی اتنے سالوں کی اپنے بھائی کے لیے کی گئی تگ و دو اکارت نہیں گئی۔

حطیب کی وہاں پر شادی، پھر بیوی کی وفات۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ پاکستان شفٹ ہو جائے مگر وہ نہ مانے۔ اب کہیں جا کر تو وہ مکمل طور پر اسٹیبلش ہوئے تھے۔ واپسی کا سفر نا ممکن تھا۔ البتہ وہ اپنے بھائی کی محبت اور احسانات کو کبھی نہ بھولے۔ ذوہیب رضا کے احسانات اتارنے کے لیے انہیں بھائی کی تنگ گلیوں سے اٹھا کر ڈیفنس میں لا بٹھایا۔ جب اللہ نے انہیں بارہ سال بعد بیٹی کی رحمت سے نوازا تب تک منصور چار سال کا ہو چکا تھا۔

منصور آخری دفعہ سترہ سال کی عمر میں پاکستان آیا تھا۔ جب ماہم کی والدہ کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ ماہم تب دو [illegible] شاہم آٹھ برس کی تھی۔ ماہم کو اپنی ماما کے [illegible] رو تا دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ وہ سوچتا [illegible] روسکتی ہیں۔

پھر وہ اپنی تعلیم میں [illegible] ہوا کہ دوبارہ پاکستان نہ آسکا۔ [illegible] اس نے اپنے پاپا کا [illegible] سنبھال لیا [illegible] کا خواہش مند تھا مگر باپ کی ناسازگار [illegible] کرنے نہ دیا۔ حطیب رضا آخری [illegible] اپنے بڑے بھائی کی مرضی اور اپنے وطن [illegible] گزار کے وہیں دفن ہونا چاہتے تھے لیکن منصور اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ ان کے علاج میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا واحد رشتہ باپ تھا۔

ان ہی دنوں منصور کو پاکستان سے اپنے تایا ابو کے مرنے کی خبر ملی۔ ماہم کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ حطیب رضا کو آج تک اپنے بھائی کی قربانیاں یاد تھیں۔ بھائی کی وفات نے ان کے بوڑھے اعصاب پر برا اثر چھوڑا تھا۔ انہیں سانس لینے میں کافی دشواری ہونے لگی۔ اسی بات کا منصور کو ڈر تھا۔ وہ چار دن ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہے۔

گھر شفٹ ہونے پہ انہوں نے رٹ لگائی تھی کہ انہیں بھتیجیوں کے پاس جانا ہے۔ ڈاکٹر نے ان کی طبیعت کی ناسازی کے باعث سفر کرنے سے منع کر دیا۔ منصور باپ کی اس ضد سے بہت [illegible] بالآخر انہوں نے بہت بحث و مباحثے کے بعد یہ طے کیا کہ منصور پاکستان چلا جائے۔ وہ بابا کے سامنے مجبور تھا۔ انہوں نے بیٹے [illegible] اس نے ایک ماہ رہنے کا سنا تو حیران [illegible] حطیب رضا نے اسے سختی سے تاکید کی۔

"[illegible] انہیں تسلی دلاسا دینا اور کوئی [illegible] محفوظ بندوبست بھی کرنا۔ جیسے ہی ڈاکٹرز [illegible] دیں گے میں بھی مستقل پاکستان شفٹ ہو جاؤں گا۔"

آخری رات جب صبح اس کی فلائٹ تھی۔ وہ ان سے آدھی رات تک باتیں کرتا رہا۔ صحت کے متعلق چھوٹی چھوٹی نصیحتیں کرتا رہا۔ دوائیں کھلانے کے بعد ان پر کمبل درست کر کے جانے والا تھا کہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے پاس بٹھا لیا۔ جو بات انہوں نے کہی وہ اس کے قطعاً "وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"دو سال قبل میں پاکستان گیا تو ذوہیب بھائی کی ماہم بڑی ہو گئی تھی۔ بہت خوب صورت اور اچھی بچی ہے۔ میں اسے تمہارے لیے اپنی بیٹی بنانے کا سوچ رہا ہوں۔ تم بھی اس کے متعلق سوچنا کوئی زور زبردستی نہیں۔ تمہاری خوشی مجھے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔"

وہ خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ گیا۔ اگر پاپا کو اس کی خوشی ہر چیز سے بڑھ کر تھی تو وہ بھی ان کو مایوس نہیں کر سکتا تھا۔

اپنی ماما کے لیے روتی تیرہ سال کی کمسن سی بچی۔ "کیا وہ اپنے پاپا کے لیے بھی اسی طرح روتی ہو گی؟"

بے اختیار اس نے سوچا۔ لاہور ایئرپورٹ پر اسے کون لینے آتا۔ اسے تقریباً راستے یاد نہ تھے اور مکمل ایڈریس [illegible] سوسائٹی میں گھر ڈھونڈتا کون [illegible] ٹیکسی سے وہ کیب سے با آسانی مطلوبہ منزل پہ [illegible]

اس نے بیل پہ انگلی رکھی۔ بیل شاید خراب تھی۔ اس نے چھوٹے گیٹ پر دستک دینی چاہی تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ تھوڑا سا حیران ہوتا اندر داخل ہو گیا۔ جوان لڑکیوں کا اکیلے ہونا اور گیٹ کا کھلا ملنا اسے یہ لاپروائی اچھی نہیں لگی تھی۔ پاکستان کے حالات وہ اکثر نیوز پیپر اور مختلف چینل پہ دیکھتا رہتا تھا۔

وسیع و عریض لان کو سنگ مرمر کی روش دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی۔ دائیں طرف پورچ تھا تو بائیں طرف داخلی حصہ شروع ہوتا تھا۔ یہ گھر اس کے باپ کا تھا ان ہی کے نام تھا مگر اس کے تایا ابو کئی برسوں سے یہیں رہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ لاہور میں ان کی اور بھی بہت سی جائیداد اور گھر تھے۔ جن کی رکھوالی ذوہیب رضا ہی کرتے تھے۔

داخلی دروازے کے باہر گول خوب صورت سا برآمدہ تھا جس کے چاروں طرف گملے رکھے تھے۔ برآمدے کے پہلو سے بوگن ویلیا کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ برآمدے کی بیرونی چار پانچ سیڑھیوں پر پہلو سے ٹیک لگائے وہ بڑی سوگوار سی حالت میں بیٹھی تھی۔

آنکھیں رگڑنے سے سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ ناک پونچھ پونچھ کر سرخ ہو چکی تھی۔ گالوں کا رنگ بھی آنکھوں اور ناک کے ہم رنگ ہو رہا تھا۔ کندھے سے تھوڑا نیچے بالوں کو کئی دن سے برش کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ چٹیا میں گنتی کے صرف تین چار بال ہی جکڑے تھے۔ باقی کے بال دو اطراف سے بکھرے اور الجھے تھے۔ اس کے کپڑے بھی شکن زدہ تھے۔ وہ اپنی جگہ پر جما اس ماہم کنعان بت کو مخاطب کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں گومگو تھا کہ اندر سے ایک سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی اپنے دھیان

میں باہر آگئی۔

"اٹھیں ناں آپی! اب تک یونہی بیٹھی رہیں گی؟ آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں آپ کے بغیر نہیں کھاؤں گی۔"

وہ بچوں کی طرح منہ بسورتے اسے بازو سے پکڑ کر ہلا رہی تھی۔ اس کے ساکت وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ رونے لگی تھی۔

تب ہی اس نے ان بے خبروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی زور سے کھنکارا۔ وہ چھوٹی والی فوراً" نظریں گھما کر حیرانی اور بے یقینی سے اس نووارد کو دیکھنے لگی تھی۔

"ماہم آپی! دیکھیں کون آیا ہے؟" اس نے بمشکل گردن موڑ کر دیکھا۔

جبکہ وہ چھوٹی کے منہ سے نکلے نام ماہم پر ہی اٹک گیا تھا۔

"آپ ___؟" اس نے استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔

وہ یکدم بول پڑا۔

"میرا نام منصور ہے۔ میں خطیب رضا کا بیٹا ہوں۔ لندن سے آیا ہوں۔"

ماہم کے چہرے پر بے انتہا شرمندگی در آئی۔ اس کے ساتھ کھڑی جو یقیناً" شاہم تھی۔ ان کی معذرت پہ ان کے ساتھ اندر جاتے ہوئے اسے ماہم کے متعلق پاپا کے کہے الفاظ یاد آئے تھے۔

"ماہم بہت خوب صورت اور اچھی بچی ہے۔"

خوب صورتی پہ اس نے دل ہی دل اسے سراہا تھا۔

ایک ماہ کیسے گزرا پتہ ہی نہیں چلا۔ شروع شروع میں ماہم اس سے کافی ___ جھجکتی تھی۔ البتہ شاہم سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا کہ اپنی اور شاہم کی ہر ایکٹوٹی میں اسے بھی شامل کرے۔ خود وہ اکلوتا بچپن [illegible] تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے اکیلا [illegible] اس کے اندر تھا جو آہستہ آہستہ اس [illegible] کا حصہ بنتا چلا گیا۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں بھی اس نے کبھی کسی ایکٹوٹی میں حصہ نہ لیا تھا۔ پاپا نے اسے ایک بار ٹینس کورٹ کی ممبر شپ دلوائی تھی۔ جو اس نے چند دن بعد ہی چھوڑ دی۔ وہ اپنی پڑھائی اور پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لیے بہت کانشس تھا۔ غیر نصابی سرگرمیاں اسے فضول لگتی تھیں۔

اب وہ شاہم کی خوشی کے ساتھ ساتھ ماہم کو بھی بہلانے کے چکروں میں رہتا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان اور مسکراہٹ دیکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار رہتا تھا۔ اس نے آخری رات پاپا کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کے سوچا تھا "ماہم مجھے پسند نہ بھی آتی تب بھی میں پاپا کی خوشی کی خاطر اس سے شادی کر لوں گا۔"

پاپا کی اپنے بھائی اور ان کی بیٹیوں سے وابستگی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ جوں جوں دن اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس کا دل ماہم کی محبت میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا۔ مگر اس کے سامنے وہ خاص احتیاط برتتا۔ غیر محسوس طور پر وہ ماہم کے بہت قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے جذبات و احساسات پر بہت اختیار تھا مگر ماہم کے سامنے وہ بے اختیار سا ہو جاتا۔ اس کی [illegible] کیفیت اس کے لیے بڑی کیف آگیں تھی۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ ماہم [illegible] نہیں کوئی اور بھی چیز اسے [illegible] یونہی بیٹھے بیٹھے وہ [illegible] ہیں [illegible] ذرا سی آہٹ پر چونک کر مڑتی [illegible] لگا تو نظریں جھکا کر [illegible] بھی جاتی۔ وہ تینوں لان میں بیٹھے ہوتے [illegible] دوران اس کی نگاہیں بلا ارادہ ہی گیٹ کی طرف بار بار اٹھتیں جیسے وہ کسی کی منتظر ہو کسی کے آنا ہو۔ اس نے چند بار فون کی بجتی بیل پر ریسیور اٹھاتی شاہم کو بھی ٹوکا تھا۔ بہت بے تابی دوسری طرف کے تعارفی جملوں کے بعد مایوسی میں بدل جاتی۔

منصور اس کی پل پل بدلتی حرکات پر پریشانی کے پہلو جو اسے ہر خوشی سے بڑھ کر چاہنے لگا تھا۔ ایک ماہ ہونے والا تھا اور اسے لگ رہا تھا محض ایک گھنٹہ گزرا ہے۔ پاپا سے اس کی روزانہ فون پر بات چیت ہوتی



تھی۔ انہوں نے اس سے ماہم کی رائے نہیں پوچھی تھی۔ وہ اس کے چہکتے لہجے اور مسکرا کر شاہم اور ماہم کی گردن کرنے سے جان گئے تھے کہ وہ ان کے فیصلے سے متفق ہو چکا ہے۔

پاپا کی ہدایت پر اس نے ان کی ایک دور پرے کی رشتے دار اماں حاجراں، اس کے شادی شدہ بیٹے اور بہو ماجدہ کو ان کی نگرانی کے لیے وہیں رکھوا دیا تھا۔ وہ ان کی رکھوالی کا قابل اعتبار بندوبست تو کر گیا تھا مگر ملک کے حالات کا اتنے قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد کسی پر بھی اعتبار کرنا مشکل تھا۔ شاہم سے اسے انسیت بھی تھی وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ ماہم کو وہ ایک پل کے لیے بھی خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے واپس جا کر پاپا کو ماہم کی رضامندی کے ساتھ مستقل پاکستان شفٹ ہونے کی بھی نوید دی تھی۔ ان کی طبیعت بھی قدرے بہتر تھی، پاکستان جانے کا سن کر وہ اور خوش رہنے لگے تھے۔ جلدی جلدی کرتے بھی تمام کاروبار وائنڈ اپ کرنے، انگلینڈ اور لندن کے اپارٹمنٹس بیچنے میں تقریباً ایک ماہ لگ گیا تھا۔ اس نے ایک اپارٹمنٹ رکھ لیا۔ جو بھی تھا وہ اسی سرزمین پر پیدا ہوا تھا۔ اسے ہمیشہ کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کبھی کبھار واپسی کی راہیں کھلی چھوڑ کر جا رہا تھا۔

طیب رضا کے واپس آجانے سے ماہم اور شاہم کو بہت ڈھارس ملی تھی۔ شاہم ان کی لاڈلی تھی۔ ماہم ان کا خاص طور پر خیال رکھنے لگی۔ وہ ان کا ہر کام اپنی ذمہ داری میں کرتی۔ تب ہی ایک دن انہوں نے ماہم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس سے منصور کے بارے میں رائے چاہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سر نہ اٹھا سکی۔ اس نے سوچنے کی مہلت مانگ لی۔ اس کے سامنے طویل سفر تھا۔ چھوٹی معصوم بہن، ماں باپ کا سایہ سر پہ تھا نہیں۔ جس چھت تلے وہ بچپن سے کھیل کر جوان ہوئی تھی اس کے اصل [illegible] لوٹ آئے تھے۔

اس نے بہت غور سے تمام حالات کا تجزیہ کیا تھا۔ بظاہر منصور میں کوئی برائی نہیں تھی۔ وہ ویل ایجوکیٹڈ

اچھا انسان، رشتوں کا احترام اور اپنے باپ سے بے تحاشا محبت کرنے والا ان کا خدمت گزار بیٹا تھا۔ جب ماہم ہر زاویے سے رشتے پر غور کر رہی تھی، منصور پاکستان میں بزنس کے داؤ پیچ سے الجھ رہا تھا اور شاہم ایگزام کے بعد چھٹیوں کو انجوائے کرنے کے لیے مختلف پروگرام ترتیب دے رہی تھی۔

طیب رضا کی حالت بہت بگڑ گئی۔ منصور کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ماہم نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ طیب رضا ایمرجنسی وارڈ میں تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہاسپٹل میں تھی۔ بہت دعائیں مانگی گئیں۔ صدقے خیرات ہوئے تب وہ چار روز بعد آکسیجن کے بغیر سانس لینے کے قابل ہوئے تو انہوں نے پہلا سوال ماہم سے منصور کے حوالے سے کیا۔

اس نے آنکھوں کی نمی پیتے ہوئے اقرار میں سر ہلا دیا۔ چند دن میں وہ گھر شفٹ ہو گئے اور اگلے ہی دن ان کے بے حد اصرار پر ماہم اور منصور کا سادگی سے نکاح پڑھوا دیا گیا۔ خوب صورت سی دلہن بنی ماہم اور منصور کو انہوں نے نئی زندگی کی شروعات پہ ڈھیروں دعائیں دیں۔ منصور کو اپنے پاس بلا کر انہوں نے صرف ایک نصیحت کی تھی، جسے وہ اب تک کسی مقدس [illegible] کی طرح سنبھالتا اور عمل کرتا آرہا تھا [illegible] اس کے باپ کی آخری نصیحت تھی۔ ایک [illegible] ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

"عورت مرد کے مقابلے میں تھوڑی کم عقل ہوتی ہے۔ مزاجی [illegible] ہے تو گھر خوش اسلوبی سے چلا [illegible] سکتا ہے۔ یہ بھی تمہاری ہمراہی میں [illegible] کرے جو تمہارے لیے ناقابل برداشت ہو [illegible] درگزر کرنا اور معاف کر دینا۔ اس کے باپ [illegible] میرے بھائی کے مجھ پہ بہت سے احسانات ہیں، میں جو کچھ بھی تھا اور میرے توسط سے جو کچھ تم ہو اس سب کی بنیاد بھائی صاحب نے رکھی تھی۔ یہ باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اور اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آنے دینا۔"

☆ ☆ ☆

ماضی میں ڈوب کر وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ رات کا آخری پہر تھا جب شور سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے سوندی ہوئی آنکھوں سے اپنے حواس بحال کرتے ادھر ادھر دیکھا۔ بیڈ کی دوسری طرف ماہم نہیں تھی۔ کھلی کھڑکی سے تیز بارش کی بوچھاڑ اندر تک رہی تھی۔ وہ تیزی سے کھڑکی بند کرنے اٹھا۔ اسی [illegible] کڑکتی بجلی کی روشنی نے کمرے کو بھی [illegible] دیا۔ کھڑکی بند کرنے کی کوشش میں اس کی [illegible] نیچے پورچ کی آخری سیڑھی [illegible] میں سر دیے بیٹھی ماہم پر پڑی [illegible] چمک اور بارش سے کتنا ڈرتی [illegible] خوف سے لرزتا وجود اسے اتنی دور سے پورچ کی مدھم روشنی میں بھی نظر آرہا تھا۔

[illegible] دوڑتے چپل پیروں میں اڑس کے وہ [illegible] تھا۔ اسے یاد تھا تو صرف یہ کہ "ماہم بارش سے بہت ڈرتی ہے۔"

"ماہی!" اس نے کندھے پہ ہاتھ دھرا۔ بارش اسے بھی بھگونے لگی تھی۔ ماہم روتی ہوئی اٹھی تھی۔ اس کا سارا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ سرخ آنکھیں اور بھاری پپوٹے، وہ کب سے یہاں بیٹھی رو رہی تھی۔

منصور کو اس کے آنسوؤں نے بہت ہی بے اختیار کر دیا تھا۔ اس کی سرخ آنکھوں نے اس کا سینہ چیر دیا تھا۔ اس نے بھی اسے نہیں رلایا تھا۔

اس نے سراپا اس بھیگے وجود کو بے اختیاری سے بھینچ لیا۔ ماہم کو سینے سے لگائے پرانے گھر کا منظر جس میں ولو سے ٹیک لگائے اس نے روتی لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہیں پہ اس پر دل ہارا تھا اور شاید اس نے وہیں لاشعوری طور پر خود سے عہد کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دے گا۔ اس نے خود سے اور اپنے مرحوم باپ سے کیا عہد پانچ برس نبھایا تھا اور اب بھی وہ نبھانے والا تھا۔ وہ اس کی وجہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا۔ چاہے وجہ وہ خود ہی کیوں نہ ہو؟

"ما۔۔۔ ما۔۔۔ ماہم میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

ماہم کا ہلکا کپکپاتا وجود منصور کے بازوؤں میں تھم گیا۔

[illegible] تمہیں۔۔۔ طلاق دیتا ہوں۔"

[illegible] تھرتھراتے ہونٹ جم گئے۔

"[illegible] میں۔۔۔ میں منصور رضا تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

آخری بار کہتے ہی اس نے اپنے رندھے گلے پر ضبط کر کے اسے خود سے الگ کر دیا۔

ماہم کی آنکھوں کے آنسو بھی تھم گئے تھے۔ رونے کی وجہ ختم ہو گئی تھی۔

منصور اسے بارش میں بھیگتا چھوڑ کر صرف پورچ سے ہی نہیں اس کی زندگی سے بھی جا چکا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ثمینہ عظمت علی



ہم تھے کہ حیرت سے انہیں تکتے جاتے تھے اُدھر اُدھر چکر لگاتے، تھنے پھلاتے، پھسلتی ہوئی عینک کو بار بار اوپر کرتے، پھر فون پر جھک جاتے اسکرین کو غور سے دیکھتے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگتے۔ اس سے پہلے جب آفس سے آئی تو منہ پھولا ہوا تھا۔

"فون کر کر کے تھک گیا تم فون اٹھاتی ہی نہیں ہے۔"

"کہاں؟ کب؟ کس وقت کیا تھا؟" ہم نے حیرانی سے کہا تو ہمیں گھورنے لگے۔

"بارہ ایک کے درمیان!"

"تو نہیں سنا ہوگا اس وقت تو میں کچن میں ہوتی ہوں ایک تو آپ نے کچن بھی علاقہ غیر میں بنوایا ہوا ہے' رکشہ کر کے جانا پڑتا ہے۔" ہم نے ان کی غیر معمولی سنجیدگی دیکھ کر صورت حال میں حتی المقدور مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جوابًا وہ ہمیں چشمہ اتار کر افتخار احمد از جوابدہ کی طرح گھورنے لگے۔

"کیا ہے بھئی ہم نے تو یوں ہی ازراہ تفنن کہہ دیا۔" ان کی گھوریاں اب ناقابل برداشت تھیں۔

"کیا؟" ازراہ... انہوں نے حیرت سے کہا۔

"نہیں آتی تو ازو ہاں تک 'بتایا تو ہے۔" ابھی ایک قصہ ہی نہ نمٹا تھا' اردو کی کلاس کہاں سے شروع ہوتی۔

"تو فون کچن میں ہی رکھ لیا کرو' وائرلیس [illegible] تو ہے۔"

"لیجئے اب فون لے ادھر ادھر [illegible] کرتے رہیں گویا کوئی آن لائن روڈ شو ہے۔"

"تو موبائل لے لونا!"

"نہ بابا! مجھے معاف کریں مجھے نہ" اور سنانے کا شوق ہے نہ "ب کہنے کا اور نہ اسلام کی تبلیغ میرے ایک ایس ایم ایس پر رکی ہے۔"

خیر یہ تو بات تھی اس بحث کی جو پہلے کئی بار ہو چکی تھی لیکن اب یہ اچانک فون کی اتنی تفتیش ہماری سمجھ سے بالاتر تھی۔

"ہوا کیا ہے آخر؟ بلی تھیلے سے نکل بھی [illegible] بے صبری سے کہا۔

"یہ تھیلا اور بلی کہاں سے آگیا؟" وہ [illegible] آگئے۔ "تم تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے [illegible] کی کٹ میں لکھوایا تھا کہ تھیلے میں بلی [illegible]"

"اوفوہ! [illegible] تو [illegible] محاورہ۔"

"چھوڑو [illegible] کوئی رانگ نمبر تمہیں تنگ [illegible] بتایا نہیں۔"

"[illegible] رہی [illegible] کسی رانگ نمبر سے مجھے [illegible] "ورنہ تنگ ہے میں ہم نے کہا۔

"[illegible] مطلب ہے تمہارا؟"

"کیا مطلب ہوتا ہے' کوئی نمبر تنگ نہیں کر رہا۔ آپ کا فون اٹھانے کی فرصت تو ہے نہیں سارا دن چولہا ہانڈی گھر کے کام کاج' خود ہمیں دیکھ لیں' سر جھاڑ منہ پہاڑ حالانکہ اماں ہر وقت کہتی ہیں کہ نوبیاہتا کو بج سنور کر رہنا چاہیے' لگے کہ بج سنور کر سولہ سنگھار

کر کے بیٹھ رہیں۔ آپ آتے ہیں تو روز ایک نیا قصہ ہتھیلی پہ دھرا ہوتا ہے۔" وہ جو بڑے صبر سے ہماری بلبل ہزار داستان سنے جا رہے تھے بلبلا گئے۔

"یہ دیکھو۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔ ایک نمبر کی 12 مسڈ کالز۔" انہوں نے فون ہمارے آگے نچایا۔

"مس ہو گئیں۔" ہم نے غم ناک لہجے میں کہا۔

"تو کر لیتیں بچھیاں بولنے کی بیماری تو ویسے ہی ہے۔"

اب کے ہم نے انہیں گھور کر دیکھا اور ان کے ہاتھ سے فون لے کر CLI میں نمبر دیکھا اور اس کے پیچھے کرنے لگے جوں ہی سمجھ آیا ہمارے منہ سے ہنسی کا فوارہ ابل پڑا۔

"کیا بے وقوف ہو گئی ہو جو یوں ہنس رہی ہو۔ کوئی لطیفہ لکھا ہے؟"

"ایسا ویسا! پوچھتے ہیں ہم سے غالب کون ہے؟"

الجھن کے شدید آثار ان کی آنکھوں میں پیدا ہوئے۔ انتظار میں عینک اتار دی اور اسے اپنی ہتھیلی پہ بجانے لگے۔

"میں نے غالب کا کب پوچھا کہ وہ کون ہے؟ مجھے معلوم ہے وہ شاعر ہے اور اسے دنیا سے گئے برسوں گزر گئے وہ ہمارے گھر فون کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن جتنے شوق سے تم اس کی شاعری پڑھتی ہو یہ کرامت ہو بھی سکتی ہے۔"

"توبہ ہے آپ سے بھی! یہ آپ کا اپنا نمبر ہے۔ میرے خیال میں یہ وہی کالز ہیں جب آپ فون کر رہے تھے۔"

اب انہوں نے بھی غور سے دیکھا اور کھسیا گئے۔

"دراصل اپنا نمبر ڈائل کرنے کی عادت نہیں ہوئی۔" وہ صفائیاں پیش کرنے لگے۔

"خیر یادداشت تو ویسے بھی آپ کی [illegible] ہے۔ آپ کی یادداشت کے لطیفے جمع [illegible] صاحب کتاب ہو سکتے ہیں "میاں [illegible]" یا کسی ویب سائٹ پر پورا لنک بنایا [illegible] آخر مشرق سے لے کر مغرب تک لطیفوں میں عورت ذات ہی نشانہ بنتی ہے۔ کچھ مردوں کے بھی لطیفے ہونے چاہئیں تاکہ خواتین کے لیے ریلیف پیکج بھی کچھ کام آئیں۔"

"تو بھلا اللہ سائیں! ایک تو تم لوگ بولتے بہت ہو۔" وہ جھلا ہی گئے۔

"ہاں ہم لوگ زیادہ بولتے ہیں۔ آپ لوگ تو اشاروں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ اردو میں 37 حروف تہجی ہوتے ہیں اور سندھی میں باون اور ہم زیادہ بولتے ہیں بڑے آئے کم گو!"

☆ ☆ ☆

ان کے نسیان کی داستان تو طویل ہے۔ کیا کیا نہیں دیکھا ان کے بھلکڑ پن کے سبب۔ بھائی (دو سروں کے) بھلکڑ نظم شاید انہی پر لکھی گئی ہو۔ کوئی چیز مانگتے ہیں تو کچھ غلط نام لینے کے بعد ہی اصل نام تک پہنچ پاتے ہیں اور بعض اوقات تو ہم اپنے ذوق شاعری کو بروئے کار لاتے ہوئے 'قافیہ ملا کر' ان کی مطلوبہ چیز تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ ذوق جو ریلوے اسٹیشن سے واگن کے لینے سے شروع ہو کر اساتذہ کے کلام تک [illegible] خواہش کے باوجود آج تک اس عظیم [illegible] چل سکا جو "غم زدہ اشعار" محبت [illegible] کے اشعار "عمران سیریز سے [illegible] ہو کر پر شدید سرخ لپ اسٹک [illegible] کی تصویریں بنایا کرتا تھا۔

آہ! ہمارے [illegible] کی قدر و منزلت ہی کیا ہے کوئی [illegible] سال سے تصویریں بنائے چلا جا رہا ہے [illegible] سال سے ایک ہی ناول لکھے چلے جا رہا ہے [illegible] سال سے ایک ہی موضوع پر لکھ رہا ہے کسی نے سدھیر کی ڈیڑھ لاکھ تصاویر جمع کر رکھی ہیں لیکن افسوس یہ ہمارے لوگ جو سالہا سال چلنے والے سوپ بنانے والی ایکتا کپور کو تو سر آنکھوں پر بٹھا لیتے ہیں شاہ رخ خان کی نقل کرنے والوں کو اسٹار بنا دیتے ہیں ڈاکٹرز کو ہسپتال سے بنا کر صبح مارننگ شو میں

کبھی لکھی کرنے بٹھا دیتے ہیں لیکن فرہاد علی تیمور کی قدر کسی نے نہیں کی۔ الف قریب بات کہاں سے کہاں نکلی جا رہی ہے۔ ہمارے میاں بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں ہماری بے ربط زبانی کے بارے میں "ہاں تو بات قوانین کی ہو رہی تھی اچانک کہیں سے؟"

"ڈرائریکٹر تو بنا!"

"ایں ائریکٹر تو ہیں زمینوں پر [illegible] سے آن ٹپکا۔"

"نہیں یار۔۔۔ وہ بلینڈر۔"

"بلینڈر؟ کیا کرنا ہے؟ [illegible]"

"نہیں بھئی وہ۔۔۔" انہوں [illegible]

"اچھا۔۔۔ [illegible]

اور اب [illegible] عالم تھا کہ اگر وہ ریل مانگتے تو ہم [illegible] کا پیاز لا دیتے کر ان کے سیل فون [illegible] کی ایس پی مانگتے تو ہم اے ایس پی [illegible] کر ان کی USB تک رسائی حاصل کر لیتے۔ FCPS خراب ہونے کا مطلب تھا UPS خراب ہے۔ لیکن ان چیزوں کی حد تک تو ٹھیک تھا کہ چلو کوئی آواز ایک ایسی تو تھی لیکن نام اس قدر بھول جاتے ہیں کہ نہ قافیہ ملتا نہ ردیف اور انسان ہکا بکا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ آواز دی۔

"جلدی آؤ! تمہارا فون ہے!"

"کس کا ہے؟" نہ جانے کیوں فون سننے سے جان جاتی تھی اور ہم اس وقت اپنا پسندیدہ ناول پڑھ رہے تھے۔

"وہ۔۔۔ وہ مصباح الحق۔" انہوں نے کہا۔

"مصباح۔۔۔ ح الحق۔" ہمیں گویا کرنٹ لگا۔ بھلا وہ کیوں ہمیں فون کرنے لگا۔ ابھی تو ہمارا سیمی فائنل کا غم اتنا تازہ تھا کہ اس سے لہو ٹپک رہا تھا۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن

سیمی فائنل تو ایک الگ دردناک موضوع تھا جس کا تذکرہ پھر کبھی۔۔۔ لیکن مصباح الحق کا فون۔۔۔

ہاں یہ ہوا تھا کہ جب سب اسے الزام دے رہے تھے تو ہم نے اسے قدرے بری الذمہ قرار دیا تھا اور اوٹ پٹانگ [illegible] کے SMS جو ہمیں ہمارے میاں سنا رہے [illegible] موصول ہو رہے تھے ان کی سخت [illegible] مذمت [illegible] لیکن کیا ہماری مذمت اتنی اعلا [illegible] ہونا چاہیے" وہ روزانہ جانے کتنی [illegible] کی سختی سے مذمت کرتے ہیں لیکن وہ بدستور جاری رہتی ہیں۔ ایک ہماری گھر پر کی گئی مذمت اتنی پرزور تھی کہ اس کی صدا خود مصباح الحق تک جا پہنچی۔ ہم دل ہی دل میں ان سب باتوں کی لسٹ بنانے لگے جن کی ہمیں پرزور مذمت کرنی تھی۔

"اج کھڑیں (آ بھی جاؤ)" ان کی آواز کی مداخلت سے ہمارے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور دھیان پھر مصباح الحق کی طرف چلا گیا۔

کہیں اس کا تعلق ہمارے اس آرٹیکل سے نہ ہو جو ہم نے ورلڈکپ سے پہلے ہفت روزہ غیر عوامی آواز میں لکھا تھا اور قومی ٹیم کے کپتان کے لیے مصباح کا نام تجویز کیا تھا۔ شاید وہ آرٹیکل پڑھا ہے اور باوصف اس کے کہ ہمیں سیمی فائنل میں شکست ہو گئی وہ اتنا با مروت "شائستہ انسان ہے کہ ہمارا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا ہے۔ اف اتنا بڑا اسٹار اور ہمیں کا اتنا خیال ہاں بھئی ہمارے دم ہی سے تو یہ لوگ اسٹار بنتے ہیں ہم خیالوں ہی خیالوں میں خود کو چاچا پاکستان کی طرح ہر میدان میں قومی پرچم لیے کھڑا دیکھنے ہی لگے تھے کہ انہوں نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

"مصباح نہیں۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید مستنصر حسین تارڑ کہا۔"

"کیا؟"

ہم انگشت بہ دنداں رہ گئے "کیسی کرکٹ کہاں کا مصباح! اجی ان کھلاڑیوں کا کیا بھروسہ "ادھر ڈوبے ادھر نکلے "ادھر ڈوبے ادھر نکلے" ہمارے اصل اسٹارز تو ہمارے مصنف ہیں اور تارڑ صاحب ہمارے پیارے چاچا جی "اتنے عظیم مصنف جنہوں نے کبھی اپنا کوئی ناول "فکس" بھی نہیں کیا ہو گا لیکن ان کا ہمیں فون

"یہ کیسا معجزہ ہے؟ سورج کدھر سے نکلتا ہے اور نکلا بھی ہے یا نہیں؟"

ابھی پچھلے دنوں Face Book پہ ناولز کی ایک ووٹنگ میں ہم نے باوجود اس کے کہ فہرست میں راجہ گدھ' اداس نسلیں اور آگ کا دریا تھے پھر بھی ہم نے اپنے قیمتی ووٹ کا صحیح حقدار "خس و خاشاک زمانے" کو قرار دیا تھا۔ یقیناً "اس جرات پر ہمیں شاباشی دینے کے لیے فون کیا ہو۔ ہم نے خود کو تصور میں مستنصر حسین تارڑ' بانو قدسیہ' انتظار حسین کے ساتھ پایا اور تصور ہی تصور میں اپنی ہی تصویریں فیس بک پہ اپ لوڈ کر کے آمنہ مفتی کو جلانے کے پروگرام ترتیب دینے لگے (جلتے دراصل ہم خود تھے اس کے فوٹو دیکھ کر)

ہم نے دھڑکتے دل' لرزتے ہاتھوں اور کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ ریسیور پکڑا لیکن۔۔۔۔

دیکھو یہ میرے خواب تھے دیکھو یہ میرے زخم ہیں

نہ مصباح' نہ تارڑ نہ قدسیہ' خصوصی امت الصبور کا فون تھا جنہوں نے ہمارے بھجوائے ہوئے چھ کے چھ افسانے باجماعت مسترد کرنے کی خبر سنانے کے لیے فون کیا تھا' ہماری کچھ نے بغیر مزید محنت کی تلقین کرتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔ دل تو چاہا کہ ان سے کہتے کہ مس امت الصبور مزید محنت کی ضرورت ہمیں نہیں آپ کو ہے۔ (آپ نے افسانے محنت سے پڑھے ہی نہیں)

دل تو چاہا پر شکست دل نے مہلت ہی نہ دی

رات کو دیر تک ہم چھ افسانے مسترد ہونے کی وجوہات اور مصباح الحق' مستنصر حسین تارڑ اور امت الصبور میں مماثلت ڈھونڈتے رہے۔

"کیا چیز ہے (چمگادڑ) کی طرح جاگتی ہو سوتی کیوں نہیں؟" انہوں نے ہمیں ڈانٹا۔

"لیکن آخر آپ ہمیں بتا کیوں نہیں دیتے [illegible]"

"مصباح الحق' مستنصر حسین تارڑ اور امت الصبور میں کیا مماثلت ہے؟"

"کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مطلب کیا چیز کامن ہے؟"

"چل! اس بات کی وجہ سے سو نہیں رہیں' پہلے ہی پوچھ لیتیں۔"

"بتا دیجیے نا!" ہم نے بے چینی سے کہا۔

"تینوں نام بہت مشکل ہیں۔" انہوں نے اطمینان سے کہا اور کروٹ بدل کر سو گئے۔

☼ ☼ ☼

"ریموٹ کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے کیا پتا میں باہر گیا تھا' تاج آیا تھا؟"

"تو سرتاج! اس تاج کے آنے سے پہلے آپ ہی ٹی وی کے آگے بیٹھے با آواز بلند دین ڈیم کی فلم دیکھ رہے تھے اور ہمیں آپ کے کانوں میں آ کر چیخنا پڑا کہ بیل بج رہی ہے نہ صرف دروازے کی بلکہ آپ کے موبائل کی بھی' پتہ نہیں آپ کو حسن علی میرالی سے کیسی انوکھی محبت ہے کہ رنگ ٹون بھی آپ نے اج کے منجمد تے کھٹی بندر تے رکھی ہوئی ہے اور [illegible] دونوں پہلو بجانے کا کام ایک ساتھ انجام [illegible] اس پر آپ یوں اچھلے گویا یہاں گلوکار [illegible] ہو۔ ریموٹ آپ ہی کے ہاتھ [illegible] آپ یوں اپنے قبضے میں [illegible] ہمارے حکمران اقتدار [illegible] نہ جانے [illegible] کب بدلنا پڑ جائے۔"

"اُف! [illegible] سر پکڑ لیا۔ "کتنا بولتی ہو تم۔"

[illegible] (چپ) ہی نہیں ہوتیں۔

[illegible] بولنے سے آپ کو پتنگے لگ جاتے ہیں اور اب یہ اتنا والیوم کون بند کرے گا اور اس تاج کی بھی مجھے سمجھ نہیں آتی' آپ ادھر آتا ہے آپ حیران ہوتا ہے۔ ہمیں تو شک ہے کہ آپ دونوں ٹیلی پیتھی کے ذریعے بات کرتے ہیں۔ ذرا جو آواز آتی ہو بات کرنے کی۔

لیکن میاں صاحب صرف وہ "ٹیلی" جانتے تھے

جس کا حصہ وژن' فون' گرام' ڈرامہ یا تھیٹر ہو اور خصوصاً وہ جس کا ساتھ ہو میڈیا الیکٹرانک ہو۔ ان کے جانے کے بعد موقع غنیمت جانا کہ نہ صرف ٹی وی کی آواز کم کر کے اپنے فشار خون کو بھی نارمل کی طرف لایا جائے بلکہ ٹی وی کا رخ کسی اور طرف موڑ دیا جائے' کوئی ڈائجسٹی ڈرامہ ہی دیکھ لیا جائے۔ آخر ہمارے ڈائجسٹ سے اچھے ڈرامے بن رہے تھے۔ ہمارے ڈائجسٹ گھٹے ہوئے دل میں ہوک سی [illegible] اپنے وہ چھ افسانے بھی یاد آ گئے۔

افسوس ان افسانوں پہ جو ان ڈراموں سے پہلے مرجھا گئے۔ ہم نے تو ایک ڈرامہ [illegible] کے طور پر تصورات کی دنیا میں [illegible] لیا تھا لیکن ہائے۔۔۔ خیر [illegible] افسانوں پر فاتحہ پڑھتے ہوئے سوچا کہ [illegible] "میڈا سائیں" ہی دیکھ لیا جائے [illegible] اعجاز کس سے شادی کرنے والا ہے لیکن ریموٹ نہ ملا۔۔۔ اس پر مستزاد یہ کہ ٹی وی میں [illegible] سسٹم نہ تھا۔ جو کرنا تھا ریموٹ نے [illegible] تھا۔ سو تھک ہار کر اپنے ڈائجسٹی ڈراموں اور [illegible] اعجاز پر آٹھ آٹھ آنسو خیالوں میں بہا کر ٹی وی کا بٹن ہی آف کر دیا اور اب یہ ہمارے سر پہ کھڑے استفسار کر رہے تھے کہ۔

"ریموٹ کدھر گیا؟"

خضر کیا بتائے کیونکر بتائے
ماہی اگر پوچھے دریا کہاں ہے

"پوچھتا کیا ہوں؟ کشتی کیا ہو' دریا کا تو میں نے نام بھی نہیں لیا نہ خضر کا۔"

"ایک تو ذرا جو آپ میں "حس لطیف" موجود ہو"

"کیوں نہیں مجھے شاہ لطیف سائیں کے بہت سے اشعار یاد ہیں۔"

"غرض یہ ہے کہ ریموٹ آپ کے ہاتھ میں تھا' فلم آپ دیکھ رہے تھے' تاج آیا' آپ ریموٹ لے کر چلے گئے۔"

"ہیں! کیا تاج ریموٹ پر چلتا ہے؟" وہ بھنا گئے۔

"ہمیں تو شبہ ہے اس کے چلنے پر ہی شبہ ہے کہنا کہ یہ ریموٹ [illegible] سے چلتا ہے۔"

"تو [illegible] اس غریب کا مذاق اڑاتی ہو۔" وہ تھا [illegible]

[illegible] ہے اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے بھلا [illegible] ہم دونوں نے مل کر ریموٹ کو بے حد تلاش کیا [illegible] بے کار۔

رات کو کپڑے بدلنے کے لیے جوں ہی انہوں نے قمیص اتاری کوئی چیز دھڑام سے دیوار سے جا ٹکرائی اور دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ وہ ان کی جیب سے نکلنے والا ریموٹ تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح چھٹی کا دن تھا اور وہ ریموٹ کی مرمت میں مصروف تھے جس کے ٹھیک ہونے کی ہمیں ذرا امید نہ تھی۔

"کتنا بے کار ٹی وی ہے۔۔۔" ہم نے بے زاری سے کہا "کوئی مینول سسٹم ہی نہیں۔"

"تمہیں ہی ملا تھا جہیز میں۔" انہوں نے فرمایا۔

"تو نہ لیتے۔" ہم نے جل کر کہا۔

"ہم نے تو کہا تھا کہ ہمیں داج نہیں چاہیے۔" انہوں نے کہا اور واقعی اس بات میں کوئی شک نہیں تھا۔ منگنی سے لے کر شادی تک ان کے گھر والوں کا یہی اصرار رہا تھا کہ جہیز کچھ بھی نہ ہو لیکن ہمارے گھر والے بھی بھلا یہ بات کیسے مان لیتے۔

"دیکھیے کوئی وارنٹی وغیرہ؟ بدل لیں اس کو۔"

"پتہ نہیں رسید پر کسی فرحان کا نام لکھا ہے۔"

"فرحان؟ ہمارے خاندان میں تو کسی کا نام فرحان نہیں۔" ہم حیران ہوئے پھر یاد آیا کہ فرحان بھائی جان کے کسی دوست کا نام تھا۔

ہائے' دل کو دھکا سا لگا' آنکھوں میں اشک امنڈ آئے' ایک تو ہم ویسے ہی نازک مزاج اور پھر سے پیارے بھائی کی بے توجہی کا دکھ' اتنا ٹائم نہیں تھا کہ اپنی لاڈو کے لیے خود ٹی وی لینے جاتے' لے کے دوست

کو بھیج دیا اور وہ ایسا لوفی ووٹ لے آیا کہ جس کا یہ موٹ کے بغیر بچے کہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔ یہ تو ہمارے ملک کی مثال ہی ہو گئی کہ جس کے ہاتھ میں ریموٹ ہو وہی پکڑ کر لے گا عوام لاکھ سر پٹکے کوئی Mannual سسٹم ہی نہیں۔

اپنے انفرادی اور ملک کے اجتماعی دکھ نے ہماری آواز میں عجیب سوز پیدا کر دیا۔

"ہم تو رے بابل کھونٹے کی گیاں"

(ہم من حیث القوم بھی کھونٹے کی گیاں بن چکے ہیں)

"ایک تو تمہیں یہ دو سو سال پرانے گیت نہیں بھولتے۔ سو کام ہوتے ہیں شادی والے گھر میں۔ اور ایک نیا دیں (بیٹی) بھلا گائے کیسے ہو سکتی ہے۔"

"ہم تو رے بابل۔" ہم ہنوز سراپا الم بنے رہے تو وہ تلملا ہی گئے۔

"یہ گیاں یوں ہی نہیں ہنک جاتیں۔ ان کو سامان سے لادنا پڑتا ہے ٹی وی فریج اے سی اور اب تو UPS اور جنریٹر بھی۔ تب کہیں جا کر یہ گیاں ہنکتی ہیں۔ بڑی آئیں ہم تو بابل۔"

"اچھا اب آپ رفعت والا موصوف بننے کی کوشش نہ کریں۔" ہم نے بھی غصے سے کہا۔

"کون سی رفعت؟" گرتی ہوئی عینک اوپر کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

ایں! یعنی کون موصوف؟ کے بجائے پوچھتے ہیں کون سی رفعت!

"یہ کون سی رفعت سے کیا مراد ہے؟" ہم نے چبا چبا کر پوچھا۔ "کتنی کو جانتے ہیں آپ؟"

"بھئی میں تو نکمے ہوئیں سے (بچپن) بہنوں کے لیے کزنوں کے لیے ڈائجسٹ لاتا رہا ہوں اب تمہارے لیے۔ ہر دور میں ایک رفعت تو ہوتی ہی ہے ڈائجسٹ والوں کا کوئی لقب تو نہیں پایا پھر [illegible] لکھنے آجائیں وہ اپنا نام رفعت رکھ [illegible]"

"نہیں! جنہیں چار اکھر [illegible] ان کا نام پہلے سے ہی رفعت ہوتا ہے۔" ہم نے انہیں اطلاع دی۔

❁ ❁ ❁

"کہاں مورے بابا کو مجبوری کہ ساون آیا۔"

ہم پکوڑے تلتے ہوئے مزے سے گنگناتے جا رہے تھے۔

"اول تو تمہارے کوئی بابا ہی نہیں ہیں۔ پھر ہیں بھی تو ان کو یوں ایمرجنسی میں تمہاری اماں یہاں کیوں بھجوائیں اور ساون آنے کا بابا کے آنے سے کیا تعلق ہے؟ وہ کیا چھت سے ٹپکنے والے پانی کے نیچے ڈونگے لا کر رکھیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اتنی برسات میں آئیں گے کیسے۔ تمہیں شاید ٹھٹھہ کی برسات کا معلوم نہیں۔ شہر کا کیا حال ہوتا ہے ذرا باہر نکل کر دیکھو۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"کیا ہے کیا کہے جا رہے ہیں اور بسیار گوئی کا الزام ہم پر ہے۔ ہمارے ہاں تو ساون یوں ہی منایا جاتا ہے۔"

"اچھا! یہ عجب طریقہ ہے کہ ساون آتے ہی سارے تایا چاچا ماموں بھیا آپ کے گھر کی [illegible] دوڑ لگا دیں اور ان کی بیویاں نہ آئیں [illegible] تمہارے گھر روانہ کرتی رہیں۔ اچھا [illegible] تو ان کے تایا ماموں وغیرہ آئیں گے۔"

"پھر آپ کے ہاں بارش [illegible]"

"ہمارے ہاں تو [illegible] اچھے پکوان بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔"

"تو ہماری [illegible] بھجوائے تو تھے آلو کے پراٹھے۔"

[illegible] انہوں نے مایوسی سے کہا۔ "وہ تو پتا نے [illegible] (روٹی) تھی۔"

"کیا تھی؟"

"مطلب روٹی کے اندر آلو بھرے ہوئے تھے۔"

"تو کیا بارود بھرا ہوتا! طہری ہو اس کے ساتھ بھی سیسل ہو مال پڑے ہوں۔"

"مال پڑا؟ ساگ پڑا تو ہوتا ہے یہ مال پڑا کیا ہوتا ہے" ہم نے حیرت سے کہا "اور طہری میں بھی تو آپ کے ہاں آلو ہی ہوتے ہیں۔" (الغی)

"طہری میں آلو؟" وہ حیرت زدہ رہ گئے "اس میں تو گڑ ہوتا ہے اور بادام کشمش بھی۔"

"ارے گڑ والے میٹھے چاول، ان کو آپ طہری کہتے ہیں۔ ہم تو آلو کی طہری بناتے ہیں۔"

"وہ تو پلاؤ (پلاؤ) ہوتا ہے۔"

"اچھا بھئی جو بھی ہوتا ہے رہنے دیں آپ پکوڑے کھائیں۔" ہم نے ان [illegible] اور مزید پکوڑے کڑاہی میں ڈال [illegible]

"امی والوں کے [illegible]" ہم نے کہا۔

"ہاں ہاں [illegible] گئے ہیں اور ابا تو بہت شوق سے کھاتے [illegible]"

ترنت [illegible] خوش ہو گیا اور لبوں پر پھر ایک گیت آ گیا۔

[illegible] کے پھولی بسنت میرے ماموں کے گھر

پیاری ماں نے آج مجھے بھیجا

"ایک تو مجھے ان گیتوں کی تک سمجھ نہیں آتی۔ بسنت تو لاہور میں منائی جاتی ہے وہ ماموں کے گھر جا کر کیوں پھول گئی اور پھر اگر اسے پھولنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں ملی تو تمہاری ماں کو کیا ضرورت کہ وہ بسنت پھولنے کی خوشی میں تمہیں پیلا جوڑا پہنا کر (بھجوائیں) بھیجنا ہی تو ہے فریحہ پرویز کو بھجوا دیں لیکن پیلا تو اتنا چھتا (تیز) کلر ہوتا ہے گلابی بھیج دیں یا سفید بھیج دیں۔ پہلے تو ہم انہیں منہ پھاڑ کر دیکھتے رہے پھر کلیر بیچ کر لیے۔

"آپ کو تو کچھ پتہ ہی نہیں اور آپ کے گیت بھی میں نے سنے ہیں۔"

"مور تھوٹلے راڑاں اور توماں راج تھیندا لکھ تھیندا۔ یعنی ایک مور صاحب ہی آبادی میں لاکھوں کا اضافہ فرمائیں گے۔ بہبود آبادی والوں نے بین نہیں کیا یہ گیت۔

"ہل! مجھ پر ٹوک کرتی ہو اور اپنا یہ حال ہے کہ اپنے بھوگ (مذاق) پر اتنی گھورتی (غصہ) اور ابھی بہبود آبادی والوں نے آج تک یہ ساون بسنت وغیرہ کے گیت [illegible] چاچا ماموں پھوپھی خالہ بھیا [illegible] بہنوئی تمہارے اور سب ہیں کہ بس [illegible] گھر آ رہے ہیں ساون منانے۔ مجھے کیا سمجھا ہوا ہے۔ مجھے کیا ہے میں تو [illegible] صلاح الدین [illegible] سے پکوڑے کھا رہا ہوں تم بیٹھ کر ساون مناؤ بسنت پھلاؤ۔ اب کس کے گھر پھول رہی ہے؟"

"اچھا چھوڑیں برا نہ مانیں۔ بسنت تو اب ہر جگہ منائی جاتی ہے۔"

"یہاں تو لڑکے سارا سال ہی پتنگیں اڑاتے رہتے ہیں۔ خود مجھے شوق ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"ہائے سچ! ہم بھی اڑائیں گے۔"

"کیا! اب تم چھت پر چڑھ کر پتنگ اڑاؤ گی؟"

"ہاں تو کیا حرج ہے!"

"اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا اور رشتہ مانگتے وقت تو آپ نے کہا تھا کہ ہم اپنے ہر عمل میں آزاد ہوں گے۔" ہم نے جتایا۔

"اس آزادی سے مراد یہ تھی کہ اگر تم چاہو تو الیکشن میں اپنے حلقے میں جا کر پتنگ کو ووٹ دے سکتی ہو یہ نہیں تھا کہ چھت پر پتنگ اڑاؤ۔" انہوں نے کہا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ووٹ دینے کا۔"

"تم جاؤ نہ جاؤ ووٹ تو جاتا ہے۔ جیسے تم جانتی نہیں گھنٹہ حزی (بگی) نہ بنو۔"

"آپ جاتے ہیں ووٹ دینے؟"

"نہیں میں کبھی نہیں جاتا میرا بھی چلا جاتا ہوگا کسی نہ کسی کو۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"اچھا چلیں اب۔" ہم نے پکوڑوں کی ٹرے اور چٹنی اٹھائی۔

اسی وقت ہمارا دیور دور سے ہی بولتا ہوا آنے لگا۔

"بھابے بھاجائی!"

"بھابے (بھابی) اماں کہہ رہی ہیں تکڑے (جلدی) آؤ۔ انہوں نے تمہاری پسند کی مچھی سیسل بنائی

ہے اور طرح کا۔"

"ارے واہ! آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔ بائی دا وے اس مچھلی بھجل میں کون سے سیل ڈالتے ہیں۔" ہم نے پوچھا تو وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"بھا۔۔۔ بھاجائی تو بہت سیا ڑین (سادہ) ہیں۔"

"اور ہاں وڈی ادی نے زردہ بھجوایا ہے۔ میں تو زردہ اور مچھلی کھاؤں گا۔" وہ چٹخارے لیتے ہوئے بولا۔

"زردہ اور مچھلی!" ہم حق دق رہ گئے۔

"ہاں یہ تو ہمارا فیورٹ کامبی نیشن ہے۔"

"لیکن زردہ اور مچھلی۔۔۔ وہ بھی سیلوں والی۔" ہم اس سے پہلے اس مچھلی کا مزہ چکھ چکے تھے۔ بے حد مزے دار لیکن بہت تیز اور تیکھی۔

سامنے سے مرک حسب معمول ہنستی آ رہی تھی۔

"بھاجائی!" وہ لاڈ سے ہمارے گلے لگ گئی۔ ہماری یہ چھوٹی نند ہمیں بہت پسند تھی۔

پہلے پہل اس کا نام ہمیں بہت منفرد لگا مرک پھر پتہ چلا کہ اس کے معنی ہیں مسکراہٹ۔ اور وہ واقعی ایسی تھی۔ ہر وقت ہنستی مسکراتی شرارتیں کرتی۔

"لیجیے آ گئیں اسم بامسمیٰ۔" ہم نے اسے پیار سے خود سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"کون سا اسم؟ یہ اسم کی کون سی قسم ہے؟" ہمارے میاں نے حیرت سے پوچھا۔

"مرک پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔" "بھا۔۔۔ اسم بامسمیٰ یعنی اپنے نام جیسی۔" مرک فرسٹ ایئر میں تھی اور اس نے اردو لازمی لی ہوئی تھی۔

"تو ہاں ایک جیسی ہو دونوں۔" وہ بولے۔

"تو اور کیا آپ جیسے ہیں، ہر لفظ کا مطلب ہی پوچھتے رہیں۔" ہم نے شرارت سے کہا تو مرک اپنے بھائی کے کندھے سے لٹک گئی۔

"بھاجائی، میرے بھا۔۔۔ بڑے [illegible] انہوں نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں [illegible]" وہ فخر سے بولی۔

"اور تم جو ابھی زردہ اور [illegible] کے کامبی نیشن پر ہنس رہی تھیں۔ تم لوگ بھی تو ایک ہی دیگچی (دیگچی) میں زردہ پلاؤ پکاتے ہو۔" انہوں نے یوں کہا۔ جیسے اچانک ہمارے خلاف پوائنٹ اسکور کیا ہو۔

"ہاں ہاں۔" ہمارے دیور کو بھی یاد آیا۔ "وہ رہتے تھیں ہمارے محلے میں صدیقی صاحب والے ان کی گھر والی بھیجتی ہیں ہمارے گھر۔ پلا میٹھا ساتھ ایک ہی دیگچی میں پکائی ہیں۔"

"ایں! یہ کون سا زردہ پلاؤ ہے جو ایک ہی دیگچی میں پکتا ہے۔ ہم نے تو کبھی زبیدہ آپا کو بھی اس کی ترکیب بتاتے نہیں دیکھا۔ کیا دیگچی کے درمیان دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ لیجیے صاحب اور اب دیواریں کیا کم ہیں جو دیگچیوں میں بھی ان کی تعمیر شروع ہو گئی۔

"اوہو بھاجائی وہ ہوتا ہے! منجن۔" مرک بولی۔

"کون سا منجن؟" دیور نے کہا۔

"ہوتا ہے ایک، ہمیں بھی بنانا آتا ہے۔" ہم نے کہا۔

"ہم کو منجن بنانا آتا ہے؟" میاں نے حیرت سے کہا۔

"منجن نہیں، تعجن۔" ہم نے دانت پیسے۔

"کھانوں کے نام بھی اتنے مشکل!" وہ [illegible]

☼ ☼ ☼

"اماں! آج یہ والا کالم پڑھا [illegible]" ہم نے ہم سے پوچھا۔ اماں ان کا نام [illegible] تھا وہ ہمیں اپنی بیٹیوں [illegible] بیٹیاں سب کو اماں کہہ کر مخاطب کر [illegible]

"نہیں بیٹا [illegible] نہیں پڑھا، آپ بتائیے رات آپ نے [illegible] پروگرام دیکھا تھا۔" ہم نے لیٹ نائٹ ٹاک شو [illegible] پوچھا۔

"وہ۔۔۔ ادی وڈی بھی وہاں موجود تھیں" اف شو تھا کہ جھیڑا (جس کی) میزبان مائی تو اتنی چھتی (تیز) ہے کہ بس۔"

"ساری ہی ایسی ہیں، بولنے کی ایسی چالاک۔" نند ھی ادی نے کہا۔

"اماں! عورتوں کی آزادی کا زمانہ ہے۔" بابا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہم مرد تو غریب اور مسکین ہو گئے ہیں۔"

ہمارے سسر نہایت ہی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔ حیدر آباد کا نور محمد ہائی اسکول ان کا پسندیدہ [illegible] تھا۔

ہم جس طرح شادی سے پہلے اپنے ابا کے بہت قریب تھے تو اسی طرح شادی کے بعد بابا سے بہت دوستی ہو گئی۔ دونوں تقسیم سے پہلے کے واقعات مزے سے سناتے پھر 1947 کی [illegible]

"میرا ایک سنگتی (دوست) تھا [illegible] میں پاس ہی رہتا تھا۔ اس سے کہا [illegible] کی مٹھائی میرے لیے نہ لایا تو بہت [illegible]" بابا اس طرح کے کئی قصے سنایا کرتے۔

"کچھ وہ [illegible] مسلمان ہو کر دیوالی کی مٹھائی کھاتے [illegible] اور مٹھائی کا بھی کوئی [illegible] غالب کے لڈو مسلمان اور ہندو برفی [illegible]"

[illegible] جب قائد اعظم پاکستان تشریف لائے تو میرے ابا ان کو ایئرپورٹ پر ریسیو کرنے والے لوگوں میں شامل تھے، عام رش میں نہیں، 'آفیشلی' بڑے عہدے پر تھے۔" ان کے لہجے میں فخر ہوتا۔

"بھاجائی! یہ آج اس دوسری اخبار میں جنرل ہوش محمد شیدی کے بارے میں بڑا اچھا لیکھ (آرٹیکل) آیا ہے۔ سندھی پڑھ لیتی ہیں آپ؟"

"ہاں! تھوڑی بہت۔" ہم نے کہا۔

"او! بابا نے آہ بھری کیا کیا سورما تھے ہمارے جنرل ہوش محمد جنہیں عام طور پر ہوشو شیدی کہا جاتا ہے جو میانی کے میدان میں لڑے ایک بازو کٹ گیا تو دوسرے سے کلہاڑی پکڑ لی! چارلس نیپئر حیران [illegible]"

"1847ء کی بات ہے۔" ہمارے دیور نے کہا۔

"اور وہ مرتے دم تک آزادی کی جنگ لڑتا رہا۔" [illegible] بلند کرتا رہا۔

مرسوں مرسوں سندھ نہ ڈیسوں۔
(مر جائیں گے سندھ نہیں دیں گے)

"اس وقت کو [illegible] سندھ تھا۔" بابا نے کہا۔

"[illegible] اب ہماری دھرتی کا کیا حال ہے۔" پشاور سے [illegible] ان کی آواز دھیمی ہو گئی۔

[illegible] عظیم جرنیل کی کہانی سن رہے تھے۔ اپنے بابا کی کہانی، وہ میں باتیں یاد آ رہی تھیں۔ تحریک پاکستان [illegible]

لے کے رہیں گے پاکستان
پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔

اور پھر ہجرت کی صعوبتیں، خود ہمارا خاندان لٹا پٹا یہاں پہنچا، کتنے رشتے کھوئے! لیکن وطن کے آگے کوئی نقصان، نقصان نہیں لگتا تھا۔

"بھاجائی!" ہمارے دیور نے کندھا ہلایا۔ "کیا ہوا اتنی ماٹھ (چپ) کیوں ہو گئی ہیں؟"

ہم نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی رنج کی لکیری نظر آئی۔

بابا نے ٹی وی کی آواز تیز کی۔ نیوز ہیڈ لائنز آ رہی تھیں۔

"ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے بعد ڈرون حملے پھر سے شروع ہو گئے۔"

ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ کمرے میں خاموشی تھی لیکن ہمیں یوں لگا کہ کوئی ہمارے کانوں میں کہہ رہا ہو۔

مرسوں مرسوں سندھ نہ ڈیسوں۔
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الہ الا اللہ۔
ہوشو کہاں تھا؟
نعرہ حق لگانے والے کہاں تھے؟



آسیہ رزاقی

تلاش ختم، انتظار باقی

یہ بھی روز ہی جیسا دن تھا۔ تکلیف دہ۔ فکر و اندیشے میں گھرا ہوا۔ انتظار۔ تھکا دینے والا۔ خوف سے بھرا ہوا۔ صاحب کا انتظار۔ لیکن آج دل میں کچھ اور طرح کی بے چینی تھی۔ کچھ نیا سا کچھ مختلف سا احساس۔ کیا یہ چھٹی وارننگ تو نہیں ہے۔؟ کوئی مزید اذیت۔ تکلیف دینے کا کوئی دوسرا طریقہ۔

روز ہی کچھ نہ کچھ ہوتا تھا۔ نفرت اور بیزاری کا اظہار' طرح طرح کے زچ کرنے کے طریقے آج تو دل پر بوجھ سا تھا۔ جوں جوں شام قریب آتی۔ خوف بڑھتا جاتا' آج اس میں اضافہ بھی ہوا۔ نہ جانے طبیعت کیسی گری گری سی تھی۔ دوپہر میں کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ خیال تھا کہ صاحب آکر چائے کا آرڈر دیں گے۔ چائے کے ساتھ کچھ کھالے گی۔ بھوک تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہا۔ آج صاحب نے دیر کردی تھی۔ وقت گزارنے' دل بہلانے کے لیے آس پاس نظر دوڑاتی رہی۔ کہیں کوئی چیز بے جگہ تو نہیں۔ کسی چیز پر گرد کے ذرے تو نہیں۔ بستر شکن آلود تو نہیں۔ گل دان کے پھول مرجھائے ہوئے تو نہیں ہے۔ چھوٹی چھوٹی فروگذاشت بھی صاحب کے غصے کو شعلے بنا دیتی اور شامت بے چاری مہاؤ کی آتی۔

وہ جانتی تھی یہ سب بہانے ہیں۔ روز ہی اپنی خطا تلاش کرتی مگر کوئی غلطی نظر نہ آتی۔ پھر بھی کسی بھی ذرا سی بات کو بنیاد بنا کر مہاؤ کو قصوروار ٹھہرا کر غصہ اتارنا۔ لازمی۔

"ابا نے نہ جانے کس امید کے تحت مجھے اس جہنم کے سپرد کردیا تھا۔ کب تک برداشت کرے گی۔

مکمل ناول



کہیں پاگل نہ ہو جائے مگر وہ کسی سے اپنے دکھ، تکلیف بیان نہیں کر سکتی تھی۔

اور اپنا تھا بھی کون۔ عرصہ گزرا وہ اپنوں سے ناتا توڑ چکی تھی۔ سخت گیر شوہر کے حکم پر۔ ماں تو اس کے بچپن میں ہی قبرستان پہنچ گئی تھیں۔

ابا نے بہت لاڈ کے، محبت سے پالا وہ بھی افراتفری میں اس کا نکاح کر کے رخصت کر کے فرض سے سبکدوش ہو گئے اور ان کو بھی شاید قدرت کی طرف سے اشارہ ہوا تھا۔ مہینہ گزرا تھا کہ خود بھی گزر گئے۔

اب وہ تنہا رہ گئی۔ رشتے داروں سے ملنے پر پابندی تھی، تو سہیلیوں سے کیا ملتی۔ ظالم شوہر... اسے خوش دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔ بولنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

اپنے گھر میں وہ خوش مزاج، چلبلی اور شوخ مشہور تھی۔ خالہ اور چچا اس کی شوخی پر ہنستے خوش ہوتے۔ کالج میں اپنی ذہانت اور خوش مزاجی کے باعث ہر دل عزیز تھی مگر اب ہر وقت وحشی ہرنی کی طرح خوف زدہ کسی اندیشے میں مبتلا ہراساں رہتی۔ عجیب و غریب حالات میں زندگی گزر رہی تھی۔ شاید ہی کسی کو اس طرح کا سابقہ پڑا ہو گا۔ ابا کو جلدی کس بات کی تھی۔ اپنی موت کی خبر ہو گئی تھی شاید اور دیکھا کیا؟ زمین، جائیداد، دولت کے انبار جو اس کے کسی کام کے نہ تھے۔

محل نما گھر جہاں سکون نہ تھا۔ لمبی چوڑی جاگیر جس میں اس کا حق نہ تھا۔

قیمتی گاڑیاں جس میں بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ کبھی گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تو کہاں جاتی۔ وہ ایک مطلق العنان آمر کی بے زبان رعایا تھی۔ جسے زبان کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کا تو خود پر بھی کوئی حق نہ تھا۔ بے چینی، اضطراب ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی۔

بوا نے آکر کہا۔

"بی بی! چائے بنا دوں۔ صاحب تو [illegible] گے۔"

ان کی اجازت کے بغیر جانے کی عیاشی۔ غصہ تو کسی بھی ذرا سی بات پر آجاتا ہے۔

"نہیں رہنے دیں بوا وہ آئیں گے تو بنا لوں گی۔"

"آپ نے دن میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اپنی ذات پر اتنا ظلم خود تو نہ کریں۔"

وہ کب اپنی ذات پر ظلم کرتی تھی۔ نہ جانے کون کون اس کی ذات کا دشمن تھا۔ کس کس نے اسے نشانہ بنایا تھا۔ جس نے اسے چاہا، وہ دشمن نکلا۔ اب تو بھوک بھی جانے کہاں مر گئی تھی۔

باہر گاڑی رکنے کی آواز سنتے ہی اس کے دل کو تھرتھری لگ گئی۔ اندھیرا ہو چلا تھا۔ اندھیرا اس کی ذات، اس کے دل، اس کی آنکھوں میں تاریکی پھیلنے لگی۔ کمرے میں دم بخود کھڑی تھی۔ بوا نے باہر نکل کر کہا۔

"صاحب! چائے بنا دوں؟"

"نہیں۔ پی کر آیا ہوں۔" آواز آئی۔ انسانی آواز بوا کے لیے تھی۔ اس کے لیے درندے سے مشابہ غراہٹ ہوتی۔ اندر آگئے۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔ بڑھ کر بریف کیس تھام لیا۔

"ہوں کھانا تیار ہے؟ کھا کر جاؤں گا۔" اب نہ جانے کہاں جانے کا ذکر تھا۔

"جی بس روٹی... آپ گرم روٹی [illegible] پورا نہ ہو گا۔"

"ہاں میں گرم روٹی [illegible] جلد پکاؤ۔" وہی روز والی غراہٹ [illegible]

چہرے [illegible] "اب کھڑی کیا ہو۔ سنا نہیں [illegible] کہا ہے؟"

وہ [illegible] کچن میں بوا کھڑی تھیں۔ "اب کیا حکم ہوا ہے؟"

وہ پھرتی سے آٹا نکال لائی۔ توا رکھا ہوا آگے بڑھیں۔

"نہیں... میں... مجھے پکانا ہے۔" وہ تیزی سے پیڑے بنا رہی تھی۔

بوا اس سے بیلن چھیننے لگیں۔ "میں بنا دوں گی بی بی!"

"ہیں!" دروازے سے کوئی شیر دھاڑا، صاحب تھے۔ "اسے پکانے دو۔ اپنے باپ کے گھر بھی یہی سب کام کرتی تھی۔ کرنے دو۔"

بوا نے ترس کھاتے ہوئے بیلن چھوڑا۔ گرم چولھے کی حدت، جسمانی کمزوری، پسینہ [illegible]

"آپ بیٹھیں۔ میں بس ابھی..." "اس [illegible] بولا نہ گیا۔

"میں کھانا لگاتی ہوں۔ صاحب آپ [illegible] تشریف [illegible] لیں۔ روٹی تو پانچ منٹ میں تیار [illegible]"

صاحب کو بوا کی [illegible] پسند نہ آئی۔ "نہیں یہ خود کھانا بھی [illegible] روٹیاں پکاتی رہو۔ میں بیٹھا ہوں [illegible] کی بھوک ہے۔ جلدی کرو۔"

وہ کھڑی [illegible] روٹی بناتی توے پر ڈالتی رہی۔

[illegible] منٹ نہ تھی کہ پوچھتی کتنی کھاؤ گے۔ وہ [illegible] دس پندرہ منٹ آٹا ختم ہو گیا۔ صاحب کمرے سے باہر نکلے۔ روٹیاں ہاٹ پاٹ میں رکھیں۔ جہاں صبح کی بھی کئی موجود تھیں۔ بوا ڈش لے آئی تھیں۔ سالن نکالا، کباب جلدی جلدی تلے، ٹرے میں کھانا لے کر کمرے کی طرف مڑی۔

"ادھر آؤ۔" حکم ہوا۔ چکر سا آیا۔ کمزوری۔ ٹرے لیے لیے ان کے سامنے پہنچی۔ بوا ان کی طرح دار تو اسی اور کریم بابا سامنے کھڑے تھے۔

"میں جا رہا ہوں۔ کریم بابا! گھر کا خیال رکھنا، بوا! آپ بھی۔"

"آپ کھانا تو کھا لیں۔ سب تیار تو ہے۔" وہ منمنائی۔

"میں نے کہا ہے کہ میں جا رہا ہوں اور جب میں کچھ کہتا ہوں۔ اسی وقت کر رہا بھی ہوں۔" وہی غراہٹ، خون سنسنا گیا لیکن اگر چپ رہی تو نہ جانے پھر اور کیا ہو جائے۔

"پانچ منٹ لگیں گے۔ رزق کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔"

"وہ نصیحت کرتی ہے لڑکی کی بچی۔ بہت بڑی آئی احسان جتاتی ہے [illegible] کے بڑھے۔ اس کی چوٹی گردن سے [illegible] جکڑ کر گردن پیچھے جھکائی۔ بوا نے [illegible] اس کے ہاتھ سے۔ تکلیف سے اس کی [illegible] ہاتھ بے اختیار چوٹی پکڑے ان کی انگلیوں سے ٹکرائے۔ انہوں نے غرا کر جھٹکا دیا۔

"... کی بچی کیا کہا ہے میں نے۔ بول سنتی ہے یا بہری ہے۔" دوسرے ہاتھ سے کان موڑا، اذیت سے اس کا رنگ نیلا پڑ گیا۔

بوا چلا پڑیں۔ "صاحب خدا کے لیے طبیعت خراب ہے بی بی کی۔"

انہوں نے دانت پیس کر دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑائی۔ بوا نے پکڑ لیا۔

"میں لاہور جا رہا ہوں۔" نارمل لہجے میں کریم بابا سے مخاطب تھے۔ "جہانگیر کو لینے۔ اسکول میں چھٹیاں ہو گئی ہیں۔ شاید وہاں دو تین دن لگ جائیں۔ رحیم داد کے پاس رقم ہے۔ ضرورت ہو تو اس سے لے لینا۔ میری فلائٹ کا وقت قریب ہے۔" باہر گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگی۔ اب بیٹا بھی۔ اوہ میرے خدا! بوا اسے سہارا دے کر اندر لے گئیں۔ کانپتی ہوئی زخمی چڑیا۔

"ظالم دیو دیکھتا نہیں حالت کیا ہے بچی کی۔ اے اللہ! کسی کو بے لال نہ کرے۔"

اگر بوا نہ ہوتیں۔ اس گھر میں اتنا عرصہ وہ زندہ نہ رہتی۔ روز ہی تماشے ہوا کرتے تھے۔ کریم بابا کیا، کبھی تو رحیم داد ڈرائیور کے سامنے بھی... مگر بوا کی نواسی نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ چند دن کے لیے آئی تھی۔ بوا دودھ لے آئیں۔ زبردستی پلایا۔ کھانے کا پوچھا۔ بھوک جو محسوس ہوئی بھی تو وہ صاحب کے بیٹے کی آمد سن کر بھاگ چکی تھی۔ آٹھ سال کا پہلوان۔ پچھلے سال تھا آٹھ کا اب تو نو کا ہو گیا۔ یقیناً زیادہ طاقت حاصل کر چکا ہو گا۔ پچھلے سال وہ مہانو کے

ساتھ باکسنگ باکسنگ کھیلا کرتا تھا۔ خود ڈنگر جیسے ہاتھوں سے مکے رسید کرتا۔ مہرو کو صرف دفاع کا حکم تھا۔ بیٹا ناک ناک کے حملے کرتا۔ ابا جان اشارے کرتے قہقہے لگاتے۔ ہدایتیں دیتے۔ "ہاں لگے پر لب کمر پر۔ شاباش پیٹ پر لگاؤ..."

بیٹا تعمیل کرتا۔ مہرو نے باکسنگ کے داؤ پیچ نہیں سیکھے تھے۔ ہاں اگر ابا جان نہ ہوتے تو وہ بھی مقابلہ کر لیتی لیکن اب تو بچاؤ بھی مشکل تھا۔ وہ صرف اپنا منہ بچانے کی کوشش کرتی۔ بازوؤں میں چھپا کر پھر بھی کبھی کبھار اس کا بھاری ہاتھ اچٹتا ہوا بھی لگ جاتا۔ ہونٹوں سے خون رسنے لگتا۔ اب تو وہ ہاسٹل سے اور بھی داؤ پیچ سیکھ کر آئے گا۔ اسے اپنی جان خطرے میں نظر آرہی تھی۔ وہ دور اوروں سے بچاؤ کیسے ممکن ہے۔ بے بسی؟ بے کسی۔ رونے لگی۔ بوا کی آہٹ سن کر آواز دے کر انہیں ہدایت کی۔

"بوا! آپ لوگ کھانا کھالیں۔"

"ہاں بی بی! رحیم داد بھی ایئرپورٹ سے آگیا ہے۔ اسے کھانا دے آئی ہوں۔ دل تو نہیں چاہتا کھانے کو۔ پر کیا کریں، پیٹ بڑا ظالم ہے۔ کریم بابا بھی کھانے کا منع کر رہا ہے۔"

"بوا! کریم بابا کو دودھ ضرور دے دیتا۔"

"اچھا بی بی! آپ بھی کچھ تھوڑا سا کھا لیتیں۔ کچھ طاقت آتی۔"

"نہیں۔" کہہ کر کروٹ لی تو گردن میں ٹیس سی اٹھی۔ ہائے نکل گئی۔ بوا فوراً اندر آئیں۔ وہ گردن سہلا رہی تھی۔ بوا تیل لے آئیں۔ ہولے ہولے مالش کرنے لگیں۔ آرام آرہا تھا مگر کراہیں نہ رکیں۔ پھر نہ جانے کب نیند میں گم ہو گئی۔ بوا کب چلی گئیں خبر نہ ہوئی۔

آنکھ کھلی تو رات گہری ہو چکی تھی۔ [illegible] تھی۔ خوف طاری ہو گیا۔ کیا میں [illegible] ہوں۔ ہمت کر کے اٹھی۔ اپنا [illegible] اٹھا کر باہر آئی۔ بوا کے کمرے میں [illegible] بوا نے دروازہ کھول دیا۔ حیران ہو کر دیکھنے لگیں۔

"بوا! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں آپ کے کمرے میں سو جاؤں؟" بوا نے مڑ کر اپنے کمرے اور وہ بستر کو دیکھا۔

"بی بی! میرا گھر تو آپ کا ہے۔ مگر بستر آپ کے لائق نہیں۔"

وہ لڑکھڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ بوا کی نواسی لیٹی ہوئی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ سیدھی جا کر پلنگ پر گری۔ سر چکرا گیا۔ نقاہت کا غلبہ تھا۔ بوا نے ہمدرد فرشتے کی طرح سہارا دیا۔ کب وہ بے خبر ہوئی۔ بوا کہاں سوئیں۔ کیا کرتی رہیں۔ کچھ خبر نہ تھی۔ ہاں ایک بار غنودگی میں اس نے بوا کی نواسی کی آواز سنی وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نانی! مجھے دادا کے گھر جانا ہے۔ بس ادھر نہیں رہنا۔ تمہارے صاحب تو مجھے مار ڈالیں گے۔ میں ان سے شادی نہیں کروں گی۔"

بوا کہہ رہی تھیں۔ "مجال ہے، تمہیں ہاتھ بھی لگائیں۔ میں جو ہوں۔ بہت لحاظ کرتے ہیں میرا۔ رشتے میں ان کی خالہ لگتی ہوں۔" "بہت اچھے [illegible] کے لگتے ہیں۔"

شاید اسے پیاس لگی تھی مگر زبان [illegible] دیا۔ ایک بار پھر غافل ہو گئی۔ [illegible] ہو گئے۔ بوا کسی سے فون پر [illegible]

"صاحب جی! بی بی [illegible] ہیں۔ کمزوری ہے بہت صاحب۔ [illegible] میں ٹیکسی کہاں تلاش کروں [illegible] دودھ [illegible] جگا کر ٹیکسی منگاؤں؟ [illegible] کرتی ہوں۔ اچھا صاحب جی!"

[illegible] گنگنانے لگیں۔ انہوں نے ڈرائیور کو جگایا ضرور مگر ٹیکسی منگانے کے لیے نہیں گاڑی اسٹارٹ کرنے کی ہدایت دے کر اندر آئیں۔ کسی طور اپنی نواسی اور کریم بابا کی مدد سے اسے باہر لے جا کر پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ نواسی کو پیچھے بٹھایا۔ خود آگے بیٹھیں۔ اور اسے تو ہسپتال میں ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹروں کی کوششوں سے دوبارہ سانس لینے لگی تھیں۔ [illegible] آئی تھی۔

"بی بی! شکر ہے۔ آپ کو ہوش آگیا۔ کمزوری بہت ہے۔ صبح ہو گئی ہے۔ مجھے اس بچا کو اس کے دادا کے گھر چھوڑ کر آنا ہے۔ واپسی میں پھر آؤں گی۔ صاحب بھی شام تک پہنچ جائیں گے۔ [illegible] تھوڑی دیر [illegible] رحیم داد نے آپ کے اسپتال داخلے [illegible] تھے۔ صاحب نے کہا تھا رحیم داد [illegible] دوا منگانا پڑی تو [illegible] کہتے ہوئے [illegible] بوا [illegible] پلکیں [illegible] اس قدر [illegible] ساتھی مددگار۔ ڈاکٹر نے [illegible]

"[illegible] بی بی مہرو! آنکھیں کھولو ذرا۔"

بی بی مہرو پر نقاہت کا غلبہ تھا۔ بمشکل آنکھیں کھولیں۔ ایک جگمگاتا ہوا خوب صورت چہرا۔ مہربان مسکراہٹ سے آراستہ۔

"نام تو بڑا شاہانہ ہے لیکن فاقے کرتی رہتی ہیں۔ بی بی صاحب انسان کو کھانے پینے کی اجازت ہے۔ ہم دنیا میں آئے کس لیے ہیں؟ بی بی حوا نے حضرت آدم کو گندم کھلا کر ہی دنیا میں آنے کا راستہ بنایا تھا۔ جی جانتی ہیں آپ بہت مزے کی ہوتی ہے گندم اور گندم کی روٹی اور انسان کی ضرورت بھی۔ آپ فاقے کر کے اپنے ساتھ اپنے بچے پر بھی ظلم کر رہی ہیں۔ آپ کو شاید علم نہیں۔ آپ ایک انسان کو دنیا میں لانے والی ہیں۔ جنت پیروں تلے آئے گی ___ مگر بھوکی رہ کر نہیں۔ بچے کی خاطر اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے۔ طاقت حاصل کرنی ہے۔ سسٹر! انہیں کھانا کھلائیں۔"

نرس نے انڈا، توس، دودھ، چائے سب ہی کچھ کھلا پلا دیا۔ پھر وہ مہربان ڈاکٹر انجکشن لگانے لگی۔ مہرو کو پورے وجود میں طاقت دوڑتی محسوس ہوئی۔ صرف طاقت ہی نہیں ہمت، حوصلہ اور جینے کی خواہش اس نے ڈاکٹر سے کہہ بھی دیا۔

"[illegible] صحیح معنوں میں مسیحا ہیں۔ مجھے آپ کے الفاظ نے اپنی طاقت کا احساس دلایا۔ جس کی مجھے [illegible] تھی۔" ڈاکٹر سنجیدہ ہو گئی۔

"[illegible] مسیحا تو وہ ہے جو آسمانوں پر بیٹھا ہمیں صراط مستقیم کی تلقین کرتا ہے۔ ہدایتیں دیتا ہے۔ ہم اس کے معمولی کارندے اس کے حکم پر آپ لوگوں کی خدمت کر کے آپ کی دعائیں وصول کرتے ہیں۔ یہی ہمارا نصب العین ہے۔ اچھا چلیں، اب تو آپ کو روٹی کے فائدے معلوم ہو گئے۔ اب آپ بچے کی خاطر اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ بھوکی رہ کر اپنی نسل پر ظلم نہ کریں۔ کھائیں پئیں خوش رہیں۔"

وہ ڈاکٹر کو کیسے بتاتی۔ جب شدید گرمی میں اسے روٹیاں پکانے کا حکم ہوتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ روٹی

پکا پکا کر ہلکان ہو جاتی۔ تو اسے روٹی سے نفرت ہو جاتی۔ چند دن سے صاحب اسے روٹی کھانے کی سزا ہی تو دے رہے تھے۔ نوکروں کی سوچوں کے باوجود وہ اسے سب نوکروں کی روٹی بھی پکانی پڑتی۔ لیکن اب تو وہ ایک نئے جذبے سے آشنا ہوئی تھی۔ پتہ نہیں اس خوش خبری سے صاحب کا کیا ردعمل ہوگا۔ کیا وہ اپنے مزاج کو کنٹرول کرلیں گے۔ کیا انہیں خوشی ہوگی۔ ظلم و ستم کا سلسلہ ختم ہو جائے گا؟ سوچ سوچ کر تھک گئی۔ پھر دوا کے زیر اثر سو بھی گئی۔

دوپہر کو اسے ٹیسٹ کے لیے دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ نہ جانے کیسے کیسے ٹیسٹ ہوئے۔ وہ آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ کبھی مسکرا دیتی۔ نرسیں اس سے مذاق کرتی رہیں۔ بوا نے شاید ڈاکٹر سے کہا تھا کہ اس کا شوہر دوسرے شہر دورے پر گیا ہوا ہے۔ مہربان نرس اس کے لیے کھانا لے آئی۔ شاید بوا نے کھانے کے لیے تاکید کردی تھی۔ شام کو بوا آئیں۔ اسے دیکھ کر آبدیدہ ہوگئیں۔

"بوا! صاحب آگئے؟" پرشوق لہجہ تھا۔

"ہاں جی ۔۔۔ آگئے ۔۔۔ بیٹا بھی اور بھائی بھی ساتھ آیا ہے۔"

ایک بار پھر ۔۔۔ ان کے بیٹے کی پاکستان آمد نے دہلا دیا اور بھائی بدکردار شرابی جواری۔ اس کی تو نظروں میں ہی بے باکی تھی۔ رشتوں کے تقدس کا اسے علم ہی نہ تھا۔ شکر ہے کہ وہ لاہور میں رہتا تھا۔ ریس کے گھوڑوں پر شرطیں لگاتا تھا۔

"صاحب نے ۔۔۔ یہاں آنے کے بارے میں ۔۔۔ کچھ کہا؟"

"ابھی تو مشکل ہے۔ بیٹے کو تعلیم کے لیے لندن بھیجنے کے انتظام میں مصروف ہیں ۔۔۔" بوا کچھ اداس تھیں۔

"انہوں نے میرے بارے میں کچھ پوچھا؟"

"کیا پوچھتے؟ رحیم داد نے بتایا کہ [illegible] آپ کو گاڑی میں ہسپتال پہنچایا۔ پھر [illegible] میں کیوں نہیں؟ غصہ، شور، پھر جب انہیں [illegible] چلا کہ آپ کو پرائیوٹ کمرے میں داخل کروایا ہے۔ بس آگ بگولہ۔ پہلی دفعہ مجھ سے جواب طلبی کی۔ میں ان کی نوکری چھوڑ کر آگئی ہوں۔ میری بھی عزت ہے۔ شکر ہے کہ بیٹا آپ سے زیادتی دیکھ کر چلی گئی۔ ڈر گئی۔ صاحب نے اپنے بھائی سے اس کی شادی کروانے کا وعدہ کیا تھا۔ صاحب کو یہ بھی اچھا نہیں لگا کہ وہ دادا کے گھر کیوں گئی۔ اب میں تو گاؤں جارہی ہوں۔ آپ کا اللہ حافظ ہے۔" وہ گھبرا کر بوا کو دیکھ رہی تھی۔

"بوا آپ بھی ۔۔۔"

"گاؤں میں صاحب کے بھائی کے گھر ہماری عزت کی جاتی ہے۔ بی بی! وہاں کسی کو خبر نہیں کہ میں یہاں تنخواہ دار ملازمہ کی طرح رہتی ہوں، کسی بزرگ خاتون کی طرح نہیں۔ اب تو میں شکر کرتی ہوں۔ بیٹا بچ گئی۔ آپ کو ان کی گاڑی میں یہاں لانے کی سزا تو مجھے مل گئی۔ اب رحیم داد کو۔۔۔"

"بوا جی! پھر یہاں میں کیسے رہوں گی اور وہ جہاں گیر تو میرا دشمن ہے۔"

"ابھی ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی ہے۔" بوا ہلال گئیں۔ "اللہ خیریت رکھے۔"

"تو صاحب یہ خبر سن کر خوش ہوں گے نہیں بوا؟" وہ بھی بشاش ہوگئی۔

"ارے ان کو تو بتانا بھی نہیں [illegible]۔" ڈاکٹر نے الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ [illegible] لڑکی ہے۔ بی بی! صاحب کو لڑکی [illegible] نفرت ہے۔ اگر انہیں ابھی خبر [illegible] تو وہ آپ کی جان کی پروا نہ کریں گے [illegible] ہونے سے پہلے ہی ۔۔۔ خاتمہ کروا دیں گے۔"

[illegible] زرد ہوگئی۔ "مگر وہ ۔۔۔ ان کی اپنی بیٹی ہو گی۔"

"ہاں بے شک۔ پہلی بیوی کو بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں طلاق دے دی۔ وہ انگلینڈ اپنے بھائی کے پاس چلی گئی۔ سنا ہے نوکری کرکے پال رہی ہے۔ آپ کی تو ان کی نظر میں اتنی عزت بھی نہیں کہ یہ جرم معاف کر دیں۔ پتہ نہیں کیا کریں گے۔ کل آئیں گے۔ اگر آئے تو انہیں خبر نہ ہو۔ ویسے بھی غصے میں ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلیں۔ وہ اس بچی کو پیدا نہیں ہونے دیں گے ۔۔۔ مجھے یقین ہے۔"

وہ ششدر بوا کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کیسی افتاد تھی۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

"یہ تھوڑی سی رقم ہے۔ میری طلاق کی کمائی ہے بی بی! اسے قبول کرلیں۔ [illegible] آپ سے [illegible] آؤں۔ میں کل پھر آنے کی کوشش [illegible] آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ بوا کا ہاتھ پکڑ کر رو دی۔ اپنی مجبوری تھی دامنی بوا کا ایک اور احسان [illegible] وہ ان کی محبت رفاقت اور در [illegible] بدلہ کرسکے [illegible] نہیں وہ بھی بھی ان کا [illegible] چکا سکی۔

☼ ☼ ☼

بوا جاچکی تھیں۔ اب وہ تھی اور خوف کا نیا احساس۔ ڈاکٹر کسی نے ان کو الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ کے بارے میں بتا دیا ۔۔۔ اکیلی بے یار و مددگار ۔۔۔ زندگی آج اسے عزیز ہوگئی تھی۔ ورنہ ۔۔۔ اس محل نما قید خانے میں کتنی بار موت کی خواہش کی تھی۔ وہ ذلت بھری زندگی وہ بے توقیری اور اب ۔۔۔ بوا کے اندیشے۔ خاندانی بیوی کو بیٹی پیدا کرنے پر طلاق ہوسکتی ہے تو ۔۔۔ وہ تو ۔۔۔ محض ان کی گاڑی استعمال کرنے پر بوا کی نوکری ختم اور استعمال بھی تو مہمانوں کے لیے ۔۔۔ اس کی تحقیر اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ پرائیویٹ کمرے میں رہنے کا اسے حق نہ تھا۔ اس کی سزا رحیم داد کو ملی ہوگی۔

آج اسے مستقبل عزیز ہو رہا تھا۔ اپنی عزت، بچی کی جان، اپنا مستقبل۔ وہ اللہ سے گڑگڑا کر تحفظ کی دعا مانگتی رہی۔ کوئی تو حل ہوگا۔ کہیں سے امداد۔ اللہ سے تو کچھ بعید ہے۔ وہ حفاظت بھی کرتا ہے۔ دعا بھی قبول کرتا ہے۔ غیب سے کوئی معجزہ ۔۔۔ نرس نے ٹی وی آن کر دیا تھا۔ وہ بے خیالی میں ٹی وی پر نظریں گاڑ کر سوچ رہی تھی۔ کیا کروں؟ اچانک اس کے اعصاب بیدار ہوگئے۔

ٹی وی اسکرین پر ملک کی مشہور خاتون وکیل قانونی مشورے دے رہی تھیں۔ اوہ! صائمہ آپا۔ ان کا فون نمبر بھی [illegible] جگمگا رہا تھا۔

"سسٹر [illegible] کیں آپ مجھے موبائل دے سکتی ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ کال کرنی ہے لیجیے۔" سسٹر نے موبائل دے دیا۔

مہربان نرس۔ اس نے ٹی وی پر بھاگتے دوڑتے نمبر ملائے۔ بیل جارہی تھی۔

"صائمہ آپا! آپ کہاں ہیں؟ کیا ابھی آسکتی ہیں۔ میرے پاس؟"

اس نے جلدی جلدی ہسپتال اور روم نمبر اپنا نام بتایا۔ وہ جانتی تھی صائمہ آپا فیصل آباد میں رہتی ہیں۔ اس کی بہت عزیز دوست ملیحہ کی بہن۔ ملیحہ کی شادی ہو گئی تھی۔ وہ کراچی میں تھی۔ صائمہ نے شادی نہیں کی۔ نرس کو موبائل دیتے ہوئے اس نے بہت ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے شکریہ بھی ادا کیا۔

ایک گھنٹے بعد صائمہ آپا آگئیں۔ وہ بہت مصروف خاتون تھیں۔

"مسو! یہ تم ہو؟ ارے کیا ہوا بھئی ۔۔۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہو۔ فاقے کرتی ہو کیا؟" وہ اس کے پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئیں۔ اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔

پھر وہ ہمہ تن گوش بنی اس کی آپ بیتی سنتی رہیں۔ تاسف اور تکلیف ان کے چہرے پر بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

"اب تم کیا چاہتی ہو؟ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ تمہارے مستقبل کا معاملہ ہے۔"

"مجھے وہاں عافیت نظر نہیں آرہی۔ میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھے اپنی تو فکر نہیں۔ مگر عورت کے نام سے نفرت کرنے والا۔ اپنی بیٹی کو بھی عورت ہی سمجھتا ہے۔ ایک بیوی کا جرم ہی بیٹی کی پیدائش ہے۔ اسے طلاق دے دی۔ میرا تو کوئی پرسان حال نہیں۔ میں اب کوئی خطرہ لینا نہیں چاہتی۔ مجھے اپنے ساتھ اپنی بچی بھی بہت عزیز ہے۔ خواہ وہ ابھی دنیا میں نہیں آئی۔ میں اسے دیکھے بغیر بھی اس کی محبت محسوس کرتی ہوں۔

مجھے تحفظ چاہیے۔"

"دیکھو ایک آدمی کے کہنے پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ آزما کر تو دیکھو۔"

"آزمانے میں ہی تو خطرہ ہے۔ میری عزت' نہیں قدر نہیں' عشرت گلی گلوچ۔" وہ پھر تفصیل سے بتانے لگی۔ "ان کی قیمتی گاڑی مہناز جیسی ادنیٰ ہستی استعمال کرے۔ یہ اس کا جرم ہے اور۔۔۔ اب مار پیٹ۔۔۔ شاید میں برداشت نہ کر سکوں۔ نہ میں رہوں گی نہ بچہ سلامت رہے گا۔ سارے جرم میرے سر۔۔۔ سزا بھی۔"

"تمہارے لانے۔۔۔ کیا دیکھا تھا؟"

"شاید میرا تحفظ۔۔۔ دوست کے بھائی کا ظاہری روپ' دولت' میں مرنے کی دعا کرتی تھی مگر اب مجھے حوصلہ ہوا ہے۔ امید نے بہار کی نوید سنائی ہے۔ کوئی زندہ وجود جو خالصتاً "میرا" ہو گا۔ صائمہ آپا! جب میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے لیے مدد مانگ رہی تھی۔ اس وقت ٹی وی پروگرام میں آپ کچھ مشورے دے رہی تھیں۔ کیا یہ اللہ کی ہی مدد نہیں جو مجھے اسی وقت آپ نظر آئیں۔ آپ ہی تو نجات دہندہ بن کر میرے لیے آزادی کا پیغام نہیں لائی ہیں؟ یہ میری دعا ہی تو ہے۔ میرے بچے کی زندگی کیا میں اسے اللہ کی مدد سمجھنے میں غلطی کر رہی ہوں؟"

بے حد جذباتی ہو گئی تھی وہ۔ صائمہ کچھ دیر سوچنے کے بعد ڈاکٹر سے ملنے چلی گئیں۔ واپسی ڈاکٹر کے ساتھ ہوئی۔ اس نے ضروری ہدایات دیں۔ پھر ایک وہیل چیئر پر اسے بٹھایا گیا۔

"میں تمہیں اپنی ذمے داری پر ڈسچارج کروا کر لے جا رہی ہوں۔ اگر کوئی تم سے ملنے آیا۔ مجھ سے رابطہ کر سکتا ہے۔"

"صائمہ آپا! آپ کو میں پیسے دیتی ہوں۔۔۔ منشی۔۔۔"

"وہ سب ہو گیا۔ رقم اپنے پاس رکھو۔ کام آئے گی۔"

"وہ ترسوں کا کچھ انعام۔۔۔"

"انہیں ہر سال سے تنخواہ ملتی ہے اپنے کام کی انہیں فقیر نہ بناؤ۔"

گاڑی میں آرام سے بٹھا کر خود گاڑی چلاتی ہوئی باتیں کرتی رہیں۔

"تمہارا شوہر خاصی اونچی شے ہے۔ اسے شاید میری مداخلت پسند نہ آئے۔ اس لیے تمہیں اس سے مشکل سے بچانے کے لیے میں تمہیں اپنی دوست کے پاس لے جا رہی ہوں۔ وہیں پر ہم تمہارے مقدمے کی تیاری کریں گے۔"

"مقدمہ؟ صائمہ آپا! اس کے لیے دولت بھی درکار ہو گی۔ آپ کا یہ احسان ہی کیا کم ہے کہ مجھے ملا ہے۔"

"یہ احسان نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہاری مدد ہے۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔ میں وکیل ہوں۔ عورت کے ناتے ایک چھوٹی بہن کو ظلم سے نجات دلانا میرا فرض ہے۔ اچھا وہ تمہیں دیکھنے ہسپتال تو آئیں گے۔ انسانیت اتنی تو ہو گی؟"

"شاید۔۔۔ بلکہ مشکل ہے۔ وہ خود انسان ہونے کا دعوا کرتے ہیں مجھے انسانیت کا حق دینے کے روادار نہیں۔ میں ان کے لیے بے زبان گائے [illegible] اشاروں پر عمل کرنا میری مجبوری ہے [illegible] کا حق بھی نہیں۔" اس کی آواز [illegible]

آج تین سال کے بعد وہ [illegible] سنا رہی تھی اور صائمہ [illegible] رہی تھیں۔

"جو دوسروں کو انسان نہ سمجھے۔ وہ خود بھی انسان کہلانے کے [illegible] نہیں۔ لگتا ہے تمہارے صاحب بہادر [illegible] کسی عورت نے ہی چوٹ لگائی [illegible] انتقام میں اندھے ہو گئے ہیں یا پھر یہ مشہور [illegible] جاگیرداری کا ظالم اور جابر ہی کردار ہے۔ جس کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے' سنا ہے۔ یعنی دولت کے نشے میں خود کو خدا سمجھنے والا جو عورت کیا کسی بھی غریب کو کیڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ عورت اس کے لیے کھلونا ہے۔ دل بھر گیا پھینک دیا۔ نیا لے آئے۔"



صائمہ کی دوست انجم بھی وکیل تھی۔ مہرانو کو کمرے میں لٹا کر وہ دونوں معاملے پر غور کرنے لگیں۔

انجم اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کی امی آ کر حال چال پوچھنے لگیں۔ بہت شفیق خاتون تھیں۔ مہرانو پر تو صاحب کا خوف سوار تھا۔ وہ ہسپتال نہیں آئیں کہ وہ بوا سے خفا ہو سکتے ہیں تو رحیم داد تو پھر ان کی رعایا سے تھا۔ اگر وہ یہاں پہنچ گئے اور شور شرابا کیا زبردستی لے لے جانا چاہا تو۔

اس نے اپنے خدشے سے صائمہ کو آگاہ کیا۔ وہ ہنس دی۔

"اتنے معصوم بھولے بھالے نہیں ہیں وہ۔ بہت تیز چیز ہیں۔ یہاں کا پتہ معلوم نہیں ہے انہیں ہاں میرے گھر پر ضرور دھاوا بول سکتے ہیں۔ میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ میں یہاں ہوں بلکہ میں تو لاہور گئی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔"

صائمہ بھی اس رات انجم کے گھر رہی۔ رات گئے تک دونوں مقدمے کی تیاری کرتی رہیں۔ اگلے دن صبح صائمہ اور انجم کورٹ چلی گئیں۔ وہ خوف زدہ تھی۔ اگر وہ یہاں پہنچ گئے۔ گھر میں انجم کی امی اور وہ کیا کریں گی۔ چپ چاپ ان کے ساتھ چلی جائے؟ دوپہر میں وہ واپس آئیں تو اسے سکون کا سانس نصیب ہوا۔

"لو بھئی لو وہ تمہارے عاشق زار شوہر نامدار تمہاری تلاش میں میرے گھر پہنچ گئے۔ چوکیدار نے بتایا کہ میں تو لاہور گئی ہوئی ہوں۔ گھر بند ہے تو انہوں نے پوچھا کہ ایک لڑکی بھی ان کے ساتھ تھی کیا وہ گھر پر ہے؟ چوکیدار نے کہا کہ وہ تو صبح کورٹ گئی ہیں پھر وہیں سے لاہور روانہ ہو گئیں۔ گھر آئی ہی نہیں۔"

"وہ سمجھیں گے میں بھی لاہور چلی گئی۔ اب میرے چچا اور خالو کو تنگ کریں گے۔" وہ گھبرا گئی۔

"وہ نہیں کریں گے۔ انہیں ہسپتال میں بتا دیا گیا تھا۔ الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھی دکھا دی گئی [illegible] جا کر تمہیں تنگ کرنے کا پروگرام [illegible] گئے کہ تمہاری جرات کی سزا [illegible] نے ڈاکٹری رپورٹ کے ساتھ تمہاری [illegible] سے خلع کے کاغذات جمع کرا دیے ہیں۔ کل تک نوٹس ان تک پہنچ جائے گا۔" صائمہ مطمئن تھی اور مہرانو پریشان۔

دو تین دن بعد اس نے صائمہ سے کہا۔

"آپ مجھے..... یہاں کسی دارالامان میں داخلہ دلوا دیں۔"

"کیوں بھئی۔ کوئی تکلیف ہے یہاں؟"

"نہیں۔ لیکن میں کب تک یہاں اس طرح رہوں گی۔" اسے شرمندگی ہوتی تھی جب انجم کی امی اس کے لیے ناشتہ کھانا بنا کر لاتی تھیں۔

"کب تک کا کیا مطلب؟ جب تک مقدمہ ختم نہیں ہو جاتا تب تک صبر سے رہو۔"

"پتہ نہیں کتنا لمبا چلے گا مقدمہ۔ میں کورٹ نہیں جاؤں گی صائمہ آپا میں صاحب کا سامنا نہیں کر سکتی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ غصے میں آ جائیں گے۔ اشارہ بھی کریں گے' میں ان کے ساتھ چل پڑوں گی۔ انکار نہیں کر سکوں گی۔"

"ایسے کیسے چل پڑو گی۔ مقدمہ مذاق نہیں ہوتا اور فکر نہ کرو۔ میں ان عزت دار جاگیرداروں کی [illegible] کو جانتی ہوں۔ کورٹ میں حاضر ہونا ان کی ذلت [illegible] ہے۔ وکیل ہی آئے گا اور تمہاری خراب [illegible] رپورٹ کی وجہ سے تمہیں [illegible] لیے فکر کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے آپ کی فکر ہے [illegible] آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ارے! [illegible] جانتے ہیں ہم۔ ویسے بھی تمہارا [illegible] نہیں۔"

"[illegible] وہ یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ ایسا ہوا....."

"[illegible] ہو سکتا ہے مگر ہو گا نہیں۔ تم قانون کی حفاظت میں ہو۔ وہ آئے بھی تو مجسٹریٹ کے ساتھ آئیں گے۔ تمہارا بیان لیں گے۔ اسی پر مقدمے کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار ہے۔ تم بے خوف ہو کر بیان دو گی کہ تمہیں صاحبزادے سے جان کا خطرہ ہے جو کہ سچ ہے اور اسی سچ کو ہم مقدمے میں شامل کر کے انصاف حاصل کر سکتے ہیں یعنی خلع۔"

"صائمہ آپا! اس صورت حال میں شرعی طور پر تو خلع یا طلاق مؤثر نہیں ہوتی۔ وہ دوران حمل [illegible] کر رجوع کر سکتے ہیں۔"

"ہاں مگر دونوں کی رضامندی سے۔ لیکن [illegible] خیال ہے وہ ایسا کچھ کریں گے نہیں۔ [illegible] خاطر وہ خلع کے لیے راضی ہو جائیں [illegible] ان کو للکارنے والی بیوی سے چھٹکارا [illegible] بہتر سمجھیں گے۔ ایک اور شادی کے لیے آزاد [illegible] گے۔ اس کے علاوہ بچی کا پیدا ہونا بھی [illegible] کے خلاف ہو گا۔ ہاں وہ ہسپتال [illegible] تمہاری وہاں موجودگی میں تو کسی بھی [illegible] اس سے چھٹکارے کی کوشش کر سکتے [illegible] میں تمہاری جان بھی چلی جاتی۔ ہم [illegible] واقف ہیں۔"

☼ ☼ ☼

اور صائمہ کا خیال صحیح تھا۔ انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ کورٹ میں ان کی ذلت کا سبب بننے والی بیوی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسے وہ اپنی زندگی سے خارج کرتے ہیں۔ وہ دن اگر انجم اور صائمہ کے لیے خوشی کا تھا۔ تو مہرانو کی فکروں میں اضافہ ہوا تھا۔ مہر کا چیک بھی صائمہ نے اسے دے دیا۔

عورت کے لیے طلاق کا لفظ خوشی کا سبب نہیں بنتا۔ وہ بھی رنجیدہ تھی۔ لیکن جس کی خاطر اس نے یہ آزادی حاصل کی تھی' اس کی حفاظت اب اس پر فرض تھی۔

اب وہ بالکل تنہا تھی لیکن اس کے ہمدرد بہت تھے۔ بوا' رحیم داد' ہسپتال کی ڈاکٹر' نرسیں' صائمہ اور انجم' انجم کی امی' وہ سب کی شکر گزار تھی اور اللہ کی سب سے زیادہ جس نے اسے اس قابل سمجھا۔ عین وقت پر مدد کی۔ اس کے باوجود وہ خوش نہ تھی۔ مستقبل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنا منہ کھولے کسی اژدہے کی مانند اسے ہڑپ کرنے بڑھا چلا آ رہا تھا۔

"اب تم آزاد ہو۔" صائمہ اسے اپنے گھر لے آئیں۔ کیسی آزادی تھی یہ [illegible] کو اس کا سائبان بنایا۔ اسی نے اذیتیں [illegible] آسرا کر دیا۔ صائمہ اس کی پریشانی سمجھتی [illegible] کے فون آتے' تسلیاں دلاسے مگر ان [illegible] سے وہ کچھ حاصل تو نہیں کر سکتی۔

"دیکھو! فی الحال تم فکروں کو دور کرو۔ خوش رہنے کی کوشش کرو۔ تمہارے پاس معقول رقم ہے۔ کم از کم بچے کی پیدائش اور چند سال تک اس کے اخراجات کے لیے تمہیں کسی پر بوجھ نہیں بننا۔ اب تم اللہ سے جو خواہش کرو گی وہ ان شاء اللہ پوری ہو گی۔ کیونکہ جن کا کوئی نہیں ہوتا اللہ ان کا مددگار ہوتا ہے۔ تمہاری بچی خوش قسمت ہے۔ یقین کرو۔"

صائمہ نے اسے امید کا مژدہ سنایا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔

صائمہ کے گھر عدت گزارنے کے بعد اس نے لاہور خالہ کے گھر جانے کا قصد کیا۔ چچا سے کوئی امید نہ تھی۔ چچی کو اس سے کد تھی کیونکہ ان کا اکلوتا بیٹا مہرانو کا شیدائی تھا جو چچی کے لیے سزا سے کم نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

صائمہ اسے لاہور لے آئیں۔ خالہ کا گھر' وہی گھر بڑے سے گیٹ فراخ صحن والا۔ جہاں اس نے بچپن سے جوانی تک کھیل کود کر خوشیاں بٹوری تھیں۔ خالہ کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ سب سے اس کی دوستی تھی۔

بڑی دو جڑواں تھیں۔ پھر دو جڑواں۔

آخر کی اکیلی تھی۔ وہ مہرانو سے چھوٹی تھی۔ باقی چاروں میں درمیان کی دونوں اس کی "تقریباً" ہم عمر تھیں۔

خالہ بے حد محبت کرتی تھیں مہرانو سے۔ اس کی ماں کی وفات کے بعد وہ ان کے گھر بھی کچھ عرصہ رہی تھی۔ پھر ابا اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ مگر خالہ کے گھر آئے دن وہ پھیرے لگاتی۔ صائمہ کے ساتھ جب وہ گھر میں داخل ہوئی۔ خالہ اسے دیکھ کر سکتے میں آ گئیں۔ کیونکہ اس عرصے میں اس کی صحت

بہت بہتر ہو چکی تھی۔ اگرچہ اب بھی کمزوری کے اثرات تھے۔ وہ خالہ کی محبت بھری آغوش میں سما گئی۔ وہ دونوں آنسو بہا رہی تھیں۔

صائمہ، خالو کو اس پر گزرنے والی قیامت، تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ پھر وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ انہوں نے اپنا آخری فرض بھی پوری ذمہ داری سے ادا کیا۔ اسے اس کے خاندان کے سپرد کر کے۔

نورین یونیورسٹی سے آئی۔ مہ پانو کو دیکھ کر چیختی لپٹ گئی۔ محبت بھرا انداز تھا۔

"ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ کبھی ہمارے گھر بھی آئیں گی۔ کہاں اتنی اونچی شے اس قدر بلند ہستی، ہم غریبوں کے گھر۔ واہ واہ۔"

نورین کو خالہ نے گھورا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ کچھ حیران۔ خالو نے جتایا۔

"اب یہ یہیں رہے گی۔ ہمیشہ کے لیے آگئی ہے۔"

نورین کی حیرت میں اضافہ ہوا مگر وہ مہ پانو کی افسردگی دیکھ کر چپ رہی۔ خالہ نے البتہ کچھ کہنا، کچھ سننا چاہا۔

"تم ان وکیلوں کے چکر میں کیسے آگئیں۔ یہ عورتیں تو نہ خود شادی کرتی ہیں نہ کسی کا بسا ہوا گھر دیکھ سکتی ہیں۔ بس انہوں نے قانون اسی لیے پڑھا ہوتا ہے کہ ہر عورت کو طلاق دلوا کر گھر تباہ کر دو۔"

وہ آگے بھی کچھ کہنے والی تھیں مگر خالو نے کوئی اشارہ کیا پھر کچھ نہیں بولیں۔ پھر شاید خالو نے صائمہ کی دی ہوئی رپورٹ مفصل بتا دی۔

رات کو اس نے خود بھی انہیں کسی شک کا شکار ہونے سے پہلے خود پر گزرے ہوئے واقعات سنائے۔ جسمانی تشدد، گالی گلوچ، مار پیٹ، ذلت، کم حیثیتی کے طعنے، رشتے داروں سے ملنے پر پابندی، نوکروں کے سامنے زدوکوب کرنا، ہر وقت خوف میں جلا رکھنا۔

خالہ سخت حیران۔

"یہاں تو سب یہی سمجھتے رہے کہ [illegible] محل کی رانی۔ دولت پا کر مغرور ہو [illegible] کم حیثیت رشتے داروں سے ملنے میں ہتک ہوتی ہے۔ جب بھی خالہ فون کرتیں۔ یہی جواب ملتا۔ وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتیں۔ وہ تمہیں جانے پر تیار نہیں یا یہ کہ وہ سوات گئی ہوئی ہیں سیر کرنے۔ وہ کاغان میں ہیں یا لندن گئی ہیں۔"

اور مہ پانو کی زبانی۔۔۔ بیٹی کی متوقع پیدائش بھی طلاق دینے کا سبب بنی۔ پہلی بیوی اسی جرم کی سزا کاٹ رہی ہے۔ "حسن کرم خوردہ گئیں۔

"ارے اس بدبخت کو بتاتا تھا کہ لڑکیاں پیدا نہیں ہوں گی تو لڑکے کہاں سے آئیں گے۔ انہیں بھی تو ماں ہی جنم دیتی ہے جو عورت ہوتی ہے۔"

خالہ کو اس پر بہت ترس آیا۔ اگر طلاق سے پہلے انہیں سن گن ملی ہوتی تو کچھ سمجھا بجھا کر صاحب سے مل کر ان سے بھی مفاہمت پر زور دے کر کچھ کوشش کی جاتی۔ اب بعد از مرگ واویلا۔ انہیں البتہ یہ شکوہ ضرور تھا کہ مہ پانو نے خالہ سے کبھی رابطہ کیا ہی نہیں۔ کم از کم ہسپتال سے یا صائمہ کے ساتھ آنے کے بعد وہ کوشش کر سکتی تھی۔ پھر بھی کچھ گنجائش نکل آتی۔

دراصل خالہ نے نہ تو اس طرح کے لوگ [illegible] تھے نہ اس ماحول سے واقف تھیں۔ مہ پانو [illegible] سکی۔ کوئی لڑائی جھگڑا تو ہوا نہ تھا [illegible] کوشش کی جاتی۔ یہ تو سیدھا سادہ [illegible] تھا۔ اگر [illegible] لیجے جان [illegible] کا پہلوان بیٹا! اس کی ایک [illegible] لگ جاتا۔ تو نہ وہ رہتی [illegible] بھی مجبور تھیں۔ ان کی عقل کے [illegible] بجائے [illegible] ٹھیک ہو [illegible]

صبح دلہن کی بیٹیاں آگئیں۔ مہ پانو کی خبر تھی ہی ایسی چونکا دینے والی۔ بڑی افشین تو سعودی عرب میں تھی۔ یمن افشین کی جوڑی داری تھی۔ ماہین اور ثمین کی شادیاں بھی ایک ہی دن ہوئی تھیں۔ دونوں کے بچے چھوٹے تھے۔ گھر میں یک لخت ہنگامہ شروع ہو گیا۔ کرکٹ، فٹ بال، کبڈی سب ساتھ ساتھ۔

تینوں نے مہ پانو کو لپٹا کر پیار کیا۔ پھر اس کے حالات پر افسوس۔ لیکن یہ بھی سب نے کہا "اچھا ہوا۔ جان ہے تو جہان ہے اور بھاڑ میں جائے وہ سونا؟ جس سے ٹوٹیں کان۔ تمہیں تو سونا راس نہیں آیا نہ دولت جائیداد۔"

گھر میں رونق تھی۔ ثمین اپنے گھر کے لطیفے سنا رہی تھی۔ اس کی نند کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ثمین سے چڑتی تھیں۔ ثمین [illegible] ان سے منسوب کر کے لطیفے [illegible] ہنس رہے تھے۔ مہ پانو [illegible] لطف [illegible] اٹھا رہی [illegible] کتنے عرصے بعد وہ دل سے [illegible] پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ ثمین [illegible] کھولا۔ ایک لڑکی [illegible] بچے کو گود میں [illegible] دوسرے ہاتھ میں بیگ تھا۔ بیگ [illegible] بچے کو نورین کو دیا۔ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ نورین اس سے باتیں کر رہی تھی۔ پیار کر رہی تھی۔

وہ حیرانی سے پوچھنے لگی۔ "یہ بچہ کون ہے؟"

"عالی کا بیٹا ہے۔" خالہ سادگی سے جواب دے کر اندر چلی گئیں۔ مگر اس کی حیرت میں اضافہ کر گئیں۔ عالی خالہ کا دیور تھا۔

"عالی!" ایک جھماکا سا ہوا۔ جیسے کوئی شعلہ لپکا تھا۔ وہ تو بھول ہی گئی تھی۔ "تو عالی نے شادی کر لی۔ کبھی شادی نہ کرنے کا عہد۔ اپنی محبت کا یقین۔ اپنے ارادوں کی مضبوطی۔ وہ سب؟"

"تائی کے گھر گیا ہوا تھا۔ وہ دن وہیں رہتا ہے۔" ماہین نے بتایا۔

"تائی کے گھر۔ کیوں؟ ماں کہاں ہے؟" بے خیالی میں سوال کر لیا۔

ثمین نے الگ لے جا کر بتایا۔ "ارے بھئی چچا سے بنی نہیں۔ دراصل وہ بچہ پیدا کرنے کے حق میں نہ تھیں۔" "ہائیں! کیا مطلب؟" بچہ۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے رہ گئی۔

"ہاں بھئی دراصل وہ تو چچا سے کیا کسی سے بھی شادی پر رضامند نہ تھیں۔ ان کو جو پسند تھا ان کے والد اس کے خلاف تھے۔ تو جب امید سے ہوگئیں۔ چھٹکارے کی کوشش کی۔ مگر سعودیہ میں تو جرم ہے۔ کہنے لگیں پاکستان چلی جاؤں گی۔ چچا نے اس گناہ [illegible] سے معذوری ظاہر کی۔ تمہیں معلوم تو ہے۔ وہ بچوں کے کتنے عاشق ہیں۔ ہر کسی کے بچے کو گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ تو یہ وہیں پیدا ہوا۔ اس کو چھوڑ کر چلی گئیں۔ ان کے والدین بھی سعودیہ میں تھے۔ انہوں نے بھی سختی کی تھی ورنہ وہ شاید یہاں آ کر صفائی کر لیتیں۔ ان کے والدین اب یہیں آگئے ہیں۔ چچا کیسے چھوٹے بچے کو پالتے۔ یہاں چھوڑ گئے۔ اب کبھی یہاں، کبھی نانا کے گھر۔ کبھی میرے پاس، کبھی یمین کے گھر۔ بہت مشکل سے پالا ہے ہم نے۔ بیمار بہت رہتا تھا۔ اب تو شکر ہے صحت اچھی رہتی ہے۔ اماں جان خلع لے کر چلی گئیں۔ پسندیدہ آدمی کے پاس۔ کورٹ میں شادی کر لی۔ اب شاید امریکہ میں ہیں۔"

ناپسندیدہ اولاد۔ اب اسے علم ہوا۔ دنیا میں عورتیں بھی ایسی ہو سکتی ہیں جو اپنی ذات کی تکمیل سے پہلو تہی کریں۔ نہیں، دراصل وہ ناپسندیدہ شوہر کی اولاد نہیں چاہتی ہوں گی۔

"میں رات کو گھر جا کر چچا کو فون کروں گی۔ تمہارا سن کر بہت خوش ہوں گے۔"

وہ منہ کھولے ثمین کو دیکھنے لگی۔ خوش ہوں گے؟ کیا اس کے گھر کی تباہی سے کوئی خوش ہو سکتا ہے؟ ابھی تک تو کسی نے۔۔۔ سوائے صائمہ اور انجم کے خوشی ظاہر کی نہیں۔

"جب تمہاری شادی کی ان کو اطلاع ہوئی۔ نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ وہاں ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ماموں کو خبر ملی۔ وہ فوراً وہاں چلے گئے اور وہیں اپنے کسی دوست سے مل کر زبردستی شادی کرا دی۔ پھر وہ ایک بار آئی تھیں چچا کے ساتھ ہم سب سے ملنے۔ اوہو کیا نخرے تھے۔ کیا انداز تھا۔ باپ رے باپ۔ جیسے کسی ملک کی شہزادی۔ تگنی کا ناچ نچا دیا ہم سب کو۔ اوہو ہو آخر چچا انہیں لے گئے۔ ناخوش تو چچا بھی تھے۔"

شمین نے اپنی والدہ سنا رہی تھی۔ وہ ہنستی رہی۔ دوسروں کے بچوں کو چاہنے والا اپنے بچے سے دور۔ چلو چھوڑو میرے اپنے مسائل کیا کم ہیں کہ میں دوسروں کے معاملات میں الجھ رہی ہوں۔ ارے بھئی جس کا بچہ ہے وہ جانے چاہے پاس رکھے یا دور بھیجے کیا۔

مگر نصیب یہ دوسرا کوئی اور نہیں عالی تھا۔ عالی نے مہانو پر کتنے احسان کیے تھے۔ وہ اسکول کیسے جاتی اکیلی۔ عالی سائیکل پر اسے بٹھا کر اسکول چھوڑتا۔ پھر اپنے اسکول جاتا۔ وہ بیمار ہوئی۔ ٹائفائیڈ ہو گیا تھا۔ وہی ہسپتال میں ڈیوٹی دیتا۔ نہ ابا کا کوئی بیٹا تھا نہ خالہ کا۔

چچا دور رہتے تھے۔ جمال بھائی کو اس کی روتی بسورتی شکل سے چڑ تھی۔ وہ تو جب اپنا ایف اے کا رزلٹ سنانے چچا کے گھر گئی۔ اس دن جمال بھائی بقول خود اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے اتنی لمبی اور اتنی خوش شکل۔ بس اسی دن ان کو الہام ہوا کہ وہ تو مہانو سے محبت کرتے ہیں مگر اس محبت میں چچی نے اس قدر رخنے ڈالے کہ اس نے چچا کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ مگر جمال بھائی نے اب یک لخت چچا سے محبت کا ڈرامہ رچانا شروع کیا۔

"چچا! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ کوئی تکلیف کوئی ضرورت ہو مجھے بتایا کریں۔"

وہ عالی کی مہانو کے گھر آمد پر خفا ہو جاتے۔ ابا کو بھتیجا اب کچھ بیٹا سا لگنے لگا مگر وہ چچی کی زہر اگلتی زبان اور شعلہ برساتی نظروں سے خائف تھی۔ ابا کو یاد دلاتی۔

"کیسے بیٹے ہیں یہ۔ کبھی تو کوئی کام نہیں کرتے۔" جب عالی بجلی کا بل جمع کرا آتا۔ ابا کے بینک جا کر رقم نکلوا لاتا یا مہرو کو کالج کا کوئی کام ہوتا۔ عالی ہی سے کہنا پڑتا۔

کمال بھائی اس قدر کاہل تھے ایک [illegible] سے تو انہیں یاد ہی نہ رہتا۔ ہاں [illegible] خواہش پر چائے بنا کر [illegible] کمرے میں گھس جاتی [illegible] کوئی فرمائش نہیں کی۔ جمال بھائی لگتا چچا کے گھر نہیں کسی ریستوران میں تشریف لائے ہیں۔

"چچا۔ سوجی کا سوکھا بادام والا حلوہ بہت دن سے نہیں کھایا۔ آپ کو بہت پسند ہے نا۔"

"تو آپ بنوا کر لے آتے۔ چچی سے۔" وہ چڑ کر کہتی۔

"اماں کو وہ والا حلوہ اتنا اچھا نہیں آتا۔ تم اچھا بناتی ہو۔"

اور ابا فوراً "لائق فائق بھتیجے" کے لیے سوجی اور بادام لا کر رکھ دیتے۔

"اچھا بیٹا اتنے شوق سے کہہ رہا ہے۔"

وہ بھنا جاتی۔ ابا تاکید کرتے چکھ لینا، کڑوے بادام الگ کر لینا۔ الگ تو کرتی۔ مگر جمال کے حلوے میں ڈال کر رہتی۔ اپنے اور ابا کے لیے میٹھے بادام۔ جمال بھائی کی شکل دیکھنے والی ہوتی۔ اخ تھو کرتے جاتے سوجی کھاتے جاتے۔

عالی گھر کے اندر چند منٹوں سے زیادہ رکتا نہیں تھا۔ اگر کبھی وہ مصروف ہوتی یا طبیعت خراب ہوتی۔ عالی چائے بنا کر ابا کو بھی دیتا اس کو بھی۔ ابا اکثر عالی کی تعریف کرتے۔ اگر یہ تعریف جمال [illegible] کے سامنے ہوتی تو چچا لاحول پڑھتے [illegible] جمال [illegible] کوئی نہ کوئی برائی تلاش کر لیتے [illegible]

جمال بھائی کے ان [illegible] اس وقت بڑے ہوئے جب [illegible] میں اڑتی پڑتی خبریں [illegible] سے تصدیق چاہی [illegible] کر کے رہ گئے [illegible] اطلاعیں پکی ہیں۔ ابا چونک [illegible]

[illegible] چچی نے جمال بھائی کو گھیر لیا۔ انہوں نے کہہ دیا۔ "چچا کو کام ہوتا ہے تو وہ بلوا لیتے ہیں۔"

چچی نے اعلان کر دیا۔ "وہ اکلوتے بیٹے کی شادی وہاں کریں گے۔ جہاں سے جہیز ملے۔ گھر یا گاڑی ملے۔"

چچا نے مگر مہانو کے لیے جمال کے آگے رشتے پر ابا کے سامنے ہاتھ پھیلا لیا۔ ابا کو غصہ آ گیا۔ بڑے بھائی سے کیا کہتے۔ دل میں انکار کا سوچ لیا۔ ادھر خالو نے عالی کے لیے رشتہ مانگا۔ خالو کی رپچ سے ان بن تھی۔ سو گھر بھرنے والا جہیز ابا کے پاس تھا جو چچی چاہتی تھیں۔ اگر عالی کے لیے اقرار کرتے تو چچا ناراض۔ جمال [illegible] انکار کے بعد خود ابا اپنے بھائی سے بگاڑ نہیں چاہتے سو بالکل چپ رہے۔ اقرار نہ انکار۔

عالی کو بھی معلوم ہو گیا۔ جمال [illegible] بارے میں پہلی بار اس نے مہانو [illegible]

"تم کہیں تو وہ سری [illegible] اگر تم نے جمال کے لیے ہاں کی تو [illegible] میں خود [illegible] کر دوں گا۔"

پہلی بار اس [illegible] سامنے دل کھول کر رکھ دیا۔ وہ [illegible] خوف زدہ۔ لوگی [illegible] جمال [illegible] تم کہاں [illegible] تو دوسری نہیں۔ اب وہ تم وہ [illegible] شادی بھی کر لی بچہ بھی آ گیا۔ شمین اس [illegible] کو بہلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہاں [illegible] کے تاثرات تھے الجھے الجھے سے۔ وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکی۔

"شادی کے بعد جب آئے بیگم کے ساتھ تو بالکل بدل گئے تھے۔ خاموش۔ جس نے جو دیا کھا لیا۔ جہاں کسی نے بٹھایا بیٹھ گئے۔ کسی سے مخاطب ہی نہ ہوتے تھے۔ ابا بہت رنجیدہ تھے کہ شادی نے بھی انہیں خوشی نہیں دی بلکہ مرجھا گئے تھے۔ بیگم نے بھی خوش رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کو اپنے ناز و انداز سے فرصت نہ تھی۔ چچا کو کب کرواتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"مہرو! تم اپنے چچا سے ملنے نہیں جاؤ گی؟" کئی دن بعد خالہ نے سونف صاف کرتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔

اسے یاد آیا۔ ہاں ایک چچا تھے۔ انہوں نے کبھی خبر نہ لی۔ ابا سے انہیں شکایت تھی۔ جمال کو ٹھکرانے کی۔ مگر ابا اپنے بھائی سے بگاڑ نہیں چاہتے تھے۔ عالی کو بھی نظرانداز ابھی لے کیا کہ تنازعہ بڑھ نہ جائے اور خود اسے لے کر گاؤں چلے گئے۔ کسی زمانے میں وہاں گھر بنایا تھا۔ کچھ زمین بھی تھی۔ ان دونوں سے بچنے کے لیے۔

وہاں کے زمیں دار جو ابا کے دوست بھی تھے ان کے بھائی کا رشتہ قبول کر لیا۔ جس کی بیوی ایک بیٹا چھوڑ کر چل بسی تھی۔ شادی بھی عجلت میں کی اور قبر میں جانے کی اتنی جلدی تھی کہ بیٹی کا حال بھی نہیں دیکھا۔ خالہ خالو ابا کی تدفین میں شرکت کے لیے آئے۔ بعد میں افشیں اور ثمین بھی اپنے شوہروں کے ساتھ افسوس کے لیے آئیں۔ خالہ خالو کئی دن اس کے پاس رہے۔ چچا کو واپسی کی بہت جلدی تھی۔ وہ قبرستان سے سیدھا بس اسٹاپ چلے گئے۔

"بہت امیر گھر سے بہو لائی ہیں تمہاری چچی۔" خالہ سر جھکائے سونف چننے میں گم تھیں۔

"گھر تو جہیز کے سامان سے بھر گیا مگر بہو مرضی کی نہیں نکلی۔ زبان دراز جھگڑالو۔" اسے تو یہ بھی خبر نہ تھی۔ کب جمال بھائی کی شادی ہوئی۔

"تمہاری شادی کے چھ مہینے بعد شادی ہوئی۔ بھائی کی برسی کا انتظار بھی نہیں کیا۔"

"جاؤں گی خالہ کسی دن۔ ابھی نہیں۔ بعد میں۔ طبیعت۔"

"ہاں ہاں اللہ خیر سے فارغ کرے۔ میں خود لے چلوں گی بلکہ انہیں تمہاری اطلاع بھی دے دوں گی۔ مرضی ہو گی تو آ جائیں گی ملنے۔"

خالہ سونف لے کر اندر چلی گئیں۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ چچی سے ملنے جائے یا چچا سے۔ جمال بھائی بھی ہوں گے۔ نہ جانے کیسا رویہ ہو گا۔ وہ کئی دن منتظر رہی۔ چچا آئیں گے۔ چچی اور جمال بھائی مگر کوئی نہ آیا۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک دن ننھی منی پری کی ماں بھی بن گئی۔ خوشی بے پایاں تھی تو دکھ بھی تھا۔ یہ بچی۔ باپ کے زیر سایہ پرورش پاتی۔ اپنے گھر میں پیدا ہوتی۔ نہ جانے اس کے نصیب میں کیا تھا۔ خالہ نے بچی کے لیے

پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ فراکیں، رضائیاں، گدے، چیزیں تھیں اور ماہین بھی بہت سی چیزیں لائی تھیں۔ صائمہ کو خبر ہوئی۔ وہ بھی بیگ بھر کے کپڑے کھلونے ، منے منے جوتے نہ جانے کیا کچھ لائی۔ خالہ نے صائمہ سے کہا۔

"بیٹی! اب تم بھی شادی کرلو۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ بعد میں اچھے رشتے نہیں ملتے۔" صائمہ ہنس دی۔

"جی آنٹی! سوچ رہی ہوں مگر شادی شدہ لوگوں کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔"

اس کا اشارہ مہر کی طرف تھا۔ "آپ میری فکر چھوڑیں۔ اس کے لیے کچھ کریں۔" اب بھی اس کا اشارہ مہر کی طرف تھا۔ پھر لاپروائی سے نورین سے اس کی تعلیم کے بارے میں پوچھنے لگی۔ "تم لاء کرلو۔ بہت کامیاب ہوگی۔ خواتین کے مسائل بہت ہیں۔"

خالہ نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "بس بی بی! رہنے دو۔ عورتوں کے مسئلے تو صدیوں سے وہی کے وہی ہیں۔ البتہ وکیل بن کر لڑکیاں اپنے لیے ضرور مسائل بڑھا لیتی ہیں۔ نہ خود شادی کرتی ہیں۔ نہ کسی کا گھر بسنے دیتی ہیں۔" صائمہ زور سے ہنسی۔

"عنقریب آپ کو چھوہارے کھلاؤں گی آنٹی! کوئی ملے بھی تو...." مہر شرمندہ ہوگئی۔ شاید ابھی تک خالہ صائمہ کو اس کے گھر کے اجڑنے کا سبب سمجھتی ہیں۔

"ہاں مہو! تمہاری بوا میرے پاس آئی تھیں۔ ہسپتال سے انہوں نے میرا پتا لیا تھا۔ تمہاری خیریت معلوم کر رہی تھیں۔ شاید یہاں آئیں گی۔ میں نے پتہ سمجھا دیا ہے۔"

صائمہ کو دیکھ کر از سرِنو اسے اپنے اور بچی کے مستقبل کی فکر ستانے لگی۔ آخر اس بچی کا کیا قصور ہے؟ دولت مند، سرمایہ دار، زمین جائداد کے مالک باپ کے گھر میں اس کے لیے ایک ذرا [illegible] ماں بیٹی کو چھت نصیب نہ ہوئی [illegible] کیسے ہو سکتا ہے۔

خالو پانچ بیٹیوں کے ہوتے ہوئے اس سے اتنی ہی محبت کرتے جتنی سب بیٹیوں سے۔ وہ بھی تو مرد ہیں۔ کبھی بیٹا نہ ہونے کا شکوہ نہ کیا۔ وہ بار جڑواں بیٹیاں پاکر اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔

خالہ کو نورین کی دفعہ بیٹے کی امید تھی لیکن لڑکی دیکھ کر بھی وہ اللہ سے شکر کے کلمے ادا کرتے رہے۔ زندہ سلامت صحت مند اولاد کسی نعمت سے کم نہیں۔ یہ اور بات کہ نورین کے تمام مشاغل بچپن سے ہی خاصے جارحانہ لڑکوں والے رہے۔

خالو کی بس تو کہنے پر مجبور ہو گئیں۔

"وہ ظہیر میاں! (مہر کے خالو) کی بیٹیوں سے والہانہ محبت دیکھ کر اللہ نے لڑکا بناتے بناتے لڑکی بنانا ہی بہتر سمجھا۔"

لیکن وہ سوچتی۔ مجھے بھی تو لڑکی کی چاہت تھی۔ اسی لیے اللہ نے رحمت کی۔ نہ جانے کب تک یہ دوسروں کے دیے ہوئے تحفے کی شکل میں کپڑے پہنے گی اور مجھے تو پھر بھی اتنی محبت مل رہی ہے۔ غور کیا تو پتہ چلا۔ ہسپتال سے لے کر اب تک سب مہربان ملے اور اسی دولت مند باپ کی ایک بیٹی اور بھی ہے۔ لندن میں اکیلی ماں کے ساتھ پل رہی ہے۔ [illegible] ماں نوکری کر کے ضروریات پوری کرتی ہے۔ [illegible] کے مقابلے میں خوش نصیب ہوں۔

اس نے شکر ادا کیا اس بار [illegible] وہ اس عقوبت خانے سے [illegible] ورنہ نہ جانے اس [illegible] سزا سنائی جاتی صاحب [illegible] خالہ کو ایک طرف سنبھالنے [illegible] اور گھر کے سب کام سنبھال لیے۔

خالہ اس کی بیٹی اور عالی کے بیٹے کو لیے رہتیں۔ دونوں بچے ان سے مانوس ہو گئے۔ نورین یونیورسٹی سے آکر اس کی مدد کر دیتی۔

اس کے پاس جو رقم تھی وہ خالو نے بنک میں رکھوا دی اور کہہ دیا۔

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اہم ضرورت پر ہی اس رقم کو ہاتھ لگانا۔ اب تم باپ کے گھر میں ہو۔

اس لیے باپ ہی تمہارا قصور وار ہے۔ نورین بھی تو ہے۔ تم اگر اپنا خرچ دینے لگو گی تو بے چاری نورین کہاں سے لائے گی۔"

خالو نے بات کو مذاق میں ٹال دیا۔ خالہ کی صحت بھی اب اتنی قابلِ رشک نہ رہی تھی۔ ان کو بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔ بخار بھی ہو جاتا تھا۔ مہر کو ان کی فکر لگی۔ وہ ان کے کھانے پینے دوا وغیرہ کا خیال رکھنے لگی تو خالو نے کہا۔

"مہو بیٹا! تم جتنا کر رہی ہو [illegible] نورین کو بالکل ناکارہ بنا دو۔ وہ تو پہلے ہی [illegible] اپنی ماں کی دیکھ بھال [illegible] بھی ذمہ داری کا احساس [illegible]"

خالو ہر وقت [illegible] خیال رکھتے تھے۔ اسے فکر مند [illegible] دیکھ کر فوراً "دل بہلانے کو توجہ بٹانے [illegible]"

"[illegible] نہ ہوا کرو۔ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ تم نے جو کچھ برداشت کیا وہ تمہاری طاقت سے زیادہ تھا۔ کوئی بھی تمہیں قصوروار نہیں سمجھتا۔ شکر ادا کرو کہ بچی بھی صحت مند ہے اور تم بھی۔"

کوئی تو تھا۔ جو اسے بے قصور سمجھتا تھا۔

چچا تو اس سے ناراض تھے۔ وہ ان کے گھر آنے کے بجائے خالہ کے گھر کیوں گئی۔ چچی سب کو اس کی تیزی طراری، زبان درازی کے قصے سنا رہی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اسے طلاق ہوئی۔ اس سے ملنے ہمدردی کرنے کوئی ان کے گھر سے نہ آیا۔ جہاں بھی نہیں۔ رات کی خاموشی میں اکثر اس کی سسکیاں بلند ہو جاتیں تو نورین اس کو گلے لگا کر پیار کرتی۔

"دفع کریں سب کو، کیسا رشتہ ہے کہ بندہ ذرا دیر کے لیے تسلی دینے کے لیے نہ آئے۔ چچا ایسے ہوتے ہیں؟ چچا تو ہمارے ہیں واہ وا!"

وہ علی کے قصے لے بیٹھتی۔ مہر کا غم فکر سب غائب۔ نہ جانے نورین نے کہاں سے نفسیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پل بھر میں بہلا لیتی۔

جب ابا نے لاہور چھوڑ کر گاؤں جانے کا قصد کیا۔ وہ بہت گھبرائی۔ خاندان والوں سے دوری۔ خصوصاً خالہ اور ان کا گھر جو اسے بچپن سے محبوب تھا۔ بڑے سے [illegible] درخت پر جھولا جو سب سے زیادہ [illegible] نورین، ماہین، ثمین کے ساتھ کھیلنا۔ [illegible] لیکن ابا نے کہا۔ میں بہت مجبور ہوں اور [illegible] مجبوری کے سامنے مجبور تھی۔

ابا کو خالہ، خالو سے بھی محبت تھی۔ خالو سے دوستی بھی تھی مگر اپنے بھائی کو بھی بہت چاہتے تھے۔ مہاوٴ کو بنیاد بنا کر قطع تعلق تک نوبت نہ پہنچی تھی ایک راستہ تھا کہ وہ سب سے تعلق بھی رکھیں اور کسی کو شکایت بھی نہ ہو۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ خصوصاً چچا تو ناراض ہی رہے۔ لیکن ابا کو موقع ملا ہی نہیں ان کی چاہت کو پرکھنے کا۔

گاؤں جاتے ہی تو زمین دار صاحب نے اپنے بھائی کے لیے رشتہ مانگ لیا جو نیا نیا بیوی کو فارغ کر کے بیٹھا تھا۔ ابا نے اس سے پوچھا ضرور مگر یہ غور نہیں کیا کہ وہ چھ سال کے بیٹے کا باپ بھی ہے۔ اگر وہ چاہتے تو انکار کر دیتے جیسے کہ چچا اور خالو کو کیا تھا مگر ان کے لیے یہ رشتہ کسی ازغیبی انعام سے کم نہ تھا۔ وہ چپ رہی۔ دل میں جو نرم نرم سے نئے نئے جذبے بیدار ہوئے تھے وہ اتنے مضبوط اور توانا نہ ہوئے تھے کہ انہیں بنیاد بنا کر اپنی مرضی مسلط کرتی اور وہ بھی عالی کے لیے، جس کو ابا نے اپنے بھائی کی خاطر چھوڑ دیا۔

ابا کو جلدی تھی یا زمین دار صاحب کو یا دونوں ہی عجلت پسند تھے۔ فوری نکاح کی تیاری ہوئی۔ خالہ خالو بے ماں کی بچی کی خاطر ناراضی کے باوجود آکر شریک ہوئے۔

خالہ سے مل کر اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ عجب اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی مگر باپ کے فیصلے پر اعتراض بھی نہ کر سکی۔ ماں کے بعد خالہ نے ماں بن کر پالا پھر ابا نے ناز اٹھائے۔ وہ کسی کے سامنے سر اٹھا نہ سکی۔

ابا نے خالہ کے اس رشتے پر اعتراض کے جواب میں یہی جتایا کہ صاحب زادہ صاحب کی بیوی بہت

ایڈوانس تھی۔ گاؤں کی زندگی اسے گوارا نہ ہوتی۔ یہی وجہ اختلاف بنی۔ ابا اپنے دوست کی یقین دہانی پر بیٹی دینے پر رضامند ہوگئے۔

جس بھائی کی محبت میں کسی تنازعے کے پیش نظر عالی کو ٹھکرا کر گاؤں بسایا' وہ بھائی نکاح میں شرکت کے لیے نہیں آئے۔ ابا بہت روئے۔ وہ بھی روئی۔ چچا کے لیے نہیں' ابا کی امیدیں خاک ہونے پر۔

اسے علم نہ تھا اب اسے رونے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ شوہر کی طرف سے اسے صرف آنسوؤں کے تحفے ہی ملیں گے۔ پہلے ابا کی دائمی جدائی پھر شہر لے جا کر' نفرتوں' انتقامی اذیتوں خوف زدہ کرنے کے نئے نئے طریقے شاید وہ اس عقوبت خانے اور ان کی اذیتوں کی عادی ہو ہی جاتی۔ اگر وہ ہسپتال نہ پہنچ گئی ہوتی۔

ادھر صاحب لاہور گئے ادھر وہ بے ہوش ہوگئی اور کاش کہ ان کے بیٹے کی خبر نہ ملتی۔ جس سے وہ ڈری ہوئی تھی اور اگر۔۔۔ اس نے ٹی وی پر صائمہ آپا کو نہ دیکھا ہوتا' خواتین کو اس کے حالات سے ملتے جلتے واقعات پر قانونی مشورے نہ دیتے ہوتے۔ آج وہ وہیں ہوتی۔ شاید زندہ بیٹی کے بغیر یا دونوں کی موت۔

اسے امید نہ تھی' توقع نہ تھی کہ صاحب اتنی عجلت کریں گے اسے زندگی سے خارج کرنے میں۔ اس کی خدمت' اطاعت' بے حضوری سب کچھ فراموش کرکے ابا کے احسان کو بھی بھول جائیں گے جو انہوں نے ایک بچی عمر کی آدمی کو اپنی نو عمر بچی دینے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ کی۔ صرف دوستی کے ناتے بچی کے روشن مستقبل کے لیے اور کیا ملا۔ تاریکی' خوف' اندیشے۔

☼ ☼ ☼

موسم بدل رہا تھا۔ سردی کے شروع [illegible] ماہ نور کو کھانسی ہی نہیں ہوئی' سینے میں [illegible] رات میں اس کی سانس کی آواز [illegible] تھی۔ مہو نے تو رونا شروع کردیا۔ نورین [illegible]

"تو جی۔ یہ پہلی تو باران باران شروع ہوگیا۔ مہر باجی! آپ کا پہلا پہلا تجربہ ہے اس لیے گھبرا گئیں۔"

"ہاں اور تم تو دس بچوں کی اماں جان ہو۔" وہ چڑ گئی۔

"آئے ہائے! آپ کے منہ میں لڈو' بلکہ کاش کہ خیر جناب! ہمین آپا کے تین' ماہین آپی کے دو اور چچا کا یہ تیمور۔ اتنے کافی نہیں تجربے کے لیے؟ ٹھہریے! میں ابھی علاج کرتی ہوں۔"

وہ کچن میں گھس گئی۔ سرسوں کے تیل میں لونگ جلا کر پسا ہوا نمک ملا کر لائی۔ نیم گرم تیل سینے اور پسلیوں پر لگایا۔ دو تین دفعہ کے استعمال کے بعد سانس بھی درست ہوگیا۔ کھانسی کے لیے بھی نہ جانے کیا چیز چٹانے سے وہ بھی ٹھیک ہوگئی۔ عالی کے بیٹے تیمور کو شدید زکام تھا۔ اسے بھی گھریلو ٹوٹکے سے آرام آگیا۔ مہر نے کہا۔

"نورین! تم کیا شے ہو' ماہر نفسیات' ڈاکٹر یا حکیمی۔" نورین نے فخریہ گردن اکڑائی۔

☼ ☼ ☼

ادھر نورین کے رشتے کا سلسلہ [illegible] ڈاکٹر تھا۔ خالہ کو تو پسند آگیا۔ [illegible] مصروف [illegible] کے گھر والے [illegible] ساتھ ہی ماہین [illegible] ہمین [illegible] کا اہتمام چائے پانی کا انتظام [illegible] خالہ بھی مصروف ہو گئیں۔ [illegible] تیمور بھی [illegible] بعض دفعہ [illegible] ضروری کام سے جانا پڑتا۔ مہو تیمور کو تاکید کرتی۔

"تیمور! میں ابھی آتی ہوں۔ تم ماہ نور کا خیال رکھنا۔ اچھا میں اسے تمہارے پاس بٹھا رہی ہوں۔ تکیے ہٹا نہ دینا۔ اگر یہ گرنے لگے تو مجھے بلا لینا۔ اچھا اس کی آنکھوں میں انگلی نہ لگانا۔ ٹھیک؟"

وہ بڑی بردباری سے گردن ہلا کر ذمہ داری قبول کرتا۔ اس کا خیال کرتا۔ اس کی ضدیں بھی کم ہوگئی تھیں۔ نانی کے گھر کے چکر بھی۔ کبھی کبھی جاتا تو رات

سے پہلے ہی بھیج دیا جاتا۔

ایک دن بوا آگئیں۔ مہر انہیں دیکھ کر خوش ہوگئی۔ حیران بھی۔ وہ اپنی نواسی کی شادی کے سلسلے میں لاہور آئی تھیں۔ شادی ہوگئی۔ ولیمے کے بعد بوا مہر سے ملنے آئی تھیں۔ وہ ان کی خاطر تواضع میں لگ گئی۔

بوا ماہ نور کو گود میں لے کر خالہ سے باتیں کرنے لگیں۔ انہوں نے خالہ کو وہ تفصیل بھی [illegible] شادی [illegible] بھی بتا نہ سکی تھی۔ اپنی ذلت کی [illegible] گالیاں اور نہ جانے کیا۔ خالہ [illegible]

"اب ایک غریب [illegible] کی [illegible] ہے جوتے کھاتی ہے۔ [illegible] فخر سے [illegible] نہیں گئے۔ وہ [illegible] ہمت والی ہے۔ برابر سے جواب [illegible] صاحب کا ہاتھ پکڑ لیتی۔ میرا باپ غریب بھائی غریب میں جاہل گنوار [illegible] عزت ہے اور میرا امیر کبیر خاوند بھی [illegible] ہے تو میری عزت بھی ہونی چاہیے۔ بیوی کی عزت شوہر سے ہوتی ہے۔ مارنا ہے تو اکیلے میں مارو میرے باپ کو گالی نہ دو۔ اس پر تو اور بھی۔"

"یہ آدمی پاگل تو نہیں ہے۔ کس کس کو مارے گا۔ کب تک تماشا ہوگا آخر۔"

"ہاں! پاگل نہیں ہے۔ نفسیاتی کیس ہے۔ اس شخص کو علاج کی اشد ضرورت ہے۔ دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کا حق کس نے دیا ہے اسے۔" نورین غصے میں آگئی۔

"بی بی! وہ پاگل نہ مریض' دولت کا نشہ ہے۔ بغیر محنت کیے جو پیسہ ملے اس کی قدر نہیں ہوتی۔ باپ دادا نے بھی غریبوں' مزارعوں کا خون چوس چوس کر جائیداد بنائی۔ اب بیٹے اس کی اکڑ میں خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹا بھائی تو ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ شرابی جواری۔"

بوا نے اور بھی عقدے کھولے۔ اپنی نواسی کی ذہانت بھی جس کی وجہ سے وہ بچ گئی۔

"بی بی مہرو کا حال دیکھ کر ڈر گئی۔ ورنہ وہ تو کسی کی عزت ہی نہیں کرتے۔ اب تو یہ حال ہے کہ گاؤں میں مزارعے بھی ان کے دشمن ہوگئے ہیں۔ بڑے بھائی بھی ان سے بیزار ہیں۔ وہ نیک آدمی ہیں مگر دونوں چھوٹے [illegible] ان کی بدنامی کا باعث ہیں مگر بے بس ہیں۔"

مہر نے بوا کا قرض ادا کرنا چاہا۔ وہ آبدیدہ ہوگئیں۔

"میرا تجربہ ہے بی بی کہ برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ یہ اندازہ بھی تھا کہ شاید اب آپ کے لیے زیادہ مشکل کا زمانہ آنے والا ہے۔ تن تنہا خالی ہاتھ کیا کرو گی۔ جتنا میرے رب نے مجھے دیا تھا' اپنی حیثیت کے مطابق آپ کی مدد کرنا چاہی۔ اسے قرض نہ سمجھیں۔ یہ ایک ماں بیٹی کا محبت کا سودا تھا۔ ابھی نہیں مگر آئندہ جب آؤں گی آپ کے اصلی گھر میں' پھر مانگ کر اپنا حق لوں گی۔ بس اللہ آپ کو کسی نیک بندے کا ساتھ دے دے۔ مجھے یقین ہے آپ کو عزت' محبت سب کچھ ملے گا۔"

خالہ نے بوا کو جوڑا بھی دیا۔ ان کی نواسی کے لیے بھی کچھ تحفے دیے۔ بہت خوش اور متاثر ہو کر گئیں۔ خالہ کئی دن افسردہ رہیں۔ بوا کے انکشافات تصدیق بھی کیسے ہوتی۔ مہر بھی شرمندہ تھی اور قدرے مطمئن اب خالہ کم از کم صائمہ کو مورد الزام نہیں سمجھیں گی۔

☼ ☼ ☼

نورین تو ابھی شادی کے لیے تیار نہ تھی مگر لڑکے والوں کو نورین بہت پسند تھی اور خالہ خالو کو لڑکا۔ تاریخ طے ہوتے ہی بہنوں کی دوڑیں لگ گئیں۔ بازار' کپڑا' جوتے' چوڑیاں' میچنگ' درزی۔ یہی چند الفاظ سب کی زبان پر ہوتے۔ وقت اڑا جا رہا تھا۔ بقول ثمین جو کچھ لینا ہے لے لو فوراً" آخری دنوں کے لیے کوئی کام نہ چھوڑو۔

مہر کو تو نہ کچھ لینا تھا نہ بنوانا۔ وہ آرام سے گھر کے کام کرتی رہتی۔ ماہ نور بھی اب بیٹھی کھیلتی رہتی۔ تیمور بھی اس کے پاس کھیلتا رہتا۔

☼ ☼ ☼

"عورت کو اپنی شناخت کے لیے، وجود کو منوانے کے لیے۔ زبان درکار ہے اسے بے زبان، بے جان، بے روح ثابت کرنے کے لیے مردوں نے مشقتوں اور سمجھوتوں کا راستہ دکھایا ہے۔ عورت کے وقار، عورت کی ناموس اور عزت نفس کے معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔ اپنی حیثیت منوانے کا حق ہے مجھے۔ مقصد حیات بھی تو ہونا چاہیے۔"

مہر چپ چاپ نورین کی باتیں سن رہی [illegible] اسے ڈانٹ رہی تھی۔ نورین کے [illegible] خیالات عمر بھر کی جھجک کی طرح رخصت ہو رہے تھے۔ نورین اسی کو سنانے کے لیے [illegible] اپنے ارادے ظاہر کر رہی اور [illegible] کے ساس نند کے رویے، بچے [illegible] اعتمادی کے سوا کوئی بڑا مسئلہ [illegible] شوہر ماں اور بیوی کے درمیان توازن [illegible] دراصل مرد جو گھر کا سربراہ ہوتا ہے، گھر کے معاملات درست رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے منصف ہونا چاہیے اور مہر کے تو اس منصف نے ہی پرخچے اڑائے جو ظالم بھی تھا غاصب بھی تھا اور بے درد بھی۔ اولاد کے لیے تو درندے بھی زیادتی کے خلاف جنگ سے گریز نہیں کرتے مگر۔

شین ساس نند کی ناروا باتیں خاموشی سے اس لیے سن لیتی تھی کہ اسے اپنے شوہر پر اعتماد تھا۔ وہ ناانصاف نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ شین کی حمایت ضروری سمجھتا۔ کبھی شین کو سمجھاتا۔

☼ ☼ ☼

نورین کے مایوں کی تیاری ہو رہی تھی۔ شام ہو چلی تھی مگر شین گھر سے ابھی تک نہیں آئی تھی۔ خالہ کو فکر ہو رہی تھی کہ شین کے ذمے بہت سے اہم کام تھے۔ کھانے کا انتظام اسی کے سپرد تھا۔ مہر نے چچی کو آتے دیکھا۔ بے ساختہ اٹھی۔ چاہا کہ دوڑ کر ان کے گلے سے لپٹ جائے مگر پھر رک گئی۔ چچی نے اسے دیکھا۔ ان کے چہرے پر کوئی شوق یا شناسائی تک نظر نہ آئی حالانکہ خالہ نے تو بہت دن پہلے فون کر دیا تھا۔

پھر شاید دنیاداری کا احساس ہوا۔ آ کر اسے گلے لگایا۔ آنسو پونچھے۔ اس کے ابا کے انتقال پر [illegible] کی [illegible] کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ [illegible] ابا کی وفات کا سن کر آئے تھے۔ باہر کے باہر [illegible] بچی کے سر پر ہاتھ رکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ خالہ خالو تو کئی دن رہے۔ جمال بھائی نے تو فون پر افسوس کرنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ کیسے خون کے رشتے ہیں۔ وہ تو جانا چاہتی تھی چچا سے ملنے۔ ان کے سینے پر سر رکھ کر رونا چاہتی تھی مگر پھر ہمت نہ ہوئی۔ اب بھی چچی مایوں کی تقریب کے لیے آئی تھیں۔

شین آئی تو خالہ کی پریشانی دور ہوئی۔ رسم کے بعد چچی خالہ کے پاس جا بیٹھیں۔ جانے کون سے راز و نیاز تھے جو ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ کھانا شروع ہوا تب اٹھیں۔ پھر انہیں جانے کی جلدی تھی۔ جس پڑوسن کے ساتھ آئی تھیں ان کے ساتھ ہی جانا تھا۔

چچا نے تو عورتوں کی محفل کہہ کر معذوری ظاہر کر دی۔ یہ بھول گئے کہ ایک عدد بھتیجی بھی وہاں ہوگی اسی سے۔ خیر مہمانوں کے جانے کے بعد سب ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئیں۔

مہر خالہ سے پوچھنا چاہتی تھی۔ چچی ان سے کیا معلومات لے کر جا رہی تھیں۔ شین نے پیلے کپڑوں میں سرسوں کا کھیت بنی نورین سے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"لو بھئی نورین! مجھے شاباش دو۔ آج میں نے تمہارے بتائے ہوئے اصول اور ضابطوں پر عمل کر ہی ڈالا۔ واہ واہ۔" اس نے جوش میں اپنی پیٹھ ٹھونکی۔ "واہ شین آغا واہ۔"

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہوا یہ کہ میں شام کی چائے لے کر کمرے میں گئی۔ اماں جان اور آپا جان بیٹھی تھیں۔ ذکر خیر میرا ہو رہا تھا۔ غالباً "مایوں" میں شرکت نہ کرنے کے بہانے سوچے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی آپا جان نے منہ بنا کر گردن موڑ لی۔ چائے ان کے سامنے رکھ کر میں نے بہت تمیز سے کہا۔ "اماں جان! آپ لوگ ذرا جلدی ہی

بہار کی آمد آمد تھی۔ سر کے ٹنڈ منڈ درخت نئے پتوں سے سج گئے۔ موسم نے انگڑائی لی۔ چھوٹے چھوٹے پودوں پر پھولوں کے شگوفے کھل کر مسکرائے۔ صبح ہی صبح ننھی ہالہ نور نے اپنی بلبل جیسی آواز میں "ماں" کہہ کر سب کو حیران کر دیا۔ مہر نے خوشی سے چوم لیا۔

وہ اپنی جگہ بیٹھی ہاتھ ہلاتی رہی۔ تیمور کو تھپڑ بھی مارا۔ تیمور نے اس کے ہاتھ پر پیار کر لیا۔ بچے ایک دوسرے سے مانوس تھے۔ ہر وقت کا ساتھ تھا۔

"لو جی! یہاں تو لو اسٹوری چل رہی ہے۔" شین نے پہلی بار یہ منظر دیکھا تھا۔ "معصوم اور مجھو تمہاری بیٹی میرے چھوٹے بھیا کو مار بھی رہی ہے اور میٹھی نظروں سے دیکھ بھی رہی ہے۔ اس کے ارادے تو ابھی سے خطرناک نظر آ رہے ہیں۔"

"تو اس میں خرابی کیا ہے۔" نورین اور چپ رہے ممکن ہی نہیں۔ "تمہارے گھر میں تو سب ایک دوسرے سے پیار محبت سے رہتے ہیں۔ یہ تمہارا گھر نہیں جہاں ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف محاذ گرم رہتا ہے۔"

شین کی ساس نند اس کے خلاف محاذ بنائے رکھتی تھیں۔ بیٹے کو بھی ورغلایا جاتا۔ شین تو اپنی اماں کی ہدایت کے مطابق خاموش رہتی تھی۔ عمران کو اس کا چپ رہنا بھی اپنی تذلیل لگتا تھا۔

"جواب ہی نہیں دیتی جیسے ہم پاگل ہیں۔ بولتے جاتے ہیں۔" یہ شین کی نند ارشاد فرماتیں۔ وہ پھر بھی چپ۔

"توبہ کرو نورین! اب تم بھی اگلے گھر جانے والی ہو۔ پتہ نہیں کن اور کیسے لوگوں سے سابقہ ہو گا۔ پہلے تو سب ہی شیریں بیری کرتے ہیں۔"

"اوہ! پروا نہیں میں سب سے نبٹ لوں گی۔" وہ آستین چڑھا کر آگے بڑھی۔ "تمہاری [illegible] فضول قسم کے طعنے اور غلط [illegible] کی۔"

"ارے ارے ابھی سے۔" شین گھبرائی، سنبھل

کے مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے۔ بس اگھر بنانے اور گھر بچانے کے لیے سب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں سسرال میں۔"

"نہ میں مہر ہوں نہ شین آغا۔ قسمت کو مانتی ہوں۔ مصلحت کو نہیں۔ سچ سے آگے کچھ نہیں۔ مصلحت کا دوسرا نام ہے جبر مسلسل۔"

"بابا! اس کے تو خیالات خاصے باغیانہ ہیں۔" شین ڈر گئی۔ "خدارا نورین! اماں ابا کی تربیت کو بدنام نہ کرنا۔"

"پاگل نہیں ہوں لیکن گربہ کشتن روز اول کی قائل ہوں۔"

"اچھا جی اور اگر وہ میاں بھی یہی خیال رکھتے ہوئے تم سے کوئی مطالبہ کریں۔ کوئی شرط یا۔"

نورین بستر پر لیٹ گئی اور نیم باز آنکھوں سے شین کو دیکھ کر مسکرائی۔

"شرط لگانے والے تو جواری ہوتے ہیں۔ کیا فواد کنانے تمہارے ساتھ مشروط عہد و پیماں کیے ہیں؟ میری بھولی آپی! نہ میں مشروط زندگی گزاروں گی نہ سمجھوتے کی ذلت سہوں گی۔ برداشت بھی ایک حد تک۔ مہاجی کی طرح جان کو خطرے میں ڈالنے [illegible] برداشت نہیں خودکشی کی ایک قسم کہا جا سکتا ہے۔"

"توبہ! تم سے بحث کرنا فضول ہے۔ اماں کو بتاتی ہوں تمہارے ارادے۔"

"بتا دو وہ کیسی [illegible] ہے۔" کتنا اطمینان تھا۔ "کوئی آنے والوں کے بارے میں نہیں جانتا۔"

نورین [illegible] کی۔ اس میں ہمت کی کمی تھی نہ [illegible] بہت بہادر تھی لیکن وقت کا پہیہ ایسی [illegible] کچلتا ہوا گزر جاتا ہے کبھی کبھی۔ نہ حاوی کام آتی ہے نہ صلاحیت۔

"بی بی شین آغا! عورت کو اللہ نے ایسی مٹی سے بنایا ہے جس میں بے شمار خوبیاں ہیں جو مردوں کے پاس نہیں۔"

اب نورین اٹھ کر بیٹھ گئی۔

آجائے گا۔ یہ رسم مغرب کے بعد ہو گی۔" اس پر آپا جان کی گھر دن بید سی ہو گئی۔ وہ بولیں تو بعد مغرب مایوں کی رسم کون کرتا ہے رات ہو جائے گی۔" میں نے بتایا کہ لوگوں کی سہولت کے لیے یہ وقت رکھا گیا ہے۔ مغرب بعد رسم پھر فوراً" کھانا تاکہ بہت دیر ہونے سے پہلے سب اپنے گھر آرام سے جا سکیں۔ آپا جان نے ۔۔۔ ہے کیا فرمایا؟ بولیں یہ تو تاریخ ہی بدل جائے گی مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔ آپا جان یہ ہندوؤں کی مورت نہیں ہے کہ تاریخ بدلنے سے شادی کا دن ٹل جائے تو خفا ہونے لگیں۔ تم ہنس کیوں رہی ہو۔ میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی کی مایوں مغرب بعد ہو۔ میں نے پھر کہا۔ چلیں آپ اپنی مایوں ظہر کے بعد رکھ لیں۔ انہوں نے مجھے گھورا مجھے پھر ہنسی آ گئی۔ رک نہیں سکی۔ فواد بلائے گئے۔ ان سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا۔ ہنسی کی تو بات ہی ہے۔ آخر آپ کو اعتراض کیا ہے۔ اس پر خوب چیخیں کہ میرا بھائی جورو کا غلام ہے۔ بڑی بہن سے جواب طلبی کرتا ہے۔ اماں جان نے فیصلہ صادر کیا کہ بس کوئی نہیں جائے گا۔ فواد نے کہا سب جائیں گے۔ ثمین کو تو سارا انتظام کرنا ہے اور میں بھی جاؤں گا۔ آپ تیار ہو جائیں۔ اماں جان بولیں ثمین کی تو بہن ہے اسے جانے دو۔ تمہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے فوراً" کہا نورین فواد کی چھوٹی بہن جیسی ہے۔ ہمارے ابا کے گھر کی آخری خوشی ہے۔ فواد کا جانا تو ضروری ہو گا۔ خوب بولی میں۔ دیکھو نہیں آئیں نہ ہی بیٹے کو روک سکیں۔ اچھا مقابلہ کیا میں نے کمال ہو گیا۔"

وہ داد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"جو کمال تم کر کے آئی ہو آپی! وہ کمال واپسی میں تمہیں کوئی اور کمالات نہ دکھا دے۔ بولنے کا موقع آتا ہے تو تم چپ رہتی ہو۔ آج بھی نہ بولتیں۔ [illegible] مگر تم جوش میں دلیری کے ریکارڈ قائم [illegible] ۔۔۔۔ واپسی میں جوابی فائرنگ کے [illegible] نورین کچھ ناراضی سے ثمین کو دیکھا۔

"لو جی! جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔"

ثمین کی خوشی چند منٹ بھی قائم نہ رہی۔

"بس اب میں شادی کے دن تک جاؤں گی ہی نہیں۔" وہ یکبارگی پھر ہنس دی۔

"اور شادی کے دن بھی تمہاری ساس نندیں نہ آئیں تو۔" ماہین نے خدشہ ظاہر کیا۔

"آئیں گی۔ بیٹا زور آور ہے لائے گا۔ اچھا خیر چھوڑو۔ آؤ کچھ گاتے ہیں۔ رسم کے وقت تو مجھے اتنے کام کرنے پڑے کہ ہوش نہ تھا۔ کسی گانے میں حصہ نہ لے سکی۔ مہو آؤ امیر خسرو کے شادی کے گانے تم اچھے گاتی ہو۔ آجاؤ۔" اس نے اصرار کیا۔

مہو بھی گاتی تھی۔ اب تو وہ صرف رونا جانتی تھی۔ منہ اٹھا کر ثمین کو دیکھنے لگی جو ڈھولک کی درستی میں لگی ہوئی تھی۔

"آؤ مہو! چلو شروع کرو۔" اصرار مہو چپ۔

"مہو باجی!" نورین نے سنجیدگی کے لہجے میں اسے پکارا۔ "اگر آپ نے گانے نہ گائے تو میں سمجھوں گی آپ کو میری شادی کی خوشی نہیں ہے۔ سچ میں نکاح کے وقت صاف انکار کر دوں گی۔ پھر دیکھنا۔"

مہر بیٹھا کر رہ گئی۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو نورین [illegible] بیٹا۔ بدشگونی کبھی بھی منہ سے [illegible] جاتا ہے۔ سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔"

"اف [illegible] آپی ایسے [illegible] تمام کر رہ گئی۔ "اچھا [illegible] مذاق بھی کہیں جیتیں۔ [illegible] ۔۔۔ گاؤں میں ڈھول اچھا بجاتی ہو [illegible]

[illegible] ڈھولک سنبھالی اور ماہین دانتوں میں زبان [illegible]

[illegible] ایسے بے شرمی کے مظاہرے میں نہیں دیکھ سکتی۔ ابھی اماں کو بتاتی ہوں۔ دیکھیں آکر لاڈلی کے چھچھن یا تو شادی پر تیار نہ تھیں یا پھر ڈھول بجا کر جشن منایا جا رہا ہے۔"

وہ غصے سے ہوتی باہر چلی گئی۔ سب ہنسنے لگیں۔ مہو بھی۔ اب ثمین بھی آ گئی اور سب نے خوب گانے گائے۔

کبھی مہو امیر خسرو کے گیت بہت گاتی تھی۔ آواز سریلی تھی۔ لے اور ذہن درست رکھنے میں ماہر۔ اب تو وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ شور سے ماہ نور جاگ گئی۔ سب خاموش ہو گئیں۔

"ارے ہاں مہو۔ تمہاری بچی نے ماہ نور کو کیا دیا" ثمین پوچھنے لگی۔ "پہلی دفعہ کی منہ دکھائی۔"

"[illegible]" جواب ثمین کی طرف سے آیا۔

"انہیں تو اماں سے معلومات حاصل [illegible] ہی نہ ملی۔ لگتا تھا آئی ہی [illegible] کے لیے ہیں۔ تفتیشی افسر ہیں کیا۔"

"[illegible] کو کچھ دینے کا رواج ہی ہے [illegible]

[illegible] کی انہیں فرصت نہ ملی نہ [illegible]

[illegible] ہی ہوا۔ کم ظرفوں کا تحفہ بھی گالی بن جاتا ہے۔ چلو اب امیر خسرو کا منڈھا گاتے ہیں۔ ہیں گانا ہے گویا ہی بدلیں۔" ثمین پھر شروع ہو گئی۔

"ہائے نہیں۔" نورین نے روکا۔ "منڈھا نہ گاؤ میں رو دوں گی۔ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔ رخصتی کے گانے برداشت نہیں کر سکتی۔"

تیمور کو اس کی خالہ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ مہر کے ساتھ سوتا تھا وہ اب پہلو خالی خالی لگا لیکن کیوں۔ ماہ نور کی طرف کروٹ لے کر وہ تقریب میں چچی کی شرکت کے بارے میں سوچنے لگی۔ خالہ سے کون سی معلومات لی تھیں۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ نیند اس کے کانوں سے دور ہو چکی تھی۔ انہیں کچھ معلوم کرنا تھا تو خود اس سے ہی پوچھ لیتیں۔ ایک سال سے زیادہ اسے یہاں رہتے ہو گیا تھا۔ اب آئیں بھی تو بلاوے پر خالہ نے ان کو کیا بتایا ہو گا اور وہ کس پیرائے میں چچا کو سنائیں گی۔ وہاں جمال اور اس کی بیگم بھی ہوں گی اب۔

اسے اپنے بارے میں ایک فیصلہ کرنا پڑے گا۔ خالہ پر کب تک بوجھ بنی رہوں گی۔ ماہ نور کا کیا ہو گا۔ ابھی تو وہ چھوٹی ہے پھر اسکول۔ سوالات تو بہت تھے

جواب کوئی نہ ملا۔

صبح کی اذانیں شروع ہو گئیں۔ اٹھ کر وضو [illegible] کیا۔ کچھ وقت نماز میں گزرا۔ دعائیں [illegible] ماہ نور پر دم کر کے لیٹی تو نیند آ ہی گئی۔ ثمین [illegible] ۔

"اٹھو مہو! ناشتہ کرو۔" ماہ نور خود ہی اٹھ کر نیچے اتری اور گھسٹتی ہوئی باہر آ گئی۔ ماہین نے منہ ہاتھ دھلا کر ناشتہ کرا دیا ہے۔ کھیل رہی ہے۔"

تسلی دی پھر غور سے دیکھا۔ "اور یہ تمہاری آنکھیں اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟ نورین کی بھی اتنی سرخ ہیں۔ بھئی وہ تو رات بھر جاگ کر آزادی کی آخری ساعتیں گن رہی تھی۔ ساس نندوں سے مقابلے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ مار کٹائی کے نئے طریقے ایجاد کرنے میں رت جگا منایا ہو گا اس نے۔ تم نے کس سلسلے میں رات جاگ کر کاٹی؟"

"میں کیوں منصوبے بناتی یا طریقے ایجاد کرتی؟" نورین شاید قریب ہی تھی۔ شور مچاتی اندر آئی۔ "مجھے کسی منصوبے کی ضرورت ہی نہیں۔"

"ہاں مجھے تو جو کرنا ہے فوری کروا لوں گی۔" ماہین نے اس کا جملہ اچک لیا۔

"بھئی پتہ نہیں۔" ثمین نے کندھے اچکائے۔

"اماں نے ہی بتایا کہ نورین رات بھر جاگی اور نہ جانے سونے میں کس کس سے لڑتی رہی۔ جتنی دیر بھی سوئی ہاتھ مارتی رہی۔"

"آپ لوگوں کے بچوں کی ٹیں ٹیں کسی کو سونے بھی تو دے۔" نورین بگڑی۔

باہر ابھی ناشتہ چل رہا تھا۔ بچے اور خالو ایک ساتھ ناشتہ کر رہے تھے۔ ماہ نور ایمن کی گود میں تھی۔ وہ کھاتو تیمور بھی وہیں کھا پی رہا تھا۔

"ارے یہ تو رات خالہ کے ساتھ چلا گیا تھا؟" تیمور اسے دیکھ کر جھٹ سے اس کی گود میں چڑھ گیا۔ "صبح ہی آ گیا تھا۔" خالہ نے بتایا۔ "رات بھر تنگ کیا۔ خالہ اور تائی کو۔ بانو کے پاس جانا ہے۔ بانو کے پاس جانا ہے۔ رٹ لگا دی تھی۔

معنی کھا صرور! میں کیا کہتی تھی۔ ماہ نور کے بغیر اب یہ رہ نہیں سکے گا۔"

ماہین نے باہر نکلتے ہوئے بتایا اور تیمور اتفاق سے اختیار کہ دن بھر مہر کا آنچل پکڑے ساتھ ساتھ رہا۔ رات کو تو سوتے ہوئے لے جایا گیا تھا۔ چونکہ مہندی کی رسم تو باقاعدہ ہوئی نہیں تھی۔ خالو کے خیال میں یہ ہندوانی رسم ہے۔ گھر میں ہی لڑکیاں مہندی لگاتی رہیں ایک دوسرے کے گانے گاتی رہیں۔ شام کو ماہین تہمینہ اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

اگلے دن سعودی عرب سے افشین کو آنا تھا۔ تہمینہ بہت مصروف رہی۔ گو کہ ایک عورت کھانا پکانے کے لیے۔ لڑکی اوپر کے کام کے لیے خالہ نے رکھ لی تھی۔ پھر بھی بہت سے کام تھے۔ مہر تہمینہ کے ساتھ لگی رہی۔

✼ ✼ ✼

رات بہت پرسکون تھی۔ ایک طرف تیمور دوسری جانب ماہ نور اسے بھی نیند پوری کرنے کا موقع ملا۔ صبح بہت ہی خوشگوار تھی۔ سارے گھر کی وہ دھلی دھلائی نکھری صبح۔ گلاب کے پھولوں میں کئی رنگ تھے۔ آلوچے کے پیڑ میں "تا" فاتا" پھول کھل اٹھے۔ جیسے پورا پیڑ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ گل اشرفی کے چھپی چھپی پھول بہار آنے کی خوشی منا رہے تھے۔ جھوم جھوم کر ایک دوسرے سے اٹکھیلیاں کرنے لگے۔ پلاؤ کی خوشبو بھوک کو دعوت دینے لگی مگر افشین کا انتظار تو کرنا تھا۔

مہر بچوں کے لیے چاول لے آئی۔ پیالے میں ماہ نور کے لیے چمچے سے کچل لیا تھا۔ پلیٹ میں تیمور کے لیے بوٹی اور چاول۔

تیمور ماہ نور کو اپنے ہاتھ سے کھلانا چاہتا تھا مگر چمچہ اس کے ہاتھ سے گر جاتا۔ ماہ نور ہاتھ مار کر گرا دیتی۔ تیمور کو اس کھیل میں بہت لطف آرہا تھا۔ [illegible] رہا۔ پھر مہر نے کہا۔

"چھوڑو بیٹا! گندی بچی [illegible] کھاؤ۔ پھر اس کی باری آئے گی۔" [illegible] کھلانے لگی۔

ابھی وہ چمچے ہی کھا رہے تھے۔ دروازہ کھلا کوئی آہٹ

تیمور کا منہ کھلا ہوا تھا۔ وہ چمچہ اس کے منہ کے قریب لا چکی تھی۔ کوئی بالکل قریب آیا۔ اس نے سر اٹھا کر آنے والے کی طرف دیکھا۔ تمام حسیات منجمد ہو گئیں۔ دل جیسے باہر نکلنے والا تھا۔ عالی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کا وجود تھرتھرا گیا۔ اس نے آگے آکر بہت تیزی سے تیمور کو جھپٹ کر گود میں بھرا اور آندھی کی طرح باہر نکل گیا۔ مہر کے ہاتھ کپکپا گئے۔ چمچہ ہاتھ سے گر گیا۔ وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ پھر ماہ نور کو کھلانا بھی مشکل ہو گیا۔ وہ دم لینے کو لیٹ گئی۔ سانس تیز ہو گیا۔ عجیب تھکن تھی۔ باہر خاصا شور تھا۔ شاید افشین کا استقبال

نورین اندر آئی۔ اس نے دیکھا مہر بے سدھ پڑی ہے۔ ایک پلیٹ میں چاول دوسرے پیالے میں پچلے ہوئے چاول اور چمچہ۔ ماہ نور اس پر ہاتھ مار رہی تھی۔ نورین نے ماہ نور کو کھانا کھلانا شروع کیا۔ وہ سمجھ گئی کیا ہوا ہو گا۔ ابھی کچھ دیر پہلے تیمور کے لیے [illegible] چاول لائی تھی مہر۔ تیمور اسی کے ہاتھ [illegible] نور کے ساتھ۔ اب تیمور [illegible]

"چچا بھی آگئے ہیں۔ افشین [illegible]" اس نے مہر کو خبر دی۔ [illegible] بول نہ سکی۔

چپ چاپ لیٹی رہی۔

"کوئی [illegible] صباحی!" وہ مہر کی [illegible] اور کسی بھی فضول بات کا اثر لیا [illegible] کو غلط بھی ہو سکتی ہے۔

[illegible] جھٹکا سا لگا۔ اسے کسی نے گہری نیند سے جگایا۔ اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرانی سے نورین کو دیکھنے لگی۔ نورین ہنس پڑی۔

"آپ اس قدر حیران کیوں ہو جاتی ہیں؟ اس سے بھی غلط معنی لیے جا سکتے ہیں۔ آپ نہ تو بچی ہیں۔" نہ جاہل۔"

"نورین! میں حیران ہوتی ہوں۔ تمہاری ذہانت

سے تم نے یہ عقل کہاں سے لی ہے۔"

"یہ زندگی کا فلسفہ ہے۔ دنیا کا مشاہدہ میں تجربہ کار نہیں ہوں۔ لیکن لوگ دنیا کو گہری نظر سے نہیں دیکھتے پرکھنے کے لیے بھی تجربہ چاہیے۔ میں نے شاید لوگوں سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ آپ نے دنیا کو گہری نظر سے نہیں دیکھا حالانکہ آپ کو توضح تجربہ بھی ہوا ہے۔ پھر بھی آپ دنیا کو پرکھنے میں ناکام ہیں۔ ہر [illegible] ہماری آزمائش ہو سکتا ہے۔"

"تم [illegible] کر رو نورین [illegible] بس کچھ میں بھی۔ میں [illegible] عقل بھی [illegible]"

نورین ماہ نور کو کھانا [illegible] خالی پیالہ دکھا کر بولی۔

"[illegible] پیالہ بالکل خالی ہے۔ ہمارے ذہن [illegible] خالی ہو جاتے ہیں۔ تجربوں کے بعد [illegible] حاصل ہی نہیں کرتے۔"

نورین خالی پیالہ اور چاول کی پلیٹ لے کر چلی گئی۔ جس میں ابھی کافی چاول تھے بوٹی بھی جو تیمور کو پسند تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی تو تھکن محسوس ہوئی۔

نورین کا دماغ عجیب قسم کے فلسفے سے بھرا ہوا ہے اور عالی نے تو ایک لفظ تک نہ کہا۔ میں نے بھی تو سلام کرنے میں دیر کر دی۔ کیا میری شکل اتنی بدل گئی ہے کہ وہ پہچان ہی نہ پائے یا پھر میں ان کے لیے ان کے خیال میں بے کار فضول ناکارہ ہستی رہ گئی ہوں..... میں تو سب کے لیے ہی بے کار ہوں ہاں تھم ماہ نور کے سوا۔ زندگی سے اتنا سبق تو لیا ہے میں نے نورین! میں خود کو پہچان سکتی ہوں۔ چلو کسی کے لیے تو کار آمد ہوں۔ اپنی بچی کے لیے سہی۔ باقی سب مجھے مسترد بھی کر دیں۔ میں ماہ نور کے لیے سب سے اہم ہستی ہوں۔

نورین کھانا لے آئی۔ "آئیں باجی! ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔" مہر کو شرمندگی ہوئی۔ سب کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس کی خاطر آئی ہے۔

"تم وہیں کھاتیں سب کے ساتھ۔"

"ارے واہ! میں شرما رہی ہوں۔ آخر میں ایک مشرقی لڑکی ہوں جسے دلہن بننا ہے۔ وہاں سب کے ساتھ باپ اور چچا کے ساتھ بیٹھ کر کھاتی ہوں کیا بھلی لگوں گی [illegible] روپ آئے گا مجھ پر۔ سب میں [illegible] بیٹھے [illegible] رہے ہیں۔

[illegible] ہنستی ہوں ناں!" مہر کو ہنسی آگئی۔

"نورین! تم اتنے مزے کی باتیں کرتی ہو۔ کبھی سمجھ میں آنے والا فلسفہ۔ آخر چیز کیا ہو تم آج؟"

"ہائے اللہ! آپ کو نہیں پتا میں دلہن ہوں۔" وہ آنچل سے چہرہ چھپا کر بے ساختگی سے بولی۔

مہر کو بڑی زور کی ہنسی آگئی۔ دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔

"یہ اس قدر قہقہے کس بات پر لگ رہے ہیں؟"

عالی نے اندر جھانکا۔ نورین اسی بجلی کی سی تیزی سے گھونگھٹ نکال کر منہ پھیر گئی۔

"ہائے اللہ! لوگ کتنے بے باک ہیں۔ جن سے شرما کر آن چھپی تھی۔ وہی سامنے آگئے۔"

عالی نے ایک چبھتی ہوئی نظر مہر پر ڈالی۔ جس کا ہاتھ پلیٹ پر جم کر رہ گیا تھا۔

"اچھا بھئی ہم چلے جاتے ہیں۔ شرمیلی بیگم!" کہہ کر یا ہر دروازہ بند۔

مہر سے کچھ کھایا نہ گیا۔ ہاتھ روک کر بیٹھی رہی۔ اس کی وہ تیز نظر جیسی انداز اس کے دل کو چیرنے لگا تھا۔

"کھائیں کھائیں رزق کی بے حرمتی نہ کریں۔ کھاتے کھاتے ہاتھ روک لینا کفران نعمت ہے۔"

"تم نے بھی تو ہاتھ روک لیا تھا۔" مہر بات ٹالنے کی کوشش میں کچھ کھانے لگی۔

"بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنے شرمیلے پن کی دھاک بٹھانی تھی سو کامیاب ہو گئی۔ آپ نے اپنے جذبات چھپانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ تاثرات ہی ایسے تھے۔ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپ آخر بے نیاز کیوں نہیں ہو جاتیں؟"

"تم اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتی ہو۔" وہ کچھ محجوب سی ہوئی۔ میں اتنی آشکار ہو گئی۔

"ہیں نا؟" وہ چہکی۔ "مجھے کتابی باتیں کرنا اچھا لگتا

ہے۔ میں اتنی ذہین ہوں نہیں ہے۔ مگر دوسروں پر اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا کر خوشی ہوتی ہے۔"

"پھر دھاک اب تم ڈاکٹر صاحب پر بٹھانا یا لٹانا یا کھڑے کرنا۔" وہ لطف اندوز تھا۔

نورین برتن سمیٹنے لگی۔ کھانا دونوں کھا چکی تھیں۔

"مہر باجی جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا۔ بہت ہی برا ہوا۔ ایسے مردوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ یہ کسی کامپلیکس کے شکار ہوتے ہیں یا کسی عورت کی بے وفائی کے ڈسے ہوئے۔ جو اپنے سے کمزور بیوی یا بہن یا بیٹی سے بدلہ لیتے ہیں۔ کوئی بھی کمزور ہستی۔ ان کے قابو آجائے لیکن یہ لاعلاج نہیں ہوتے۔ کبھی تو یہ بیوی کی ذہانت اور برداشت یا مقابلے کے بعد ہی پسپا ہو جاتے ہیں۔ آپ تعلیم یافتہ ہو کر اس قدر ڈر گئیں۔ مقابلہ تو کیا آپ نے تو خود کو ایک طرح سے پیش کر دیا ان کے آگے ڈٹ جاتیں۔۔۔۔ ڈرا دیتیں۔"

"جب ایسا وقت آتا ہے۔ کوئی تدبیر کام نہیں کرتی مگر تم پر ایسا کچھ وقت نہیں آئے گا۔ ان شاء اللہ تمہارا خاندان ہے۔ پوزیشن مضبوط ہے تمہاری۔ ہمت بھی افراد کی مرہون منت ہے۔ میں تو وہاں مر بھی جاتی تو کون روتا مجھے۔"

"میں تو بہت روتی۔" نورین نے سر ہلایا۔ مہر بے ساختہ ہنسی۔ نورین برتن اٹھا کر لے گئی۔ اس سے آج کل کوئی کام نہیں لیا جا رہا تھا مگر وہ مہر کی وجہ سے کھانا لے آئی تھی اور مہر عالی سے سامنا کرنے سے بچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

الشفین اپنی سسرال میں تھی۔ شادی کے دن ہی آئی۔ گھر میں وہی مخصوص ہلچل تھی جو عموماً "شادی کے دن ہوتی ہے۔ سب بے حد مصروف تھے۔ خاور اور عالی اندر باہر انتظامات، مشورے اور اطلاعات میں مشغول۔

"وقت پر پہنچنا ہے۔"

"نکلنے میں جلدی کرنا۔ راستے لمبے ہونے سے

پہلے۔"

"ارے پھولوں کا تھال۔" ہدایتیں تھیں۔

"گھر میں رخشی بابا اور ہلو رہیں گے۔ ذرا لاک وغیرہ چیک کر کے نکلنا۔"

ثمین تیمور کو لے آئی۔ "اسے سنبھالو بچی کو بہت کام ہیں۔ یہ ان کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا۔ اب تم سے بلکے تو بلکے رو رہا ہے بیرابر۔" وہ واقعی بسور رہا تھا۔

ماہ نور کو ہمین کی بیٹی ایمن لے گئی تھی۔ مہر کو یاد آیا۔ عالی کیسے اس کے سامنے سے تیمور کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ جب سے اب نظر آیا تھا۔ اسے گود میں لے کر وہ سہلانے لگی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"اوہو بھئی! چڑیا آئی اچھا اور اب تو آ گیا ہے چڑیا کو پکڑنے گا۔ ہیں! لو بھئی! تتلی پھول پر بیٹھ گئی ہے۔ تیمور تتلی کو پکڑے گا لیکن ابھی تتلی تو اڑ گئی۔ اب تیمور چڑیا۔"

آہٹ بھی نہیں ہوئی۔ کب عالی اندر آ کر اسے کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے زور سے جھپٹ کر تیمور کو اس کی گود سے کھینچا۔ وہ ڈر گئی۔

"یہ کون سا ڈرامہ کر رہی ہو۔ میرے بچے کا عادی بنا کر تم مجھے متاثر کر لو گی۔ نہیں اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ ہاں اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ [illegible] تم کسی۔ معاف کرو [illegible] تمہارا ہاتھ بھی [illegible] انگلی اٹھا [illegible] وہ باہر لپک گیا۔ مجھے میں دروازہ بند کر کے۔ وہ ساکت کھڑی بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔

[illegible] تھا۔ اسے خبر نہ ہوئی۔ پھر ہونٹوں میں سسکتے ہوئے لگی۔ کھڑکی کا پٹ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ماہین نے آکر اسے چلنے کا کہا۔ تو اس نے کمزور آواز میں بتایا۔

"میں شادی ہال نہیں جا سکتی۔ طبیعت بہت خراب ہے۔"

ماہین نے بھی محسوس کیا۔ اس کی حالت واقعی

ٹھیک نہ تھی۔ آگے پیچھے ثمین، ہمین الشفین بھاگی ہوئی آگئیں۔

"کیا ہوا؟"

"کمزوری ہے۔ وہ لاؤ گرم۔"

"بی پی لو ہو گا۔ انڈا۔۔۔ ارے تکان ہے۔ جانے کہاں۔" "سب ہمدردی کر رہے تھے۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

"کیا تماشا لگایا ہے۔ مجھے احساس ہے سب تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں۔ اب یہاں سہارا کو لینے پارک میں جا کر روانہ کروں آ کے گی؟"

عالی چلا گیا۔ [illegible] دیکھنے لگی تھی۔ الشفین نے اسے [illegible]

"پلیز ذرا اس کی طبیعت ٹھیک ہو جائے میں بھی اس کی [illegible] اسے رک جاتی ہوں۔"

"کوئی نہیں رکے گا۔ اٹھو تم بہت ڈرامے دیکھے ہیں اپنے۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھاؤ اور نہیں تو چھوڑ دو۔ جانا ضروری نہیں ہے۔ الشفین انہیں کچھ کہہ رہا ہوں۔"

"بچا پلیز! اچھا مگر یہ تو ابھی تیار بھی نہیں ہے۔ جس کی تیاری ضروری ہے۔ اٹھو بس۔"

مہر کا جسم تپنے لگا۔ اس نے الشفین کے بازوؤں کے حصار سے خود کو نکالا اور کھڑی ہو گئی۔

"آپا چلیں۔" قدم لڑکھڑائے۔ الشفین نے پکڑ لیا۔

"تم اس حلیے میں ذرا رکو۔ ذرا میں بال ہی ٹھیک کر دوں۔"

"کیا کروں گی بال بنا کے آپا وہاں کوئی مقابلہ حسن تو ہو نہیں رہا۔"

عالی بھنا کر باہر نکلا۔ الشفین تاسف سے اس کی پیٹھ پر الجھے بالوں کا جنگل دیکھ رہی تھی۔ جس گاڑی میں انہیں بیٹھنا تھا۔ اس میں ماہین ہمین اور ثمین موجود تھیں۔ آگے عالی تھا اور ہمین کی گود میں ماہ نور۔ ثمین کی اسے دیکھ کر چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا؟ کپڑے بھی نہیں بدلے۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ آگئی ہو۔ ساسی لگ رہی ہو۔ کچھ تو تیار ہو جاتیں۔"

"وہاں کیا مقابلہ حسن ہو رہا ہے جو تیاری کرتی۔" وہ پھیکی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولی۔

وہ [illegible] دیکھ کر کھلنے لگی۔ اس نے ہمین سے [illegible] ثمین نے ماہین کے کان میں سرگوشی کی۔ ہال [illegible] جھجک کر اسے اپنے حلیے کا احساس ہوا۔ وہ سب سے پیچھے چھپ کر صوفوں پر بیٹھ گئی۔ ثمین نے پکارا۔

"وہاں کہاں بیٹھ رہی ہو۔ آگے آؤ۔"

وہ ماہ نور کا بہانہ کر کے بیٹھی رہی۔ مہمانوں کی آمد بڑھ رہی تھی۔ چچی اور چچا بھی آگئے۔ چچا کو دیکھ کر ابا بری طرح یاد آگئے۔ آنسو نکل پڑے مشکل سے ضبط کیا۔

"چچی پوچھ رہی ہیں تمہارا۔" ثمین نے آکر کہا۔

"ماہ نور سو گئی ہے۔ بعد میں مل لوں گی۔" کہہ کر وہ اپنی جگہ جمی رہی۔

بارات آگئی۔ پھر نورین بھی بیوٹی پارلر سے اپنی چچا زاد بہن کے ساتھ آگئی۔ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ باراتیوں کو مناسب جگہوں پر بٹھایا جا رہا تھا۔ پھر خطبہ نکاح شروع ہوا۔ کچھ دیر بعد مبارک سلامت کی آوازیں۔

دولہا خوش شکل اسمارٹ تھا۔ عالی دولہا سے گلے مل رہا تھا۔ سب دولہا سے بھی ایک دوسرے سے بھی مل رہے تھے۔

جمال بھائی عالی سے بہت گرم جوشی سے ملے۔ یہ وہی جمال ہیں جو عالی کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ کئی دفعہ قتل کرتے ہوئے۔

"مہو کا خیال دل سے نکال دو۔ میرا حق ہے اس پر۔" عالی سے کہتے۔

عالی نے اسے بتایا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتے۔ آج وجہ نفرت ختم ہو گئی تھی یا امید؟ ان ہی کی وجہ سے ابا گاؤں چلے گئے کہ تنازعہ بہت نہ بڑھ جائے۔

وہ اکیلی گاؤں میں چھپ چھپ کر روتی۔ اس کا کوئی قصور نہ تھا مگر سزا اسے ہی ملی اور آج تک بھی وہی عذاب سہہ رہی تھی۔ اکیلی تھی۔ وہ دونوں تو خوش

خرم زندگی گزار رہے تھے اور شاید دونوں کے درمیان کوئی انکل چھپا تھا۔ اسی لیے گھل مل کر باتیں ہو رہی تھیں۔

ماہ نور بے چین تھی۔ کندھے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اسٹیج پر خاصی چہل پہل تھی۔ دولہا کا گھیراؤ ہو رہا تھا۔ قہقہوں کا طوفان بپا تھا۔

ماہین بلانے آئی۔ "چلو تصویر بنوالو گروپ بن رہا ہے۔" اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا۔

"وہ نور عین بلا رہی ہے اس لیے۔"

"ارے سمجھا کریں پلیز میرا اس کے ساتھ بیٹھنا مناسب نہیں۔ بدشگونی ہو گی۔ آپ سب تو ہیں وہاں سا گئیں۔ میری موجودگی اتنی ضروری نہیں ہے۔"

ماہین سمجھ گئی تھی اور روہی تو وہ بھی گئی تھی۔ مہر تھک کر کرسی پر گر سی گئی۔ بچی کے سر میں منہ چھپا کر ستانے لگی۔ رونق ہنگامہ 'جوں کا توں تھا۔ صرف اس کا دل ہی بیزار تھا۔ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اسے دیکھنے سننے کی ضرورت نہ تھی اور پھر ایک غراتی آواز نے اسے لرزا دیا۔ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا مصیبت ہے یہ نخرے کس کو دکھا رہی ہو؟ مرضی تمہیں کہا تو آئیں کیوں؟ رہ جاتیں گھر پر۔ بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس پر اتنی مغرور ہو رہی ہو۔ ہر کوئی خوشی میں لگا ہوا ہے۔"

عالی اس کی حالت سے بے خبر برس رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کا اس پر کیا اثر ہوتا۔ بولے گیا۔

"اوہو۔ اب یہ نہ کہنا کہ میں نے زبردستی کی تھی۔ مجھے کوئی شوق نہیں تمہاری صورت دیکھنے کا۔ چلو۔"

وہ شاید ایک قدم آگے بڑھا۔ مہر خوف سے پیلی پڑ گئی۔

"نور عین نے کہا آپ بلا کر لائیں۔ اس لیے آیا۔ مجھے تمہاری کیا پروا نہیں۔ بھاڑ میں جاؤ۔ [illegible] چلنا ہے یا لاٹھاؤں؟"

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ مہر کو لگا [illegible] آ رہا ہے۔ بہت پہلے ایک بار وہ جمال کے ساتھ موڑ سائیکل پر چچا کے گھر سے خالہ کے گھر آئی تھی۔ جمال نے اسے اپنے گھر کے بجائے خالہ کے گھر چھوڑا تھا۔ شاید فخر، شوخی یا اپنا حق جتانے کے لیے۔ اس وقت عالی کو شدید غصہ آیا۔ اس نے مہر کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"آئندہ جمال کے ساتھ دیکھا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

مہر اس دن بھی روئی اور آج تو بھری محفل میں، کسی خطرے کے پیش نظر۔ پیچھے ہٹی اور تیزی سے کرسیوں کے بیچ سے راستہ بناتی گیٹ کے باہر نکلی۔ بچی گود میں کلبلائی۔ وہ سانس لینے رکی۔ ادھر ادھر دیکھا۔

باہر بھی خاصی گہما گہمی تھی۔ پان بیچنے والا اخبار والا [illegible] والا گاڑیاں اور۔

خالہ کسی کو رخصت کرنے آئی تھیں۔ وہ دوڑی۔

"خالہ! مجھے گھر پہنچا دیں۔ طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

اس کی اڑی اڑی رنگت۔ سانسوں کی بے ترتیبی وہ گھبرا گئیں۔

"ارے اچھا اچھا تو یہ ماہین کے چچا بھی جا رہے ہیں۔ تمہیں گھر اتار دیں گے۔ گھر جا کر دودھ پی لینا۔ بیٹا! میں رخصتی سے پہلے تو آ نہیں [illegible] شفو بوا بھی ہیں اور۔۔۔ دروازہ اچھی طرح [illegible] چلو بیٹھو۔"

وہ ماہین کے چچا کی گاڑی [illegible] کے پاس بیٹھی تو سانس قابو [illegible] گھر پر اتارا۔ اندر آ کر شفو بوا [illegible] جواب دینے کی اسے مہلت نہ ملی [illegible] ماہ نور کو پلنگ پر لٹا کر خود بھی ڈھے گئی [illegible] نہ جانے کب خشک ہو گئے۔ [illegible] ہو گئی۔

[illegible] تو بے خبر سو رہی ہیں۔ ماں بیٹی کپڑے بدلے بغیر۔ توبہ کیسی لاپروا لڑکی ہے۔ بچی کو گوٹے ستاروں کے کپڑوں سمیت سلا دیا۔"

نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ سب آ گئے تھے۔

"ارے نہیں طبیعت خراب تھی اسی لیے کھانے سے پہلے ہی آ گئی تھی۔ دیکھو کہیں زیادہ۔۔۔" کسی

آوازیں گڈمڈ ہو گئیں۔ وہ جاگنے کے بعد پھر سو گئی۔ نقاہت تھی یا غفلت یا بے ہوشی۔ کسی نے کمبل اوپر ڈال دیا۔ شاید وہ سکڑی پڑی تھی۔

اذان ہو رہی تھی۔ اٹھنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر قضا ہونے کے ڈر سے جلدی سے اٹھی تو دیکھا کمرے میں فرش پر آڑی ترچھی کئی لڑکیاں بے ترتیبی سے پڑی سو رہی ہیں۔

کھڑے ہوتے میں پیر ڈگمگائے۔ [illegible] تھا۔ وضو کر کے آئی تو نماز کے لیے جگہ [illegible] خالہ کے سسرال والے رات ہی آ گئے تھے اور [illegible] مہمان تو خالو کے ملنے والوں میں [illegible] جہاں خالو کی پوسٹنگ ہوتی۔ حلقہ احباب [illegible] شادیوں میں جس کو خالو بلا [illegible] تیمین اور افشین بھی جڑواں [illegible] شادیوں میں وقفہ تھا۔ ان دنوں ابا لاہور [illegible] مہر کو لے کر صبح خالہ کے گھر آ جاتے۔ رات کو واپس گھر چلے جاتے۔

اتنے مہمان دیکھیے مگر ان کے سونے کا کیا انتظام [illegible] تھا۔ اسے خبر نہ تھی۔ تیمین اور ماہین کی شادیاں ایک ہی دن ہوئیں۔ ابا نہ خود آ سکے نہ مہر کو بھیجا۔ تیمین ماہین بھی تھیں تو جڑواں مگر مزاجاً بالکل مختلف۔

نماز کے لیے جگہ بنانے لگی۔ کسی کے ہاتھ پیچھے کیے۔ کسی کی ٹانگیں سمیٹیں۔ دروازے کے قریب کونے میں جگہ بن پائی۔ نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کچھ یاد نہ آیا۔ الفاظ کہاں کھو گئے۔ بے بسی کے عالم میں آنسو بہنے لگے۔ کیا مانگے سکون 'خوشی' تحفظ 'زندگی اسے تو سب کچھ چاہیے ماہ نور کی خاطر مگر کیا کرے کہ ضبط مشکل ہو گیا۔ سسکیاں بلند ہو گئیں پھر خالہ کا مخصوص خفیف [illegible] لمس اس کے بعد قریب آیا۔ اس نے ان کے بازو پر ہاتھ ٹکا دیا۔

"کیا بات ہے میری بچی مہو! کیسی طبیعت ہے۔ میں تو رات تمہاری صورت دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ آکر دیکھا تو تم سو رہی تھیں۔ کمبل اڑھا دیا۔ بخار تو نہیں ہے؟"

"نہیں خالہ! میں ٹھیک ہوں۔" سسکیوں پر قابو نہ رہا۔ خالہ نے لپٹا لیا۔

"کاش میں وہیں مر کھپ گئی ہوتی۔ آپ کو دکھ دینے کیوں [illegible] مجھے وہیں چھپ [illegible] میں کیا کر [illegible] گیا ہو گا۔" خالہ اسے تھپکنے لگیں۔

"چپ رہو۔ جو ہوا اچھا ہوا ورنہ وہ ظالم تم کو مار ڈالتا۔ تمہاری بچی بھی نہ رہتی۔ یہ تو اللہ نے تمہیں اور بچی کو زندگی دینی تھی تو راستہ مل گیا۔ اللہ جسے بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔"

"خالہ! مجھے اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔"

خالہ سے کچھ ہٹ کر اس نے چہرہ آنچل سے پونچھا۔

"وہاں۔۔۔ جیسی بھی گزر رہی تھی 'کٹ رہی تھی' جیسی جب دل نے کہا پچکار لیا۔ جب چاہا دھتکار دیا۔ کبھی سامنے روٹی ڈال کر جینے کے لیے چھوڑ دیا۔ کبھی بھوک سے مرنے کے لیے۔ اگر اب زندہ ہوں۔ وہاں بھی زندہ رہتی۔ ماہ نور کو بچانا تھا اللہ اسے بھی بچا لیتا۔ صرف ذلت اور نفرت ملتی ناں۔ جو میرا نصیب ہے یہاں بھی۔۔۔ کیا ہے؟ لوگوں کی حقارت سے بھری نظریں۔ نفرت بھرے سوالات۔ وہاں ایک ہی ظالم تھا۔ یہاں سینکڑوں زبانیں۔ وہاں مارپیٹ تھی۔ ظلم زیادتی مگر رسوائی نہ تھی۔ یہاں تو ہر کسی کی نظر میں۔۔۔ میں مجرم ہوں۔ جیسے کوئی قتل کر کے بھاگی ہوں یا بدکار ہوں۔"

وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بے قراری سے۔ خالہ اسے تھپکنے لگیں۔ آنسو ان کی آنکھوں میں بھی بھر آئے تھے۔

"نہ بھائی نہ بہن۔ چچا نے آج تک صورت دیکھنے کی کوشش نہیں کی پوچھا نہیں کہ۔۔۔ زندہ ہوں یا مر گئی۔ آپ نہ ہوتیں تو فٹ پاتھ پر بھیک مانگ رہی ہوتی۔ میں آپ لوگوں کا احسان کیسے اتاروں گی۔"

خالہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "چپ ہو جاؤ اور سنو! آئندہ میں تمہیں روتے نہ دیکھوں۔ تمہیں اندازہ ہے؟ مجھے لگتا ہے میری کوئی خطا ہے کہ تم اس طرح بے قرار ہو کر رو رہی ہو۔ مہر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا اگر تم۔۔۔ پھر کبھی اس طرح روئیں۔۔۔"

اور وہ خود بھی اسے گلے لگا کر آنسو بہانے لگیں اور باہر کھڑے عالی کو لگا جیسے اس نے مہر کو زندگی سے نفرت پر مجبور کر دیا ہو۔

وہ نماز کے لیے باہر نکلا تھا۔ بھائی صاحب مسجد جا چکے تھے۔ وہ برآمدے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے بھابھی جان کو مہو کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ پھر وہ دریافت حال کے لیے دروازے پر پہنچا اور کتنی دیر یونہی کھڑا رہا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ روشنی پھیل رہی تھی اور بھائی صاحب مسجد سے واپس آ گئے تھے۔

"خالہ! نورین مجھ سے بہت ناراض ہو گی۔" خالہ بھانجی کے دل ہلکے ہو چکے تھے رو دھو کر۔ "نہ میں نے اسے مبارک باد دی نہ اس کے ساتھ تصویر کھنچوائی۔"

"وہ ناراض نہیں ہے۔ رخصتی کے وقت اس نے مجھ سے کہا۔ اماں مہر آپی کا بہت خیال رکھنا۔ ان کو غم زدہ نہ ہونے دینا۔ بہت مظلوم ہیں۔ انہیں میری جگہ سمجھ لینا۔"

مہر کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کتنی محبت کرتے ہیں سب۔ اور وہ کسی ایک فرد کے رویے سے اتنی مایوس ہو گئی۔ ماں باپ نہیں رہے۔ بھائی بہن تھے نہیں۔ پھر بھی اتنے چاہنے والوں کی موجودگی میں وہ سب سے بدظن ہو گئی۔ بس اب مجھے کسی کی پروا نہیں کرنی۔

"اب تم لیٹو اور سو جاؤ۔ ماہ نور کو ایمن دیکھ لے گی۔ تم آرام کرو۔"

وہ وہیں بیٹھی رہیں جب تک مہر سو نہ گئی۔ کب ماہ نور اٹھی۔ ایمن اسے لے گئی۔ کب کمرے کے سارے مہمان باہر چلے گئے۔ اسے خبر نہ ہوئی۔ ذہن پر چھایا برسوں کا غبار دھل کر صاف ہو گیا تھا۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اب نہ ٹانگیں لڑکھڑائیں نہ [illegible] بوجھل۔ دھوپ کمرے میں حرارت [illegible] باہر کی آوازوں سے اندازہ ہوا [illegible] چل رہا تھا۔ وہ بستر درست کرنے لگی۔ [illegible] کی چہل پہل باتوں کی ہنسی کی آوازیں۔

"خالہ! میں آپ کا ناشتہ لے آئی ہوں۔" ایمن نے دروازے میں سر ڈال کر کہا۔

"امی نے کہا دیکھ لو۔ جاگ گئی ہیں تو ناشتہ دے آؤ۔ خالہ! ماہ نور کو میں نے منہ دھلا کر ناشتہ کرا دیا ہے۔ رات والا غرارہ پہنا دیا ہے۔ سب لڑکیاں گانے گا رہی ہیں۔ وہ تالیاں بجا رہی ہے اور خوب مٹک مٹک کر تماشا کر رہی ہے۔"

ایمن تفصیل بیان کر کے پھر باہر چلی گئی۔ وہ پھر سے اداس ہو گئی۔ کتنی ناشکری ہوں میں۔ میرے اللہ مجھے معاف کرنا۔ وہ باہر آ گئی جہاں برآمدے میں کھانے کی میز رکھ دی گئی تھی۔ مہمانوں کی سہولت بھی اور ڈرائنگ روم میں مہمانوں کا قیام۔ میز ہٹنے سے وہاں جگہ بھی کافی ہو گئی تھی۔ وہ میز کے پاس کرسی کھسکا بیٹھ گئی۔ پراٹھے کی پلیٹ اپنی طرف کھسکا کر ایمن کو پکارا جو کچن میں تھی۔

"ایمن! میں یہیں کر لوں گی ناشتہ۔ چائے لے آؤ بس۔"

یہ دیکھا ہی نہیں۔ کون بیٹھا ہے۔ کرسی کھسکنے کی آواز پر چونکی۔ عالی ناشتہ چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے [illegible] وہیں رکھی تھی اور انڈا ابھی خالیا "پراٹھا [illegible] قبضے میں کیا تھا" اسی کا تھا" اوہ اب اس [illegible] اچکائے اور پراٹھے کا کنارا توڑ [illegible] انڈا ابھی اپنی طرف کھینچا۔ اب مجھے [illegible] کی پرواہ نہیں۔ بھاڑ میں جائے [illegible]

ایمن [illegible] لیے آ گئی۔ حیران سی تھی۔

"ہیں! ارے [illegible] نے ناشتہ نہیں کیا؟ خالہ! یہ انڈا [illegible] نانا کا تھا۔ چائے بھی رکھی ہے۔ آپ [illegible] لائی تھی میں۔"

"تو یہ آملیٹ پراٹھا دو اپنے چھوٹے نانا کو۔" وہ عالی کا چھوڑا ہوا ناشتہ آرام سے کرتی رہی۔

"وہ آملیٹ نہیں کھاتے۔" اس نے کچھ بے بسی سے کہا۔ "اور انڈے اب ختم ہو گئے ہیں۔"

"تو؟ میں نے رات کھانا نہیں کھایا تھا اس لیے۔ یہ دونوں پراٹھے تو میں کھاؤں گی۔"

بس اب میں کرنی پروا تو نہیں کرنی۔ کسی کی بھی چاہے کوئی لاٹ صاحب ہی کیوں نہ ہو۔

"اب میں چھوٹے نانا کو کیا دوں؟" بیچاری پریشان کھڑی تھی۔ "انہوں نے بھی رات کچھ نہیں کھایا تھا۔ صبح بھی گئے ہوئے تھے کہیں۔ ابھی تو آئے تھے۔"

"اچھا تو کیا ہوا؟ ایک وقت ناشتہ نہ کریں گے تو مر تو نہیں جائیں گے۔ مجھے دیکھو دن بھر [illegible] کھاؤں۔ [illegible] نہیں ہوتا۔ دیکھو لو کیسی ہٹی کٹی ہوں۔" [illegible] دکھانے لگی۔

ایمن منہ پر ہاتھ رکھ کر [illegible] "اللہ! ایسے ہوتے ہیں [illegible] آپ۔" بارہ سال کی بچی [illegible] کب سے [illegible]

"[illegible] چھوٹے نانا کو کیا دوں؟" اس کی سوئی وہیں [illegible]

"[illegible] کرنا بازار سے حلوہ پوری لا کر کھا لیں۔ اچھا تمہاری امی اور خالائیں کہاں ہیں؟"

"وہ تو چھوٹی خالہ کی سسرال ناشتہ لے کر گئی ہیں۔ ادھر! حلوہ پوری تو رکھی ہو گی۔ ثمین خالہ نے اپنے لیے رکھوائی تھی۔ کہنے لگیں نورین کی سسرال والے پیٹو ہیں۔ ہمارے لیے ناشتہ بچے گا نہیں۔ گھر آ کر کر لیں گے۔ بس ٹھیک ہے۔ خالہ! آپ سو رہی تھیں تو نانی نے منع کر دیا تھا جگانے سے۔"

وہ ابھی تاسف کا اظہار نہیں کر سکی تھی کہ ایمن نے صفائی پیش کر دی۔ وہ بھی چلی جاتی نورین سے مل لیتی۔ رات کی تلافی۔

کچھ دیر بعد ایمن ماہ نور کو لے آئی۔ ماہ نور کو اس سے پیار کر کے اس نے پوچھ لیا۔

"ہاں بھئی۔ تمہارے نانا جان نے ناشتہ کر لیا؟"

"ارے نہیں۔ وہ حلوہ پوری نہیں کھاتے۔" ایمن منہ بنا کر بولی۔ "کہنے لگے۔ ایک دن ناشتہ نہ کروں گا تو مر نہیں جاؤں گا۔ کتنا ہٹا کٹا تو ہوں۔" مہر دھک سے رہ گئی۔ ایمن مسکرا رہی تھی۔

"بالکل آپ کی نقل تھی۔ ہیں ناں؟" کیا عالی نے سن لیا تھا؟ یا ایمن نے شکایت لگا دی۔ وہ اسے گھورتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

[illegible] بیٹھیں ہنستی بولتی آ گئیں۔ ان کے ساتھ ان کی بہو اور رشتہ دار خواتین بھی تھیں۔

"[illegible] نورین کے سسرال والے کیا پیٹو ہیں۔ رات کو ہی دیکھ لیا تھا۔ پچاس آدمیوں کا ناشتہ لے کر گئے۔ دس آدمی تھے۔ سب ہضم۔ ہمارے لیے کیا بچاتے اور کچھ ہوتا تو وہ بھی کھا جاتے۔" ثمین بولتی گئی۔

"ایمن! منی شنو بوا سے کہو۔ وہ حلوہ پوری گرم کر لائیں۔ ہائے انڈے کا حلوہ بھی سب چٹ کر لیا۔ دہی بڑے بھی نہ چھوڑے اوپر سے خاطریں۔ آپ بھی تو شریک ہوں۔ ارے تم سے بچے گا تو شریک ہوں گے ناں۔"

"تو تم نے ہی کہہ دیا۔ ہم تو کر کے آئے ہیں ناشتہ۔"

"بھئی بندہ تکلف میں کہہ ہی دیتا ہے۔ میں نے اس لیے کہا کہ رات کو دیکھ جو لیا تھا۔"

"مگر دولہا میاں نے تو صرف آملیٹ اور توس کا ناشتہ کیا۔ نورین نے خیال چاہئے۔"

"ارے لڑکیو! چپ رہو۔ بری بات ہے۔ توبہ کرو۔ پیٹھ پیچھے غیبت۔ اللہ سے معافی مانگو۔" خالہ بلبلا گئیں۔ ثمین نے کن انکھیوں سے ماہین کو دیکھا۔ منہ دبا کر ہنسی۔

"اماں! یہ ثمین تو ان کے منہ پر کہہ آئی کہ ہمیں پتہ ہوتا تو ہم دوسرا کھانا ہی لے آتے۔" ماہین نے صفائی کے طور پر کہا کہ "یہ غیبت نہیں منہ پر کہا ہے۔"

"یہ تو بتاؤ نورین کیسی لگی۔ خوش تو ہے۔" خالہ کی فکر۔

"لو جی! کھاتے پیتے گھر میں گئی ہے۔ خوش ہے۔"

"مگر ساس خاصی تیز لگ رہی تھیں۔" چچازاد بہن نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"نورین کو نرم کرنا آتا ہے۔" ثمین نے تسلی دی۔

پھر وہ آرام سے بستر پر گری۔



"ہائے آج میری بھی رخصتی ہے۔" وہ فریاد کر رہی تھی۔ "وہی گھر' وہی ماحول' وہی ساس' وہی نند' کوئی تبدیلی نہیں' کوئی نیا پن نہیں۔"

"تم میری ساس سے اپنی ساس بدل لو۔ میری والی بہت ہی نیک' محبت کرنے والی ہیں۔" ثمین نے مشورہ دیا۔

ثمین تڑپ کر اٹھی۔ "رہنے دو' کل کھوگی ساس کے ساتھ ان کا بیٹا بھی بدل لو۔ میں نہیں' تمہارا منجا۔۔۔۔ وہ ایسی تبدیلی نہیں چاہیے۔"

"توبہ' ثمین اتنی کمینی بھی نہیں ہوں اور بھی فکروں سے تھوڑے آگے کے بال ہی تو اڑے ہیں۔ تمہارے میاں کے تو دانت بھی ٹیڑھے ہیں۔"

بحث' ہنسی' مذاق۔

ناشتہ کر کے الشین اور ثمین چلی گئیں۔ اگلے دن ولیمہ میں آنے کے لیے۔

"نورین شام کو دولہا کے ساتھ آئے گی۔ چائے پئیں گے بس۔ دولہا کے ماموں زاد بھائی نے دعوت پر بلایا ہے۔ پہلے یہاں آئیں گے پھر ماموں کے گھر جائیں گے۔" ماہین نے اطلاع دی۔

خالہ شام کی چائے کے لوازمات پر مشورے کرنے لگیں۔ رول' سموسے' کیک' پیسٹری' پیٹیز' کباب' حلوہ۔

"اماں! اتنا کچھ اہتمام نہ کریں۔" ماہین بول پڑی۔ "انھیں وہاں کھانا بھی کھانا ہے۔ یہاں پیٹ بھر لیں گے تو وہاں کیا کھائیں گے۔" وہ اونچا تکیہ لگائے مزے سے لیٹی تھی۔ "اور ہاں آپ کی بیٹی کے ارشاد کے مطابق نئے داماد کو اتنی بھی اہمیت نہ دی جائے کہ وہ زیادہ ہی پھیل جائیں۔ آپ کے دیگر دامادوں کی طرح۔ گزشتہ روز اول کے مطابق چائے کے ساتھ صرف کیک' بسکٹ کافی ہیں۔ کباب اور [illegible] جھنجھٹ نہ کیا جائے۔"

خالہ کے تو تلوے سے لگی [illegible] کر بولیں۔ "ہم ہے ہے میرا کون [illegible] ہے تو اور سنو اللہ کی مہیا سے [illegible] لگے' اچھے

خاندان کے ہیں۔ کسی نے بھی کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کی۔ آنے دو اس نورین کی بچی کو۔"

شام کو نورین آ گئی۔ دولہا میاں ڈرائنگ روم میں تھے۔ وہ اندر آ کر مہر سے لپٹ گئی۔

"ولیمے سے پہلے خوشیاں شروع ہو گئیں۔ نورین یہ کیا اسرار ہے؟" مہر نے دیکھا وہ خوش تھی۔

"اصل میں ان کے ماموں زاد بھائی کل لندن جا رہے ہیں۔ ولیمے کے فوراً بعد رات کو۔"

"ارے! ان کے گن کے؟"

"مہر باجی! آپ کو پتا تو ہے۔ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔ شرمیلی اور حیادار۔ میں ابھی سے نام تو نہیں لوں گی۔ ہائے اللہ! لوگ کیا کہیں گے۔ ابھی یہ کردار ادا کرنے دیں۔ پھر۔۔۔ بعد میں موقعے سے پتا چھینکوں گی۔"

وہ بھلا چپ رہنے والی تھی۔ چائے کے لیے اسے بلایا گیا۔ وہ مہر کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔ ثمین نے تعارف کرایا۔ نورین اپنے دولہا سے فاصلے پر دوسری کرسی پر بیٹھی تھی۔ باپ' چچا کے سامنے لحاظ کر رہی تھی۔ چائے پی کر وہ چلے گئے۔ خالہ نے تو فوراً [illegible] بھی کہ اپنی امی اور [illegible] کو بھی لے [illegible] ہمیں سے ماموں کے ہاں چلے جائیں [illegible] ماموں زاد بھائی نے ان دونوں [illegible] سب کو [illegible] بلایا [illegible] خالہ نے [illegible] کے لیے شوخ فیروزی اور [illegible] ہوا تھا۔ وہ دیکھ کر [illegible] اس نے کہا۔

[illegible] نے شوخ رنگ کیسے پہنوں گی۔"

[illegible] سب پہنیں گے اور کیے۔"

[illegible] میں سہاگن نہیں ہوں۔"

"تو بی بی! تم بیوہ بھی نہیں ہو اور ہمارے مذہب میں تو بیوہ پر بھی پابندی نہیں۔ نہ بوڑھی ہو اور اب تو بوڑھیاں بھی فیشن کے کپڑے تیز رنگوں کے پہنتی ہیں۔" ثمین نے جتایا۔

"وہ زندہ دل بوڑھیاں۔ میرا دل ہی مر گیا ہے آپی!"

مگر خالہ کے ڈانٹنے پر اسے وہی کپڑے پہننے پڑے۔ ولیمہ خوب ہنگامہ پرور تھا۔ چونکہ مہندی کا فنکشن نہیں ہوا تھا۔

لڑکیوں نے ولیمہ کے موقع پر کسر نکالی۔ گانوں کے مقابلے ڈانس آخر میں ڈاکٹروں سے متعلق لطیفے دلچسپ محفل تھی۔ کئی دفعہ اسے بھی ہنسی آئی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں سناٹا ہو گیا تھا۔ مہر نے پھر کچن سنبھال لیا۔ عالی بہت مصروف تھا۔ صرف رات کو کھانا کھاتا تھا۔ اکثر تو ناشتے سے پہلے ہی نکل جاتا تیمور کو لے کر۔ تیمور بھی مہر کے پاس آتا اس سے لپٹتا' ماہ نور سے کھیلنا چاہتا۔ وہ اسے بہانے سے باہر بھیج دیتی۔

ایک دن افشین آ گئیں۔ کم ہی آتی تھیں۔ سسرال میں دعوتوں کا سلسلہ تھا۔ مہر کے پاس آ کر بیٹھیں۔ پھر بڑے پیار سے کہنے لگیں۔

"میں اگلے مہینے دمام جا رہی ہوں۔ سوچ رہی ہوں تم راضی ہو تو تمہیں بھی ساتھ ہی لے جاؤں۔"

وہ حیران ہو گئی۔ "مجھے؟ آپا وہ کیسے؟"

"کیسے کا کیا مطلب۔ جس طرح لڑکیاں جاتی ہیں۔ شادی کر کے۔" وہ ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگی۔ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھو مہا! اب تم یوں کب تک رہو گی۔ اماں بھی چاہتی ہیں۔ تمہارا کوئی گھر' ٹھکانہ ہو۔ اماں تو تم سے جدائی چاہتی ہی نہیں تو ہم سب کی رائے ہوئی کہ یہی بہتر ہے شاید۔ ماہ نور کو باپ کی' تیمور کو ماں کی ضرورت ہے۔ تیمور تم سے مانوس بھی ہے۔ بات گھر کی گھر میں..."

مہر اس سے زیادہ سن نہیں سکتی تھی۔ کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"نہیں آپا! بس آگے کچھ نہیں۔ [illegible] بہت ذلیل ہو چکی ہوں میں اب نہیں [illegible]" افشین نے سمجھانا چاہا۔ وہ چلا اٹھی۔

"مجھے انکار ہے' انکار ہے' انکار ہے۔ اب میں ایسی کوئی بات نہیں سنوں گی۔ میں اپنی بچی کو پال لوں گی۔ اس کا باپ مر تو نہیں گیا اور میں بھی ابھی زندہ ہوں۔" یہ کہہ کر کمرے میں گھس گئی۔ غم و غصے میں کپکپا رہی تھی۔

خالہ کچھ دیر بعد آئیں۔ وہ گلاس میں پانی بھی لائی تھیں۔ پی کر اس کی کپکپاہٹ ختم ہو گئی۔

"تمہاری مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ کوئی زبردستی نہیں' یہ تو بس میری خواہش تھی۔ سمجھو کہ میری غرض تھی۔ میں خود اپنے فائدے کے لیے ایسا چاہتی ہوں ورنہ... عالی کے ننھیال والے تو اسے لپکنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ میں نے عالی کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔"

خالہ اسے آہستہ آہستہ بتانے لگیں۔

"میری شادی ہوئی تو عالی کی ماں کی وفات کو چند ماہ ہوئے تھے۔ یہ بہت چھوٹا تھا۔ شاید پانچ یا چھ سال کا۔ بہت جلد مانوس ہو گیا۔ اس کی ماں' میری سوتیلی بہن تھیں۔ میں نے انہیں دیکھا تو نہیں۔ تمہارے خالو سے ہی تعریفیں سنی ہیں۔ انہوں نے کبھی برا سلوک نہیں کیا تمہارے خالو سے۔ بہت محبت دی۔ [illegible] ہونے کا پورا حق دیا۔ اسی لیے دونوں بھائیوں میں [illegible] محبت ہے۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ عالی [illegible] ہوئی ہو۔ میرے ساتھ عالی کی [illegible] رہے پہلے بھی [illegible] تمہیں [illegible] کی قسمت [illegible] بیمار پڑ گیا۔ [illegible] موقع مل گیا۔ وہ لڑکی [illegible] اس کی شادی کر دی۔ [illegible] عالی کے [illegible] سعودی عرب میں۔ لڑکی بھی مجبور ہو [illegible] عالی سے وعدہ لیا کہ وہ اسے طلاق دے دے شادی کے فوری بعد مگر عالی لحاظ مروت میں ایسا نہ کر سکا۔ پھر بچے کی خبر نے اس لڑکی کو پاگل کر دیا۔ وہاں تو کوئی ڈاکٹر ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جرم ہے بلکہ بچے کو ضائع کرنا بھی قتل کہلاتا ہے۔ وہ یہاں آنا چاہتی تھی۔ اس کے ماں باپ نے روکا اس کے بعد۔"

"آپ مجھے کیوں یہ داستان سنا رہی ہیں۔" زچ ہو کر بول پڑی۔

"میں تو اس کی مجبوری اور مروت [illegible] اور ہم لوگوں سے اس کے تعلق کا بتا رہی ہوں۔ اس کے بچے کو ماں چاہیے۔ ویسی ہی جیسی عالی کی ماں تھی۔ سوتیلی اولادوں سے محبت کرنے والی تم سے بہتر [illegible] بھلا کون اور ماہ نور کو ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد [illegible] عالی سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے۔ کسی انجان سے [illegible] بچی کو باپ کا پیار دے گا۔ [illegible] اپنا مطلب بیان کر چکی تھیں۔ انہوں نے لمبا سانس کھینچا۔

"میری بیٹی کے [illegible] پریشان ہونے کی ضرورت نہیں [illegible] رہی تھی۔

"جب [illegible] باپ بیٹی کو محبت نہیں دے سکا [illegible] باپ کی ضرورت بھی نہیں۔ اگر [illegible] ضرورت پڑی۔ میں ماہ نور کو اس کے اصلی باپ کے پاس بھیج دوں گی۔ چاہے وہ اسے مار دے یا [illegible] کسی آیا نوکر کی طرح رکھے۔ آپ نے ہی کہا ہے کہ [illegible] کسی سے یہ توقع کرنا بے وقوفی ہوگی کہ وہ بچی کو باپ کا پیار دے۔ سگا باپ مارنے پر تیار ہو تو سوتیلے سے کیا امید اور مجھے ابھی ایسے کسی اقدام کی ضرورت بھی نہیں۔ میں اسے کسی بھی طرح پال سکتی ہوں۔ ماہ نور کو نہ باپ کی ضرورت نہ باپ کے پیار کی۔ وہ صرف میری بیٹی ہے میری اور میں آپ کی۔ اگر آپ اپنی بدنصیب بیٹی کو نہیں پال سکتیں تو یہ بھی اپنا نصیب سمجھ کر [illegible] قبول کر لوں گی۔"

آواز مشکل سے نکلی مگر جملہ اس نے پورا کر ہی لیا۔ خالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تاسف کی ایک نظر ڈال کر آہستہ آہستہ باہر چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خالہ نے حسب سابق اس کو گلے لگایا نہ بیٹی کا مان دیا۔ یہ بھی علم نہ ہو سکا کہ اس تجویز میں عالی کی مرضی بھی شامل ہے یا نہیں۔ وہ تو اس قدر بدگمان ہے۔ صورت دیکھنے کا روادار نہیں۔ اس سے پہلے پوچھ لیتیں۔ ایسا اکا سا جواب ملتا کہ بس۔

افشین' مہین چلی گئیں۔ خالہ خاصی بددلی سے کمرے میں لیٹ گئیں۔ دھوپ میں [illegible] ڈال رہی تھی۔ ان کے [illegible] اتنا ملال تھا کہ اس کی ہمت نہ پڑی کہ [illegible]

مہر کو اس نے سب کپڑے اٹھا کر تہہ کر کر کے رکھے۔ اندر لے جا کر رکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ابھی سوچ ہی رہی تھی کیسے لے کر جاؤں۔ نورین ہنستی ہوئی داخل ہوئی۔ کچھ وقت ملنے اور خیر خیریت میں گزرا۔ پھر نورین نے ہی سارے کپڑے اٹھائے اور اندر لے گئی۔ اکیلی آئی تھی۔ کچھ وقت وہ اپنی اماں کے پاس بیٹھی۔ مہر نے پکار کر پوچھ لیا۔

"چائے پیو گی نورین' بناؤں؟"

نورین کے اقرار پر کچن میں آ گئی۔ نورین بھی وہیں آ گئی۔

"میں صرف چائے پیتی ہوں شام کو۔" اسے ڈبے کھولتے دیکھ کر اس نے کہا۔

"اچھا؟ بسکٹ' رسک' کیک یہ سب تمہاری پسندیدہ چیزیں ہیں۔ شام کی چائے کے ساتھ۔"

"سب الٹ پلٹ ہو گیا۔ مہا جی! ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنا مریض سمجھ لیا ہے۔ ہر وقت روک ٹوک' لیکچر یوں سمجھیں میری زندگی کا نظام تلپٹ ہو چکا ہے۔ ہائے کس سے کہوں؟"

نورین کے چہرے پر بناوٹی افسوس پہچانا جا سکتا تھا۔ مہر مسکرا دی۔ "مجھ سے کہو اور اس وقت تو وہ موجود نہیں ہیں۔ پھر کیا رکاوٹ ہے؟ کہو۔"

"اللہ تو موجود ہے۔ دیکھ رہا ہے سب اور ہمارے مذہب میں اللہ کے بعد شوہر کی تعمیل کا حکم ہے۔ لو بھلا۔ آدمی وعدہ کر کے پھنس جاتا ہے۔ مطلب عورت ہے۔ مجھ جیسی مشرقی فرماں بردار لڑکی کیسے پیٹھ پیچھے بدعہدی کر سکتی ہے۔"

"یہ پچھلے کچھ دنوں سے تمہیں مشرقی لڑکی ہونے کا احساس ہو گیا ہے۔ پہلے تو تم بڑی تھانیدار قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ تب تمہیں کسی نے نہیں بتایا۔" چائے سامنے رکھتے ہوئے مہر نے پوچھا۔

"وقت، میرے عزیز وقت بڑا ظالم ہے۔" نورین آنکھیں پھاڑ کر [illegible] آواز میں بولی۔

چائے پی کر دونوں کمرے میں آ گئیں۔ وہ ماہ نور کے لیے کھلونے لائی تھی۔ ماہ نور ان سے کھیلنے لگی۔ خاموشی مہر بات کرنا چاہتی تھی مگر کوئی موضوع سمجھ میں نہ آیا۔ نورین کھلونے میں چابی بھرتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ کو نہیں لگتا مہر باجی کہ آپ کچھ غلط کرنے لگی ہیں۔"

مہر سمجھ گئی۔ سب کچھ خالہ سے کہہ چکی تھی۔ اب نئی کوئی بات نہ جواب۔

"میرے خیال میں۔ زندگی سے سبق لینے کے بعد بھی آپ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں۔ جو کچھ حاصل نہیں کرتے کوشش ہی نہیں کرتے۔"

"نورین! زندگی کا حاصل میری ماہ نور ہے۔ اس کے بعد اور کیا حاصل کروں؟" بے چارگی۔

"زندگی میں بہت کچھ نیا بھی ہے۔ بہت سی نعمتیں جو ہمیں اللہ دیتا ہے۔ ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔ یہ ہوا، پانی، پھل سب تو ضروریات ہیں روز مرہ کی لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سی قدریں ہیں۔ خوشی، تحفظ، اطمینان، یقین۔ آپ کو نہیں لگتا اگلے چار پانچ برسوں میں ماہ نور کو ان نعمتوں کی کتنی ضرورت پڑنے والی ہے۔ جب اس کی اسکولنگ اس کو بولنے چالنے کے لیے الفاظ کم ہوں گے۔ وہ محرومی کا شکار ہو کر کہیں دوسرا صاحب زادہ نہ بن جائے گی؟"

نورین اسے چھوڑ کر فوراً ہی باہر چلی گئی اور کچھ دیر بعد اپنی سسرال جاتے ہوئے اس کا چہرہ اسی طرح کھلا کھلا تھا۔ کسی پھول کی مانند اسے شاید ہر نعمت میسر تھی۔ ماہ نور کو گود میں دبوچ کر اس نے چپکے سے مہر کو آنے والی خوشی کی خبر بھی دی۔

مہر کی بے ساختہ چیخ نکلی۔ "اتنی جلدی؟"

"اسے بے صبری کہتے ہیں [illegible] کو یقین دلانے کے لیے کہ میں [illegible] آپ کے لیے زندہ تحفہ نذر [illegible] چاہتی ہوں۔"

کھکھلاتی ہوئی چلی گئی۔

مہر حیرت سے گم کھڑی [illegible] "کیسے ڈاکٹر صاحب ہیں۔ اتنی جلدی۔ لوگ تو زندگی انجوائے کرنے کے شوق میں سالوں گزار دیتے ہیں۔ پھر چپکے سے زندگی کی انجوائے منٹ بھی بھاری پڑ جاتی ہے۔ جب پتہ چلتا ہے کہ دواؤں کے استعمال کی وجہ سے خرابیاں اولاد مشکل لیکن۔۔۔ شاید انہی خرابیوں سے بچنے کی کوشش۔ آخر ڈاکٹر ہیں، ہر مسئلے سے آگاہ۔"

☆ ☆ ☆

افشین دام جا چکی تھی۔ عالی نے قیام بڑھا لیا۔ وہ تیمور کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور شاید تیمور کے ویزے میں ہی کچھ گڑبڑ تھی۔

خالو کو کھانسی ہو گئی جو دوا کے باوجود بڑھ رہی تھی۔ خالہ کو شاید ملیریا یا کسی خاص قسم کا بخار ہو گیا۔ دن میں مہر دونوں کی دوا، غذا کا خیال رکھتی۔ شام کو عالی آ کر انہیں سنبھالتا۔ کبھی تو تھکا ہوا ہونے کے باوجود رات دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ کبھی اونگھنے لگتا۔

گرمی کے باوجود ماہ نور بھی بخار میں مبتلا ہو گئی۔ خالو کو چائے کے ساتھ بسکٹ دے کر کمرے میں آئی تو بچی کا بخار تیز ہو گیا تھا۔ گھبرا کر خالہ کو بلا لائی [illegible] نے کئی ٹوٹکے آزمائے۔ پھر ٹھنڈے [illegible] بخار کسی طرح کم نہ ہوا [illegible] پر رکھتی۔ کبھی زور کی آواز [illegible] خالو نے کہا۔

"ماہین کو فون کر [illegible] خالو فون بھی خراب تھا۔"

[illegible] خالو مہر کی محتاط طبیعت کے بارے میں [illegible] وہ بھی تھکا ہوا تھا۔ کہیں سے کھانا کھا آیا تھا۔ تیمور سو چکا تھا۔ خالو کے لیے کوئی نئی دوا عالی لے آیا تھا۔ جس کے پینے سے کھانسی میں کمی ہو گئی اور وہ سو بھی گئے۔ خالہ کو بخار تھا مگر مہر کی پریشانی اور بچی کی حالت دیکھ کر وہ مہر کے پاس ہی رہیں۔

ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے سے تھوڑا فرق پڑا لیکن اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کسی دوا کا اثر نہ تھا۔ [illegible] سوج ہو گیا۔ پورا جسم جھٹکے کھانے لگا۔ کبھی اچھل پڑتی۔ خالہ بخار کے باوجود اس کے ساتھ جاگ رہی تھیں۔ پڑھ پڑھ کر پھونکتیں۔

مہر کی حالت خراب تھی۔ ہائے کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے۔ میں نے بڑے بول بولے تھے۔ کہیں اس کی سزا۔۔۔ رو رو کر اس کا چہرہ سوج گیا۔ [illegible] کی حالت بھی ٹھیک نہ تھی۔ وہ [illegible] اور [illegible] لگی۔

"خالہ! میں اسے [illegible] جاتی ہوں۔ میں اسے مرنے نہیں [illegible]" ایک یقین تھا کہ وہ اسے بچا لے گی۔

"[illegible] رات کے ساڑھے گیارہ بجے کون سا [illegible] کا ہسپتال میں۔ ٹھہرو! میں عالی کو بلاتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں میں غیروں کا احسان نہیں لوں گی۔ خالہ میری بچی میری ذمے داری ہے۔ میں خود لے جاؤں گی۔"

گود میں لے کر کھڑی ہوئی۔ تب بھی وہ اچھل رہی تھی۔ حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

خالہ نے کہا۔ "اچھا ذرا رکو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ تم اکیلی رات کے بارہ بجے۔۔۔ لو بھلا۔"

وہ چپل پہن رہی تھیں۔ مہر دروازہ پار کر گئی۔ عالی نے کچھ آوازیں سنیں۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ بھائی صاحب کو دوا دے کر انہیں تسلی دے کر۔ ان کے سونے کے بعد آ کر لیٹا تھا۔ دن بھر ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ تیمور کے ویزے میں پتہ نہیں کیا رکاوٹ آ گئی تھی۔ بھابھی جان کی آواز سن کر دروازہ کھولا تو مہر کی آواز بھی صاف آئی۔

"میں غیروں کا احسان نہیں لوں گی۔ میری بچی میری ذمہ داری ہے۔"

"دروازے سے باہر نکل کر دیکھا۔ بھابھی جان صحن میں تھیں۔

"بھابھی جان! کیا بات ہے۔ آپ کو بخار ہے۔ کہاں نکل رہی ہیں؟"

[illegible] دروازہ کھول کر باہر جاتے دیکھا تو نہیں [illegible] خالہ نے بخار سے کانپتی آواز میں مہر کے [illegible] کر جانے کا بتایا۔

"[illegible] بہت سخت اذیت میں ہے۔ عالی اور مہر اکیلی لے گئی ہے۔"

وہ بھاگ کر باہر آیا۔ ہر سڑک پر کسی سواری کا انتظار کیے بغیر آگے ہی آگے چل رہی تھی۔ وہ دوڑا۔

"ماہا! رکو میں آتا ہوں۔" اس وقت رکشہ مہر کے پاس ہی رکا تھا۔ وہ اس سے کسی ہسپتال کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ عالی نے آگے بڑھ کر اس سے بچی کو چھین لیا۔

اور فوراً رکشہ میں بیٹھ کر ہاتھ کے اشارے سے اسے گھر جانے کا کہا۔ سڑک سنسان تھی۔ رکشہ بھی شاید اسی کی وجہ سے کم رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی گھر تک پہنچی۔ رکشہ اب موڑ مڑ کر غائب ہو گیا۔ خالہ دروازے میں کھڑی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی سہارے اندر آئیں۔ عالی کے کمرے میں ہی چلی گئیں۔ تیمور سو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ خالہ لیٹ گئیں۔ دونوں دعائیں کر رہی تھیں۔

عجیب اور انوکھی واردات اس کے دل پر گزر رہی تھی۔ یہ کیسی کیفیت تھی۔ اسے عالی کے بچی چھین کر لے جانے پر نہ دکھ تھا نہ غصہ نہ حیرت۔ خالو کو ان کے کمرے میں جا کر دیکھ آئی۔ سکون سے سو رہے تھے۔ واپس آئی۔ خالہ نیم غنودہ سی کیفیت میں تھیں۔ بخار ان کو بھی تھا۔

"خالہ! آپ اب سو جائیں۔" اس نے ہمدردی میں کہا۔

"میں بیٹھی ہوں خالہ! مجھے جانے نہیں دیا۔ خود لے گیا ماہ نور کو۔"

"فون بھی تو کمبخت خراب ہے۔ عالی کچھ بتاتا تو۔" خالہ کی آواز میں کمزوری تھی۔

اچانک جیسے شور سا ہوا۔ گھنٹی فون کی گھنٹی وہ چلا

اٹھی۔ ”فون ٹھیک ہوگیا۔“ وہ دوڑی۔ عالی کے کمرے میں بھی ایک فون تھا۔ اس نے بے قراری سے اٹھایا۔

”پریشانی کی کوئی بات نہیں۔“ عالی کہہ رہا تھا۔

”میں ڈاکٹر شہباز کے کلینک میں ہوں۔ بچی کو ڈرپ لگا دی ہے۔ وہ بہتر ہے' بخار ہے' تشنج نہیں۔“

اس سے کچھ بولا نہ گیا۔ بس ایک سسکی۔ ”ماما! پریشان نہ ہو۔ ڈاکٹر شہباز بچوں کے اسپیشلسٹ ہیں' وہ موجود ہیں' فکر کی بات نہیں۔“

مہر کے منہ سے سسکیاں ابل پڑیں۔

”وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ڈرپ ختم ہوگی تو میں لے آؤں گا۔“ فون بند ہوگیا۔

پتہ نہیں کتنی تھی یا پانچ' خالہ کے پاس لیٹ گئی۔ انہیں فون کا بتا دیا۔ وہ بھی مطمئن تھیں۔ میری بچی کو کچھ نہ ہو۔ میرے اللہ اسے زندگی دے۔ وہ اگر مجھے چھوڑ گئی۔ میں بھی زندگی چھوڑ دوں گی۔ یہی تو ایک سہارا ہے میرے پاس۔

”خالہ! میری بچی ٹھیک ہوجائے گی ناں؟“

”ہاں' ہاں کیوں نہیں ضرور۔“ خالہ نیند میں تھیں یا بخار کی غفلت تھی۔

”میں نے ’بڑے بول‘ بولے تھے خالہ! اللہ کو برا لگا ہوگا۔“ تیمور نے کروٹ لی تھی۔

وہ اسے تھپکنے لگی۔ جیسے ماہ نور کو تھپکتی تھی تو وہ سو جاتی تھی۔ اللہ مجھے معاف کرنا۔ میں بھول گئی تھی۔ میری کیا ہستی ہے۔ بہت بے وقوف ہوں میں۔ رات گزرتی جارہی تھی اور کلینک کا نمبر ہی نہیں لیا۔ اف! کہیں کچھ اور۔۔۔ برے برے خیالات ذہن میں آ رہے تھے۔ گھبرا کر ٹہلنے لگی۔ گھنٹی۔ فون اٹھایا۔ عالی کہہ رہا تھا۔

”سب ٹھیک ہے۔ بخار کم ہے۔ اب ڈرپ کے ختم ہونے تک انتظار کرنا ہے۔ بہت آہستہ رفتار ہے ڈرپ کی۔“

”وہ۔۔۔ سچ مچ ٹھیک تو ہوجائے گی؟“ [illegible] زبان سے نکلا۔

”بالکل' ان شاء اللہ بس ڈرپ ختم ہو تو ہم گھر آجائیں گے۔“

وہ وضو کرکے نفل نماز پڑھنے لگی۔ پھر صبح کی اذان ہوئی۔ فجر ادا کرکے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگی۔ آخر دروازے پر دستک ہوئی۔ تیر کی طرح وہ دوڑی ہوئی دروازہ کھولنے لگی۔ اس کی زندگی عالی کی گود میں تھی۔

”میری بچی۔۔۔۔ میری جان!“ بے قراری میں بالکل اسی طرح عالی کے ہاتھوں سے جھپٹا۔ جیسے رات عالی نے اس سے چھینا تھا۔ وہ وہیں اسے لپٹا کر رونے لگی۔

”اندر چلو۔ اسے گرم دودھ پلاؤ۔ بعد میں رونے کا شوق پورا کرلینا۔“

وہ ہوش میں آگئی۔ رات بارہ بجے وہ اسے لے کر گیا تھا۔ وہ اسے کہاں لے کر جاتی۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتی اور رکشے والا۔ پتہ نہیں اسے کدھر پہنچاتا۔ اگر کہیں پہنچ بھی گئی ہوتی۔ گھبراہٹ اور پریشانی میں بس ہی بھول گئی۔ رکشے والے سے کیسے بچتی۔ کتنی ذلت ہوتی۔ رات کے بارہ بجے او خدا! اس نے بھری ہوئی آنکھیں عالی کی آنکھوں میں ڈال کر بھاری آواز میں بس اتنا ہی کہا۔

”میں اپنی پوری زندگی دے کر بھی اس کا احسان نہیں اتار سکتی۔ کبھی بھی نہیں۔“

صحن سے آتی بلب کی پیلی روشنی میں اس کی آنکھوں کا پانی سمندر بن گیا۔ عالی [illegible] وہ ان آنکھوں میں [illegible]

”اچھا اندر چلو [illegible] دودھ گرم کرو۔ اس کی [illegible] رہی ہے۔ تھکان' رات بھر کی جاگی [illegible]۔“ وہ بہت پھرتی سے اندر آگئی [illegible] عالی کے کمرے میں ہی آگئی۔

[illegible] کہتی ہوئی اسے تیمور کے پاس لٹایا۔ دودھ' نور کی طرف دوڑ لگادی۔ خالہ نے بھی شکر ادا کیا۔ عالی دروازہ بند کرکے آیا تو کمرے میں دونوں بچے اور بھابھی جان کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

”آپ کا بخار اب کہاں ہے؟“

”بہت تیز ہوگیا تھا مگر ایسی پریشانی تھی کہ پسینہ آ

گیا۔ لگتا ہے کہ اتر ہی گیا۔“

”آپ جائیں آرام کریں۔ بچی اب ٹھیک ہے۔ کمزوری ہے بس۔“

خالہ اسے دعائیں دیتی ہوئی برآمدے میں چلی گئیں۔ مہر نے دودھ گرم کرکے [illegible] چائے بھی بنائی۔ آخر پوری رات نیند کی [illegible] تھکن بھی ہوگی [illegible] کو لے کر آیا تھا۔ [illegible] کے سامنے چائے رکھ کر اس نے ماہ نور [illegible] کو دیکھ کر نقاہت سے مسکرائی [illegible] بھوکی تھی اسی لیے گرم دودھ [illegible]۔ عالی چائے پی رہا تھا۔

”اف! اس [illegible] تھکن ہے۔“

اس کے بعد [illegible] میری جان! شکر ادا [illegible] دوں۔“ مہر [illegible]

[illegible] یقین' چائے ہی نہیں فضول۔“

[illegible] اس نے سنا۔

”فوراً سلا دو اسے۔“ باہر نکل رہی تھی تو عالی کی ہدایت سنی۔ آؤ میری ماہ نور اسے کچھ ہوجاتا۔ میں کیا کرتی۔ بستر پر لٹا کر اس سے لپٹ گئی۔ جینے کی کتنی شدید خواہش ہوگئی تھی۔ اللہ کس طرح شکر ادا کروں تیرا۔ ماہ نور نیند میں تھی۔ نیم باز آنکھوں سے ماں کو دیکھتے دیکھتے سوگئی۔

مہر کی نیند اڑ چکی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ دروازہ کھول کر عالی تیمور کو لیے اندر آگیا۔ آرام سے مہر کی دوسری جانب لٹا کر اسے دیکھا۔

”رات بھر تنگ کرتا ہے۔ سونے نہیں دیتا۔ ماہ نو پاس جانا ہے ماں کو پاس جانا ہے کی رٹ۔ صبح تک روتا ہے۔ میری تو نیند حرام کردی اس نے۔“

مہر ہنس دی۔ تیمور آرام سے سو رہا تھا اور اتنی دیر وہ وہاں رہی۔ ایک کروٹ کے علاوہ۔۔۔ وہ بھی اس نے تھپکا تو سوتا رہا۔ کب تنگ کرتا ہوگا۔ بچے پر الزام خوامخواہ۔

”وہ تم نے کیا کہا تھا؟ احسان وغیرہ اتارنے کا۔ تو کوئی خاص مشکل نہیں۔ بس۔۔۔ اس تیمور کو بیٹا بنالو۔“

کہتے کہتے باہر کو چلا۔ دروازے تک پہنچ کر رکا۔

”میں [illegible] تک سوؤں گا۔ ابھی نماز کے ساتھ شکرانے [illegible] بھی ادا کرلوں۔ آخر سرخرو ہوا ہوں۔ [illegible]“ کہتا ہوا دروازہ بند کرکے چلا گیا۔

وہ اب سوچ رہی تھی۔ احسان تو تم نے بہت کیے ہیں۔ بچپن میں اسکول پہنچانا' ابا کی مدد کے خیال سے ان کے کہنے ہی کام' بیماری کے دوران جب وہ چڑچڑی ہوجاتی اس کو بہلانے کے لیے گھنٹوں باتیں بنانا' ہنسانا۔ غور کرنے پر کتنے احسان تو یاد آگئے۔ اب زندگی سے تجربوں سے سبق حاصل کرنے کا عمل باقی تھا۔

شکریہ نورین! شکریہ عالی اور شکریہ میرے اللہ تا زندگی شکر ادا کرتی رہوں گی اللہ۔

✡ ✡ ✡

زندگی کے بے شمار رنگوں میں ایک رنگ قسمت کا بھی ہے۔ اچھی قسمت بری قسمت مگر بندہ زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہے تو قسمت اس پر مہربان بھی ہو جاتی ہے۔ صاحبزادہ عالم گیر' دولت' عزت' طاقت' برتری کے غرور میں نہ زندگی سے کچھ حاصل کرسکے نہ دنیا سے کوئی سبق حاصل کیا۔

وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔ جوانی کا جوش' دولت کی فراوانی' عیش' آرام۔ کمزوروں پر حکومت کرتے ہوئے کبھی سوچا بھی نہیں کہ ہر عروج کو زوال ہے۔ دنیا قدموں تلے بچھی ہوئی تھی۔ زندگیوں سے کھیلتے کھیلتے خود بھی کچھ ٹوٹ ہوگئے۔ شاید ہی کسی پر اتنی جلد زوال آیا ہو۔

صبح سے دوپہر آگئی اور پلک جھپکتے زندگی کی شام نے گھیر لیا۔ جب تک بڑے بھائی صاحب رہے۔ ان کی نیکی' خدا ترسی کے باعث بھائیوں کی حکومت چلتی گئی۔ جوں ہی ان کی وفات ہوئی۔ خاندان والوں نے ملنا چھوڑ دیا۔ بار بار شادی کرتے چھوڑتے رہے۔ ایک بیٹا زندگی کا حاصل رہا۔ وہ بھی جب تعلیم کے لیے اسے لندن بھیجا۔ ماں سے مل کر انہی کا ہو رہا۔ بیٹی بھی

انگلینڈ کی پروردہ وہیں کے رنگ میں رنگی گئی۔

اب دُلت کی تنہائی میں اکثر پچھلا دور یاد آتا ہے تو پچھتاوے ناگ بن کر لپٹ جاتے۔ کیا ہوا تھا۔ کیا کر دیا۔ ایک عورت کی بے وفائی نے ہر عورت سے نفرت سکھادی۔

ہر لڑکی ہر عورت میں وہی ساریہ نظر آتی جس کے ساتھ عمر گزارنے کا تہیہ کیا تھا۔ اتنی محبت تو کبھی کسی سے نہ کی تھی۔ وہ بھی ان کی محبت کو سراہتی رہی۔ شادی کے منصوبے بنتے۔

زندگی میں خوشیوں کے رنگ اس قدر شوخ تھے کہ آنکھیں چندھیا جاتیں۔ ہر طرف روشنی اجالا مہیان چاندنی سا اس کے لیے اتنے ملبوسات خریدے۔ زیورات کی خریداری خود ساریہ نے اپنی پسند سے کی۔ اس کے لیے لاہور میں ایک شاندار گھر خرید کر اس کی مرضی اور پسند سے فرنیچر کا انتظام کیا۔ اماں جی کو وہ لڑکی بالکل پسند نہ آئی۔ ”اس کی آنکھوں میں بے وفائی ہے۔“ اماں جی نے کس یقین سے کہا تھا۔ انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی مگر اماں جی کو انہوں نے بہلا لیا۔ ساریہ کے ماں باپ نہ تھے۔ بھائی بہن تھے۔

شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ خوشیاں ہر سمت رقص کرتی رہیں۔ رنگ برنگی تتلیوں کی مانند 'بارات' مقررہ وقت پر شادی ہال پہنچی۔ وہاں سناٹا۔ شادی کیا معمولی تقریب کے بھی آثار نہ تھے۔ منیجر نے کسی تقریب کی بکنگ سے لاعلمی ظاہر کی۔ شہر اور گاؤں کے معززین بارات کے ساتھ تھے۔ کیا کروفر سے بارات آئی تھی۔ صاحبزادے کی تو سمجھ ہی میں نہ آیا۔

چھوٹے بھائی نے ساریہ کے گھر جا کر بھی دیکھا۔ گھر پہ ”کرائے کے لیے خالی“ کا بورڈ منہ چڑا رہا تھا۔ ساریہ کے لیے جو گھر منتخب کیا اس پر وہ کسی سنگار کے نام کی تختی اس پر آویزاں تھی۔ ساریہ وہ گھر فروخت کر کے جا چکی تھی۔ بڑے بھائی صاحب [illegible] گزر گئی۔ پلیٹ فارم خالی ہے۔“

بارات دلہن کے بغیر [illegible] اب یاں تو چیں یا دیوار سے ٹکریں ماریں [illegible] ساریہ.....

اپنے شوہر کے ساتھ۔ جسے بھائی بہن کے رشتے کا نام دے کر ملایا تھا۔ امریکہ جا چکی تھی۔ تحقیق ہوئی تو پتا چلا کچھ عرصہ پہلے ہی اس کالونی میں آئے تھے۔

کوئی ذاتی طور پر جانتا نہ تھا۔ ساریہ کلب میں ملی تھی۔ بہت حسین اور شوخ۔ صاحب زادے کو پہلی نظر میں ہی محبت ہو گئی اور اسے متوجہ کرنے پر دوسری جانب بھی پسند کا اشارہ ملا۔ بارات کی واپسی پر اماں جی کے صدمے سے حالت غیر ہو گئی اور دس دن کے اندر وہ سب کو روتا چھوڑ کر قبرستان پہنچ گئیں۔ پچھتاوے جان نہ چھوڑ سکے۔ خاندان والوں نے صاحب زادے کی ابتر حالت دیکھ کر شادی کی تجویز دی۔ خاندان میں لڑکیاں موجود۔ بڑے بھائی کے مجبور کرنے پر وہ تیار بھی ہو گئے۔ بیوی نے کافی تعاون کیا۔ ایک بیٹا پا کر مغرور ہو گئے۔ دوسری بیوی انگلینڈ بھائی کے پاس چلی گئی تھی۔ وہاں سے واپس آئی تو ننھی منی ایک بیٹی بھی تھی۔

حیرت انگیز طور پر انہیں بچی میں ساریہ کی شباہت نظر آئی۔ اب بیوی بھی ساریہ جیسی لگنے لگی۔ لالچی دولت کی بھوکی زیور کپڑے اور سیر تفریح کی دلدادہ [illegible] کو کیوں پیدا ہونے دیا۔ یہ جرم ناقابل تلافی تھا اور [illegible] اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

دوسری بار کئی سال کی تنہائی۔ [illegible] چکا تھا اب بھی [illegible] شریف گھر [illegible] کی بچی کو زوجیت کا شرف بخشا [illegible] طور پر..... اس کی صورت میں [illegible] جسم کی [illegible] سی آنکھیں [illegible]

ان [illegible] کا شکار بننے والی مہانو پر تو ان کا [illegible] تھا۔ باپ دنیا سے چلے [illegible] رشتے [illegible] پابندی لگا دی۔

[illegible] بس چلتا تو مہانو کی آنکھیں پھوڑ دیتے جو ساریہ جیسی ہی تھیں۔ اس کا جسم تن سے الگ کر دیتے کہ وہ بھی ویسا ہی نازک اور لچکیلا تھا۔ اس کی صورت تبدیل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ اسے خوف زدہ رکھنا۔ غمگین دیکھنا اور وہ ایسا ہی کرتے رہے۔ تھکا کر مار ڈالنے کا طریقہ کامیاب ہو جاتا۔ اگر

— وہ بیٹے کو لینے لاہور نہ چلے جاتے۔ پھر جو کچھ ہوا وہ ان کی عقل سے دور۔ سمجھ سے قاصر تھا۔ وہ خوف زدہ سی ہوئی ہرنی زخمی ہو کر [illegible] بھاگ نکلی۔ کیسے خاتون وکیل تک پہنچی اور یہ ان کی عزت پر حملہ... کیسے گوارا کرتے۔ اب اس کی زندگی ختم کرنے کا منصوبہ بنا کر وکیل کے گھر صلح صفائی کا چکمہ دینے پہنچے لیکن وہ چڑیا اڑ چکی تھی۔ عدالت سے نوٹس آئے اور یہ جانا کہ وہ بھی انہیں بیٹی کا تحفہ ہی دینے والی ہے۔ [illegible] بروقت ہسپتال پہنچ جاتے۔ بچی [illegible] لا کر پھر گھر لے آئے۔

تو [illegible] کر اس کی خوف سے بچتی [illegible] ہوئی ذرور [illegible] کچھ تسکین [illegible] کورٹ میں جانا ذلت کا سبب تھا۔ [illegible] طلاق۔ لڑکیوں کی دنیا میں کمی نہ تھی۔

[illegible] کی بار جو بیوی بنی۔ وہ بالکل مختلف اور عجیب [illegible] انہیں تو ساریہ کے روپ پسند تھے۔ ساریہ کو خرچ کرنے کی عادت تھی۔ اس نے ان کو جہالت کی مار دی۔ لڑائی جھگڑا۔ چیخ پکار۔ وہ اس کی بدتمیزی پر آگ بگولہ ہو جاتے۔ پھر اس کی جو درگت بنتی اور اسی سلسلے میں جب وہ ان کی تیسری بیوی۔ ان کی تیسری بیٹی کی ماں بننے والی تھی جبکہ وہ بیٹے کے متمنی تھے۔ ”پرانی تجربے کار ملازمہ کی زبانی۔ اس کا خیال معلوم ہونے کے بعد۔ لڑکی ہے صاف سا اور روپ وہی ہے۔“

اور یہ ملازمہ چال دیکھ کر جو رائے قائم کرتی وہی ہوتا تھا۔ اس بار تو اس جاہل لڑکی نے خوشی کی ترنگ میں ان سے شہر جانے ہسپتال میں داخل ہونے کی خواہش کی تھی۔ غیظ و غضب میں جلتا صاحب زادے کی ایک لات ایسی پیٹ پر لگی کہ نہ شہر نہ گاؤں کے ہسپتال پہنچ سکی۔ تڑپ تڑپ کر گھر میں ہی ختم ہو گئی۔ دائی کی ہوشیاری سے بچی دنیا میں آئی ضرور۔ وہ سانس نہ لے سکی۔ ماں کے پاس سفید کفن میں ماں کے ساتھ ایک قبر میں دفن کر دی گئی۔

بیماری، قبل از بڑھاپے کا سبب ضرور تھی مگر انتقامی جذبے کو کبھی پیار نہیں کرتا۔ اس بار شہر کی تیز طرار عورت نے ان کی بیوی بننے کا شرف حاصل کیا۔ اس کی اولاد شوخیاں تفریح کے شوق ساریہ جیسے تھے۔ ان کے انتقامی جذبے نے اسے بھی نہ چھوڑا۔ انہوں نے [illegible] وار تنگ دی۔ مجھے بیٹا چاہیے۔ اس کے سوا [illegible] نہیں۔ اس پر بحث طول پکڑ گئی۔

اس نے تنگی کا ناچ نچا دیا۔ اس نے جسمانی تشدد۔ ذہنی ٹارچر کے الزام میں پرچہ کرا دیا۔ طلاق کے ساتھ زمین اور کوٹھی بھی دینی پڑی اور خود گاؤں آ گئے۔ دل تو تنور کی طرح بھڑک رہا تھا۔ کوئی عورت بھی ان کے مزاج کی نہیں تھی مگر پہلی ان سے جان چھڑا کر گئی تو صرف بیٹی اس کے پاس تھی۔ دوسری مہانو جس نے اطاعت میں سر جھکانا ہی سیکھا تھا۔ ان کی دی ہوئی اذیتوں کو کانپتے لرزتے تسکین پہنچائی تھی۔ زبان سے تو کوئی نازیبا الفاظ کی احتجاج بھی نہیں۔ کیا چیز تھی وہ بے زبان، بے آواز حکم کی غلام۔

ہسپتال میں بستر پڑے ماضی کو کرید رہے تھے۔ کیا تھا زندگی کا ماحصل۔ تن تنہا زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے تھے۔ بیماریوں نے گھر کیا پورا جسم چاٹ لیا تھا۔ ہر روز نئی بیماری کی خبر سن کر پریشان ہونا بھی چھوڑ دیا۔ اٹھ کر ہاسپٹل کا راؤنڈ لینے کے لیے باہر نکلے۔ ساتھ کے کمرے میں ان ہی کا جیسا بیمار اکیلا پڑا رہتا تھا۔ بہت ہی بے لطف گفتگو کرتا تھا۔ شکوے۔

”زمین بیوی کے کہنے پر سالے کو دے دی۔ بیچ کھائی کمبخت نے۔ بیٹوں کو امریکہ بھیجا کہ پڑھ کر کما لیں گے۔ ماں باپ کو عیش کرائیں گے۔ ارے خود عیش سے فرصت ملے نہ جی پوچھتے ہی نہیں۔“

وہ چپ چاپ سنا کرتے۔ وہ تو کسی سے شکوہ نہ کرتے۔ ماضی کو کریدتے تو اپنی زیادتیوں کے سوا کچھ نہ ملتا۔ ٹہلتے ہوئے آگے نکل آئے پھر واپس پلٹے۔

”اس شخص کی خیریت پوچھ لینی چاہیے۔ اکیلا ہے بیچارا کچھ اور شکایتیں یاد کر کے جمع کر لی ہوں گی۔ سن لو کیا حرج ہے۔ وقت گزارنا ہے۔“

مگر یہ کیا۔ اندر تو کچھ اور ہی سین تھا۔ بیمار نہیں رہا

تھا۔ ایک لڑکی یا عورت اس کا ہاتھ تھامے رو رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اشارے سے بلا لیا۔

"آئیے۔ آئیے جی! یہ دیکھو میری بیٹی آئی ہے۔ اسے میری بیماری کی خبر ملی۔ بس ترنت چل پڑی۔ اپنے سسر کے ساتھ آئی ہے۔ اس کا ماما ہے وہ۔ وہی ناتی۔ وہی جو میری زمین بیچ کر کھا گیا تھا۔ چنگا بندہ ہے میری بیٹی کو لے کر آیا ہے میری خدمت کے لیے۔ اس کا احسان ہے جی۔"

وہ واپس کمرے میں آگئے۔ بیٹی۔ خدمت۔؟

روز اس کی بیٹی باپ کے لیے کھانا لاتی۔ اس کے ہاتھ پیر دباتی۔ ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ وہ ڈسچارج ہو کر جا رہا تھا۔ ملنے آیا۔ انہوں نے حیرت ظاہر کی۔ ہنس پڑا۔

"اجی ڈاکٹروں کا کمال کوئی نہیں۔ یہ تو خوشی ہے۔ بندے کو خوشی مل جائے۔ پھر وہ بیمار کیوں پڑے۔ کب سے میں اپنے سالے سے ناراض تھا۔ اس نے میری بیٹی کو لا کر جو خوشی دی ہے۔ اس غم کو مٹا دیا کہ زمین بیچی یا اولاد نکمی ہے۔ نہ جی اولاد بے شک نکمی ہو' بیٹی تو خدمت گزار ہوتی ہے۔ آپ بھی۔ (رازداری سے) بیٹی کو بلا لو' سارے ڈاکٹر حیران ہو جائیں گے۔"

وہ کس بیٹی کو بلاتے۔ اگلے دن ہسپتال چھوڑ دیا مگر بیماری کیسے چھوٹتی۔ یاد آیا' دو تین سال پہلے کراچی کے ایک شاپنگ مال میں مہ پارو کو دیکھا تھا اس کے ساتھ شاید اس کا شوہر ہو گا۔ دونوں شاپنگ کر رہے تھے۔ مہ پارو کا چہرہ بدل گیا تھا یا انہیں لگا۔ جب میرے پاس تھی۔ زرد رنگت' لرزتے ہونٹ اور خوف سے کانپتے قدم' گھبرائی ہوئی ہراساں سی۔

مگر۔ آج مہ پارو کے لب مسکرا رہے تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بے حد مطمئن' پُراعتماد۔ ساتھ اس کی بیٹی تھی۔ بوا نے ہی خاص طور پر [illegible] تھا۔ وہ اسے دیکھ کر آ گئی تھیں۔ ان دنوں [illegible] بہن کی زبان درازی سے تنگ آ [illegible]۔ زیادہ سوال نہ کیے' دلچسپی ہی نہ تھی [illegible] خود کرتے ہی چڑ گئی۔ ذلت کا سامان ایک اور [illegible] نفرت' عورت؟

نہیں' انہیں بیٹی کی شکل میں بھی عورت نہیں چاہیے۔

گاؤں چلے گئے۔ وہاں بھی سکون نہ ملا۔ پٹواری کی بہن کی قبر اور اس کی نوزائیدہ بچی قبر سے نکل آئی۔ خوف زدہ ہو کر کراچی آگئے۔ ایک مشہور ڈاکٹر کے بارے میں ان کے ایک کزن نے بتایا۔ وہ خود تو ایک مشہور اسکول کے پرنسپل تھے مگر ڈاکٹر سے رابطہ تھا۔

ڈاکٹر نے بھی کھال کھینچنے میں کمی نہ کی۔ ٹیسٹ ہوتے۔ خون بار بار نکالا جاتا رہا۔ علاج کے لیے مختلف ڈاکٹروں کا بورڈ قیام میں لایا گیا۔ نہ معلوم کتنی بیماریاں تھیں۔ وہ بیماریوں کے عجیب عجیب نام سن کر ہی پریشان ہو گئے۔ دل بہلانے کے لیے باہر نکلے تو خیال آیا ایک اچھی سی پتلون لے لی جائے۔

ایک مشہور شاپنگ مال کی طرف آگئے۔ بچوں کے کھلونوں کے انبار تھے اور کپڑے جوتے۔ تمام بچوں کے۔ ایک خوب صورت سی گڑیا لیے سنہری بال کھولے دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ جی میں آیا لے لوں؟ ہائیں! مگر کس کے لیے؟ دل کی ایک نس نے موڑ دی یا کھینچ لی۔ لگا تو ایسا ہی۔

"بھائی صاحب! ان چھوٹوں کے تو [illegible] ایک رنگ کے کپڑے دکھائیں [illegible] فرق ہو تو۔ ارے بھئی یہ تو [illegible] چھوٹا بڑا۔"

[illegible] ایک بار پھر [illegible] کا شوہر [illegible] سیلز مین سے [illegible] کی عادت۔

"[illegible] جڑواں نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو وقت مجھ پر پڑتا۔ الاماں! ایک لڑکا دوسری لڑکی [illegible] تو خرچ ہو جاتا۔ دراصل یہ ہمارا خونی مسئلہ ہے۔ جڑواں تو ضرور ہوں گے۔ کبھی ایک دفعہ کبھی دو دفعہ۔ اچھا چلو۔ یہ نیلا ہی دے دو۔ کیوں تیمور! ٹھیک ہے ناں' تمہاری ماں کو بھی پسند آئے گا۔"

تب انہوں نے دیکھا۔ وہ چھوٹے بھورے بالوں والے بچے کھلونوں میں دلچسپی لے رہے ہیں اور ایک دس بارہ سال کا لڑکا۔ ایک اس سے کچھ چھوٹی لڑکی کھڑے' پھولوں کے انتخاب میں مدد کر رہے ہیں۔ اشارے کر کے لڑکی کو دکھا رہے ہیں۔ یہ جانی پہچانی سی لگی۔

کیا یہ ہی تو مہ پارو کی وہ بچی نہیں؟ مگر لڑکا [illegible] ہے۔ یاد نہیں آیا کہ اس لڑکی کی کیا عمر ہوگی۔ [illegible] بوا نے کب بتائی تھی یہ بات [illegible] پر رہی۔

پھر بہت سے کپڑے جوتے [illegible] خوش مزاج ہنس [illegible] مہ پارو کا شوہر ہے۔ [illegible] گاڑی کھڑی [illegible] دونوں پیچھے بیٹھ گئے۔ چھوٹوں کو لے [illegible] سیٹ سنبھالی۔ تب انہوں نے [illegible] مہ پارو بھی ہے۔ چھوٹا ایک اس نے گود [illegible] دوسرا باپ کی گود میں اسٹیئرنگ پکڑ کر بیٹھا تھا۔

پھر گاڑی چلی گئی۔ اب انہیں یاد آیا۔ ایسی ہی مہنگی گاڑی میں مہ پارو کو بٹھانے کی پاداش میں 'وہ بوا اور رحیم داد کو نوکری سے نکال چکے تھے۔ وہ کم حیثیت مختاب زدہ لڑکی اور ان کی گاڑی میں بیٹھے؟ کس قدر غیظ و غضب کا اظہار انہوں نے کیا تھا۔ کیا۔۔۔ مہ پارو کو وہ وقت یاد ہو گا؟

وہ کھڑے سوچتے رہے یہاں کس کام سے آئے تھے۔ شہر کے مہنگے ترین شاپنگ اسٹور میں یاد نہ آیا۔ پرنسپل صاحب سے مشورہ کرنے کے کئی دن کے بعد جانا ہوا۔ ڈاکٹری رپورٹ ہسپتال میں داخلہ۔ وہ اسکول میں بہت مصروف تھے۔ گراؤنڈ میں بچے جمع ہو رہے تھے شاید چھٹی ہو گئی تھی۔ ایک جیسے یونیفارم میں بے شمار لڑکے' فراکوں میں لڑکیاں' ہنستے شور مچاتے ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے۔ پھر ان کے دل پر کھنچاؤ سا ہوا۔ وہاں سامنے وہ بڑے بچے لڑکا اور لڑکی کھڑے تھے پھر۔ وہ دونوں چھوٹے' بھورے بالوں والے بچے اچھلتے کودتے کسی گیند کی طرح لڑھکتے آ رہے تھے بہن بھائی نے انہیں پکڑ لیا۔ دھوپ میں دونوں کے بال چمک رہے تھے۔ گندم کے خوشوں کی مانند گال تمتما رہے تھے۔ کشمیری سیب جیسے چاروں ایک جگہ [illegible] رک گئے۔ وہ بے قراری سے پرنسپل کی [illegible] لے گئے۔

"مہمان' اسٹو بھائی۔" بچوں کی طرف اشارہ کر کے معلومات کی خواہش کی۔ پرنسپل صاحب نے قریب گزرتے ایک ٹیچر کو بلایا۔ بچے موجود تھے' ٹیچر نے بچوں کو دیکھا۔ گردن ہلائی۔

"جی جانتا ہوں۔ بڑا والا میری کلاس میں پڑھتا ہے۔ اچھا میں رجسٹر لاتا ہوں اور سجاد علی کو بھی۔ آپ کو کلاسوں کا زیادہ علم ہے۔"

رجسٹر آگیا۔ ماسٹر سجاد علی آ گئے۔ تحقیقات کا نتیجہ کچھ ایسے تھا۔ تیمور ولد عالمگیر خان۔ ساہ نور ولد عالمگیر خان' ہمایوں' بابر ولد عالم گیر خان' کہیں کوئی ابہام نہ تھا۔ عالم گیر خان تو وہ بھی ہیں۔ بچے کسی دوسرے عالم گیر کے نکلے۔

"میں انہیں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔" ٹیچر سجاد علی نے بات آگے بڑھائی۔ "چند سال پہلے تک عالم گیر صاحب سعودیہ میں تھے۔ میرا بھائی بھی وہیں تھا۔ میں عمرے کے لیے گیا۔ تو بھائی نے عالی صاحب سے ملایا۔ وہ بھی عمرے کے لیے آئے تھے۔ بیوی بچوں کے ساتھ۔ پھر انہوں نے کراچی میں کمپنی کھول لی۔ یہاں بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی۔ اسکول میں ہی بچوں کے سلسلے میں۔ آپ کو کیا شک ہے جی؟"

شک تو تھا مگر کیسے بتاتے۔ اب مایوسی نے گھیر لیا۔ کیا مہ پارو نے نام کی مماثلت سے فائدہ تو نہیں اٹھایا؟ مہ پارو کی نیکی' مذہبی رجحان کے سبب وہ یہ امید نہیں کر سکتے تھے کہ وہ باپ کا غلط نام اور کیا اس نے عالمگیر نام کے شخص کو اسی لیے تلاش کیا؟ مگر وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ وہ اتنی چالاک ہوشیار تھی ہی نہیں۔ اگر ہوتی۔ سارہ کی طرح یا ماریہ جیسی نہ جانے کیا کچھ وصول کرتی مگر وہ ان کے ایک چیک پر ہی اکتفا کر بیٹھی تھی۔ اب پھر وہی ڈاکٹر' دوائیں' ہسپتال۔

☼ ☼ ☼

آسٹریلیا روانہ ہوتے تو پہلے عالی نے مہر کو کچھ یاد آنے پر بتایا۔

"ارے ہاں ماہا! وہ تمہارے فیصل آبادی صاحب زادہ صاحب اسکول میں بچوں کے بارے میں "خصوصاً" ماہ نور کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے۔ میں وہاں نام کٹوانے گیا تو ٹیچر نے بتایا۔"

مہر خوف سے پیلی پڑ گئی۔ "وہ کیسے پہنچے وہاں بچوں کو کیسے پہچانا انہوں نے؟"

"میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ ایک دفعہ میں اور تم شاپنگ کے لیے گئے تو یہ صاحب وہاں تھے۔ خاص طور تمہیں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے پہلے سوچا لگاؤں ایک پھر خیال آیا بزرگ ہیں۔ شاید ان کی بیٹی تمہاری ہم شکل ہو گی مگر میں سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی ہیں۔ دراصل میں نے تمہارے پاس ان کی تصویر دیکھی تھی۔"

"میرے پاس؟ خدا کے قہر سے ڈرو۔ میں ان کے گھر سے تن کے جوڑے میں نکلی تھی۔"

"بھئی، تمہارے دل میں ہے ناں ان کی تصویر۔ میں نے جھانک کر دیکھا تھا۔"

"توبہ توبہ۔۔۔ استغفار میں ایسی ہوں ہی نہیں۔ بھول چکی سب۔ اگر ماہ نور کا خیال نہ ہوتا۔ کبھی خیال بھی نہ آتا مگر۔۔۔ انہوں نے بچوں کو کیسے پہچانا؟"

"یاد ہے ایک بار ہم بچوں کو لے گئے تھے ان کے کپڑے وغیرہ لینے۔ تمہاری طبیعت خراب تھی۔ تم گاڑی میں بیٹھی رہیں۔ میں نے ان صاحب کو پھر وہیں دیکھا۔ لگتا ہے روز آتے ہیں تمہارے فراق میں تمہاری تلاش میں۔ بچے سب ساتھ تھے۔ دیکھا ہو گا۔ پھر اسکول میں بھی پیچھا کر رہے تھے پرنسپل صاحب سے ملنے آتے ہیں وہاں۔"

مہر کا دل دھڑکنے لگا۔ پریشان ہو گئی۔

"وہ بہت خطرناک ہیں۔ کہیں ماہ نور۔۔۔"

عالی بے فکر کہنے لگا۔ "[illegible] عالم کیر ہے، وہ بھی عالم کیر ہے۔ اللہ کا احسان ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے ماہ نور ہماری جان ہے۔ [illegible] ہے بدولت کی

فلائٹ ہے ہماری۔ آسٹریلیا تو نہیں آسکتے وہ۔ ماہ نور اپنی فلوری ہیں۔ پر لگا کر اڑ جائیں گے۔"

"اگر وہ آگئے آسٹریلیا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔" آواز بھرا گئی۔

"پتا ہے مجھے بس یہ ذکر ختم کرو۔ ویسے مجھے ان کی بزرگی کا احساس ہے بے چارے بڑے میاں۔"

"میں بھی نہ سمجھی۔۔۔ ایک بار تو ضرور ماہ نور کو ان سے ملواؤں گی۔ صرف دکھانے کے لیے کہ اس قیمتی موتی کے مالک ہوتے ہوئے انہوں نے نہ جانے کتنے موتی خاک میں رول دیے اور یہ سمجھانے کہ انسان خدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت بے بس بے اختیار ہوتا ہے۔ اللہ ہی سب کا مالک ہے۔" وہ سوچ میں گم بولتی رہی۔

"او ہو جذباتیت اٹھو چلتے ہیں۔" عالی اسے بہلا کر لے گیا۔ جب تک جہاز فضا میں پرواز نہ کر گیا، مہر کی فکر ختم نہ ہوئی۔

☼ ☼ ☼

صاحب زادے کو جو بھی بیماریاں تھیں [illegible] بڑی بیماری فکر اور زندگی واپس لانے کی [illegible] انہیں لگتا ہاسپٹل بیماری بڑھانے [illegible] ہے۔ وہ اکثر درد سے کراہتے [illegible] بہلاتا۔ خصوصی اجازت [illegible] نوکر [illegible] نہیں دیتا۔ بہلاتا، مالش کرتا [illegible] نعت رسول سناتا۔

"[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگاؤ [illegible]"

اس دن موج میں تھا کہنے لگا۔

"صاحب جی! ایسے موقعوں پر تو بیٹیاں ہی کام آتی ہیں۔ افسوس آپ کی کوئی بیٹی ہی نہیں۔ بیٹوں کا کیا ہے۔ وہ تو آزاد پنچھی ہوتے ہیں۔ کبھی اس ڈال پر کبھی اس شاخ پر، مطلب کے تبادلے جو ہوتے رہتے ہیں۔ اب نوکری تو کرنی ہوئی بچاروں کو۔ بیٹی ہوتی ہے بے غرض خیر خواہ۔ نصیبوں والے ہوتے ہیں جی وہ لوگ

جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اللہ نے بیٹیوں کو رحمت کا لقب دیا ہے۔"

کمبخت انہیں بدنصیب سمجھ رہا ہے۔ جانتا نہیں اب تک تو کتنی بیٹیاں ہو جاتیں مگر غرور و تکبر، رحمت کو خود ہی دھتکار دیا۔

"میرے بھائی کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ بیٹے کی بڑی خواہش تھی۔ جب بیٹی پیدا ہوتی [illegible] جاتی، آمدن دگنی ہو جاتی۔ لو جی ایک [illegible] کی تمنا پوری ہو گئی۔ بیٹا ہوا [illegible] آگ لگا دی۔ [illegible] فضل [illegible] ہو [illegible] اللہ کا کرم ہوا کہ بیٹا مر گیا [illegible] پانچ بیٹیوں کو پال رہا ہے [illegible] کر رہا ہوں۔ بیٹے کی پیدائش [illegible]"

[illegible] نہیں ہے "منحوس کیسے ہو سکتا ہے۔ [illegible] کوئی فضول بولتا ہے۔ وہ اس کی فضول [illegible] سننے پر مجبور تھے۔ باتوں میں لگا کر بہلاتا تھا۔ بولنے والا زبانہ تو رہا نہیں کہ نوکر سر اٹھا کر جواب دینے کی مجال نہ رکھتے تھے۔ نوکر ہی کیا۔ مہ پارہ کو بھی بولنے جواب دینے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل مہ پارہ کا اکثر خیال آتا تھا۔

آخری بار کھانے کے لیے اصرار کرتی رہی۔ مار کھانے کے بعد بھی رزق چھوڑ کر جانے سے منع کر رہی تھی۔ یہ اس کی آہ لگی یا رزق کی بے حرمتی کی سزا۔

آخر مہ پارہ نے ان کا نام کہاں سے پایا؟ تو پھر ممکن ہے وہ بیٹی بھی انہی کی ہو۔ اس بار لندن گئے۔ بیٹا تو ملنے آگیا۔ آخر خرچ باپ ہی بھیجتے تھے۔ بیٹی نے ملنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کو دیا بھی کیا تھا۔ جدائی، نفرت، محرومی، نہ جانے وہ کون سی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ بے غرض اور خدمت گزار۔ وہ بھول جاتے کہ بیٹی ان کے لیے ننگ تھی۔ بیٹی کا باپ بننا ذلت گردانتے۔

"صاحب جی! آپ کو کوئی خاص بیماری نہیں ہے۔ بوجھ ہے دل پر، اتار دیں اسے۔ بیماری کا تعلق ہماری اپنی ذات سے ہوتا ہے جی! نیکی کمائیں۔ اللہ سے لو

لگائیں۔ کسی غریب بچی کی شادی کا ذمہ لے لیں۔ کسی یتیم کو پال لیں۔ توبہ کر لیں، بس توبہ۔"

[illegible] ارشادات گناہوں کا شمار کرتے کرتے [illegible] کتنی غلطیاں کر چکے تھے۔ کیا اللہ معاف [illegible] کرے گا؟ اب بڑھاپے میں نماز شروع کی۔ نوکر کے حساب میں ثواب جمع ہوا ہو گا۔ اسی کے کہنے پر حج کرنے گئے۔ بوجھ کم نہ ہوا۔ کیا توبہ کا وقت گزر گیا؟ خوف زدہ ہو گئے۔

ایک بیٹی کا قتل، بیوی کا قتل۔ دو بیٹیاں ان کی محبت، ان کے نام سے محروم یتیموں کی طرح۔ نہ جانے ان کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔

"اللہ سے معافی مانگیں صاحب جی! سارے گناہوں کی معافی اور جی جن کو ستایا ہو، ان سے بھی۔ اللہ سائیں معاف کر دے گا۔ بڑی طاقت والا مہربان ہے۔ بیماری دیتا ہے تو شفا بھی دے گا۔"

"ایک بات تو بتاؤ شرفو! کیا بیٹیاں بھی واپس آسکتی ہیں جو خفا ہو کر چھپی ہوئی ہیں۔"

"ہاں جی۔۔۔ بیٹی تو پھر اللہ کی دی ہوئی مخلوق ہے۔ ضرور آئے گی بھی نہ بھی۔ پر صاحب جی! بیٹی پیدا ہوتی ہے تو آتی ہے۔ آپ کی بیٹی تو ہے ہی نہیں۔"

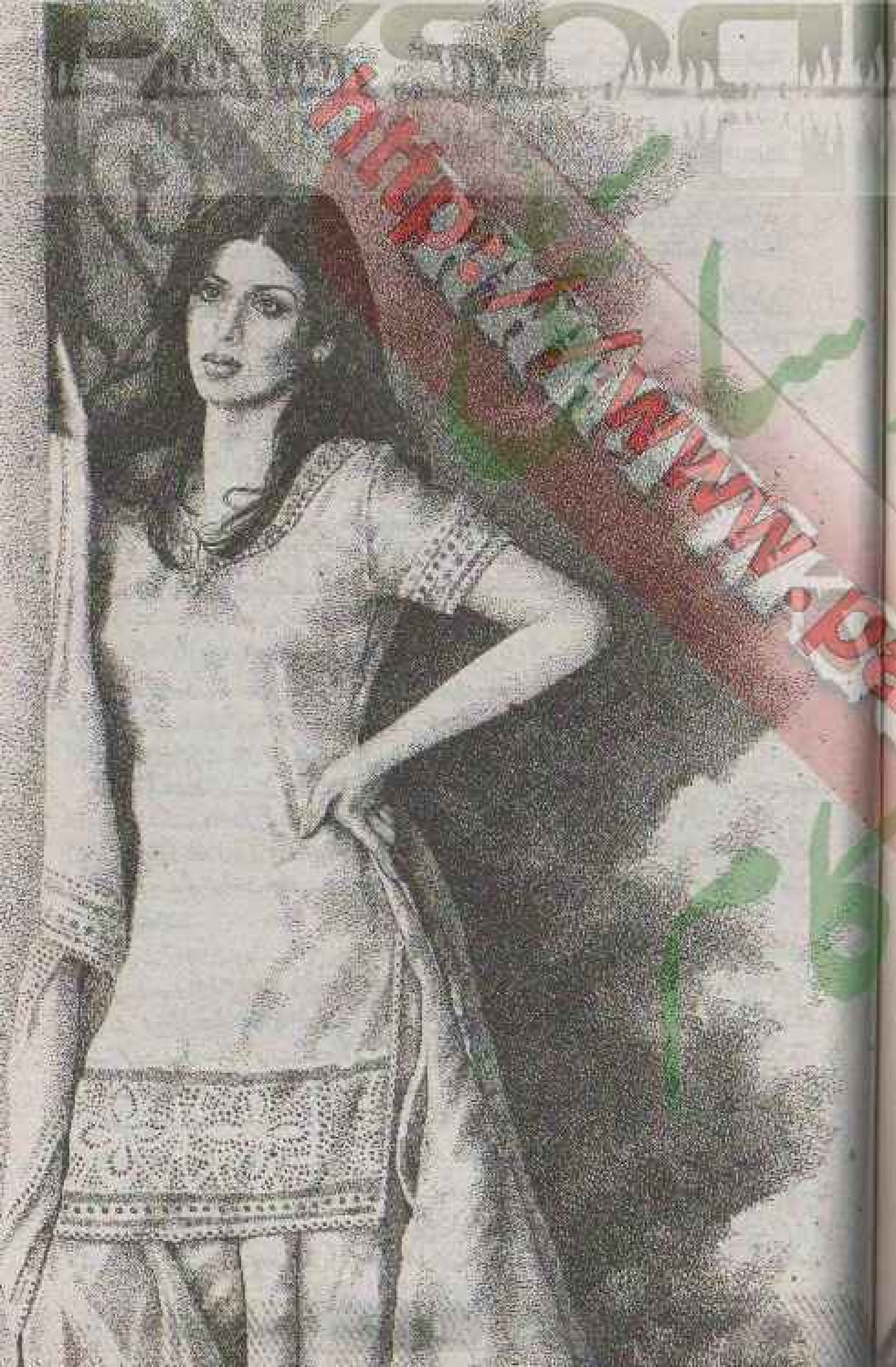
"اب کیسے بتائیں شرفو! وہ تو ضرور ہیں۔" حکمن تھی کہ آواز بھی گم ہو گئی۔

"وہ ہیں تو آجائیں گی۔ بلائیں اللہ سے کہیں۔ بڑا مہربان ہے وہ۔"

یہ تو فرق ہے۔ طاقت والے تو وہ بھی تھے مگر مہربان نہیں۔ یہ تو اللہ ہی کی صفت ہے۔

اب وہ بیٹیوں کے انتظار میں ہیں۔ تلاش میں نہیں۔

تلاش ختم۔ وہ اللہ کا کام ہے۔ اس کا وعدہ ہے۔ تم مانگو میں دوں گا اور اب ان کا کام صرف مانگنا ہی رہ گیا ہے۔ معافی۔



عالیہ بخاری

دل اور دستک

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ، ثانی بیگم، خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ [illegible] کرتا ہے۔ سالار تمام معاملات فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام [illegible] کے علاوہ [illegible] کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار اگلی اقساط تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ [illegible] دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والوں کا پھر سے لوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ ان کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل بابا پر [illegible] ہیں۔ وہ ہر چیز [illegible] رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی بہن بھی۔ اماں اور دادی مرحوم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانا اعجاز چچا کا ہے جو کہ بڑی نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ تک ہوا کی بات [illegible] طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معقول بزنس مین [illegible] کی بیٹی [illegible] سے کر دی۔ جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر [illegible] مطمئن ہے۔ حالانکہ معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں [illegible] موافقت نہیں ہیں۔



زرتاج بیگم کے [illegible] کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ بیٹے کی بہتری [illegible] سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ [illegible]
[illegible] بھی [illegible] ہیں۔ زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امانت سے [illegible] ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات جو اپنی ہے، اظہار، اچھا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سونے [illegible] کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام تر نیت زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے پیچھے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید خوف اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس حادثے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار اچھا خاندان مع سونے جویا اور زوبیہ اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

ولدارنانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن عمل کرتی رہتی ہے۔ شاہ میر موقع پر اس کی الگ شوٹ کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گگی زیادہ تر زعالی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کر رہی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملازمت میں اتنے کی دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گگی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دو چار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں جانے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا خوبصورت ہے اور بارسوخ ہے۔ انہیں لباس کی طرح سگریٹ بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکرٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل سے زیادہ خوبصورتی کی وجہ سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ [illegible] اسے کٹے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال نبیل کی اچھی فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں لیکن کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گگی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈوری سے باندھے ہوتے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لاابالی باتوں پر وہ اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف [illegible] اور دوسری سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والدین سے کرتا ہے۔ [illegible] سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ [illegible] اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فانا طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار اچھا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوشش [illegible] شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ وہ جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور [illegible] ساتھ ملتی ہے تو وہ گم سم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، اچھا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق [illegible] زوبیہ جویا کو گستاخی سے کہ گروہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم [illegible] تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی نظم دونوں میں شہرت کی بلندیوں [illegible] ہے۔ ایسے میں اسے یہاں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا [illegible] وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

نبیل، سالار پر قاتلانہ حملہ کرواتا ہے [illegible] کی صورت بھی واضح کر رہ جاتی ہیں۔ سالار کے قابل اعتماد ساتھی موقع پر جاں بحق ہو جاتے ہیں [illegible] معاملے کو دبانے کی سر توڑ کوشش کرتی ہیں لیکن اس موقع پر یوسف کمال ہمیں کے بجائے سالار کا ساتھ دے کر [illegible] مزید پریشان کر دیتے ہیں۔ آنے والا وقت نبیل اور زرتاج بیگم کو کسی اچھی خبر کی نوید نہیں سناتا۔ یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال اپنے شوہر سلمان سے ہٹ کر اب سالار کی طرف لگ رہی ہے۔

یوسف کمال اسے بتاتے ہیں کہ سالار کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ صندل کو کامیابی تیزی سے عروج کی جانب لے جاتی ہے۔ بالی صاحب کی کوٹھی میں [illegible] نگینہ ہالی کے خاندان کو زندگی کے [illegible] ساتھ پرانے گھر میں رکھنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو نگینہ کے ساتھ ساتھ گگی [illegible] ہے۔ تاہم وہ گگی سمیت سب کو مطمئن کر کے بھیج دیتی ہیں۔ سالار کی مستقل غیر موجودگی گگی کے لیے [illegible]

صندل "اٹرویو" میں خالہ نیوٹو بے اولاد بتاتی ہے تو [illegible] کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ در بدری نے خیام کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر کار ساجد ترس کھا کر اسے اپنے یہاں [illegible]

جویا کا رشتہ ٹوٹتا اور اظہار صاحب کی گرفتاری [illegible] شیرازہ بکھیر ڈالتی ہے۔ تمام سہولیات اور گھر سے انہیں ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اس موقع پر آپا گل اور [illegible] شاکرہ بیگم کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ خبریں معاذ اور اسلام صاحب کے خاندان تک بھی پہنچتی ہیں [illegible] شائستہ بیگم (معاذ کی والدہ) کے سوا سب کو دکھ ہے۔ معاذ نواب کی موت کے بعد سعدو کی بے [illegible] کو تو سب کا ماتھا ٹھنکا ہے۔ دادی اس پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ زوری دل میں معاذ کے خاص جذبات [illegible]

(اب آگے پڑھیے)

چالیسویں قسط

اس بار ان سے ضبط نہ ہوا اور وہ اٹھ کر دروازے تک گئی تھیں۔ چوکھٹ کو تھامے پریشان حال سلمان سامنے کھڑا تھا۔

"ہائے خیر!" شاکرہ بیگم کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آیا تھا اور اگر آپا گل اسے سہارا نہ دیتیں تو شاید وہ صحن میں ہی گر پڑتا۔

آپا گل کے سہارے چلتے ہوئے وہ کمرے میں آ کر بیٹھا۔ اس وقت تک کسی نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ آپا گل اسے بٹھا کر خود پانی لینے کے لیے دوڑیں۔ چند گھونٹ پی کر اس کے اوسان بحال ہوئے تو وہ وہیں تخت پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

آپا گل، اظہار صاحب اور شاکرہ بیگم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

سلمان کی آنکھیں بند تھیں اور حالت اتنی خستہ کہ بیان سے باہر۔

"ہوا کیا ہے آخر کچھ تو بتا بیٹا؟" شاکرہ بیگم کا ضبط رخصت ہونے لگا۔ یہ چند منٹ جو خاموشی کے گزار رہے تھے، وہ بھی پتا نہیں کیسے۔

"کوئی واردات ہو گئی گھر میں، کسی نے دھمکی دی ہے؟ خدانہ کرے طبیعت خراب ہے تیری؟"

روتے دھوتے انہوں نے وہ سارے امکانات گنوانے شروع کیے جو فوری طور پر ذہن میں آ رہے تھے۔

اظہار صاحب نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔

"بند کرو یہ جاہل عورتوں کی طرح رونا دھونا" اتنا ہی خیال کر لو کہ اب ہم کسی دوسرے کے گھر میں رہ رہے ہیں، نیچے ساری آواز جاتی ہے۔"

بات سچ تھی مگر کچی تھی۔

گھر کا ذکر جیسے دکھتی رگ تھا۔ شاکرہ بیگم نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"کب سوچا تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا میرا محلوں جیسا گھر۔

"سب کچھ تمہاری بے وقوفی کی نذر ہوا، سمجھ دار ہوتیں تو یہ نوبت ہی نہیں آتی لاکھوں روپے برباد کروا لے تمہاری فضول خرچیوں نے۔ جاہل عورت بھی بڑا عذاب ہے۔"

انظہار صاحب اب اٹھتے بیٹھتے ان ہی کو ہی مورد الزام ٹھہراتے، آپا گل، سلمان اور حویا کو۔ شاکرہ چچی، انظہار چچا اور آپا گل کو۔

اپنی اپنی ناکامیوں کو دوسرے کے کھاتے میں درج کر کے خود بری الذمہ ہونے کا وہی فطری سہارا دیا! کچھ بھی الگ نہیں تھا۔

"ان لوگوں کو عقل نہیں آنے والی کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی بربادی میں، سارے میں تماشا بن چکے ہیں، مگر دیکھ لیں۔"

کراہنے کے انداز میں سلمان نے آپا گل کو مخاطب کر کے کہا تو وہ تڑپ کر آگے بڑھیں۔

"نہیں چھوڑو، یہاں تو روز کا یہی قصہ ہے، تم بتاؤ، آخر ہوا کیا ہے، کیا حال بنا لیا ہے، جیسے برسوں کے مریض ہو۔ ضرور اس زوبیہ نے ہی کوئی پریشانی کھڑی کی ہے۔"

انظہار چچا اور شاکرہ دونوں کو ہی حالات کی نزاکت کا احساس کرنا پڑا۔

"خیر تو ہے، کیا عدالت نے پھر سے طلب کر لیا ہے تمہارے ابو کو؟" شاکرہ چچی کو عدالت، مقدمے بازی کا یہ طویل سلسلہ بہت خوف زدہ کر چکا تھا، سو ذہن اسی طرف گیا۔

انظہار چچا نے ایک بار پھر کھا جانے والی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بمشکل ہی ضبط کر پائے۔

"بولو تو سہی بچے، ہوا کیا ہے؟" بے تابی تھی کہ چھلکی جاتی تھی۔

سلمان نے ایک بے زار نگاہ ان سب پر ڈالی۔

"گھر سے نکال دیا ہے زوبیہ نے مجھے، ڈیفنس سے پیدل چل کر آیا ہوں یہاں تک۔ ایک پیسہ بھی باقی نہیں چھوڑا میرے پاس اس نے۔"

کمرے میں موجود ان تینوں لوگوں پر بریکنگ نیوز کے بعد والا سناٹا چھایا۔

کچھ بھی تھا ان بدترین حالات میں بھی سلمان کا ڈیفنس میں رہنا اور امیر کبیر بیوی، موہوم سہی پر باعث تو تھی ہی تھی۔ چھپ چھپا کر وہ کچھ مدد بھی کر دیتا تھا اور جب اس کی شان دار گاڑی جا بے آرام [illegible] سے ان کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوتی تھی تو دیکھنے والوں پر دھاک تو بیٹھتی ہی تھی۔

زندگی سے جڑے اتنے اعزازات کے ساتھ اب یہ [illegible] امتیاز بھی [illegible]

"بہت ہی بدذات ہے یہ زوبیہ، میں تو پہلے ہی [illegible] تھی کہ اتنا [illegible] مگر تم نے تو اسے آقا بنا کر رکھا ہوا تھا؟"

سب سے پہلے آپا گل ہی طیش میں آئیں۔

"کیا کرتا پھر، میرے پاس رکھا ہی کیا تھا، جو میں اسے [illegible] رکھتا، یوسف کمال کی بیٹی ہے وہ۔ اور وہ" یاد دہانی کرواتے ہوئے وہ مزید کچھ کہنے سے پہلے خاموش [illegible] ملامت بھری نگاہ انظہار چچا پر جا کر ٹھہری۔

"ہر وقت ذلیل کرتی ہے وہ مجھے، جب سے ابو [illegible] گئے ہیں، اس کے ماں باپ الگ شرمندہ کرتے ہیں، کہتے ہیں ہماری شہر میں عزت ہے، لوگ [illegible] کہتے ہیں کہ زوبیہ کے سسر کے کیس کا کیا بنا۔"

"کون سوال کرتا ہے، میرے سامنے آئے لوگ، مجھے تا دماغ ٹھیک کروں گا ایک ایک کا۔ سب بیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں، ہمت ہے تو سامنے آ کر بات کریں۔" انظہار چچا بری طرح تپے تھے۔

آواز آج بھی اونچی تھی، مگر الفاظ اور لہجہ اور الفاظ اتنے کھوکھلے کہ وہ سب ہی ایک دوسرے سے نظر چرا گئے۔

"باتیں پیچھے ہی تو ہوتی ہیں ابو! منہ پر بچ کہنے کی ہمت ہی کس میں ہے، اب ہر ایک اسلام چچا جیسا تو نہیں ہو سکتا۔" سلمان تلخی سے مسکرایا۔

"ان کا کیا ذکر، اور مت دل جلاؤ، اب خدا کے واسطے [illegible] ہی کے کرائے گئے تعویذ گنڈے چل رہے ہیں۔ صاف کہا تھا میرے پیر صاحب نے کہ قریبی رشتے [illegible] کا کام ہے، رشتہ ملنے پر دشمنی باندھ رکھی ہے۔"

آپا گل کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

یہاں کسی زمانے میں ان کا کہا [illegible] تعویذ [illegible] کے پتھر پر لکیر سمجھا جاتا تھا مگر اب ایسا نہیں تھا۔

وقت الٹی چال چل رہا تھا۔

اور بدلتے وقت کے ساتھ بدلے [illegible] کا تال میل پرانا ہے، سو۔

"[illegible] تمہارے پیر صاحب کی کرامتیں، ڈھونگی نمبر ایک، کتنا پیسہ کھا گیا میرے مقدمے میں۔" [illegible]

"کیوں نہیں [illegible] آپ عزت سے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں تو ان ہی کی وجہ سے ورنہ کوئی امید نہیں تھی۔"

سلمان [illegible] سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔

[illegible] طرف متوجہ ہو رہا تھا اور نہ ہی کسی نے ہمدردی کا ہی ایسا کوئی اثر انگیز اظہار کیا تھا۔ ہمیشہ کی [illegible] سے کہیں جا رہی تھی۔

"اب چپ بھی ہو جاؤ آپا گل! اچھی بات تو یہ ہے کہ نہ تو یہ گھر ہمارا ہے اور نہ ہی اب کوئی ایسی عزت باقی رہ گئی ہے جس پر فخر کیا جائے، تم اپنے کرامت شاہ کی کرامتیں وہیں ان کے ڈیرے پر ہی چھوڑ کر آیا کرو ورنہ مت آیا کرو یہاں۔"

سلمان بڑی بدلحاظی پر اترا تھا۔

آپا گل جو ابھی اس کی ہمدردی میں چار آنسو بہا کر اور زوبیہ کو برا بھلا کہہ کر خاصا حق ادا کر چکی تھیں، بری طرح صدمے کا شکار ہوئیں۔

"تم کون ہوتے ہو منع کرنے والے، دس بار آؤں گی، تمہاری طرح منہ چھپا کر نہیں بیٹھی کبھی، اپنے ماں باپ کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے، اچھے برے وقت میں، تم نے تو صرف اپنی پروا کرنا سیکھی ہے، آج بیوی سے جوتے پڑے تو ماں باپ یاد آ گئے۔"

ایک سانس میں انہوں نے سلمان کی طبیعت صاف کی تھی۔ شاکرہ بیگم اور انظہار صاحب دونوں ہی "میں میں" کرتے رہ گئے، مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی خاموش ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔

آپا گل اتنی تیز آواز میں چیخیں، جواب تک صرف سسرال والوں کے لیے مخصوص تھی اور سلمان نے زوبیہ کے ہاتھوں اٹھائی گئی ساری ذلت کے بعد اپنا دل اسی طرح ہلکا کیا۔

حویا اور زویا سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں، جب انہوں نے آپا گل کو آنسو صاف کرتے چادر سنبھالے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔

"کیا ہوا آپا گل؟" دونوں ہی نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر انہیں جواب دینا بھی گوارا نہیں ہوا۔

"زویا! حویا! ذرا رو کنا تو بس کو۔" اوپر سے شاکرہ امی نے پکار کر کہا بھی مگر وہ کسی کے روکے اب رکنے والی نہیں تھیں۔

"چلو کم از کم اب جیتے جی بھر کا تو سکون ہوا۔" انہیں سامنے راکشہ میں بیٹھا دیکھ کر زویا نے ہلکے سے جویا سے سرگوشی کی۔

جویا تیزی سے اوپر چڑھتی چلی گئی، سامنے شاکرہ امی کھڑی تھیں۔

"سلمان آگیا ہے واپس۔ زویہ سے لڑائی ہو گئی ہے۔ اور یہاں آیا تو کل سے ناراضی ہو گئی۔"

انہوں نے اپنی طرف سے قصہ مختصر کیا تھا مگر پتا نہیں کیوں اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"عجیب ہو بھائی بے چارہ کس مشکل سے یہاں تک آیا ہے' ایک پھوٹی کوڑی جیب میں نہیں تھی' اوپر سے آتے ہی بہن صاحبہ لڑ پڑیں۔"

شاکرہ امی کو جویا کا ہنسنا برا لگا تھا۔

جویا نے وہیں سے سر گھما کر کمرے کی طرف دیکھا' سلمان بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا نظر آرہا تھا۔

☆ ☆ ☆

پولیس کے کسی اعلا افسر کی گاڑی تھی۔ زرتاج اور نبیل دونوں ہی داخلی سیڑھیوں پر ٹھٹکے تھے۔ گھر میں کون آیا ہوا تھا بھلا۔

دونوں ہی نے سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر پورچ کی طرف کھڑی اس بڑی سی گاڑی کو۔

"کرم داد! کون آیا ہوا ہے؟"

زرتاج نے سامنے سے آتے ملازم سے جاننا چاہا۔

"پولیس کے بڑے افسر ہیں جی! اپنے سالار صاحب سے ملنے آئے ہیں۔"

"اچھا' کتنی دیر ہو گئی؟"

"ڈھائی' تین گھنٹے تو ہو ہی گئے ہیں جی۔"

"ڈھائی' تین!" زرتاج نے زیر لب دہرایا۔ سالار کے حلقہ احباب میں بہت سے پولیس آفیسرز [illegible] اس پر ہونے والے قاتلانہ حملے کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی تفتیش کے لیے بھی آجاتا تھا' [illegible] والی بات بھی نہیں تھی۔ پھر بھی۔

"معلوم تو کرو کون ہے کیا کر رہا ہے اتنی دیر سے۔" نبیل کے دل کا چور [illegible] لگا تھا۔

"اب اس وقت اہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔"

ایک ایوارڈز فنکشن میں پہنچنا ضروری تھا' خود زرتاج بھی ایوارڈ [illegible] میں شامل تھیں' سو وہ اگر مزید لیٹ نہیں کی جاسکتی تھی۔

"میں بات کروں گی سالار سے' اس وقت خواہ مخواہ ان کی [illegible] فضول ہی ہے' کیا خبر کچھ بھی نہ ہو' یوں ہی کوئی ملنے آیا ہو۔"

زرتاج کی خود اعتمادی' آج تک سب سے [illegible] ثابت ہوئی تھی' بہت سے مشکل ترین حالات سے بھی وہ اسی کے بل پر نکلتی چلی آئی تھیں۔

"اور تم بھی ذرا ذرا سی بات پر [illegible] ہوائیاں مت دوڑا لیا کرو' جب ہمت نہیں ہے تو پھر کیوں بہادری کے جھوٹے ڈرامے کرتے ہو [illegible] کر گھر میں بیٹھا کرو۔" ساتھ چلتے ہوئے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے حقارت بھرے لہجے میں کہا گیا تھا' ہوا تنی نیچی آواز میں تھا کہ صرف وہی سن سکا۔

نبیل نے نچلا لب بے ساختہ ہی دانتوں تلے دبایا۔

"کبھی نہ کبھی اس عورت کا قتل اسی کے ہاتھوں ہونا ہے۔" [illegible] جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس بات کا یقین اور بھی پختہ ہوتا جا رہا تھا۔

"نبیل! نبیل!"

خاصے فاصلے پر گیٹ کے سامنے گم صم بیٹھی راجو [illegible] سے چلا کر پکارا تھا۔

"کتنا بد تمیز شخص ہے' پاگل ہو گیا ہے [illegible] ذہنی اسپتال میں داخل کروا دو' یا پھر نکال باہر کرو۔ خود دھکے کھا کر مر مرا جائے گا۔" کتنی بار کہہ چکی ہوں [illegible] میں۔

"نبیل! نبیل! نبیل۔"

راجو کی پکار میں شدت [illegible] تھی۔

اس کی حالت [illegible] تھی' کبھی دنوں خاموشی میں گزر جاتے اور کبھی بولنے پر آتا تو۔

"نبیل [illegible] کو پکڑ کر لے جائیں گے' کوئی بھی نہیں بچے گا' سب کا پتا چلا لیا ہے انہوں نے۔"

شب [illegible] ابتدائی پہر میں' راجو کی آواز میں ایک عجیب سی کھنک گونج رہی تھی۔

[illegible] طاری کرتی تھی۔

"[illegible] آواز ہے اس شخص کی' میں آخری بار کہہ رہی ہوں نبیل! مجھے یہ شخص کل نظر نہ آئے یہاں' ورنہ میں تمہیں بھی نکال باہر کروں گی اس کے ساتھ۔ پتا نہیں کیوں سر پر چڑھا رکھا ہے اسے!" ارد گرد کھڑے [illegible] کی پروا کیے بغیر وہ اتنی زور سے چلائیں کہ نبیل نے تمام تر وحشتوں کے باوجود پیشانی بھیگتی محسوس کی۔

"میں کل کیا آج رات ہی اسے باہر کر دوں گا' تم فکر مت۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں تسلی دے رہا تھا' وہ ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

"ایکسکیوزمی!" ایک بھاری آواز ان دونوں کے عقب میں گونجی تھی۔ دو بارعب پولیس آفیسرز نظر آئے۔ عقب میں کھڑے یوسف کمالی۔

اور ان سے دو قدم پیچھے اسٹک کے سہارے کھڑا سالار۔

زرتاج نے فوری طور پر کسی غیر معمولی احساس کو اطراف میں اترتا ہوا محسوس کیا اور اندر ہی اندر ایک گہری سانس لی۔

"جی!" ان کی وہی فطری خود اعتمادی۔

"ہم آپ دونوں سے کچھ جاننا چاہتے ہیں' آپ لوگ آئیے پلیز۔"

ایک پولیس آفیسر نے شائستگی سے کہا تھا مگر اس شائستگی میں بھی درخواست کے بجائے حکم نامہ تھا۔

"ہمیں اس وقت ایک ضروری فنکشن اٹینڈ کرنا ہے' کمٹ منٹ ہے ہماری' آپ پھر کسی وقت۔"

"میں نے کہا نا' آپ کا رکنا ضروری ہے' آئیے۔" وہ اشارہ کرتے ہوئے واپس مڑا۔

"سالار! تم بتاتے کیوں نہیں' تمہارے مقدمے میں ہم لوگ اپنا بیان لکھوا چکے ہیں' پھر کیوں ہمیں پریشان کیا جا رہا ہے۔" زرتاج کا موڈ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔

"یہ سالار صاحب کا مقدمہ نہیں ہے میم۔ یہ آپ کی ملازمہ روزی کی گمشدگی کا کیس ہے۔" اسی تحکم بھری آواز نے پھر اطلاع دی۔

زرتاج پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ "روزی۔"

وہ جو نہ کسی گنتی شمار میں تھی اور جسے اس طرح بھلا دیا گیا تھا جیسے وہ کبھی یہاں کا حصہ ہی نہیں بنی تھی۔

"سالار صاحب نے اس کی ایف آئی آر درج کرائی ہے۔ آج سے اس کیس کی باقاعدہ تفتیش شروع کی جا رہی ہے اور اس وقت یہاں گھر میں صرف آپ ہی تھے "مسٹر نبیل!"

نبیل نے پولیس آفیسر کی چبھتی ہوئی نگاہ اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کی تھی۔

☆ ☆ ☆

دادی نے چشمہ لگا کر ہاتھ میں پکڑی تصویر کو غور سے دیکھا۔

لڑکی اچھی تھی، خوب صورت بھی کہہ سکتے تھے۔

امی کو پوری امید تھی کہ دادی تعریف میں کچھ تو کہیں گی۔

مگر وہ خاموش تھیں۔

نہ تعریف نہ تنقید بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر تصویر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"لوگ بہت اچھے ہیں، شریف اور خاندانی بہت زیادہ پیسے والے نہیں ہیں بس ہماری طرح مڈل کلاس ہیں۔"

ان کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد امی نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔ زری جب ہی چائے لے کر اندر آئی تھی۔

"میں نہیں پیوں گی۔" امی نے رکھائی سے منع کر دیا۔

زری کی خدمات کو وہ آج کل اپنے لیے قبول نہیں کر رہی تھیں، بات چیت پہلے ہی بند تھی۔

"لڑکی معاذ کے ساتھ بالکل سوٹ ایبل ہے اماں! ڈاکٹر ہے، سب سے بڑی بات اور اتنی سادہ طبیعت اور خوش مزاج کہ پہلی بار ہی مل کر دل خوش ہو گیا، ربیعہ کو بھی بہت پسند آئی ہے۔"

امی کا سپاس نامہ ابھی جاری تھا اور وہ اتنی خوش تھیں کہ زری کو لگا جیسے معاذ کی برات اب بالکل دروازے سے چلنے کے لیے تیار ہے۔

اپنے کانپتے ہاتھوں کو اس نے بمشکل قابو میں کیا۔ سائیڈ ٹیبل پر چائے رکھتے ہوئے اس تصویر کو بھی جانچ لیا گیا جو اچانک ہی سکون غارت کرنے کا سبب بن چکی تھی۔

امی پر آج کل معاذ کی شادی کی فکر سوار ہوئی تھی اور وہ بھی اس شدت سے کہ ... مصروفیت میں گزرنے لگا تھا۔

وہ بہت غور سے اس پیاری سی لڑکی کی تصویر کو دیکھنے لگی جو اسے ... کم نہیں لگ رہی تھی۔

"اس اتوار کو انہیں بلا لیتے ہیں یا پھر جیسے آپ کہیں، میں چاہ رہی ... ایک نظر لڑکی کو دیکھ لیں، معاذ سب سے زیادہ آپ کی سنتا ہے۔ اسے سمجھائیں اماں! اپنی زندگی ... گزارنے کی فکر کرے اب۔"

امی کو معاذ سے دادی کی بے حساب محبت کا پورا اندازہ تھا، وہ ... ان ہی کی تھا۔

امی کو یقین تھا کہ جس لڑکی کو دادی شرف قبولیت ... معاذ بھی اس کے لیے ہامی بھرے گا، سو وہ بڑی لجاجت سے انہیں اس لڑکی کے لیے کنوینس کرنے ... تھیں، جو ان کے خیال میں حرف آخر قرار پانے والی تھی۔

"آپ کریں گی نا بات معاذ سے ..." بھری نگاہوں سے دادی کو دیکھ رہی تھیں۔

دادی نے ہلکے سے اثبات میں ... دیا۔

زری بڑے غیر محسوس طریقے سے کمرے سے نکل چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

گیتی نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔

باہر چوبارے پر ابر آلود سی سرمئی چھائی تھی، وہ خاموشی ... گئی۔

اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا، چاروں طرف ... گرمی کی شدت کسی کو بھی پنکھے اور اے سی سے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔

اس وقت بھی یہ بام گھونٹا جس ... تھا۔

اس نے تخت پر بیٹھتے ہوئے نگاہ اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا، بادلوں کا گہرا سرمئی غبار ایک ہی جگہ جما ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

چند دن سے یہی ... ساری فضا نہ ہی مکمل کر رہا تھا اور نہ ہی چھٹنے پر آتا ہوا ایسی ہی گھٹن کہ سانس لینے کی بھی گنجائش نہیں ...

یہاں ...

بالکل ... جیسی اس کی زندگی پر چھائی تھی۔

... اور۔" اس نے سر جھکا کر بے چارگی سے سوچا۔ "اس کے بعد اسے ساری عمر اپنی لاش کے ساتھ ہی زندہ رہنا ہو گا۔ ہے نا عجیب بات۔"

مگر نہیں عجیب بھی کہاں۔

یہاں کتنے ہوں گے جو ایک زندگی میں بار بار موت کا ذائقہ چکھتے ہیں گے اور پھر پوری ڈھٹائی کے ساتھ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتے ہیں، ہنستے ہیں اور جوابا "حوصلے اور صبر کا سرٹیفکیٹ بھی پاتے ہیں۔

مسکراتے لب اور ویران آنکھوں والی زندہ لاشیں۔

محلّ یہاں اسی محلے، اسی سیٹ اپ کا رونا کب تھا، یہاں تو گلی گلی، گھر گھر کتنے ہی سادہ معصوم دل بے بس اور جبر کی کہانیوں کا عنوان بنے۔

وہ کہانیاں جنہیں کہنے اور سننے کی کسی نے زحمت بھی نہیں اٹھائی تھی۔

"گیتی! گیتی آرا!" شاما کھلے ہوئے دروازے میں سے اسے پکارتی ہوئی آ رہی تھی۔

"یہاں اتنی گرمی میں بیٹھی ہو، میں سارے میں ڈھونڈتی آ رہی ہوں، چلو اندر تائی بلا رہی ہیں۔"

شاما کی گہری سانولی رنگت اور تمتمائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی گرمی سے یا پھر جوشِ جذبات سے۔

"اتنے پیارے زیور اور کپڑے آئے ہیں ملک صاحب کے ہاں سے کہ آج تک کسی نے نہیں دیکھے ہوں گے پوری برادری میں، اتنا بھاری زیور ہے کہ قیمت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، بڑی مقدر والی ہے گیتی تجھ کوئی اتنی چاہ سے لے کر جا رہا ہے تجھے۔" "شاباش اٹھ چل کر دیکھ۔"

اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر شاما نے بات کے اختتام پر اس کا کندھا ہلایا۔

مگر وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"بری بات! ایسے نہیں کرتے، ناشکرا پن ہوتا ہے، خوشی کو قبول کرنے کے بجائے منہ بنا لینا اچھی بات نہیں، اللہ کو بھی برا لگتا ہے، پتا ہے گناہ ہے یہ بھی۔"

شاما کے محدود علم میں گناہ ثواب کی حدود بڑی مختلف تھیں، گیتی تلخی سے مسکرائی۔

"وہ ایک جیتی جاگتی زندگی کا اس کی مرضی کے خلاف زبردستی سودا کر رہا تھا' اللہ کو اس سے بھی زیادہ برا لگتا ہے' گناہ ہے وہ بھی ناقابل معافی۔"

"توبہ توبہ استغفار۔" شاما نے بے ساختہ ہی کان کی لو کو چھوا۔ "سودا کون کر رہا ہے' خدا نخواستہ یہ لفظ تو آئندہ زبان پر کبھی مت لانا' نانی اور باجی نگینہ کے کان میں یہ لفظ پڑ بھی گیا تو بہت دکھ ہوگا انہیں' عزت سے نکاح کر کے لے جا رہے ہیں' ملک صاحب پورے حق دیں گے' ملکانی کہلائے گی اور سب سے بڑی بات کہ فی الحال ان کی کوئی دوسری بیوی بھی نہیں ہے' سمجھداری سے کام لوگی تو مکمل کنٹرول میں آجائیں گے' کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے' ساری عمر تمہارا ہی راج ہوگا۔"

راج بھلا کس پر' وہ عیاش فطرت گھناؤنا انسان۔ اسے بڑے زور سے ابکائی آئی۔

"کیا ہوا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

شاما نے اسے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں ٹھیک ہے' چہرے کا رنگ دیکھو' بالکل پیلا پڑ رہا ہے' اتنی سخت گرمی میں بیٹھو گی تو طبیعت تو خراب ہوگی ہی' چلو بس اندر۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کھینچتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"ہاتھ تو چھوڑو!" گیتی نے جھنجلا کر اپنا ہاتھ شاما کی گرفت سے چھڑایا۔ چھوٹی بڑی کسی بھی بات میں اس کی مرضی صفر تھی۔ "ہر ایک اسی پر حاوی' شاما تک۔"

برآمدے میں یہاں سے وہاں تک چقیں ڈلی تھیں۔ ٹھنڈا نیم تاریک' مگر اس کا ہر قدم جیسے جلتے انگاروں پر پڑا تھا۔ نانی کے بڑے سارے کمرے میں جگمگاتا مہکتا ہنگامہ جاگ رہا تھا۔

گیندے اور بیلے کے پھولوں کی بڑی بڑی ٹوکریاں' ایمپرن فلاورز کے بوکے' اور کتنے ہی قیمتی ملبوسات' جنہیں وہ چند لڑکیاں بڑے سلیقے سے سیٹ کر رہی تھیں جو یہاں روز کی آنے والی تھیں۔

"ارے گیتی!"

"یہاں آؤ نا۔"

"ذرا دیکھو تو سہی' کتنے حسین سوٹ۔"

اس کے اندر قدم رکھتے ہی کتنی آوازیں ابھریں' مگر وہ ان سب کے درمیان سے اس طرح [illegible] جیسے کوئی مطلب نہ واسطہ! ارد گرد کچھ بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہیں۔

"آپ نے بلایا نانی؟" وہ ٹھیک ان کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔

"ہاں' ہاں!" اپنے سامنے کھلی زیورات کی دکان پر سے سر اٹھا کر انہوں نے گیتی کی طرف دیکھا اور خوش دلی سے مسکرائیں۔

"کہاں تھیں اتنی دیر سے؟ کب سے بلوا رہی ہوں' دیکھو' سیٹ آیا ہے ملک صاحب کے گھر سے' اتنا بھاری زیور کہ پرانے زمانے کے رئیسوں کی یاد تازہ ہو گئی' بہت ہی خاندانی شخص ہیں' انہوں نے ثابت کر دیا ہے۔"

وہ محض خالی خالی نگاہوں سے نانی ستارہ کی شکل دیکھے گئی۔

"آؤ' بیٹھو میرے پاس' اب یہ سب تمہیں سنبھالنا ہے' بہت دھیان اور توجہ سے چلنا ہے اب' بڑے دل والے انسان ہیں تو پھر۔"

نانی کی ساری توجہ ان قدیمی اور نادر نمونے کے شاہکار نظر آتے زیورات پر تھی' سو انہوں نے گیتی آرا کے خالی

پن پر ابھی کوئی توجہ بھی نہیں دی۔ مگر الماری میں سے کچھ نکالتی ہوئی نگینہ نے پیٹھ موڑے بھی اس کی عدم دلچسپی کو بھانپ لیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں اماں' بس کیوں نہیں رہی ہو۔" الماری بند کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر گیتی کو ٹوکا۔

"لڑکیاں تو کھل جاتی ہیں سسرال سے آنے والی چیزوں کو دیکھ کر' یہ کیا سوگواری کیوں طاری کر رکھی ہے۔ جیسے پتا نہیں کون گزر گیا ہے۔"

سخت لہجے میں بولتی ہوئی وہ قریب چلی آئی۔

نانی ستارہ نے بہت ناگواری سے نگینہ کو دیکھا' جو ایک ایکسٹرا کی لائن سے نکل کر مستند جیسی ٹاپ کی ہیروئن کی ماں کہلائی جانے لگی' مگر [illegible] نہیں۔

"زبان ہے کہ دو دھاری تلوار!"

انہوں نے سب سے پہلے [illegible] سب لڑکیوں کو رخصت کیا' جو گیتی کے لیے آیا سامان دیکھنے کے شوق میں اکٹھی ہوئی تھیں۔

"اب جاؤ شاما' [illegible] آرام کروں گی' گرمی کے مارے سر میں درد اٹھ گیا ہے۔" سو کس کی مجال تھی' کمرہ سیکنڈوں میں [illegible]۔

"تیرا [illegible] ہو گیا ہے نگینہ! چار پرائی لڑکیاں موجود اور تو یوں ہی اناپ شناپ جو منہ میں آیا بولے چلی جا رہی ہے [illegible] توجہ ہو' یا وہ بھی گیتی کی حالت کا جائزہ لینے کھڑا ہو جائے گا' اتنا بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

نانی ستارہ نے ٹھیک ٹھاک خبر لی' مگر نگینہ کی پیشانی پر آئے بلوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں اب بھی' یہ جو اپنا تماشا خود بنانے پر تلی ہوئی ہے' اسے ایک لفظ بھی نہیں کہا آپ نے۔ پوچھیں تو ذرا' کس کا سوگ منا رہی ہے' آخر ناشکری کیوں کی۔" نانی ستارہ نے ہاتھ بڑھا کر گم صم کھڑی گیتی کو پاس بٹھایا۔

"مجھے پتا ہے کہ تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا' لیکن اگر پوری سچائی سے حقیقت کا جائزہ لوگی تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے حالات میں اس سے بڑی خوش قسمتی تمہارے حصے میں نہیں آ سکتی تھی۔ عزت سے محفوظ مامون زندگی گزارو گی' خود کو سنبھالو گیتی آرا! اپنی نئی حیثیت کو قبول کرنے کے لیے تیار کرو اپنے آپ کو۔"

ان کا مخصوص نپا تلا انداز' جس میں نقطہ اعتراض اٹھانے کی بھی گنجائش نہیں' مگر وہ پھر بھی نہ رہ سکی۔

"میں آپ کے پاس بھی تو رہ سکتی ہوں نانی!" کسی ڈوبتے ہوئے شخص کی طرح اس نے سر اٹھا کر سانس لینے کی کوشش کی۔

"سن لیا آپ نے؟ اسے عقل نہیں آنے والی اماں! ساری زندگی مصیبت بنی رہے گی' لے بھی گئے ملک صاحب تو کچھ ہی دن میں واپس دھکا دے جائیں گے' تیار رہیے گا آپ' یہ نہیں بسنے والی کہیں بھی' ہمارے سر پر بوجھ بنی رہے گی ہمیشہ۔"

نانی نے ہاتھ بڑھا کر نہ روکا ہوتا تو یقیناً نگینہ اس کے ایک آدھ لگا دینے والی تھی۔

"میں جاب کر لوں گی نانی! آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرے بارے میں' میں اپنا آپ سنبھال سکتی ہوں۔ اگر آپ بھی نہیں رکھیں گی تو کسی ہاسٹل میں رہ لوں گی۔ مگر یہ شادی نہیں کروں گی۔"

اس کے رویے میں خاموش سا بدلاؤ چونکانے والا تھا۔

نانی ستارہ نے غور سے گیتی کا چہرہ دیکھا۔

اس جیسی فرماں بردار سے بغاوت کی ایک فیصد بھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی' مگر ان کی زندگی میں بہت کچھ

خلاف توقع ہی ہوتا آیا تھا۔
فیروزہ کا ہیں عروج کے عالم میں چھوڑ کر چلے جانا۔
پھر اس کی واپسی اور موت۔
نگینہ کی شفقت تلے پلی زندگی۔
خیام کا زندگی کے منظر نامے سے غائب ہو جانا۔ کچھ بھی تو حسب توقع نہیں ہوا تھا۔
وہ سر جھکائے کتنی ہی منزلوں سے گزریں۔
کتنی نے اس ایک چھوٹے سے لمحے میں نانی ستارہ کو کمزور پڑ جانے کی غلطی کی تھی۔
"مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا' نہیں کرنی ہے مجھے شادی وادی۔ پتا نہیں کیوں آئی یہاں اس سے تو وہیں صندل کے گھر پر ہی ٹھیک تھی' آپ واپس بھجوا دیں یہ سب آج ابھی فوراً!"
بگڑے بگڑے سے انداز میں کہتے ہوئے' وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ نانی ستارہ کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے گال پر پڑا۔
اس بڑے سے ہال نما کمرے میں' چند لمحوں کے لیے تو ہر شے جامد ہو گئی تھی۔
گرجتی برستی نگینہ کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑا اور شانا۔
لرزتے کانپتے قدموں سے اس نے سب سے پہلے دوڑ کر برآمدے میں کھلنے والے دروازے کو بند کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھانے کی ٹرے جوں کی توں واپس آئی تھی۔
"پہلے ہی کیا زندگی بہت آسان تھی' جو یہ نواب صاحب بھی آ گئے ہمارا دل جلانے کے لیے' دربدر ہو چکے ہیں مگر دماغ ابھی بھی ساتویں آسمان پر ہے۔"
کچن کی سلیب پر ٹرے رکھتے ہوئے زویا مستقل ہی بولے گئی۔
"خدا کے لیے ذرا ہلکے' کسی نے بھی سن لیا تو ایک نیا ہنگامہ شروع ہو گیا کہہ رہے ہیں سلمان بھائی؟" [illegible] ہوئی جویا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
"کہنا کیا ہے' وہی روز کے نخرے' بھنڈی نہیں کھانی' دال تو کل کھائی تھی' مرغی کیوں [illegible] باہر سے کچھ منگوا لو۔" یہاں کوئی خزانہ رکھا ہے' جس میں سے نکال نکال کر خرچ کیا جا رہا ہے' [illegible] ہوا ہے کوئی۔" زویا نے سالن واپس پتیلی میں ڈالا اور تیزی سے واپس باہر نکل گئی۔
جویا نے بے بسی سے سر ہلایا اور اس کے لائے ہوئے برتن بھی اٹھا کر [illegible] کے لیے رکھے۔ شاکرہ ہانپتی ہوئی کچن کی طرف آ رہی تھیں۔
"آپ کیوں دھوپ میں بار بار نکلتی ہیں' ویسے ہی بی پی ہائی رہ رہا ہے مستقل۔" جویا نے فکر مندی سے ان کی طرف دیکھا۔
"کیا کروں' سلمان نے آفت مچا رکھی ہے' ذرا دو انڈوں کا آملیٹ تو بنا دے بھائی کے لیے' اس کا کھانا تو مسئلہ ہی بنتا جا رہا ہے۔" وہ بھی سلمان کا مسئلہ بنے ہوئے [illegible]
"اتنی گرمی میں انڈے' صبح بھی ناشتے میں [illegible] تھا سلمان بھائی نے۔"
"ہاں تو پھر اور کیا رکھا ہے یہاں' [illegible] قیمہ منگوا لوں گی۔ تو پھر کوفتے بن جائیں گے' سلمان کو پسند بھی بہت ہیں' میرے بچے کو تو یہاں [illegible] کھانا نصیب نہیں ہو رہا ہے' اگر بھی پریشان ہو گیا ہے۔"

وہ بھی اوسکی القلب ہو رہی تھیں۔
سلمان سے پچھلے سارے شکوے' جب سے وہ آیا تھا' خود بخود ختم ہوئے تھے اور آج کل وہ پھر سے صرف سلمان کی امی بنی ہوئی تھیں۔
"تو کس نے بلایا تھا' آتے مرے سے وہیں رہ رہے تھے ابھی بھی جب ہیں انہوں نے دھکے دے کر تھوڑی نکال دیا تھا' مانگ لیتے معافی۔" پاؤں پھیلتے ہوئے وہ [illegible] خود ہی زویا کو منع کر رہی تھی۔ بولنے سے تو اب تیجہ بھگتنا ہی تھا۔
"تم اب کیوں پیچھے پڑ گئی ہو سلمان کے' [illegible] وہ کل اب تک نہیں آئی ہے' زویا ہے تو وہ جب سے بھائی آیا ہے منہ بنائے ہوئے ہے' اب تم نہ [illegible] تمہیں بھی اس کا ذرا سا کام کھل جاتا ہے' مٹ جاؤ میں خود نہا لیتی ہوں' ہاتھ پاؤں سلامت ہیں میرے۔" [illegible] جذباتی ہو کر خود کو رستہ ہوئیں۔
جویا نے بمشکل ہی انہیں سنبھالا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا' امی آپ اندر جائیں' پلیز یہاں بہت گرمی ہے!"
گرمی واقعی [illegible] تھی سو وہ مزید بحث کیے اندر چلی بھی گئیں۔
جویا آملیٹ اور [illegible] ٹرے میں رکھ کر لائی تب تک سلمان اچھی خاصی نزود رنجی میں مبتلا ہو چکا تھا۔
"کیوں [illegible] ہے میری' من پسند کھانا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتا' میں تو ہر طرح سے آزمائش میں گھرا ہوں' ایک ایک [illegible] سروں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔"
[illegible] کے گھٹنے سے لگ کر تخت پر لیٹا وہ اپنی ناکام زندگی کی تصویر کشی میں مصروف تھا۔
"میں تو سمجھا پتا نہیں کیا پکا کر لا رہی ہو' جو اتنی دیر ہو گئی ہے۔" ایک نگاہ آئے ہوئے کھانے پر ڈال کر وہ مایوسی سے بولا۔
جویا کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔
جواباً بہت کچھ کہا جا سکتا تھا مگر بے فائدہ۔
"نوبیہ میں اور دس برائیاں سہی مگر کھانا بہت اچھا پکواتی تھی' ایک وقت میں کئی چیزیں میز پر نہ رکھی ہوں تو اسے تسلی ہی نہیں ہوتی تھی' بعد میں میٹھا بھی ضروری!"
کھانا کھاتے ہوئے وہ مستقل اس بھرے ہوئے دستر خوان کو یاد کیے گیا' جہاں سے بھوکے پیٹ اٹھ کر آیا تھا۔
جویا نے نوٹ کیا تھا کہ سلمان کا وزن بری طرح بڑھا تھا پچھلے چند ماہ میں۔
"نہ جو سبزی کی کمی نہ آئس کریم کی' جو چاہو کھاؤ پیو عیش کرو' سنوا لو' بھی بات ہے کہ بے چاری نے آرام تو بہت دیا شاید میں ہی قدر نہ کر پایا۔"
وہ اعتراف جرم کے موڈ میں آنے لگا تھا' اگر شاکرہ امی بروقت نہ ٹوکتیں۔
"کوئی احسان نہیں کیا نوبیہ نے' تم جیسا لڑکا اسے ملتا نہیں تھا سارے شہر میں' ایک سوائے پیسے کے اس میں خوبی کیا ہے' جو اس قدر آپے سے باہر ہو رہی ہے' کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی کمزور پڑنے کی' جب تک نوبیہ خود آ کر سر قدموں میں نہ رکھ دے۔"
وہ اس بدحالی میں بھی اپنا پرانا غرور کسی طرح بحال کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔
زویا اندر آ رہی تھی۔ ابتدائی پیراگراف تو نہیں سن پائی تھی پر آخری جملہ ضرور کان میں پڑ گیا تھا۔ شاکرہ امی کی خوش فہمی پر بے ساختہ ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بس پھر تو بیٹھے رہیں گے ساری عمر سلمان بھائی آپ کے پاس ہی۔ بے فکر رہیں' زوبیہ نہیں آنے والی قدموں میں سر رکھنے کے لیے۔"

زویا کے منہ پھٹ ہونے کا تجربہ سبھی کو تھا' سو اس کی بات کو ان سنا بھی کر دیا جاتا تھا۔

"نگل کتنے دن سے نہیں آئی' کوئی اس کی خیر خبر تو لو۔" شاکرہ امی نے دانستہ موضوع بدلا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے' خاص طور پر جب تک میں ہوں یہاں اچھا ہی ہے وہ نہ آئیں!" سلمان ٹرے آگے سے سرکا کر خود دوبارہ وہیں لیٹ گیا۔

"زوبیہ بھابھی کا کوئی فون آیا؟" نہ چاہتے ہوئے بھی جویا نے روز کا سوال پوچھا تو اس نے لیٹے لیٹے نفی میں سر ہلا دیا۔

"زوبیہ کی ممی کو خاص چڑ ہے مجھ سے' وہ میرے اور زوبی کے تعلقات کبھی ٹھیک نہیں ہونے دیں گی' ورنہ زوبیہ کی مجال نہیں تھی کہ وہ اس طرح میرے ساتھ پیش آتی۔ ایک تو اتنی گرمی ہے یہاں اے سی تک نہیں چلتا' آخر اتنی بھی کیا کنجوسی ہے۔"

اوپر کا گھر گرمی کی شدت۔ وہ اسی طرح دن میں کئی بار بات کو کہیں سے کہیں لے جاتا تھا۔

"پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے' آدمی گرمی میں ہانپ ہانپ کر رہ جائے' مگر اپنے اوپر خرچ کرنے کا نام نہ لے۔ تف ہے ایسی زندگی پر۔"

"پیسے ہوں گے تو خرچ ہوں گے سلمان بھائی!"

زویا تلخی سے مسکرائی "ہمارے ہاں کنجوسی نہیں' غربت نے ڈیرہ ڈال لیا ہے' افورڈ نہیں کر سکتے ہم یہ سب۔ آپ نے بڑی غلطی کی جو یہاں چلے آئے' وہیں معافی تلافی کر لیتے زوبیہ بھابھی سے۔ بچت ہو جاتی آپ کی۔"

جو مشورہ خالصتاً "اس کی بھلائی کے لیے دیا جا رہا تھا" اسے بے حد برا لگا۔

"صاف کہو' تم لوگوں کو میرا آنا برا لگا ہے' بہانے بہانے سے ہر ایک ذلیل کرتا ہے۔"

"ذلیل آپ کو صرف زوبیہ نے کیا ہے۔"

"یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے' کسی کو بولنے کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر اس معاملے کو اپنے گھر تک رکھتے' ہماری پریشانیاں پہلے ہی کم نہیں۔"

زویا دن بہ دن بدلحاظ ہوتی جا رہی تھی۔

آج کل سلمان' شاکرہ امی تینوں ہی اس سے یکساں خفا رہنے لگے تھے۔

"ڈاکٹری پڑھنے جا رہی ہے' اسی کا غرور ہے سب۔" "آپ اس کی پڑھائی کے [illegible] اس میں بھی تو پیسے خرچ ہو رہے ہیں' کیسے ہوں گے یہ چار سال پورے ان حالات میں" [illegible] سلمان اور آج کل میں غضب کی مماثلت تھی۔

"بے فکر رہیں' آپ سے مانگنے نہیں آؤں گی' بلکہ آنے کا سوال [illegible] خود ہمارے گھر آ چکے ہیں۔"

زویا ریموٹ سنبھال کر قریب ہی کرسی پر بیٹھ چکی تھی' سو [illegible] جا بے طول پکڑ سکتی تھی۔

شاکرہ امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کوئی بھی [illegible] کہنے میں نہیں تھا' نہ اولاد نہ شوہر۔

ہاتھ میں ریموٹ لیے زویا نے تھک کر [illegible] لگا لے

گزشتہ رات آنے والا ٹاک شو ریپیٹ [illegible]

شاکرہ چچی نے بہت حقارت سے [illegible] آتے اسلام صاحب کی طرف دیکھا۔

"خدا کی شان ہے' جوان سکے [illegible] ورنہ ساری عمر کان پر پنسل لگائے بھسوں میں ہی لٹکتے پھرتے تھے۔"

آج کل ٹی وی پر آ کر بیٹھے ہیں' سمجھوں کر۔"

"ٹی وی پر آنے سے کیا ہوتا ہے امی! ابھی تو وہی کے وہی حلیہ دکھا ہے' انہیں ابھی احساس نہیں ہے کہ ٹی وی پر آنے کے لیے ہی کوئی ڈھنگ کا کپڑا پہن لیتے۔" سلمان کے لہجے میں مذاق اڑاتی کیفیت تھی۔

"ایسا کریں' ابو کے چند سوٹ بھیج دیں' اسلام چچا اور معاذ [illegible] پہنا کریں گے۔ غریب رشتہ داروں کا تو ویسے بھی پہلا حق ہوتا ہے۔" "اپنی بات کم کرو زویا۔"

جویا اور زویا نے بے اختیار ہی ایک دوسرے کو دیکھا [illegible] ہی سے نگاہ چرا لی۔

کیا تھا جو عبرت پکڑنے کے لیے ابھی دیکھنا باقی تھا۔

☆☆☆

نیم گرم ہوا صبح سے ہی چل رہی تھی۔

زری نے حسب معمول [illegible] پانی بہا کر اگلے پچھلے برآمدے' سیڑھیاں' صحن دھوئے۔ برآمدوں اور کمروں میں فنائل میں بھیگے [illegible] پنکھے چلتی اور پردے برابر کیے تو سارے گھر میں نیم تاریک سی ٹھنڈک اتر گئی۔

معاذ کسی [illegible] کے لیے اٹھ کر گھر آیا تھا۔ باہر کی دھوپ میں سے اندر آتے ہی آنکھیں برآمدے کی نیم [illegible] نہیں ہو سکی تھیں' سو فوری طور پر تو وہ اسے دیکھ ہی نہیں سکا مگر کچھ اور ایسا تھا جو اسے چو[illegible]

[illegible] کی گھٹی گھٹی سی آواز۔

جیسے کوئی اپنی سسکیاں روکنے کی پوری کوشش کر رہا ہو اور نہ روک پا رہا ہو۔

کون ہے بھلا۔

اس نے آنکھیں پوری طرح کھول کر اندازہ لگانا چاہا تب وہ اسے نظر آ ہی گئی۔

دیوار سے ٹیک لگائے نیم اندھیرے کے انتہائی کونے میں گھٹنوں میں سر دیے وہ اس انہماک سے رونے میں مصروف تھی کہ اسے معاذ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

"زری!"

"جی!" اسے ٹھیک سر پر کھڑا دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟"

"میں، نہیں تو!" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

مگر اب تک وہ اس نیم اندھیرے میں دیکھنے کے پوری طرح قابل ہو چکا تھا اور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور افسردہ چہرے سے خاصی تشویش میں مبتلا ہوا تھا۔

"امی نے کچھ کہا ہے یا پھر دادی نے؟"

"کسی نے بھی نہیں!"

"پھر بھابھی اور بچے یاد آ رہے ہیں یہی بات ہے۔" اپنے خیال میں اس نے دوسرا بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

زری کو اسے ہی قبول کرنے میں عافیت نظر آئی سو ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جا کر مل آؤ ایڈریس تو ہے میرے پاس کل ہی کسی کے ساتھ روانہ کر دیتا ہوں تمہیں۔ پیک کر لو سامان۔"

فوری طور پر اس کے ملنے کا حل نکال کر وہ موبائل پر کسی کا نمبر ڈھونڈنے لگا تو زری کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ ایک بار پھر سعیدہ کے پاس جانا کسی طور بھی اسے منظور نہیں تھا یہ تو یوں ہی بات ٹالنے کے لیے کہنا پڑا تھا ورنہ اس بڑے سے پُرسکون گھر میں گزرا لایہ وقت اس کی زندگی کا خوشگوار ترین دور تھا۔ معاذ کی امی کی بخشی ہوئی کڑواہٹ کے باوجود بھی۔

اس نے نگاہ بھر کر قریب کھڑے معاذ کو دیکھا۔ وہ ایک چھت کے نیچے تھے۔ دن رات میں بلا روک ٹوک وہ کتنی ہی بار اسے دیکھتی تھی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور تھی۔

"مجھے نہیں جانا کہیں!" اس نے بے ساختہ ہی معاذ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نمبر ملانے سے روکا تھا۔

"مطلب؟" اس نے چونک کر زری کو دیکھا۔

وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی اپنی تمام تر صاف دلی کے باوجود وہ پہلی بار زری کے انداز سے کہیں اندر کھٹک سا گیا تھا۔

"پھر یہاں اس طرح بیٹھ کر رونے کا مطلب کیا ہے؟" اپنا ہاتھ زری کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے اس کے لہجے میں رکھائی آئی۔

"تمہیں اگر یہاں کوئی تکلیف ہے تو بتاؤ میں تمہارا کہیں اور بندوبست کر دوں گا۔" وہ خود بخود ہی تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا زری کی اس پر جمی ہوئی نظریں بے ساختہ پلٹ آئیں۔

"مجھے کہیں نہیں جانا میں یہیں رہوں گی ساری عمر آپ دھکے دے کر نکالیں گے بھی تو کہیں نہیں جاؤں گی۔ کبھی بھی نہیں!" اس کے لہجے میں عجیب بے قراری تھی۔

"کوئی نہیں نکال رہا تمہیں" آرام سے رہو پھر پریشان نہیں کرو اس طرح رو رو کر۔"

آج وہ اس کے انداز پر بے ساختہ [illegible] تھوڑا سا غصہ آ رہا تھا۔

وہ مڑنے لگا تھا تب ہی وہ [illegible] پیچھے آئی۔

"وہ آپ نے تصویر دیکھی اس لڑکی کی؟"

"کس کی؟" معاذ کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔

"وہی جس سے رشتے کی بات چلی ہے۔ امی دیکھ کر آئی تھیں آپ کے لیے۔ آپ کو اچھی لگی کیا وہ؟" وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

ابھی ابھی اگر وہ اس کے رویے سے نہ کھٹکا ہوتا تو ضرور زری کی اس انکوائری کو ایک بے کار کا تجسس سمجھ کر ہنس پڑتا مگر اب وہ چونکا ہوا تھا۔

"اس لیے کہ وہ لڑکی بالکل بھی اچھی نہیں ہے آپ کے ساتھ تو اور بھی بے کار لگے گی رنگ بھی صاف نہیں ہے اور آنکھیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں شکل سے مغرور بھی لگ رہی ہے۔" ایک سانس میں وہ کتنی ہی خامیاں گنوا گئی۔

معاذ نے بمشکل ہی خود پر [illegible] کیا۔

"بہت بری بات ہے زری [illegible] کسی کی شکل و صورت میں خامیاں نکالنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس بے چاری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"[illegible] بے سوچے سمجھے امی کے سامنے کچھ مت کہنا۔ سمجھیں ورنہ وہ سخت سختی سے پیش آئیں گی ورنہ!"

زری [illegible] پیشانی پر [illegible] بل ابھی بھی برقرار تھا۔

"معاذ!" سامنے کمرے کا دروازہ کھول کر امی نے پکارا تھا۔

"جی آیا!" وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھ گیا۔

"کتنا برا لگا ہے میری سچی بات سننا بھی گوارا نہیں ہوئی ضرور پسند آ گئی ہے ابھی سے کتنی سائیڈ لے رہے ہیں!" آنسو بھری آنکھوں سے بند دروازے کو گھورتے ہوئے اس نے اس انجانی لڑکی کو کتنی ہی بددعائیں دے ڈالیں۔

"قدم رکھنا نصیب نہ ہو خدا کرے اس گھر میں پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے معاذ کی چلی ہے دلہن بننے جو اللہ نے چاہا تو حسرت ہی رہ جائے گی دل میں!"

آگ تھی جو اندر ہی اندر بھڑکتی ہی جا رہی تھی۔

اندر کمرے میں امی نے بہت غور سے معاذ کے چہرے کو دیکھا۔

"کیا کہہ رہی تھی یہ لڑکی؟"

"کون؟ زری؟ کچھ بھی نہیں!"

"جھوٹ مت بولو!" وہ چڑ سی گئیں۔

"پچھلے گھنٹے بھر سے کونے میں منہ دیے روئے جا رہی تھی اب تم آئے تو کیسے اٹھ کھڑی ہوئی جلدی سے۔"

معاذ نے ذرا سا رخ پھیر کر دوسری طرف دیکھا۔

"چاہتی کیا ہے یہ؟ آج کل بڑا منہ پھولا ہوا ہے مجھے اس کے انداز کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں!" ان کا اس کے بارے میں وہی ایک تجزیہ تھا سو تھا۔

آج وہ بھی متفق تھا۔ مگر صرف دل میں۔



"چھوڑیں اسے ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے واپس آفس جانا ہے آپ بتائیں کیا کہہ رہی تھیں!"

"اس لڑکی کی کتھا تو بہت غور سے سن رہے تھے میری باری آئی تو تمہیں جلدی پڑنے لگی۔"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں، بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ اچھا کہیں کیا بات ہے؟"

اس نے پہلے امی کو کندھے سے تھام کر صوفے پر بٹھایا اور پھر خود اس انداز میں ان کے پاس بیٹھا جیسے بہت فرصت سے ہو۔

"جیتے رہو!" وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیں۔

"مجھے زری سے کوئی پرخاش نہیں ہے معاذ! لیکن زمانہ بہت نازک ہے بیٹا! یہاں کسی کا بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا! ایک جوان لڑکی کا گھر میں رہنا کوئی بھی نیا قصہ کھڑا کر سکتا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

اس نے پوری سنجیدگی سے آہستگی سے سر ہلایا تھا۔

"میں نہیں چاہتی کہ اس حوالے سے کوئی بھی ایسی ویسی بات اٹھے کوئی بھی تم پر انگلی اٹھائے بہت مشکل سے ہمارے حالات سنبھلے ہیں۔۔۔!"

معاذ نے آج خود کو سو فیصد ان کے ساتھ متفق پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

پولیس کی تفتیش خاصی تیزی سے شروع ہوئی تھی۔

گھر کا تفصیلی جائزہ، رہائشی حصہ، سرونٹ کوارٹرز کونہ کونہ چھانا گیا تھا۔

ملازمین سے پوچھ گچھ، خاص طور پر ان سے جو روزی کی گمشدگی والے روز یہیں موجود تھے۔

زرتاج چونکہ ملک سے باہر تھیں اور واقعہ کی اطلاع ملنے پر واپس پاکستان آئی تھیں کسی قدر کم سوالات کی زد میں تھیں سب سے زیادہ کم بختی نبیل کی آئی ہوئی تھی تقریباً روزہی بلایا جا رہا تھا اور عارضی طور پر شہر چھوڑ کر جانے پر بھی پابندی تھی۔

زرتاج کی ساری کوششیں ناکام جا رہی تھیں۔ اس بار کوئی بڑا تگڑا ہاتھ پس پشت تھا۔

"دو کوڑی کی عزت باقی نہیں رہی میری، اس طرح پیش آتے ہیں وہ جو پولیس والے جیسے میں ہی مجرم ہوں۔

ایک ہی بات کو بار بار پوچھتے ہیں، انسان کنفیوز نہ ہو تو کیا ہو۔"

نبیل کے بیانات میں تضاد آ رہا تھا جس کو لے کر وہ سب سے زیادہ خود ہی گھبرا رہا تھا۔

"اپنے اعصاب پر قابو رکھو نبیل! تم خود اپنے لیے مشکلیں کھڑی کر رہے ہو۔ تم جیسا احمق انسان آج تک نہیں دیکھا، میرے تو اپنے مسئلے تمہاری وجہ سے بڑھ رہے ہیں۔"

زرتاج کے لہجے میں اس کے لیے کوئی بھی رعایت نہیں تھی بات کرتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی نبیل کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ وہ لگاوٹ جس میں وہ سر تا پا بھیگی تھیں تیزی سے ماضی کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

کبھی کسی وقت تو نبیل کو لگتا تھا کہ جیسے اب وہ اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینکنے ہی والی ہیں اور اگر واقعی ایسا ہوا تو۔۔۔!

اسے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں زرتاج! تمہارے ہر مسئلے کو حل کرنا میری ذمہ داری ہے، تم کیوں فکر کرتی ہو۔

میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

"تم میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں یقیناً" بے فکر ہوتی۔"

جواباً" وہ بہت سرد مہری سے بولی تھیں۔

چند لمحوں کے لیے تو وہ لاجواب سا ہوا' اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"ایسا کرو تم کسی طرح مجھے شہر سے باہر بھجوا دو۔ اتنے تعلقات ہیں تمہارے' یہ پابندی تو اٹھوا ہی سکتی ہو' کسی کو بھی فون کر دو۔"

اس کا شاطر ذہن اپنے بچاؤ کے راستے ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔

"کہاں جاؤ گے؟" اس بار وہ کچھ نرم پڑی تھیں۔

نبیل کو لگا جیسے وہ کچھ نہ کچھ راہ نکال ہی لیں گی۔

"لاہور چلا جاتا ہوں' وہاں کا آفس بھی دیکھ لوں گا اور کوئی نیا پروجیکٹ بھی.....!"

"کون سا نیا پروجیکٹ' وہی جہاں تم ایک گھنٹے میں لاکھ روپیہ اڑاتے رہے ہو' اس کی یاد ستا رہی ہے نا!" بڑی برجستگی سے انہوں نے نبیل کے دل کا چور پکڑا۔ اس عورت کے آگے مزاحمت نہیں کی جا سکتی تھی وہ بھی بری طرح جھلا گیا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم..... تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو زرتاج!"

"پتہ نہیں کیوں مگر مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ تم میرے لیے بہت بڑی مصیبت کھڑی کرنے والے ہو' تم سے شادی کر کے میں نے یقیناً" غلطی کی ہے نبیل!"

زرتاج کی سرد مہری دن بہ دن بڑھ رہی تھی اور پچھلے ماہ سے وہ یہ بات برملا کہنے لگی تھیں کہ نبیل ان کے لیے درد سر بن چکا ہے۔

خطرے کی ایک نہیں' کئی گھنٹیاں ٹناٹن اس کے سر پر بج رہی تھیں۔

"یہ سب اس سالار کا کیا دھرا ہے' پتہ نہیں کہاں سے نکل کر آگیا ہے' ورنہ پچھلے پورے سال اس کی خبر نہیں تھی۔"

نبیل کو اپنی شادی کا پہلا سال اور اس کی بے فکری اور عیش و عشرت بھلائے نہیں بھولتے تھے۔ تب بھی بھولے سے خیال نہیں آتا تھا کہ اس سب میں کوئی ذرا سا بھی خلل پڑنے والا ہے۔

"سالار کو روکنے والے بھی تم ہو' نہ تم نے اس پر حملہ کروایا ہوتا اور نہ ہی وہ اتنے ..." زرتاج بہت زور سے چلائی تھیں۔

"خدا کے لیے زرتاج! آہستہ' کسی نے سن لیا تو....." دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

"دیکھا!" نبیل کا چہرہ خوف سے زرد پڑا۔

"دروازہ کھولو!" زرتاج نے خود پر قابو پاتے ہوئے اشارہ کیا تھا' سالار گھر میں با آسانی گھومتا پھرتا نہیں تھا پھر بھی پہلا دھیان اسی کی طرف گیا تھا اور اگر وہی تھا تو پھر یقیناً" اس نے سن بھی لیا ہو گا۔

"آپ کو بلا رہے ہیں!" دروازے پر کھڑے ملازم نے اطلاع دی تھی "وہ لاؤنج میں بیٹھے ہیں مجھ کو کہا کہ آپ کو بلا کر لاؤں۔" نبیل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو چھوڑ دیا۔

"چلو!" زرتاج بے ساختہ ہی اٹھ کر ...

"مسٹر نبیل!" اس نے سامنے ... کو کہتے سنا۔

"ترزی کی گم شدگی کے وقت جو آپ کی ایک پرانی ملازمہ گھر میں موجود تھیں ان کے بارے میں ابھی تک ہم کوئی پتہ نہیں چلا سکے ہیں۔ اس سارے واقعہ میں وہ سب سے اہم ہیں کیونکہ وہ لڑکی ان ہی کے ساتھ رہتی تھی زیادہ وقت۔ کہاں ہیں وہ' اب ہم وہ ایڈریس لینا چاہتے ہیں۔"

پنجاب کے کسی دور دراز گاؤں کا وہ پتہ کسی دراز کسی ڈائری میں یقیناً محفوظ تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھیں۔

"عظمت بہت پرانی ملازمہ تھی' لیکن اس کے آگے پیچھے کوئی سگا رشتہ نہیں تھا' وہ ایک آدھ بار چند دن کے لیے کسی سے ملنے ضرور گئی تھی مگر کس سے' نہ ہم نے پوچھا اور نہ اس نے بتایا۔ ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"تو کوئی تصویر ہے ان کی؟" پولیس افسر نے بہت تحمل سے دوسرا سوال کیا تھا۔

"وہ بھی نہیں' عظمت پرانے خیالوں کی عورت تھی۔" ٹھوک بجا کر بات کرنے کا وہی انداز۔

نبیل نے کچھ تو سکون کا سانس لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نانی ولید کو ساتھ لے کر آیا بیٹھا تھا۔

بار بار ہنسی کا فوارہ سا پھوٹتا اور سارے میں پھیلتا چلا جاتا۔

شاما کا ایک قدم کچن میں اور ایک نانی کے کمرے میں تھا۔ خاطر داریوں کی حد نہیں تھی۔

مٹھائی' کیک' سموسے' کباب' پھلکے' دہی بڑے۔

کتنی ہی بار وہ ٹرے بھر کر پہنچا چکی تھی۔

نگینہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی کچن میں آئی۔

شاما پھر سے کباب تلنے کے لیے فرائی پین رکھ چکی تھی۔

"اپنے گھر میں کھانے کو نصیب نہیں ہے' کبھی ڈھنگ کا پکا ہو تو کھایا بھی جائے جب دیکھو' بازار سے شاپر لٹکا چلا آ رہا ہے' یہاں ہر چیز پر رال ٹپکی پڑ رہی ہے۔" وہ بولتی ہوئی اندر آئی تھی۔

شاما نے مسکراتی نگاہوں سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تجھے کس حکیم نے کہا تھا کہ تو ان چٹوریوں کے سامنے یوں ٹرے بھر بھر کر نعمتیں سجا۔"

وہ کچھ چڑ کر شاما کی بھی خبر لے گئی۔

"تو میری کیا غلطی' مجھے تو نانی نے کہا تھا کہ مبارک باد کے لیے آنے والوں کی خاطر میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور پھر یہ تو ہیں بھی خاص الخاص اپنی نانی کی جانشین۔"

ایک غلط لفظ استعمال کر کے وہ پھر مار کھا گئی۔ نگینہ نے بڑی خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں میں مر گئی ہوں کیا' فاتحہ پڑھ لی تو نے میری' جو یہ نئی جانشینی مقرر کی ہے تو نے؟ ذرا ہوش میں رہ کر بولا کر شاما! آئی بڑی اردو دان۔"

"ہائے' خدا نہ کرے' توبہ کریں باجی نگینہ! یوں ہی منہ سے ایک بات....."

"غلطیاں تو کر کر توبہ میں کرتی رہوں' یہاں کفارے نہیں ادا ہوتے' پتہ نہیں کیا بنے گا۔"

بڑبڑاتے ہوئے اس نے ایک کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"مزے کے ہیں' جب ہی تو گل ناز نے پورے چار کھا لیے۔ املی کی چٹنی کے ساتھ' تیرے ہاتھ کے ذائقہ پر تو

جان رہتا ہے خالہ دلدار کا خاندان۔"

شاما کے چہرے پر بڑی فخریہ مسکراہٹ آئی۔

سارے محلے میں اس جیسی پکانے والی نہیں تھی' ہزار گل ناز اور دلدار جان نے کوشش کر ڈالی کہ وہ نانی ستارہ کی چوکھٹ چھوڑ کر ان کے ہاں آجائے' مگر اس کی وفاداری نے ذرا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہی چوبارہ اس کی پہچان' اس کا مان رہا۔

"بڑی خوشی کا موقع آیا ہے باجی نگینہ! میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ سارے شہر میں مٹھائی بانٹتی پھروں' آپ بھی دل مت جلائیں' دیکھ رہی ہیں ناں کیا اپنی گیتی کا سامان دیکھ کر باجی گل ناز اور نانی دلدار دونوں کا ہی رنگ اڑا تھا' میں تو جب کے جب ہی باہر آکر گیتی پر سے پیسے اتار کر' نیچے فقیر کو دے کر آئی۔"

"بہت اچھا کیا' نانی دلدار کی نظر تو ویسے بھی مشہور ہے' اللہ بچائے اور یہ گل ناز پوری جادوگرنی' کیسا میرے مولا نے میری شان بڑھائی' ساری عمر میری ذلت کرتی آئیں ماں بیٹیاں' اب کیسی پھٹکار برس رہی ہے چہروں پر۔"

نگینہ کے دل کو بڑی ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

اندر سے پھر ہنسی پھوٹی تھی۔

"اونہہ! ساری ڈرامے بازی۔" شاما کی ٹرے پھر سے تیار ہو گئی تھی۔

"میں لے جاتی ہوں' تو ذرا گیتی کو دیکھ' کچھ ہو تو کچھ کھلا دے' نوالہ نہیں اتر رہا ہے لڑکی کے حلق سے۔"

نگینہ نے تشویش سے کہتے ہوئے ٹرے اٹھانا چاہی' مگر شاما نے فوراً ہی روک دیا۔

"آپ چل کر بیٹھیں' ٹرے میں لے کر چلوں گی' صندل اور گیتی آرا جیسی بیٹیوں کی ماں ہیں' کوئی مذاق نہیں ہے۔ کیسا ہیرے جیسا داماد آرہا ہے کل' اپنی ویلیو کو پہچانیں باجی! ابھی تو شان دکھانے کا موقع ہے۔ اس وقت کے لیے میں نے کتنی دعائیں کی ہیں' میرا اللہ جانتا ہے۔" شاما کی آواز بھیگنے لگی۔

قیمتی لباس اور خوشبوؤں میں ڈوبی' بدمزاج' منہ پھٹ نگینہ کے دل کو عجیب سے احساس نے گھیرا۔

"تیری تو بات ہی کیا ہے شاما! اس دھوپ بھری زندگی میں ایک تو ہی تو میرے لیے چھاؤں بنی رہی' ساری عمر [illegible] گھر' میری بچیاں خدا کے بعد تیرے ہی حوالے۔ تو نے ہی پال پوس کر انہیں۔۔۔!"

"خدا کے لیے باجی!" شاما نے ہاتھ جوڑے تھے۔

"ساری عمر تیری احسان مند رہے گی یہ نگینہ!"

آنسوؤں سے بھاری ہوتی آواز کے ساتھ نگینہ نے پسینے میں ڈوبی اس گہری سیاہ [illegible] شاما کو کھینچ کر گلے سے لگایا اور سسکیوں کے ساتھ رو دی۔

شاما کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوا تھا۔

"حد ہو گئی اتنی بڑی ہو کر روتی ہیں' ابھی کسی نے دیکھ لیا' باجی گل [illegible] ان کی تو خوشی کی انتہا نہیں رہے گی' فوراً ہی کوئی الٹا سیدھا اندازہ لگا لیں گی۔" جتنی دیر میں [illegible] لایا ہوا پانی کا گلاس ختم کیا' وہ موڈ سپورٹ کے لیے ایسی ہی باتیں کیے گئی۔

"ٹھیک کہا تو نے۔" اس نے فوراً ہی اپنے آنسو [illegible] تھے۔

"چلیں سب کے ساتھ اندر چل کر بیٹھیں [illegible] بھی کچھ کھلا دوں گی' فکر نہ کریں۔" نگینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ویسے اماں نے زیادتی تو کی' زبان سے [illegible] کیا جلال!"

"آہستہ باجی!" شاما کے چہرے کا رنگ پھر سے اڑا تھا۔ "نانی کے غصے کی داستانیں مشہور ہیں محلے میں' سالوں نہیں آتا اور پھر جب آتا ہے تو قہر۔۔۔!"

"میں نے تو ایک بار فیروزہ پر ہاتھ اٹھتے دیکھا تھا' جب اس نے [illegible] سے شادی کی ضد پکڑی تھی' یا پھر اب جب گیتی نے شادی سے انکار کیا تب۔۔۔ موقع ایک [illegible] خلاف' ہماری زندگیوں میں کچھ بھی سیدھا سیدھا نہیں ہوتا شاما' ہماری مصلحتیں' ہمارے راستے' [illegible] ہیں' دل کی چاہ کا ہمارے ہاں کام نہیں ہے۔ گیتی کی سمجھ میں بھی کبھی نہ کبھی یہ بات آہی جائے گی۔"

"آپ دل برا نہ کریں باجی! جو ہو رہا ہے [illegible] قسمت جاگ رہی ہے ہماری گیتی کی' اتنے امیر آدمی کی بیوی بننے کی تو' سب کچھ بھول جا[illegible] طاقت ہے۔"

شاما اس کے ساتھ ہی نکل کر [illegible] آئی تھی۔

نگینہ نے نگاہ اٹھا کر اوپر بارہ دری [illegible] کو دیکھا ہوا بالکل بند تھی۔

"بس آج کی رات اور [illegible] نکاح' بالی صاحب اور صندل بھی دوپہر تک پہنچ جائیں گے' یہ کام بھی خیر سے ہو جائے گا [illegible] ہے' بڑی فکر ہے اس کی طرف سے۔"

وہ دونوں [illegible] ہیں۔

[illegible] نانی ستارہ کے کمرے سے باتوں اور ہنسی کی ملی جلی سی آوازیں' خوشگوار سا ہنگامہ جگا [illegible] گیتی کے نیم اندھیرے کمرے کی طرف دیکھا۔

"[illegible] میں فیروزہ دکھائی دیتی ہے شاما! وہ بھی ایسی ہی خاموش' دل کی دل میں رکھنے والی تھی' کیا ہوا' بن گئی [illegible] بھری جوانی میں' مجھے ڈر لگ رہا ہے میری بچی بھی کہیں۔۔۔!"

"بری بات منہ سے نہ نکالیے گا اب' بس چپ!" نگینہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا۔

"وہ ماسٹر بھی شاید اسے پسند آگیا تھا' پیسے والا تھا وہ بھی' یا پتہ نہیں۔ خیر۔ پھر اب تو مہینوں سے غائب ہے۔ عجیب پراسرار!"

شاما نے بے اختیاری دانتوں تلے زبان دبائی۔

"اب فائدہ بھی کیا' ویسے بھی گیتی کی' باجی نگینہ کی۔ سب ہی کی بھلائی اسی میں ہے' خبردار' چپ' خاموش!"

اس کی روح میں رچی بسی وفاداری نے اسے بڑی سخت سی تنبیہہ کی۔۔۔ نگینہ کے پیچھے پیچھے' نانی ستارہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے' وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

دور بہت دور۔

سالار کی نیند ایک جھٹکے سے ٹوٹی۔

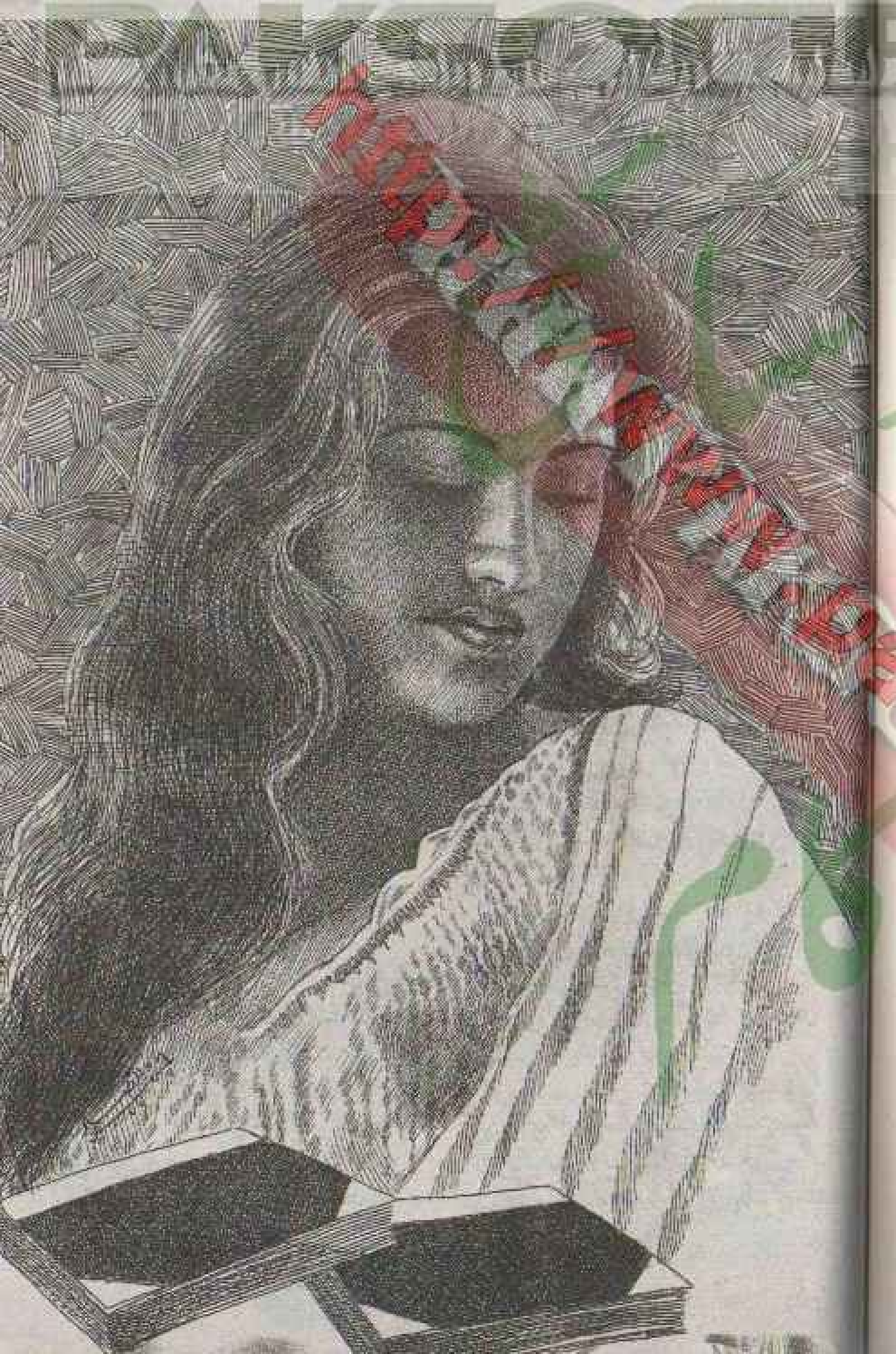
گھور' سیاہ تاریک رات!

اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا تھا' مگر منظر سے سب ہی کچھ معدوم ہوا تھا۔

اس کا دل بہت ہی غیر معمولی انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"کیا تھا جس نے اسے اس طرح خوف زدہ کیا؟ چونکایا! ایک بڑا سا سوالیہ نشان' جواب طلب تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



سائرہ عارف

میری صبح کا ستارہ

غریب گھرانے میں پیدا ہونے والی سارا کو اپنی خوب صورتی پر بہت غرور ہے۔ بچپن کا منگیتر جو خوب صورت ہونے کے محض غریب ہونے کی بنا پر ٹھکرا دیا۔ اگرچہ نواز اکرم کا پورا خاندان اور وہ خود معمولی شکل کے تھے۔ لیکن سارا نے پورے خاندان سے ٹکر لے کر ان سے شادی کر لی۔ لیکن کبھی نواز اکرم کو وہ مقام نہ دیا جس کے وہ مستحق تھے۔ انہیں اپنی بڑی بیٹی ماہین سے صرف اس لیے نفرت ہے کہ وہ شکل و صورت میں ددھیال پر پڑی ہے' جبکہ چھوٹی بیٹی میرب بالکل ان کا پرتو ہے۔ سارا علوی اور میرب ہر وقت ماہین کو اس کی کم صورتی کا احساس دلاتی رہتی ہیں۔ جس سے ماہین اپنے رنگ کے معاملے میں حساس ہو گئی ہے۔ دونوں بہنوں میں بالکل نہیں بنتی۔ اس کی واحد دوست رفعت اسے نت نئی رنگ گورا کرنے والی کریمیں لا کر دیتی ہے اور پیسہ بٹورتی ہے۔ گھر میں وہ نواز اکرم کے قریب ہے' لیکن ہر وقت کی تنقید اور رشتوں سے انکار نے اسے نفسیاتی طور پر تنہا کر ڈالا ہے۔ نواز اکرم کی بہن ثروت بھی اس سے محبت کرتی ہے' لیکن سارا علوی کے ناروا سلوک کے باعث بھائی کے گھر آنے سے کتراتی ہے۔

میرب کے لیے نواز اکرم کے دوست رضا اپنے بیٹے کا رشتہ دیتے ہیں تو میرب اسے ٹھکرا دیتی ہے۔ سارا۔ کا ایک ذہنی طور پر کمزور بھائی شہزاد ہے۔ جس کی ذمہ داری ماں نے مرتے وقت سارا کے سپرد کی تھی۔ اسے آوارہ گردی کا اور مشروب کا شوق ہے۔ ماموں شہزاد کو ماہین سے خاصی انسیت ہے جو دیگر لوگوں کی طرح انہیں ڈانٹنے کے بجائے ان کا خیال رکھتی ہے۔

ناولٹ



فاخرہ کی اپنے شوہر ریاض کے انتقال کے بعد دنیا اندھیر ہو گئی ہے۔ اسے چند ماہ تک اپنے بیٹے کاشف کا ہوش بھی نہیں رہتا ہے۔ وقت کے اس موڑ پر اسے تنہا چھوڑ دیتے ہیں جن کا نام لیتے ہوئے ریاض کے بچپن کا دوست اقبال کاشف کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر کر لیتا ہے۔ حالات کی سنگینی کا احساس فاخرہ کو اس وقت ہوتا ہے جب کاشف نانا کو اقبال سے شادی کا مشورہ دیتا ہے۔ فاخرہ اسے احساس دلاتی ہے کہ وہ اقبال سے دور رہے۔ لیکن کاشف "اقبال انکل" کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں۔ بیٹے کو مجبور کرنے پر وہ اقبال سے عقد ثانی کر لیتی ہے۔

شادی کے فوراً بعد اقبال اچھائی کا لبادہ اتار پھینکتا ہے اور ماں بیٹے کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ گھر کا پیسہ فاخرہ کی اسکول کی نوکری پر ہی چلتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ کاشف کو اپنا گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ نواز اکرم کے یہاں بطور اکاؤنٹ کلرک کام کرتا ہے اور کبھی کبھار ہی ماں سے ملتا ہے اور ہر وقت فاخرہ کو علیحدگی کا مشورہ دیتا ہے۔ اس عمر میں بدنامی کا خوف انہیں ایسے فیصلے سے روکے ہوئے ہے۔ فاخرہ کے لیے اقبال کی غیر اخلاقی سرگرمیاں ناقابل برداشت ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۳
تیسری قسط

"تھینک یو کاشف! آج بہت عرصے بعد پہلی بار مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں بھی کسی کے لیے اہم ہوں اور میرا وجود بھی کسی کے کام آیا ہے۔ ورنہ تو میں اللہ سے یہی گلہ کرتی رہتی تھی کہ اس نے مجھے پیدا ہی کیوں کیا۔ خواہش پر آج افسوس ہو رہا ہے۔ تم نے مجھے میری ذات کی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔"

وہ دل سے کہہ رہی تھی۔ کاشف بے ساختہ مسکرایا۔ وہ نیچے اتر گئی تھی۔ اس نے بھی دروازہ کھولا اور باہر آگیا۔

"لائیں یہ شاپر مجھے دیں۔" اس نے زبردستی اس کے ہاتھ سے شاپر تھام لیے۔

"میں اٹھالوں گی۔ دے دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"میرے ہوتے ہوئے آپ؟ آئیں۔" وہ شاپر اٹھا کر آگے آگے چلنے لگا۔ اس نے بغور اسے دیکھا۔ لمبا قد، دبلا پتلا جسم۔ وہ شروع سے ہی ایسی جسامت کا مالک تھا۔ البتہ اب وہ لڑکپن کی نسبت زیادہ خوب صورت نکلا تھا۔ صاف رنگ، سیاہ بادامی آنکھیں ... بڑی شاعرانہ سی خوب صورتی تھی اس کی۔

"یہ ایمان داسطی سے زیادہ خوب صورت ہے۔" وہ

امیرزادہ، دنیا جہان کی دولت کے ساتھ بھی اس سے کم لگتا ہے۔" اسی پل اس پر جیسے انکشاف ہوا تھا۔

"میں آتی ہوں۔" وہ رک کر پلٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ماہین اسے اشارہ کر کے جلدی سے آگے بڑھی۔ لاؤنج میں تمام شاپر رکھ کر وہ واپسی کے لیے مڑا تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ماہی پلیز۔ مجھے آپ کا کام کر کے خوشی ہوئی ... آپ جب بھی بلائیں گی میں آجاؤں گا ..." جاتے جاتے گویا آئندہ کے لیے ... اور ماہین گم صم سی اس کے لفظوں ... تھی۔

"آ گئی ہو تم ... کیا خرید کر لائی ہو۔" میرب ... چونکی۔ جھٹ کر سارے ... خرید کر لائی ہوں۔ اپنی چوائس سے لائی ہوں ... مجھے اپنی شاپنگ کھاتی ہو۔"

اس نے سارے شاپر سمیٹے اور اپنے کمرے میں آگئی۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کے انکار نے میرب کو کتنا خفا کیا تھا۔ وہ دانت پیسے اسے گھور رہی تھی۔ مگر اب ماہین کو اس کے گھورنے کی قطعی پروا نہ تھی۔ وہ

اس وقت جتنے اچھے موڈ میں تھی کہ اس کے ساتھ بحث کر کے اپنی خوشی ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے اپنی شاپنگ بیڈ پر ڈھیر کی اور آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"مہان پری ..." اس کے کان میں دھیمی سی سرگوشی ہوئی تھی بڑے ہی خوب صورت ... بے ساختہ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"مجھے خوب صورت ... بدصورت دھوکے دیے ہیں۔ آپ کا دل ... صورت سے ... مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی۔

"آپ ... اور نرم دل نے کسی کی زندگی سنوار دی ... ساری زندگی آپ کا اور آپ کے والد صاحب کا احسان مند رہوں گا۔" اس کا دل خوشی سے ...

"مجھے تو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ کاشف مجھے اتنا ایڈمائر کرتا ہے۔"

ایک بہت ہی خوب صورت لڑکے کا اسے سراہنا۔ اس کا احسان مند ہونا۔ اس کی تعریف کرنا۔ اسے تو گویا خلا میں اڑائے جا رہا تھا۔ حیرت بھی تھی۔ مسرت بھی یقین بھی۔ گمان بھی۔ ایسی خوش فہمی کہ اسے غلط فہمی کہنے کو دل بھی نہ چاہے۔

"کاشف ..." وہ بار بار اس کا نام لے کر جیسے خود کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ اس نے کوئی سپنا نہیں دیکھا۔ بلکہ یہ حقیقت تھی۔ ایک سچی اور عیاں حقیقت۔

"تم یہاں کیوں چھپی بیٹھی ہو۔ ماما تمہیں بلا رہی ہیں۔" کچھ ہی دیر بعد میرب دوبارہ اندر آگئی تھی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ویسے تم ایسا کیا خاص لائی ہو جسے اتنا راز رکھا جا رہا ہے؟"

میرب کی بات پر وہ یکدم ہنسی۔ اسے بھلا کہاں چین آنا تھا۔ وہ تو ماہین کی شاپنگ پر جی بھر کر تنقید کرتی تھی۔ ... اسے بھی رکھ دی تھی۔ تب اسے چین آتا تھا۔

"... خاص یا عام، جو بھی لائی ہوں۔ تمہیں دکھانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ میرب نے اس کی بات پر بغور اسے دیکھا۔ آج سے پہلے تو کبھی اس نے اتنی ہٹ دھرمی نہیں دکھائی تھی۔

"تم جاؤ۔ میں آتی ہوں۔" اسے جما دیکھ کر اس نے رکھائی سے کہا تو وہ جو ابا "اسے گھورتی باہر نکل گئی۔

"ہوں ... آئی بڑی میری استانی۔ یہ کیا اٹھا لائی ہو۔ یہ تم پر سوٹ نہیں کرتا۔ بے وقوف! تمہیں تو عقل ہی نہیں ہے کپڑے خریدنے کی۔ یہ رنگ توبہ توبہ اور لے کر جاؤ اس فقیرنی کو ساتھ۔ اسے کیا پتا فیشن کا۔ سارے پرانے ڈیزائن۔ پرانے رنگ، دقیانوسی اولڈ فیشن۔"

پل بھر میں وہ سارے جملے جو میرب بولتی تھی۔ اس کے دماغ میں کوند گئے تھے۔ تب ہی اس نے طنز سے بند الماری کو دیکھا اور باہر آگئی۔ اس کی چال میں اعتماد تھا اور لہجے میں مضبوطی۔

"کیا میں کاشف کی وجہ سے ...؟" اس نے لاؤنج میں داخل ہونے سے قبل سوچا تھا۔ ماما حسب معمول موبائل پر بزی تھیں۔ اسے دیکھ کر موبائل آف کر دیا۔

"بیٹھو ..."

"جی ماما!"

"پارلر گئی تھیں تم ...؟" انہوں نے چھوتے ہی پوچھا تھا۔

"میں بازار گئی تھی۔"

"تو پارلر بھی جانا تھا نا۔ شام کو مہمان آ رہے ہیں۔ میں نے تمہیں دو دن پہلے بتایا تھا۔ بتایا تھا نا!" ماما کو اس کی نافرمانی پر ایسے ہی غصہ آجاتا تھا۔ حالانکہ میرب نے بھی ان کی بات نہیں مانی تھی۔

"جی ... مگر مجھے پارلر نہیں جانا تھا۔" اس نے ان کے غصیلے لہجے اور انداز پر آہستہ سے جواب دیا۔

"کیوں۔۔۔! یہ سڑی ہوئی لوکی سی لے کر مہمانوں کے سامنے جاؤ گی۔ تاکہ ہمیشہ کی طرح پھر انکار ہو جائے۔" وہ غصے میں لحاظ نہیں کرتی تھیں اور ان کے الفاظ اسے پتھر کی طرح بڑے زور سے لگتے تھے۔

"ہو جائے۔" وہ پہلے اتنی کڑوی نہیں تھی۔ جتنی اب زہریلی ہوتی جا رہی تھی اور یہ زہر اس کے اپنوں کا دیا ہوا تھا۔ جنہیں احساس ہی نہ تھا کہ ان کی باتیں ماہین کو بدل رہی ہیں۔ اور یہ تبدیلی مثبت نہیں بلکہ منفی تھی۔

"ہاں ہو جائے انکار، تمہیں کیا پروا ہے۔ یہ بھاری پتھر تو ہمارے سینوں پر دھرا ہے۔ نیندیں اڑی ہوئی ہیں کہ کب اس بوجھ سے نجات ملے گی اور تم کہتی ہو۔ انکار ہو جائے۔" سارا علوی کے تن بدن میں اس کا جواب آگ لگا گیا تھا۔

"کس نے کہا ہے آپ سے کہ نیندیں اڑائیں اور فکر مند ہوں۔ مت ہوں پریشان۔"

"تمہاری حرکتوں کی وجہ سے پریشان ہوتی ہوں۔ کبھی تمہیں شادی نہ ہونے کا غم لگ جاتا ہے اور کبھی کہتی ہو شادی نہ ہو۔ بہرحال تمہارے اس پاگل پن کا میرے پاس علاج نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ خاموشی سے میری بات مان لو۔ تمہارے بعد مجھے میرب کا بھی فیصلہ کرنا ہے۔ تمہاری وجہ سے اسے بھی دیر ہو رہی ہے۔"

سارا علوی نے اسے کھری کھری سنا دی تھیں اور وہ گم صم سر جھکائے بیٹھی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا تھا۔ پھر حتمی لہجے میں بولیں۔

"مجھے شام کو تم تیار نظر آؤ۔ میرب تمہیں تیار کر دے گی۔ اور مہمانوں کے سامنے کوئی بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ الٹا سیدھا بول کر نہ جانے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم۔ لوگ تو مجھے ہی الزام دیتے ہیں کہ شکل اچھی نہیں تھی بیٹی کی تربیت [illegible] کی ہوتی۔" سارا علوی نے ایک اور [illegible] تھا۔

"تربیت! آپ نے اپنے بچوں کی تربیت کب کی بھلا؟"

اس نے بمشکل خود کو یہ کہنے سے روکا تھا۔ اس کی ماں کو پتا ہی نہیں تھا بیٹیاں کیسے پل گئی تھیں۔ بچپن میں ملازمہ نے سنبھالا تھا۔ بڑے ہو کر خود اپنے آپ کو دونوں نے سنبھال لیا تھا۔ اسی لیے تو وہ دونوں بالکل مختلف مزاج اور عادات کی مالک تھیں۔ میرب کو ماں کا پیار ملا تھا۔ اور اسے باپ کا۔ دونوں ہی اپنے اپنے فرائض میں غفلت برتتے رہے اور نتیجہ سامنے تھا۔ دونوں لڑکیاں ان دونوں کی الگ الگ خواہشات کا پر تو تھیں۔

سارا علوی کی نواز اکرم سے نفرت کا نتیجہ ماہین نے بھگتا تھا۔ اور نواز اکرم نے خود کو نظر انداز کیے جانے کا بدلہ میرب کو نظر انداز کر کے لیا تھا۔

"آپ نے اپنے سود و زیاں میں دونوں نے ہمیں برباد کر دیا۔"

ماہین نے انتہائی بے بسی سے سوچا تھا اور دکھ سے سر جھکا لیا تھا۔ سارا علوی جا چکی تھیں اور اب وہ تنہا بیٹھی آنے والے مہمانوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میری استانی کیا پکا رہی ہے آج؟" وہ کچن میں ہانڈی پکا رہی تھی۔ جب اقبال [illegible] اندر آیا تھا۔ فاخرہ نے ماتھے میں بل ڈالے [illegible]۔ وہ جب بھی مسکرا کر [illegible] کا مقصد کچھ خاص ہی ہوتا تھا اور وہ [illegible] مقصد فاخرہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔

"[illegible]" اس نے مختصراً جواب دے کر دوبارہ آلو چھیلنا شروع کر دیے۔

"اچھا۔۔۔ تمہارا بیٹا بہت دنوں سے نہیں آیا۔ خیر تو ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔"

"کمال ہے تمہارے ساتھ تو رابطہ رہتا ہے اس کا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" [illegible] توڑتے اس کا ہاتھ تھم گیا تھا۔

"ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ آج اٹھائیس تاریخ ہے نا۔ یعنی مہینہ ختم ہونے میں تین دن۔ یہ تنخواہ ہر مہینے کیوں لیٹ ملتی ہے۔ مجھے کیوں نہیں ملتی۔" اس نے بے چارگی سے منہ بنا کر کہا تو فاخرہ کو سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا۔

"تو یہ بات ہے۔" اس نے طنز سے [illegible] زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

"تم جیسے شخص کے لیے جو روزانہ [illegible] کم ہے۔ تم تو روزانہ جوئے میں ساری [illegible] لٹا دو۔" اس نے نفرت بھرے [illegible] کہا۔

"مجھے [illegible] کی ضرورت تھی۔ تم بھی خالی ہو؟" وہ [illegible] سے کہہ رہا تھا۔ فاخرہ نے گھور کر اسے [illegible]" اس کا بیگ کھنگال چکا تھا۔ جس میں [illegible] پچاس کا نوٹ پڑا تھا۔ اور ابھی مہینہ ختم ہونے میں دو دن باقی تھے۔

"کاشف آ جاتا تو۔۔۔!" اس نے بالآخر اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔ فاخرہ نے بے حد طنز سے اسے گھورا۔

"پیسوں کے لیے کاشف آ جاتا اور ویسے اس کا مجھ سے ملنا تمہیں گوارا نہیں ہے۔ کتنے لالچی اور خود غرض ہو تم اقبال!"

"کیوں ملنا گوارا نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا، میرا بیٹا ہے۔ تم سو بار ملو، اسے گھر بلاؤ۔ رکھو۔ وہ خود نہیں آتا بابا، ورنہ میں نے کب اسے آنے سے منع کیا ہے اور نہ کروں گا۔ ابھی آ جائے۔ لو میرے موبائل سے اسے کال کرو اور بلا لو۔" اس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر فاخرہ کی طرف بڑھایا۔

"لو نا۔۔۔ پکڑو۔ بلاؤ اسے۔ میں خود کہہ رہا ہوں۔ تم مجھے الزام دیتی ہو۔ ارے تمہارا بیٹا تو خود تم سے ملنا نہیں چاہتا۔" اس نے فون اس کے ہاتھ میں زبردستی تھما دیا تھا۔

"میں نہیں کروں گی۔" اقبال کی ساری چالاکیاں، چلتر بازیاں وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس لیے فوراً انکار کر دیا۔ کاشف جب بھی آتا تھا اسے پیسے دے کر جاتا [illegible] جو پیسے اقبال چھپا لیتا تھا۔ اسی لیے کچھ دن سے اس نے پیسے لینے بھی چھوڑ دیے تھے۔

"کیوں۔۔۔ اب آ گئی موت۔ مجھے کیوں الزام دیتی ہو۔ تمہارا بیٹا خود تم سے نفرت کرتا ہے۔ تمہاری سنتا نہیں۔ تم سے ملنا نہیں چاہتا۔" اس نے غصے میں اس کا بازو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"چلے جاؤ اقبال! خدا کے لیے چلے جاؤ۔ میرا دماغ خراب مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" اس نے بے بسی سے ہاتھ باندھے۔ اس کے ڈرامے اور چالاکیاں ناقابل برداشت تھیں۔

"کیوں۔۔۔ کیوں بھلا؟"

"میرے پاس صرف پچاس روپے ہیں اور وہ بھی یقیناً تم نے نکال لیے ہوں گے۔ جانتی ہوں اب چار دن کیسے کٹیں گے میری تنخواہ تین تاریخ کو ملتی ہے۔"

"ارے استانی! تمہیں یہی تو سمجھا رہا ہوں۔ تمہاری فکر اور پریشانی دور کرنے کے لیے ہی تو تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بیٹے سے مانگ لو اولاد کے ہوتے ہوئے ماں کو فکر کیسی۔ برے بھلے میں اولاد کام نہ آئے تو اس کا فائدہ کیا۔" اقبال کی بات اس کے تن بدن کو جلا گئی تھی۔

"اگر برے بھلے دن کے لیے اولاد پیدا کی جاتی ہے تو اسے برے بھلے دنوں کے لیے تیار بھی کیا جاتا ہے۔ تم نے میرے بیٹے کو دھکے دے کر گھر سے نکالا تھا۔ چودہ سال کی عمر سے وہ غیروں کے در پر پڑا ان کی چاکری کر کے خود کو پال رہا ہے۔ کس منہ سے تم اس سے مانگتے ہو۔ اس سے سب کچھ چھین کر بھی تمہیں چین نہیں آیا۔"

"چلو، شروع ہو گیا، استانی نامہ اور اب تم مجھے کوسنے بیٹھ جاؤ گی۔ دماغ خراب ہو گیا تھا میرا جو میں نے تم جیسی بد دماغ اور جاہل پڑھی لکھی عورت سے شادی کی تھی۔ اپنی شکل دیکھی ہے تم نے۔ کیا ہے تمہارے اندر جو اقبال جیسا بھرپور جوان تم سے شادی

"کرتا" صرف ایک کمائی۔ صرف ایک کمانے والی عورت سمجھ کر ہی تو میں نے تم سے شادی کی تھی اور تم وہ بھی لات مار کر رہی ہو۔" اقبال نے سر پر ہاتھ مار کر بڑے ہی کوفت زدہ اور بے بس انداز میں اپنی فریاد سنائی تھی۔

"اگر اس وقت مجھے تمہارے ارادے کا پتا چل جاتا تو۔" فاخرہ نے اپنی عقل پر ماتم کیا تھا۔ کیسے وہ بچے کی ضد میں آ کر برباد ہو گئی تھی۔ اس شخص کو پہچان نہ سکی۔

"چل اب تو عمر بھر کا ماتم ہے نا! کرتی رہنا۔ مجھے پیسے لا کے دو۔" اس کی سوئی ابھی بھی وہیں ہی اٹکی تھی۔

"کہاں سے لاؤں؟ خود کو بیچ دوں۔" وہ پھٹ پڑی۔

"ہا ہا۔" اقبال نے قہقہہ لگایا۔ "تمہیں تو کب کا بیچ دیتا۔ مگر اتنا پرانا مال بکتا نہیں نا۔ مجھ سے بڑی ہے تو۔ مجھ سے بڑی۔"

"اقبال۔" اس کا جی چاہا ہاتھ میں تھامی چھری اس شخص کے دل میں اتار دے۔ کس قدر گھٹیا اور ذلیل شخص تھا یہ۔

"دیکھ تو اسے بلا۔ اور۔۔۔" وہ چند لمحوں بعد دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

"میں نہیں بلاؤں گی۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تیری تو ایسی کی تیسی۔ تیرا تو باپ بھی بلائے گا اسے، بہن۔۔۔" اس نے یکدم اس کی گدی اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑی تھی اور ایک گندی گالی دے کر گردن کو جھٹکا دیا تھا کہ فاخرہ کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔ اسے لگا اس کی گردن ابھی ٹوٹ جائے گی۔

"اقبال۔۔۔!" یکدم دروازے سے [illegible] آواز ابھری تھی اور وہ دونوں چونک کر [illegible] اقبال کا ہاتھ فاخرہ کی گردن پر یکدم ڈھیلا ہو [illegible]

"یہ تمہاری بیٹی ہے سارا!" مہمان خاتون کی پلیٹ میں روسٹ اور بیف کبابوں کا پہاڑ جمع تھا جسے وہ کیچپ کے ساتھ بڑی تیزی سے کھا رہی تھیں اور اتنی ہی تیزی سے اس نے ماہین کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔ ماہین نے بے حد سنجیدگی سے اس کا جائزہ لیا۔ اس کا منہ یوں بن گیا تھا جیسے چکن پر کیچپ کی جگہ کونین چھڑک دی گئی ہو اور جواباً "ماما" حسب معمول شرمندگی سے بھرپور چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لے آئی تھیں۔

"ہاں۔ یہ ماہین ہے۔" ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ اسے "میری بیٹی" کہنے سے احتراز برتتی تھیں۔

"کمال ہے بھئی! ایرو۔ ہم تو تمہیں اور میرب کو دیکھ کر آئے تھے کہ تمہاری دوسری بیٹی بھی ایسی ہی ہو گی جیسی میرب۔ مگر یہ تو۔"

"میں اپنے باپ جیسی ہوں۔" اس سے قبل کہ یہ وضاحت ماما کرتیں، اس نے بڑے آرام سے بتایا [illegible] سارا نے اسے گھورا۔

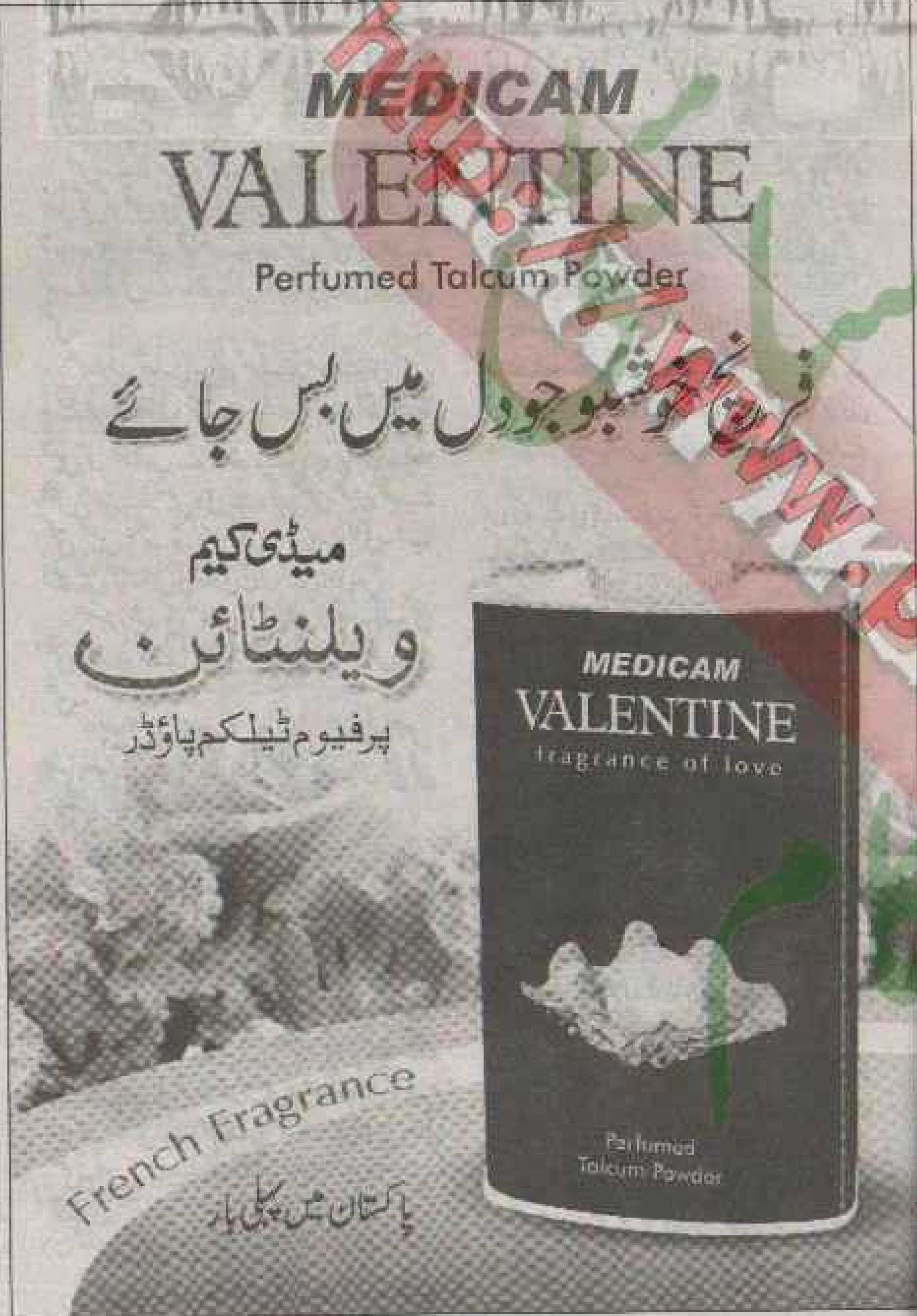
"ہاں۔ میں نے سارا کے شوہر کو [illegible] واقعی یہ تو بالکل باپ جیسی ہے۔" [illegible] لگیں۔

"اوہ۔ سوری بھی [illegible] بیٹھے کے لیے۔" "وہ سوری [illegible] ہو گئی تھیں۔

"آپ کو [illegible] جیسی لڑکی کی ضرور [illegible] اب آپ جا سکتی ہیں۔ ویسے اچھی [illegible] کہ آپ کا پروگرام بھی پورا ہو چکا [illegible]

"ماہین۔۔۔!" سارا آواز یکدم زور سے چیخی تھیں۔ ماہین کی زبان زہر اگلنے پر آتی تھی تو رکتی نہیں تھی اور مسز رشید کے یہ خاص مہمان ان کے بھی جاننے والے تھے۔

"سوری ماما!" وہ بڑے اطمینان سے اٹھی تھی۔



حاضرین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ کو میری بات پسند نہیں آئی ہو گی۔ مگر آئندہ بھی کسی "مجھ جیسی" لڑکی کو دیکھنے جائیں تو اپنی "اس بیٹی" کو ضرور ذہن میں رکھیے گا۔"

اس نے دوسرے صوفے پر "تقریباً" پھنسی ہوئی موٹی گل گوتھنی سی لڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کا رنگ تو دودھ جیسا سفید تھا مگر بے حد موٹی تھی اور موٹے موٹے نقوش کے ساتھ بالکل آٹے کی بوری لگ رہی تھی۔

"سارا۔ تمہاری یہ بیٹی صرف بد صورت ہی نہیں بد تمیز اور بد اخلاق بھی ہے۔ ارے اسے اتنا بھی پتا نہیں کہ مہمانوں کے ساتھ کیسے بی ہیو کیا جاتا ہے۔ شکل تو اللہ نے نہیں دی ہے۔ مگر عقل تمیز تو تم دے سکتی تھیں نا توبہ توبہ "اس قدر منہ پھٹ لڑکی۔ اب سمجھ میں آیا۔ اس کی شادی کیوں نہیں ہوئی۔"

"مسز رشید کی "خاص" مہمان کو آگ لگ گئی تھی۔ اور وہ آٹے کی بوری صوفے سے بمشکل اٹھی تھی۔

"چلیں ماما۔ ہمیں اپنے بھائی کے لیے "اس جیسی" لڑکی کی قطعاً "ضرورت نہیں ہے۔" وہ تن فن کرتی باہر نکل گئی تھیں۔

سارا علوی نے بے اختیار سر تھام لیا۔ ماہین وہاں رکی نہیں تھی اور وہاں رکنے کا مطلب سارا علوی کا "عتاب" سہنا تھا۔ اور یہ عتاب تو اتنی آسانی سے ٹلنے والا نہیں تھا۔ رات کو نواز اکرم کے گھر آنے پر سارا نے انہیں اور ماہین دونوں کو اکٹھا ہی رگید ڈالا تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" نواز اکرم نے تھکے ہوئے بے حد دل گرفتہ انداز میں پوچھا تو ماہین کو یکدم اپنا آپ بڑا ہی بے رحم لگا۔ وہ اکثر غصے میں جو بول جاتی تھی۔ اس کی زبان درازی کا خمیازہ نواز اکرم کو بھگتنا پڑتا تھا۔

"بابا! وہ سب مجھے۔"

"میں نے ہی سارا کو کہا تھا کہ وہ تمہارے لیے بیٹا! لڑکیوں کے اندر صبر برداشت تحمل "ادب لحاظ" ہونا چاہیے۔ لوگوں کی باتیں سہنا پڑتی ہیں۔ سننا پڑتی ہیں۔"

"کیوں۔ کیوں بابا! میں نے اپنی شکل خود ایسی بنائی ہے۔ یہ کب میرے اختیار میں تھا؟ میں نے یہ چاہا تھا کہ میں ایسی ہوتی؟ جب میری مرضی میرا عمل دخل میرا اختیار ہی اس میں نہیں تھا۔ تو پھر مجھے لوگوں کی باتیں سننے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے۔"

وہ بے اختیار سسکی تھی۔ نواز اکرم نے آہ بھر کر اسے دیکھا۔ وہ کیا کہہ سکتے تھے۔ ابھی سارا سے جو کچھ سن کر آئے تھے اور جو ماہین سے سن رہے تھے دونوں معاملوں میں وہ بے بس تھے۔ سارا علوی کے سامنے ان کو بولنے کی جرات ہی نہ تھی اور ماہین کے سامنے وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ بس تنہا ہی سب سہ جاتے تھے۔

"بابا! میں آپ کی مشکل کو سمجھتی ہوں۔ ماما نے آپ کو میری وجہ سے شرمندہ کیا ہو گا۔ ہمیشہ کرتی ہیں نا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا! مجھے اس شرمندگی کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ میرا اصل مسئلہ تو تم ہو۔ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو مجھے سکون مل جائے۔" نواز اکرم کے لہجے میں اتنی درد اور تمنا تھی کہ اسے زیر بار کر گئی۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ ان کے کندھوں سے لگ کر روئے اور روئے جائے۔ اس نے بے اختیار نواز اکرم کو دیکھا جو سر جھکائے بہت پریشان سے بیٹھے تھے۔

"سوری بابا۔" اس نے بابا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ نواز اکرم بے ساختہ چونکے تھے۔ پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر چل دیے۔ وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھی اپنی شام والی حرکت پر شرمندہ ہوتی رہی تھی۔ غصے میں وہ سب کر تو جاتی تھی مگر پھر بابا پر اس کا نزلہ گرتے دیکھ کر خود پر لعنت بھیجتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے دوسری بار ماہین کے قریب جانے کا موقع بھی بہت جلد مل گیا تھا۔ وہ ایک فائل پر نواز اکرم کے سائن کروانے گیا۔ تو وہ آفس میں ڈرائیور کو ہدایات دے رہے تھے۔

"گاڑی گھر لے جاؤ۔ بیگم صاحبہ کو بازار چھوڑ کر ماہی بی بی کو ان کی دوست کی طرف لے جانا۔" اور ماہین کے نام پر کاشف کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے فائل نواز صاحب کی جانب بڑھائی اور ایکسکیوز می سر کہہ کر تیزی سے باہر نکلا۔

"چلو گل خان۔ کہاں جا رہے ہو؟" لمبے لمبے ڈگ بھرتے اس نے گل خان کو بیرونی دروازے کے قریب ہی جا لیا تھا۔

"ارے خان! کدھر جائے گا۔ گاڑی لے کر صاحب کے گھر جاتا ہوں۔"

"اچھا! تم تو کہہ رہے تھے بچوں کا کپڑا خریدنا ہے۔ شادی واسطے۔" اتفاق ہی تھا اس نے گل خان اور چائے والے لڑکے شیرو کی باتیں سن لی تھیں۔

"ہاں مگر اب کیا کروں۔ صاحب نے چھٹی نہیں دیا اور ان کا بیگم صاحب "توبہ" خدایا وہ تو بازار میں گھس جائے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا۔ سارا گاڑی بھر کے آتا ہے۔ اتنا پیسہ خرچ کرتا ہے۔ ہم سے تو ایک جوڑا بھی نہیں لیا جاتا۔" خان گل نے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"ارے گل خان! تم دل چھوٹا مت کرو۔ ایسا کرو۔ یہ پانچ سو رکھو اور جاؤ اپنے بچوں کے کپڑے شپڑے جوتے۔ کچھ بھی لے لینا گاڑی میں گھر لے جاتا ہوں۔"

"نہ مگر کیوں۔ ہم کو نوکری سے نکلوائے گا صاحب ناراض ہو گا۔" اس نے کاشف کی تجویز پر اسے گھورا تھا۔

"گل خان! تم میرے بڑے بھائی کی طرح ہو۔ تمہاری مشکل کا مجھے احساس ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں گاڑی لے جاتا ہوں۔ تم اپنا کام پورا کر کے دوبارہ آفس آجانا۔ میں تم سے موبائل پر رابطہ رکھوں گا اور آفس کے باہر گاڑی تمہاری ہو گی۔"

"مگر۔" گل خان سوچ میں پڑ گیا۔

"گل خان! وقت ضائع مت کرو۔ آم کھاؤ پیڑ مت گنو۔" اس نے چابی اس کے ہاتھ سے جھپٹی اور یہ جا وہ جا۔ خان بابا ہکا بکا پانچ سو کے نوٹ کو دیکھے جا رہا تھا اور اس کا ذہن ایک ہی سوئی پر اٹکا ہوا تھا۔

"آم کہاں سے کھاؤں؟ بازار سے لے کر مگر یہ تو آموں کا موسم ہی نہیں ہے۔" وہ بار بار حیرت سے دہراتا باہر چل دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ جب خالد نے آکر گاڑی کے پہنچنے کی اطلاع دی۔

"آ رہی ہوں۔ تم یہ بیگ اٹھا کر لاؤ۔" اس نے بڑا سا شاپر بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے باجی؟" وہ سوال بہت کرتا تھا۔

"کچھ نہیں۔ جاؤ گاڑی میں رکھو۔" اس نے اسے گھورا۔ میرب کا چمچہ تھا وہ۔ ہر اطلاع اسے دیتا تھا۔ دس بیس کے لالچ میں۔ جبکہ ماہین کو کوئی اس سے کوئی خفیہ راز چھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے صرف ڈانٹ پھٹکار ہی ملتی تھی۔

وہ باہر آئی تو کاشف کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"تم۔ ڈرائیور آج پھر کہیں گیا ہوا تھا۔" اس کے سوال پر کاشف بے اختیار مسکرایا تھا۔

"نہیں۔ آج میں نے اسے کہیں بھیج دیا ہے۔" وہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" وہ بے ساختہ ٹھٹھکی۔

"کیونکہ میں خود آنا چاہتا تھا۔" کھلا اعتراف۔ اسے تو حیرانی سے سکتہ ہونے لگا۔ اس نے سنبھل کر قدرے غصے سے اسے دیکھا۔

"اور کیا مطلب؟"

"مطلب! یہ پھول دینے تھے آپ کو۔ آپ کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں۔" وہ سفید بے حد نازک خوبصورت ٹیولپ کے پھولوں کا گجے اسے دے رہا تھا۔

"ارے۔ مگر مجھے تو صحت یاب ہوئے بھی بہت دن ہو گئے ہیں اور تم اب۔"

"تب میں آ نہیں سکتا تھا' مجبور تھا حالانکہ دل تو بہت چاہتا تھا آپ کو دیکھوں۔" آپ سے ملوں۔" وہ سارے سچ' آج ہی کہہ دینا چاہتا تھا۔ ماہی کا دل بے اختیار دھڑکا۔

"اور اب۔ اب کس سے اجازت لی ہے تم نے۔" اس نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ! میرے دل نے میرے یقین نے اعتماد دیا کہ آپ بہت اچھی ہیں۔" آپ دوسروں کو کم تر نہیں سمجھتی ہیں۔ ان سے نفرت نہیں کرتی ہیں" آپ تو مہربان پری ہیں۔" اس کی بات پر اس نے بے اختیار اپنا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور باہر دیکھنے لگی۔ کاشف بیک ویو مرر سے اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ہوں۔" وہ چونکی۔

"آپ بہت اداس' پریشان سی رہتی ہیں۔ خوش کیوں نہیں رہتی ہیں؟" اس کے سوال پر ماہین نے بے اختیار کھڑکی سے باہر جھانکا۔

"میری عادت ہے۔" اسے احساس ہوا۔ اس کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

"عادتاً" تو کوئی اداس' پریشان نہیں رہتا۔ ہاں خاموش طبع ہو سکتے ہیں لوگ۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" اس نے اب کے مڑ کر [illegible] جھانک کر پوچھا جہاں وہ اپنی نظریں [illegible] ہوئے تھا۔

"آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ [illegible] نہ ہوا

کریں۔" اب لاڈ بھرا فرمائشی لہجہ تھا۔

"تمہیں کیا معلوم میں اچھی ہوں یا۔" وہ جان بوجھ کر طنز سے بولی۔

"میری نظر سے دیکھیں گی تو آپ کو معلوم ہو گا آپ کتنی اچھی ہیں۔ دنیا کی سب سے خوب صورت اور اچھی پری۔" کاشف نے بڑے کھلے الفاظ میں اسے سراہا تو اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"آپ نے میری بات کا برا مانا؟" اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ کاشف کو اس کی خاموشی خاصی سنگین لگی۔

"تم خاموش نہیں رہ سکتے ہو۔" اب کے اس نے گھورا۔

"خاموش آپ جو ہیں۔ میرا بولنا اگر آپ کو برا لگ رہا ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔"

"ہوں ایسی بہتر ہے۔" اس نے مالکانہ انداز سے کہا تو وہ اس کی بات پر مسکرایا اور سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرنے لگا۔

اسے رفعت کے ساتھ بازار جانا تھا۔ رفعت [illegible] پر تھوڑے پر وہ ہمیشہ اسے اس کی پسند کا [illegible] تھی۔ خواہ وہ مہنگا ہو یا سستا مگر وہ اسے [illegible] دیتی حالانکہ رفعت اس [illegible] بہت تکلف [illegible] ہو سامنے [illegible] دیتی ہو جبکہ [illegible] تمہیں [illegible]

"تم میری [illegible] بے کار [illegible] دوستی کا کیا [illegible] نہیں ہوتا۔" وہ ایک ہی جملے میں بات [illegible] دی تھی۔

"[illegible] جو مہمان آئے تھے۔ کیا کہا انہوں نے" رفعت نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بے حد آہستہ کان میں منہ گھسیڑ کر پوچھا تھا مگر چند انچ کے فاصلے پر آگے بیٹھے کاشف نے بغور اس کا سوال سنا تھا۔

"جواب مل گیا ہے۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔ اس کے تن من کو جھلسا رہا تھا یہ ذکر۔

"ہائے۔ کیوں؟" رفعت نے بے حد فکر مندی سے اسے دیکھا تھا۔

"نئے ماڈل کی گاڑی' فرنشڈ فلیٹ' اور بینک بیلنس۔ اتنی بڑی قیمت لگی ہے رفعت میری۔ کیا اس دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا بندہ نہیں ہے۔ جو مجھ سے صرف مجھ سے میرے لیے شادی کرے گا؟" [illegible] کے سوال پر اس نے بڑے دکھ سے [illegible] نہیں تھا۔ حسرت' محرومی' تشنگی کیا کچھ [illegible]

"ہو گا' ضرور ہو گا۔ تم کیا [illegible] ضرور ملے گا۔" رفعت [illegible] کی عادت تھی اور وہ اسے ایسی [illegible]

"میرا [illegible] نہیں ہے۔ بھلے وہ غریب [illegible] صورت ہو۔ مگر مجھ سے محبت کرے میری عزت کرنے والا ہو۔ کیا بہت [illegible] ہے میری۔" بڑی حسرت سے اس نے [illegible]

"نہیں بالکل نہیں۔" رفعت کو اس کے چہرے کی مایوسی اور اس پر پھیلی حسرتوں کی پیلاہٹ بھی بہت خوف زدہ کر دیتی تھی۔

"تو پھر سارے لالچی' خود غرض' مطلبی ہمارے ہی گھر کیوں آتے ہیں۔" غصہ میں اس کی آواز بلند ہو گئی۔ اور اس تمام عرصے میں سنجیدگی سے سامنے دیکھ کر گاڑی چلاتے کاشف نے پہلی بار مڑ کر اسے دیکھا۔

"ریلیکس... پلیز سنبھالو خود کو۔ پورا شہر جانتا ہے کہ تمہارے بابا کتنے امیر ہیں۔ اسی لیے۔"

"اسی لیے بہت اونچی بولی لگاتے ہیں۔ نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے جو کمائی کر کے بڑے دھڑلے سے لڑکی کے منہ پر اس کی برائیاں گنوا کر جاتے ہیں۔ بے رحم' ظالم' قاتل اور۔ اور۔"

اس کے اندر کی آگ یکدم بھڑکی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ چیخ و پکار شروع کر دیتی رفعت نے تیزی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا تھا۔

"وحشت۔ آہستہ! پاگل! ہم گاڑی میں بیٹھی ہیں اور وہ سن رہا ہے۔" یکدم اس کے توجہ دلانے پر نظر اٹھا پروائی اور بے نیازی سے ڈرائیو کرتے کاشف پر رکی تھی اور اس کی زبان کو تالا لگ گیا تھا۔ اس نے گھور کر رفعت کو دیکھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔

"تم بھی نا۔" ماہین نے غصے سے اسے چٹکی کاٹی۔

"تو۔ میرا کیا قصور ہے۔" رفعت نے اپنا بازو سہلایا۔

"تم نے یہاں یہ بات کیوں چھیڑی تھی۔" اس نے اپنا غصہ اس پر نکالا۔

"میں نے تو۔"

"گاڑی کہاں پارک کروں میڈم؟" اس کی بات درمیان میں ہی ادھوری رہ گئی تھی۔ کاشف کے سوال پر دونوں چونکیں۔ ان کی مطلوبہ مارکیٹ آ گئی تھی۔

"بس ادھر ہی روک لو اور تم بے شک چلے جاؤ۔ ہم تمہیں کال کر لیں گے۔"

"جی بہتر!" اس نے ایک نظر ماہین کو دیکھا جو بالکل خاموش تھی۔ پھر گاڑی کو تیزی سے موڑ کر پیچھے لے گیا تھا۔

بازار میں انہیں بہت زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ رفعت کو پرفیومز کا شوق تھا اور وہ شوق صرف ماہین کے ذریعے ہی پورا ہو سکتا تھا۔ اسی لیے وہ ہر اہم موقع پر پرفیوم ہی خرید لیتی تھی۔ طارق روڈ کی دکان سے وہ گفٹ خرید کر واپس ہوئیں تو انہیں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

"اب کیا کریں۔ تم نے اسے خواہ مخواہ بھیج دیا۔ آدھا گھنٹہ وہ انتظار کر لیتا۔"

"ہم کون سا روز روز بازار آتے ہیں۔ جتنی دیر میں وہ آئے گا۔ ہم ونڈو شاپنگ کر لیتے ہیں۔ [illegible] خوب صورت [illegible] آئے ہوئے [illegible]"

"خبردار۔ مزید لالچی بن [illegible] مت کرنا۔ اب میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"ارے تو میں کون سا اپنے لیے کہہ رہی ہوں۔ میں بھی تو تمہارے لیے ہی دیکھ رہی ہوں۔" اس نے چالاکی سے مسکرا لگایا تو ماہین نے اسے ایک دھموکا دیا۔

"جانتی ہوں تمہیں۔ ابھی میرا پھر تمہارا ہو گا وہ بے نا۔" وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی۔

"سو تو ہے۔" اس نے ڈھٹائی سے دانت نکالے۔

"اچھا چپ۔" اس نے نمبر ڈائل کر لیا تھا۔ انگلی سے اسے اشارہ کیا۔

"ہیلو کاشف کہاں ہو تم۔"

"آپ کے قریب۔" دھیمی دھیمی بھاری سی سرگوشی اس کے کان کے رستے سیدھی دل پر جا لگی تھی۔ اس نے چونک کر رفعت کو دیکھا جو شوکیس میں سجے ایک بیگ کو للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بکواس ہے۔ میں پوچھ رہی ہوں۔ تم کہاں ہو۔ ہمیں۔"

"اپنے پیچھے دیکھیں۔" وہ موبائل کان سے لگائے یکدم پلٹی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے حیرت سے اسے سر تا پا دیکھا۔

"تم۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آپ کا انتظار۔" اس نے [illegible] جواب دیا تھا۔

"ہمارا۔ مگر تم تو [illegible] گئے [illegible] واپس کیسے آ گئے۔"

"گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے دوبارہ آ گیا تھا اور تب سے [illegible] ساتھ ساتھ ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں نے سوچا نہ جانے کب آپ کو میری ضرورت پڑ جائے۔ آپ مجھے کیسے بلائیں گی۔"

"تمہارا نمبر میرے پاس تھا۔"

"یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تو نہیں دیا تھا۔ آپ نے کہاں سے لیا؟" وہ حد درجہ معصوم بن رہا تھا۔ ماہین کو غصہ آ گیا۔

"چلو۔ ہم آ رہے ہیں۔" اگلے ہی پل اس نے رفعت کا ہاتھ تھاما اور کاشف سے پہلے گاڑی میں آ بیٹھی۔

تمام راستے اس کا موڈ آف رہا تھا۔ رفعت بار بار اسے ٹہوکے دے رہی تھی مگر اس نے بھی زبان نہ کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رفعت کو اتار کر وہ اپنے گھر والے راستے پر آ گئے تھے۔ تب اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کیا سمجھتے ہو تم خود کو۔"

"کچھ بھی نہیں۔ آپ کے سامنے تو کچھ بھی نہیں۔ معافی چاہتا ہوں، میرا [illegible] آپ کو برا لگا۔ میرا مقصد آپ [illegible] نہیں تھا۔"

"تم [illegible] مقصد ہوتا ہے۔ [illegible] دکھانا [illegible]"

[illegible] گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ "بالکل غلط۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اس ہستی کا مذاق اڑاؤں گا جو میرے لیے انتہائی محترم، انتہائی قیمتی اور قابل عزت ہے۔ جو میری محسن ہے۔"

"یہاں کوئی کسی کا احسان نہیں مانتا۔" وہ حد درجہ بدگمان ہو رہی تھی۔ کاشف نے دکھ سے سر جھکا لیا۔

"میں کیسے آپ کو یقین دلاؤں۔"

"مجھے یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو۔" اس نے کاشف کی بات کاٹی۔ وہ سڑک کے درمیان میں کھڑے تھے اور گاڑیاں دائیں بائیں ہارن بجاتے راستہ بنا رہی تھیں۔

"آپ جب تک مجھے معاف نہیں کریں گی۔ میں نہیں چلوں گا۔"

"کیا۔" اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سائیڈوں سے گزرنے والی ٹریفک کے سوار شیشے سے جھانک کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اور۔

"چلو۔" یک دم وہ غصے سے چیخی۔ "میں نے تمہیں معاف کیا۔"

اس سے پہلے کہ یہاں کوئی نیا تماشا لگتا اس نے جلدی سے خود پر قابو پایا تھا۔

"او کے۔" کاشف نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ ماہین [illegible] سنجیدگی سے گاڑی سے باہر جھانک [illegible] وقفے وقفے سے اس پر ایک نظر ڈال [illegible] کے سامنے جونہی گاڑی رکی اس نے تیزی سے [illegible] سمیٹنے شروع کر دیے۔

"سنیں ماہین! میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے بینک بیلنس، گھر بنگلہ، گاڑی اس سب کے بغیر شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی محبت میں۔ صرف آپ کے لیے۔" وہ اسی کچھ دیر قبل بولے جانے والے الفاظ دہرا رہا تھا۔ ماہین جہاں کی تہاں ساکت ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر کاشف کو دیکھا۔

"ہمدردی کر رہے ہو یا احسان کا بدلہ چکانا چاہتے ہو؟"

کیسی کاٹ تھی اس کے اس ایک جملے میں۔ کاشف کو بھی اپنے آپ کو سنبھالنے میں وقت لگا تھا۔

"نہ ہمدردی نہ احسان۔ محبت۔ صرف اور صرف محبت۔"

اس نے بڑے بااعتماد انداز میں جواب دیا تھا مگر پتا نہیں کیوں ماہین کو اس کے لفظوں سے بڑے زور کا رونا آیا تھا۔ اس نے اپنی ساری شاپنگ وہیں چھوڑی اور بھاگتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

کاشف حیرت زدہ سا سارے شاپرز سمیٹ رہا تھا اور وہ کمرے میں اپنے آنسو۔

"محبت۔ صرف اور صرف محبت۔" جوں جوں وہ سوچ رہی تھی اسے شدت سے رونا آ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے یقین ابھی کیسے آ سکتا تھا اس کے لیے تو لفظ "محبت" بڑا اجنبی سا تھا۔ بچپن سے آج تک کبھی کسی نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔ نہ محبت جتائی تھی نہ سکھائی تھی۔ محبت کی بے یقینی اس کے اندر ببول کی طرح اگی ہوئی تھی۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ بینک بیلنس، بنگلہ، گاڑی اور دولت کے بغیر، سب کے بغیر، صرف

"آپ کی محبت میں، آپ کے لیے۔"

اس نے پچاس دفعہ اس کے جملوں کو خود دہرایا تھا۔ ایک ایک لفظ پر دل دھڑکا تھا اور روح گائی تھی۔ رواں رواں کھڑا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس پر سے گزری تھی۔

"کیا واقعی۔ کیا واقعی؟" ہر بار یقین کرنے سے قبل اس نے سوچا تھا۔ کاشف کے الفاظ میں کوئی کھوٹ، کوئی ریاکاری، کوئی جھوٹ لالچ، غرض نہیں تھی۔ تو وہ جو محبت کی بوند بوند کو ترسی ہوئی پیاسی دھرتی کی طرح تھی، اس بن بادل برسات میں بھیگتی چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرب اور ماما دونوں بہت دیر سے نہ جانے کس مسئلے کو ڈسکس کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے دو تین دفعہ انہیں دیکھا تھا۔

"ابھی تم اسے ڈنر پر انوائٹ کرو۔ میں اس سے ایک بار مل لوں پھر۔ پھر عالیہ سے بات ہوگی۔"

"ماما! وہ اپنی مام سے مجھے ملوانا چاہتا ہے۔"

"ابھی نہیں۔ میں اس سے مل لوں تب۔ جلد بازی میں، میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی۔" ان کے انداز پر ماہین کو ہنسی آگئی۔

"ماما! عالیہ آنٹی بہت جلدی میں ہیں۔ وہ چاہتی ہیں ایان کی شادی کر کے وہ لندن چلی جائیں گی۔"

"لندن میں کون ہے اس کا۔" سارا چونکی۔

"ان کی بہن بھائی، کزنز، ساری فیملی ہی وہاں رہتی ہے۔"

"تو ایان کو یہاں کیوں چھوڑیں گی۔ اسے بھی شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ جانے کا [illegible] ماننا چاہیے۔" سارا بہت دور تک کی سوچ رہی تھیں۔

"ماما! لندن جانا کون سا مشکل [illegible] ایان کے لیے۔ ہم تو ہنی مون [illegible] ورلڈ ٹور پر۔" میرب کے فخریہ [illegible] ماہین کو دیکھ کر مزید اترا ہٹ آگئی تھی۔ ماہین [illegible] سے دیکھا۔

"یہ عالیہ بیگم بڑی چالاک عورت ہے۔ تم اسے نہیں جانتی ہو میرب۔ اتنی آسانی سے اپنی بہو کو اتنی آزادی دینے والی نہیں لگتی۔"

"ماما! وہ آزادیٔ نسواں کی ممبر ہیں۔" میرب نے انہیں گویا یاد دلایا تھا۔

"ہاں اور ایسی ہی عورتیں عورتوں کی آزادی کی سب سے بڑی دشمن ہوتی ہیں۔"

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنا حق لینا جانتی ہوں۔" اور میرب کی اس خوش خیالی کا تو انہیں بھی بخوبی اندازہ تھا۔ تب ہی ان کی نظر وہاں سے گزرتی ماہین پر پڑی۔

"ماہین۔"

"جی ماما۔" وہ ٹھٹکی۔

"ثروت کا فون آیا تھا۔۔۔؟" سارا کے سوال پر اس نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔

"نہیں ماما! آج تو بات نہیں ہوئی۔ کیوں خیریت؟"

"ہاں۔" انہوں نے مبہم سے انداز میں مسکرا کر اسے دیکھا۔ میرب چونکی۔

"ماما! آج آپ کو پھپھو کا خیال کیسے آگیا؟"

"اس نے مجھے فون کیا تھا۔ ماہین [illegible] کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

ماہین بے ساختہ ٹھٹکی [illegible] دلچسپی سے انہیں دیکھا۔

"پھر کیا کہا [illegible]"

"وہی [illegible] تھا۔" سارا نے قہقہہ لگایا۔

ماہین [illegible]

"[illegible] بے چاری ماہین کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہیں۔ انہیں خوف ہوگا۔ اس کی بھی شادی نہیں ہوگی۔" میرب نے ہنس کر مذاق اڑایا تھا۔

"تم توبہ توبہ۔ اللہ نہ کرے میرب! ایسے نہ کہو۔ یہ ماہین سارا وقت یہاں۔" سارا نے جھرجھری سی لی تھی۔

"شکر ہے پھپھو یہاں نہیں رہتیں۔ اتنے سارے بد صورت لوگوں کو دیکھ کر تو مجھے خفقان

ہونے لگتا۔" میرب نے منہ اترا کر کہا تھا۔

"اتنا برا بولو! اللہ سے ڈرو۔" ماہین نے اسے غصے سے گھورا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔" سارا نے اسے گھورا تو وہ اپنے کمرے میں آگئی اور آتے ہی سب سے پہلے ثروت کو فون کیا۔

"آپ نے ماما سے کیوں بات کی؟ مجھے پتا تھا۔ میں بتا دیتی کہ میں [illegible]" اس نے بے حد غصے اور بے [illegible]

"کیا ہو گیا ہے ماہی [illegible] بیٹی! سارا تمہاری ماں ہے۔ اگر میں [illegible] اب ماہین کی طبیعت کیسی ہے [illegible] نے پوچھتے پوچھتے یکدم رک [illegible] تھی۔

"اور کیا کیا کہا تھا ماما نے آپ کو۔" اس نے [illegible] یہاں سے ہی اس کی بات پکڑی تھی۔ ثروت نے گہرا سانس لیا۔

"کچھ نہیں کہا تھا ماہی! تم اتنی ضدی کیوں ہو جاتی ہو۔" ثروت جھنجلائی۔ "اور میں نے سارا سے اسی لیے پوچھا تھا کہ وہ تمہاری ماں ہے۔ اسے احساس ہو گا کہ اس نے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ مجھے اگر وہ کچھ کہتی ہے تو کہتی رہے۔ میں تو پہلے بھی اس کی سنتی تھی۔ اب بھی سن لیا۔" وہ بڑے ٹھنڈے انداز میں بولی تھی۔

"پھپھو! وہ آپ پر اتنے طنز کرتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ میرا کیا بگڑ جاتا ہے۔"

اسے پھپھو کی اس نرمی پر غصہ آتا تھا۔ وہ کبھی بھی پلٹ کر ماما کو جواب نہیں دیتی تھیں اور ماما ہمیشہ کہتی تھیں کہ اس عورت کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی ہے۔ اس نے مجھے بہت تنگ کیا ہے۔

"پھپھو! ہر زیادتی خاموشی سے سہہ جانے والی نہیں ہوتی۔ آپ کو احتجاج کرنا چاہیے۔" اس نے جواب دے کر کھٹ سے فون بند کر دیا تھا۔ اور ثروت ریسیور ہاتھ میں لیے گم بیٹھی تھی۔

"ہر زیادتی سہہ جانے والی نہیں ہوتی۔ آپ کو احتجاج کرنا چاہیے۔" اس پر [illegible] سرکشی اور بغاوت اب اس کے [illegible] سر اٹھانے لگی تھی اور ثروت اسی وقت [illegible]

[illegible] دن پہلے جب ماہین کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی اور اسے ہاسپٹلائز کیا گیا تھا تب انہوں نے سارا کو فون کیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟"

"ٹھیک ہے۔" سارا کے لہجے میں بلا کی لاپروائی تھی۔ ثروت نے گہرا سانس لیا۔

"کیا ہوا تھا اسے۔۔۔!" اس کا پوچھنا گویا غضب ہو گیا تھا۔

"کیا ہوتا ہے اسے۔ تم جانتی ہو اچھی طرح۔ جب بھی کوئی رشتے سے انکار ہوتا ہے تو اسے جنون اور پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اب اس میں ہمارا کیا قصور۔ خاندانی مسئلہ ہے یہ۔ تمہیں بھی تو شادی سے قبل ایسے دورے پڑتے تھے نا۔" سارا علوی کو تو خدا موقع دے ثروت کے خاندان کو رگیدنے کا۔

"ہاں پڑتے تھے مگر میری ماں تمہارے جیسی نہیں تھی۔ اسی لیے میں آج اس جگہ نہیں پہنچی ہوں جہاں ماہین ہے۔ خدا کے لیے سارا! اب تو ہوش کرو۔ لاپروائی خود غرضی سب کے ساتھ تو چل جاتی ہے مگر اپنی اولاد کے معاملے میں لاپرواہ ماؤں کو معاشرہ معاف نہیں کرتا۔"

"بڑا تجربہ ہے تمہارا ماؤں اور بچوں کے حوالے سے۔ حالانکہ تمہاری تو شادی ہی نہیں ہوئی پھر۔" اس کے گھٹیا انداز اور گفتگو پر ثروت کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ وہ بھی کس پتھر سے سر پھوڑنے لگی تھی۔

"سارا! کبھی تو سنجیدگی سے بات سن لیا کرو۔ میں تو تمہارے ہی بھلے کو۔"

"میرا بھلا چاہنے والے بڑے لوگ ہیں۔ تم کیا میرا بھلا چاہو گی۔ وہ وقت بھول گئیں جب تم اماں کے کان بھرا کرتی تھیں کہ میں اچھی عورت نہیں ہوں اور مجھے میکے مت جانے دو۔ میکے میں میرا میرے کزن راحیل

"ہے چلو یہ تو اچھی بات ہے۔"

سارا کو خاموش کر کے اور اپنی باتیں دہرانا بہت پسند تھا۔

"تب بھی میں غلط نہیں تھی سارا! اور اب بھی میں غلط نہیں ہوں۔ غور ضرور کرنا میری بات پر۔"

اس نے اسے غور کرنے کا کہہ کر فون تو بند کر دیا تھا مگر پھر بہت عرصے تک خود اس کی باتوں سے دھیان نہیں ہٹا سکی تھی۔

سارا نے اب تک اپنے دل میں وہ بات دبا رکھی تھی اور شاید یہی بات وہ وجہ تنازعہ بن گئی تھی جس کے بعد سارا نے اس سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اور اب ماہین ...! وہ کہہ رہی تھی کہ جواب دینا ہوتا ہے۔ ثروت نے پریشانی سے توتے کے پنجرے کو دیکھا۔ ایک توتے نے دوسرے کو ٹھونگیں مار مار کر زخمی کر دیا تھا۔ وہ اکثر ہی ایک دوسرے کو زخمی کر دیا کرتے تھے۔ کبھی گھونسلے پر جھگڑا تو کبھی مٹی کی لگی ہانڈیوں پر قبضے کا مسئلہ۔

"انسان اور جانور میں اس وقت کیا فرق رہ جاتا ہے۔ جب دونوں ہی قبضے اور حکمرانی کے لیے کمزوروں کو دباتے اور مظلوم کو بے دخل کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔" اس نے کشمکش کر کے دونوں زخمی توتوں کو الگ کیا۔ انہیں دانہ ڈالا تو وہ اپنے اپنے جھگڑے بھلا کر فوراً "کھانے لگے تھے۔ ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ ثروت کے لبوں پر رینگ گئی۔

"سارا جھگڑا اسی ... کا ہے۔ سارا بکھیڑا ہی پیٹ کا ہے۔" وہ سوچتی ہوئی گھر کے اندرونی حصے کی جانب آ گئی۔ جہاں اس کا کام ادھورا پڑا تھا اور وہ ماہین کا فون سن کر الجھ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ نواز اکرم کے آفس میں کھڑا تھا۔ ایک [illegible] ڈسکشن کے لیے اسے بلایا تھا نواز اکرم نے [illegible] ساتھ ہی ہیڈ کلرک نعیم صاحب کو [illegible]

"نعیم صاحب! ڈرائیور آ گیا ہے [illegible]"

"وہ نہیں سر ... ابھی تک تو نہیں آیا۔"

"اوہو ... گاڑی گھر والوں نے منگوائی تھی۔ دیر ہو جائے گی۔" نواز اکرم نے پریشانی سے کہا۔

"سر! میں چلا جاتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں۔"

"تم ...؟" انہوں نے چونک کر کاشف کو دیکھا۔

"ہاں سر! کاشف چلا جائے گا۔ بڑا ایکسپرٹ ڈرائیور ہے۔"

"اچھا۔" نواز اکرم نے ایک پل سوچا۔ "ٹھیک ہے۔ یہ چابی لو۔" انہوں نے چابی اسے دے دی۔ کاشف کی تو دلی مراد بر آئی تھی۔

"تھینک یو سر!" وہ سر جھکا کر تابعداری سے کہتا باہر نکلا۔

"بہت اچھا لڑکا ہے یہ سر! محنتی، نیک، شریف آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ آپ ہی کے زیر سایہ تو پلا بڑھا ہے۔" نعیم صاحب کی اتنی تعریفوں پر وہ چونکے بغور انہیں دیکھا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ اچھا لڑکا ہے۔"

"سر! اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک آئیڈیا دوں۔" نعیم صاحب کے لہجے میں کچھ خاص بات تھی [illegible] بے اختیار چونکے۔

"نعیم صاحب! آپ میرے بزرگ [illegible] رہا ہوں۔ آپ [illegible]"

"سر! آپ نے پچھلے دنوں [illegible] کے رشتے کے سلسلے میں مجھ سے [illegible] کاشف کے لیے [illegible]"

"نعیم [illegible]" اتنی بڑی بات اس کے منہ سے سن کر حیرت [illegible] نہیں ہوئے بلکہ تاسف اور [illegible] آواز بلند بول اٹھے۔

"[illegible] کہنا چاہتا ہوں صاحب! مگر چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ میرا تجربہ اور عمران معاملوں میں آپ سے زیادہ ہے۔ تین بیٹیوں کی شادی کر چکا ہوں اور دو باقی ہیں۔ زمانے کو آپ سے زیادہ ان معاملوں میں پرکھا ہے۔ اگر آپ اپنا معیار ڈھونڈتے رہیں گے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ کچھ لو کچھ دو کے اصول پر عمل کریں۔ یہ

لڑکا محنتی، ایمان دار، مخلص ہے اور آپ کا تحت ساری عمر دب کر رہے گا اور ماہین بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔ آپ ... آپ میری بات پر غور کیجیے گا۔" نعیم صاحب بڑے ادب سے انہیں سب کچھ بتا کر کمرے سے نکل گئے تھے اور اب نواز اکرم [illegible] تھے۔

"تم اپنا اسٹینڈرڈ دیکھتے رہو گے تو بہت [illegible] جائے گا۔ فلیٹ، کار، کاروبار [illegible] ہے۔ کیونکہ وہ تمہاری [illegible] کے انڈر نہیں ہے جائیں گے۔ [illegible] نظر جھکاؤ۔ تمہارے اور [illegible] ایسا لڑکا مل جائے جو ماہین کو خوش [illegible] سے کچھ دو گے تو وہ احسان مند ہو [illegible] ماہین کو خوش بھی رکھے گا اور تمہارے لیے [illegible] نہیں ہو گا۔ نواز! ماہین کے لیے تمہیں [illegible]"

ایک بار ثروت نے ان کی پریشانی دیکھ کر انہیں سمجھایا تھا۔ تب انہوں نے ثروت کی بات کا خاصا برا مانا تھا۔

"کمال ہے ثروت! تم یہ کہہ رہی ہو کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے سے کم تر کسی غریب لڑکے سے کر دوں تاکہ وہ ساری عمر میرا احسان مند رہے۔"

"تمہارا نہیں ماہین کا کیونکہ جن لڑکیوں کے میکے مضبوط ہوتے ہیں انہیں تحفظ کا احساس بھی زیادہ ہوتا ہے۔ غور کرنا میرب کے لیے میں تمہیں کبھی بھی ایسا نہیں کہوں گی۔ مگر ماہین ..."

اور ان ادھوری بات کا مکمل مفہوم نواز اکرم کی سمجھ میں آ گیا تھا مگر تب سے آج تک ان کی نظروں سے کوئی ایسا لڑکا نہیں گزرا تھا کہ وہ اسے ماہین کے لیے منتخب کر لیتے ویسے بھی وہ بہت بڑے بزنس مین تھے اور ان کا سوشل سرکل اپنے جیسے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ان رشتوں کی ڈیمانڈز پوری کرنا ... قابل قبول نہ تھا کہ مسئلہ دولت کا نہیں تھا بلکہ وہ دو بیٹیوں کے باپ تھے اور ماہین کے بعد میرب کے لیے بھی ڈیمانڈز ہو سکتی تھیں۔

"تو کیا مجھے ... سوچنے میں کیا حرج ہے۔" بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد بالآخر وہ اس نکتے پر آ ہی گئے تھے۔

"ایک خوب صورت، اسمارٹ، سمجھ دار، ذہین اور سب سے بڑھ کر میرا ملازم ہے۔ وہ ماہین کو کوئی بات نہیں کہہ سکے گا اور نہ ہی کوئی ڈیمانڈ دے سکے گا۔ اگر ماہین راضی ہو جائے تو!"

اب ان کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا اور جوں جوں سوچ رہا تھا اسی رفتار سے کاشف کے حق میں ہو رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

آج پھر عالیہ نے آیان واسطی کی کلاس لی تھی۔

"ماما! میں کسی لڑکی کو فون نہیں کرتا ہوں اور نہ ہی کسی سے بات کرتا ہوں۔ وہ سب مجھے خود ..."

"ہاں! تم شہزادہ گلفام ہو نا ...؟" انہوں نے غصے سے اس کی بات کاٹی۔ "اس میں کیا شک ہے۔ آپ کا چاند ہوں نا۔"

"مگر تمہاری حرکتیں؟ رات واسطی نے مجھے تمہاری وجہ سے بہت شرمندہ کیا ہے۔"

"پاپا کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ وہ آپ کو یعنی میری والدہ ماجدہ کو شرمندہ کریں۔" وہ مچل کر ان کے گھٹنے پر لیٹ گیا تو عالیہ نے پیار سے اس کے بال بگاڑ دیے۔

"تم نے ضرور کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتا ہو گی ہے کہ مجھے تمہاری وجہ سے ان کی باتیں سننا پڑتی ہیں پھر وضاحتیں اور تلافی کرتی رہتی ہوں۔"

"ماما! پاپا کتنے بور انسان ہیں۔ ایک دم شش ... اتنے ہینڈسم اسمارٹ بندے نے اتنی صاف ستھری لائف بلکہ بور لائف کیسے گزاری ہے۔ کوئی عشق نہ معاشقہ۔"

"بدتمیز! میرے سامنے ایسی بے ہودہ تجویز دے رہے ہو۔ تمہارے پاپا نے سن لیا تو!" عالیہ نے اس کا کان زور سے دبایا تو وہ چیخ اٹھا۔

"آ ... ماما ... آئی میرا کان ... ماما کیا ہے۔"

"آپ کو علم تو ہے کہ میرا کلن کتنا نازک ہے۔ پھر بھی اف!"

"ایسی غلط تجویزیں اپنے باپ کو دے کر۔ میرا گھر برباد کرنا چاہتے ہو۔ وہ تو اب بھی اتنے ہی حسین ہیں جتنا کہ جوانی میں تھے اور کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل بن سکتے ہیں۔" عالیہ کی بات پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"ماما مان گئیں نا آپ۔"

"بدتمیز... میرا دھیان ادھر ادھر مت بھٹکاؤ۔ تم میری بات پر غور نہیں کر رہے ہو۔ وہ تمہاری میرب نواز کب لے کر جاؤ گے مجھے اس کے گھر؟"

"بہت جلد۔ فی الحال تو اس نے مجھے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔ میں اس کی ماما کو پسند آگیا تو!"

"واہ... یہ کیا الٹ اصول ہوا ان کا۔ پہلے لڑکی کو پسند کیا جاتا ہے۔ پھر لڑکے کو اور میرے لڑکے میں نا پسند کرنے والی کون سی بات ہے۔ تمہیں کوئی ریجیکٹ نہیں کر سکتا ایان۔ تم لاکھوں میں ایک ہو میری جان! وہ لڑکی خوش قسمت ہو گی جو تمہاری لائف پارٹنر بنے گی۔"

"اوہ یس آئی نو آر اینڈسم لیکن یہاں مقابلہ کانٹے کا ہے۔"

"تو... تم خود کو اس سے کم تر سمجھ رہے ہو۔" عالیہ کے لہجے میں تاسف اور طنز تھا۔ "وہ لڑکی جتنی بھی حسین ہو مگر میرے شہزادے کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ تم لاکھوں میں ایک ہو۔ لڑکیاں ہزاروں حسین اور خوب صورت ہوتی ہیں مگر لڑکے وہ بھی تم جیسا لڑکا؟ خوش قسمت تم نہیں وہ ہے۔"

"ارے مام... آئی نو میں کیا ہوں۔ میں تو صرف میرب سے محبت کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔" وہ بڑے غرور سے اپنے بال سنوارتا ہوا کہہ رہا تھا۔ کیسا رعونت بھرا، متکبر انداز تھا اس کا۔

"محبت کو محبت کی جگہ رکھو۔ اسے [illegible] کرو۔" عالیہ واسطی کو بیٹے کا [illegible] کی تعریف کرنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ انھوں نے بچپن سے اپنے اکلوتے اور حسین ترین بیٹے کو یہ احساس دلایا تھا کہ وہ بہت خاص ہے اور اسے خاص تر رہنا ہے۔

اسے عام بچوں کی طرح نہیں پالا گیا تھا۔ عالیہ واسطی نے اسے بچپن سے ہی برانڈڈ کپڑے اور جوتے پہنائے تھے۔ اسے ہر طرح سے خاص ہونے کا شرف حاصل تھا۔ واسطی صاحب کی لاکھوں کی جائیداد اور عالیہ کا نام اور رتبہ۔ سب اسی ایک بچے کے لیے تھا۔ اسے بہت بچپن سے ہی اپنے اکلوتے پن کا احساس تھا۔ اور تب سے اس نے خود کو کسی شہزادے کی طرح سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ہر چیز اعلا، ہر کام میں فوقیت۔ اور رب اللہ نے جی بھر کر نوازا تھا۔ ناز نخروں، لاڈ پیار نے اسے حد سے زیادہ بگاڑا تو نہیں تھا مگر خود سری اور من مانی کی عادت ضرور ہو گئی تھی۔

لڑکیوں سے دوستی 'انہیں فول بنانا' ان کے ساتھ انجوائے کچھ وقت گزارنا۔ پھر دل بھر جانے پر چھوڑ دینا۔ نہ جانے کتنی لڑکیوں کو وہ چھوڑ چکا تھا اور کتنی اس کی لسٹ میں تھیں۔ مگر ان تمام میں وہ اگر سنجیدہ ہوا تھا تو میرب نواز کے لیے جسے دیکھتے ہی اس کے دل نے گواہی دی تھی کہ یہی ہے وہ۔ جس کی اسے تلاش [illegible]

☆ ☆ ☆

وہ ماہین کو لے کر آج پہلی بار [illegible] تھا اور دونوں اب [illegible] ریت پر چہل قدمی [illegible]

"تم نے [illegible] نہیں اس دن [illegible] بتائے تو نہیں [illegible]"

"میں [illegible] کیا تھا کیونکہ میں خود [illegible] آپ [illegible]"

"[illegible] آپ جناب کہنا چھوڑ دو۔" اس نے [illegible] ٹوکا تو وہ بے اختیار ہنسا۔ "اب پہلا قرینہ محبت کے قرینوں میں۔"

"محبت کے قرینوں میں..." وہ ٹھٹک کر رکی۔ ایک بڑی لہر اس کے پاؤں سے ٹکرائی تھی اور قدموں تلے سے جاتے ہوئے ریت نکال کر لے جا رہی تھی۔ اس نے بے اختیار گرنے سے بچنے کے لیے کاشف کا بازو تھام لیا اور یکدم اسے لگا کہ اسے کرنٹ لگا ہے۔ پانی میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے بازو سے اٹھایا۔

"آپ میرا سہارا لے سکتی ہیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کو گرنے نہیں دوں گا۔"

"جانتی ہوں۔" اس نے دور تک پھیلے سمندر کو دیکھا۔ کیسا سرکش ہو رہا تھا آج بھی [illegible] اونچی لہریں اٹھ رہی تھیں کہ [illegible] ہو گیا تھا۔

"میں نے ماما کو نہیں بتایا کہ [illegible]..." وہ اب سنبھل [illegible] کاشف نے بغور اسے دیکھا۔

"[illegible] جاتی ہے۔ روزانہ ہی وہ کسی نہ کسی [illegible] پر ہوتی ہے۔"

"تم [illegible] جانتے ہو یہ بات؟" وہ ٹھٹکی۔

"جانتا ہوں میں بھی اور اس شہر کی آدھی آبادی بھی۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے یار! تم کیوں [illegible] محسوس کر رہی ہو۔"

"میں میرب جیسی نہیں ہوں کاشف!"

"تم اس جیسی بننا بھی مت۔ مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتی۔"

"کیوں...؟" وہ ٹھٹکی اور بغور اسے دیکھا۔

"خود کو نہ جانے کیا سمجھتی ہے۔ لیڈی ڈیانا... منہ سیدھا نہیں ہوتا اس کا۔ جب بھی ملتی ہے مجھے ملازموں کی طرح ٹریٹ کرتی ہے۔"

"عادت ہے اس کی۔ وہ سب سے ایسے ہی بولتی ہے۔ تم فیل مت کرو۔"

"ہوں! مجھے کیا ضرورت ہے فیل کرنے کی۔ میں تو اسے... چھوڑو یار! وہ ہمارے درمیان کہاں سے آگئی۔ ہم یہاں انجوائے کرنے آئے ہیں۔ اسے ڈسکس کرنے نہیں۔ اگر اس کی لائف میں ہماری کوئی اہمیت نہیں ہے تو پھر ہماری لائف میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہے۔"

کاشف نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ وہ بے اختیار چونکی۔

"[illegible] سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ [illegible] گا۔ اتنی جلد۔"

"[illegible] آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ [illegible] ماہین نے فوراً اپنی نظریں اس کے خوب صورت چہرے سے ہٹائیں۔

"تم بہت خوب صورت ہو کاشف اور میں...!"

"مجھے خوب صورتی کی نہیں خوب سیرتی کی تلاش تھی میری جان اور تم بہت خوب صورت، حساس، نرم دل کی مالک ہو۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے سوائے تمہارے اور تم بھی اپنے ذہن سے وہ سب نکال دو جو تمہیں مجھ سے خدشات ہیں۔ میں تمہیں کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔ ہمیشہ تمہارا بن کر رہوں گا۔" وہ ایک ٹک اپنی چاہت کا یقین دلاتے کاشف کو دیکھ رہی تھی۔

"تم... تم واقعی مجھے کبھی میری بد صورتی کا احساس نہیں دلاؤ گے؟"

"ہرگز نہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تم زندگی کے کسی موڑ پر پچھتاؤ گے تو نہیں کہ تم جیسے خوب صورت اور حسین مرد کو مجھ جیسی بد صورت عورت مل گئی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی اپنے سارے خدشات ایک ایک کر کے اسے بتا رہی تھی۔

"میں نے تمہیں... چاہا ہے۔" کاشف کا بازو اس کے کندھوں پر آ ٹکا تھا۔

"تم مجھے دھوکا تو نہیں دو گے۔" وہ حد درجے بدگمان تھی اور یقین چاہتی تھی۔

"خود کو بھی کبھی کسی نے دھوکا دیا ہے۔" اس نے آہستہ سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں کاشف!" اس نے دھیرے سے اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا اور کاشف کے بازو کا حصار اس کے گرد تنگ ہونے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

کاشفہ حسین

غلام والدین غلام بچے

اماں کے غصے کا سورج نصف النہار پر تھا' یعنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ظاہر ہے صبح ہی صبح بہو بیگم سارے بچے چھوڑ کر خود اسکول جانے لگیں تو اور کیا ہوگا؟

صبیحہ نے بھی قسم کھائی ہوئی تھی کہ وہ کچھ نہیں بولے گی' شہر کے مشہور و معروف اسکول میں بچے پڑھانے کا بھگتان تو بہر حال اسے ہی بھرنا تھا' اسکولوں کی فیسیں بھر بھر کر اب تو عادل بھی تنگ آگئے تھے' بالوں میں وقت سے پہلے سفیدی آگئی تھی' [illegible] میں یہ اطمینان تھا کہ ہمارے بچے بہترین انگریزی بولتے ہیں' جو ہمیں نہ ملا ہمارے بچوں کو مل جائے' صبیحہ نے بھی کافی عرصہ شہر کے نمبر دو اسکولوں میں پڑھایا تھا' جہاں ایک' دو فر فر انگریزی بولنے والی استانیاں سامنے کر دی جاتیں' پس پردہ وہی دو نمبر اردو بولنے والی ٹیچرز ہوتیں' اسی لیے صبیحہ نے اپنے بچوں کے لیے یہ اسکول چنا جہاں بچوں کے والدین سے بھی انگریزی میں بات کی جاتی' چاہے وہ ہکلا ہکلا کے مر جائیں۔

"ہم نے بھی آٹھ' آٹھ بچوں کو پڑھایا۔ غضب خدا کا ایسے چونچلے نہ دیکھے' نہ سنے' اب بھلا چار سال کے بچے کی اوقات کیا کہ اس کی ماں کو اسکول بلایا ہے' پچھلے ہفتے تیسری جماعت والی کے لیے بلایا تھا' وہ تو شکر ہے تین ہی بچے ہیں' ہماری طرح آٹھ بچے ہوتے تو دو مہینے یہ پیشیاں بھگتنی پڑتیں۔"

پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کے لیے [illegible] صبیحہ مسکرا دی' اماں کے حسن [illegible] وقت ممکن نہ تھا' مگر اس نے [illegible] کر لیا۔

"لیٹ ہو گئی تو گیٹ بند ہو جائے گا۔" صبیحہ نے عادل کے سامنے عرضی ڈالی "ذرا راستے میں مجھے اسکول ڈراپ کر دیں۔" دس بجے کا ٹائم تھا اور ساڑھے نو ہو رہے تھے' اسکول کے سرکلر میں وقت کی پابندی کی ہدایت تھی' ورنہ گیٹ بند کر دیے جاتے' مگر عادل نے گھڑی دیکھی اور نرمی سے کہا۔

"میں خود لیٹ ہو جاؤں گا' تم رکشا سے چلی جاؤ۔"

صبیحہ جل ہی گئی اور کہا۔

"پیرنٹ ٹیچر میٹنگ ہے' صرف ماؤں کی تو ذمے داری نہیں ہے' کچھ باپوں کا بھی حق ہوتا ہے۔" عادل مسکرا کر کہنے لگے۔

"اسکول والوں سے کہنا' فیس تو ہم ہی دیتے ہیں' دیکھنا' باپ کیسے حق نبھاتے ہیں؟"

بھاگم بھاگ اسکول پہنچی تو [illegible] کے پاس والدین کی لمبی لمبی لائنیں [illegible] وقت میں مبتلا ہو گئی' کنڈر گارٹن [illegible] کی کلاس ون سے پہلے کے چار [illegible] چھوٹے چھوٹے بچوں کی مائیں اپنے بچوں [illegible] کے لیے کتنی فکر مند ہوتی ہیں۔

صبیحہ [illegible] بہت سی مائیں بچوں کی کاپیاں لیے [illegible] ہیں اور ٹیچرز سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ بچوں کو ابھی تک یہ اور یہ کیوں نہیں لکھنا سکھایا؟

یا وحشت؟ صبیحہ نے سوچا' G کی گولائی صحیح بنانے کے لیے فکر مند مائیں۔

برابر میں پریپ ون ہی کے کسی بچے کی ماں نے کہا۔

"میرا بچہ ریڈنگ میں بہت تیز ہے' کلاس میں سب سے آگے ہے' چار ریڈر انگریزی کی مخصوص کتابیں



جو او لیول کے بنیادی سالوں میں پڑھائی جاتی ہیں' گھر لا چکا ہے' جبکہ باقی کلاس کے بچے دوسری یا تیسری پر ہیں۔"

فخر اس کے حرف حرف سے ٹپک رہا تھا' صبیحہ نے بے زاری سے برابر بیٹھی اپنے بیٹے کی دوست کی اماں سے کہا۔

"بچہ نہ ہوا ریس کا گھوڑا ہو گیا' ہم اپنے بچوں کو میڈل کی طرح گلے میں سجانا چاہتے ہیں' ماں باپ کو یہ کون سی بیماری لگ گئی ہے کہ کسی طرح ان کا احساس کمتری کم ہونے میں نہیں آتا؟"

انیسہ نے اس کے کان میں کھسر پھسر کی۔ "اب اسے بھی نہ کہو' ظاہر ہے فخر کرنے کی بات پر فخر تو کریں گی' میرا بیٹا بھی ابھی دوسری پر ہے اور تمہارا پھسڈی تو پہلی پر ہی اٹک گیا ہے۔"

"ہاں تو مجھے کوئی جلدی بھی نہیں ہے۔" صبیحہ نے بے زاری سے کہا۔ "ابھی نہیں تو اگلے سال پڑھ لے

"کا میری سمجھ میں نہیں آتا ہم اپنے بچوں کو انگریزی پڑھا کے اتنے مشتاق کیوں ہوتے ہیں؟"

کہتے کہتے اس کی آواز اتنی اونچی ہو گئی تھی کہ برابر میں بیٹھی ہوئی ایک اور والدہ کہنے لگیں۔ "واقعی میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم بچوں کو پڑھانے کے اتنے شوقین کیوں ہیں؟"

"ہیں!" اردگرد بیٹھی ہوئی دو تین ماؤں نے پلٹ پلٹ کر دیکھا اور آواز نکالی۔

"کیا مطلب پڑھائیں نہیں تو کیا کریں؟ بچوں کو گھر میں بٹھالیں؟" ایک ماں نے تنک کر کہا۔

"کیا مطلب؟" پہلی والی اماں نے بالکل اسی لہجے میں کہا۔ "ہم بچوں کو اس لیے اسکول بھیجتے ہیں کہ گھر نہ بٹھانا پڑے؟"

"نہیں۔" بہت ساری ماؤں نے کہا۔ پھر ان ہی میں سے ایک نے کہا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے "کچھ" بن جائیں۔"

"اب اس "کچھ" کی بھی وضاحت کر دیں' یہ تو بڑی مبہم سی اصطلاح ہے۔" وہ درمیانی عمر کی خاتون تھی' جس نے بڑے نفیس گہرے کتھئی رنگ کا عبایا لے رکھا تھا۔ اس کے ساتھ پرنٹڈ اسکارف بھی سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا' صبیحہ نے اپنے ناقابل لان کے دوپٹے کو سینے پر لاشعوری طور پر پھیلایا' تمام ہی ماؤں نے نئے پرنٹ کی مشہور ڈیزائنر لان پہن رکھی تھی' کئی پرنٹ تو صبیحہ نے پہچان بھی لیے' یہ فلاں ڈیزائنر لان ساڑھے تین ہزار کا سوٹ' جس کی ایگزیبیشن ہی فائیو اسٹار ہوٹل سے کم میں نہیں لگتی' اس کو اپنا ساڑھے اٹھارہ سو کا چاؤ سے بنایا ہوا سوٹ پھیکا پھیکا لگنے لگا مگر وہ خاتون بڑے سلیقے سے اپنی بات کہہ رہی تھی' جس نے نامعلوم اندر سات سو کا سوٹ پہنا تھا یا سترہ سو کا؟

"کچھ سے مراد ہے کہ ہمارے بچوں کو بہترین نوکری' خوب زیادہ پیسوں والی مل جائے یا وہ کہیں باہر سے ڈگری حاصل کر کے آجائیں' اگر آجائیں [illegible] بھی آئیں تو کوئی بات نہیں' وہاں [illegible] یہاں مٹھی بھر بھر کر نوٹ بھیجیں [illegible] جب ڈالر کو روپوں میں بدلوائیں تو بوری بھر کر پیسے ملتے ہیں۔"

"نہیں؟" انہوں نے تائیدی انداز میں سب کی طرف دیکھا' تھوڑا ہی دور ٹیبل پر ٹیچر حاضر والدین سے بات کرنے کے بجائے حیرت سے ہم سب کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹک کر دوبارہ اپنا دھیان سامنے بیٹھے والدین کی طرف کر لیا۔

وہ ایک خوب صورت عورت تھی مگر لڑکی جیسی لگ رہی تھی کوئی بہت ہی شاطر اور گھاگ نظر ہی اس لڑکی میں اتر کر اس عورت کو ڈھونڈ سکتی تھی' جسے اس نے شوخ میک اپ کیے ہوئے لباس' بلونڈ لیئر کٹ اور سرخ قیمتی لوریوں میں چھپا رکھا تھا۔ سرمایہ دارانہ کلچر بڑا زندہ دل ہوتا ہے' یہ عورت کو بوڑھی' بے کار نہیں ہونے دیتا' بلکہ بیگار پر لگائے رکھتا ہے' ظاہر ہے دل لبھانے کی چیز اگر دل ہی نہ لبھائے تو کس کام کی؟

ان ہی ماؤں میں سے ایک جذباتی سی ماں نے کہا۔

"لعنت ہو ایسے ڈالروں کی کمائی پر' میری ماں بستر مرگ پر بیٹے کو یاد کرتی رہی' بیٹے نے دو ہزار ڈالر بھیج دیے' کہنے لگا ٹکٹ اور آنے جانے پر اتنا خرچا کروں' اس سے اچھا نہیں اماں کو بہترین ڈاکٹر کو دکھا [illegible]"

"اس لیے کہ ہم انہیں نہیں بھیجنا [illegible] ہوشیار' چالاک کتے پیدا کرنے والی [illegible] باڑے کا ماحول تیار رکھا جاتا ہے' [illegible] کے والے جانور فوراً' وہاں [illegible] ایڈجسٹ کر لیں' پکے کاروبار [illegible] سخت محنتی' انگریزی زبان [illegible] میں بولنے والے تاکہ [illegible] کام کریں اور آقاؤں کی زبان [illegible] ہی نہیں' بلکہ آقاؤں کی آنکھ کا اشارہ اور جسم کی حرکت سے اس کا مطمع نظر پہچان لیں۔"

کتھئی عبایا والی نے کہا۔

"لیکن میں آپ کو ایک بات بتاؤں میں تھک گئی ہوں غلام نسلیں دیکھ دیکھ کر۔" اس کی آواز میں برسوں کی تھکن اور رنجیدگی تھی۔

"مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟" ایک اور ماں نے بے بسی سے کہا۔

"قوم موسیٰ علیہ السلام نے بھی جب طالوت کے لشکروں سے لڑنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ان میں برسوں کی غلامی نے ضعف پیدا کر دیا تھا اور کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو تو اللہ نے ان کو چالیس سال کی صحرا نوردی کی سزا دی' اس مدت میں غلام نسل ختم ہو گئی اور نئی نسل پیدا ہوئی جو آزاد' محنت کش اور جفاکش تھی۔ ہمیں [illegible] ہو گئے ہماری سزا کب [illegible] ختم نہیں ہو [illegible]"

کتھئی عبایا والی کہہ رہی [illegible] اتنے میں [illegible] مس صدیقی وہاں آ گئیں' وہ ایک [illegible] خاتون تھیں' بچوں میں جا کر [illegible] وہ سارے اسکول میں [illegible] متحرک رہتی تھیں' ظاہر ہے ان کا [illegible] ہر خبر پر نظر' مس صدیقی والدین کی [illegible] اور بچوں کی ناپسندیدہ ہستی [illegible] ان کا کام وہی تھا [illegible] زمانوں میں محلے کی خالاؤں کا ہوتا تھا' جن کی والی نسلوں پر نظر رکھنا' یہ بھی اس لیے کہ مس صدیقی پچپن سال کی تھیں' کچھ پرانے وقتوں کا اثر تھا ان پر' ورنہ اب کے زمانے کے استاد بہت استاد ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں' "ہمیں اس سے کیا' بچہ کیا کرتا پھرتا ہے' ہم تو اسے پڑھائیں اور اپنے دام کھرے کریں' زیادہ اچھائی برائی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے' اسے کہتے ہیں پیور پروفیشنلزم' کتنے مجھو اور اپنی راہ لو۔"

مس صدیقی کہنے لگیں۔

"آپ کو پتا ہے افریقہ میں بہترین ہیرا ہوتا ہے' وہاں کے تنومند مرد اور عورتیں ہیرے کی کان میں کام کرتے ہیں اور یہ بڑے بڑے بہترین ڈائمنڈ ایک کمزور منحنی انگریز کے پاس جمع کراتے جاتے ہیں' اس کے بدلے میں انہیں روٹی ملتی ہے' وہ بھوکے ننگے لوگ وہ ہیرے وہاں سے چرا کر بازار میں نہیں بیچ سکتے' کیونکہ کمپنی بہادر نے یہ انتظام کیا ہے کہ بازار میں وہ ہیرا کوئی نہیں خریدتا' ہو سکتا ہے ان کے پاس وہ ٹیکنالوجی ہی نہ ہو جو ہیرے کی تراش خراش کرتی ہے' مگر وہ سارے لوپچے تنومند افریقی مل کر اس ایک بڈھے انگریز کا منہ نہیں توڑ سکتے' جو ان کے وسائل چوری کر کے لیے جا رہا ہے' یہ تعلیم ہے' مکھی پہ مکھی مارنے والے بچے غلام [illegible] کیا ہے امریکہ نے عراق پر حملے سے پہلے کیا تیاری کی تھی؟"

غلام والدین خاموش کھڑے تھے۔

مس صدیقی نے خود ہی جواب دیا۔ "عراق کے لیے نصاب تعلیم یعنی (curriculum) ڈیزائن کیا تھا' ہم آج بھی اپنے بچوں کو مشنری اسکولز میں پڑھانے کے لیے یہ لمبی لمبی لائنیں لگاتے ہیں۔"

"آپ خود بھی تو اسی نظام کا حصہ ہیں' اس تعلیمی نظام کو تخلیق کرنے والے میکالے کا یہ قول کیا آپ کو نہیں پتا کہ میں نے ایک ایسا نظام تخلیق کیا جس سے گزر کر مسلمانوں کے بچے عیسائی تو نہیں بنیں گے مگر مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔"

کتھئی عبایا والی نے کہا' ایک وہی تھی جسے کچھ پتا تھا' ورنہ باقی ماں' باپ وہی لکیر کے فقیر ذہنیت رکھنے والے لوگ تھے۔

مگر صبیحہ کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا جب ایک بظاہر لمبی سی داڑھی والے بنیاد پرست نظر آنے والے باپ نے بے زاری سے کہا۔

"ایک تو میں اس سازش تھیوری سے بے زار ہوں' مسلمان خود کچھ نہ کریں' مگر ہر جگہ سازش کی بو انہیں پہنچ جاتی ہے۔"

"تو آپ اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں جا کر وہ اصلی رپورٹ دیکھ لیں' تاکہ آپ کو یقین آجائے۔" کتھئی برقعے والی نے دوبدو کہا۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

یہ کہہ کر مس صدیقی نے بات ہی ختم کر دی۔ پھر صبیحہ نے دیکھا کہ اس کے بچے کی ٹیچر منتظر ہیں تو وہ فوراً جا کر ان کے آگے بیٹھ گئی' انیسہ نے ٹھیک کہا تھا اس کے پھسڈی بچے سے ٹیچر کو کافی شکایات تھیں'

تن بیٹیں تن کر تُلی کہ اس کو گھر پر وقت دیا جائے' ریڈر کے الفاظ کے فلیش کارڈز (گتے کے کارڈ جن پر حروف لکھے ہوئے ہیں) بنا کر گھر میں اسے بار بار دکھائیں' تاکہ وہ دوسرے بچوں کی طرح جلدی جلدی تیسری ریڈر پر پہنچ سکے' صبیحہ جو اس ساری گفتگو کے بعد کافی مایوس ہو گئی تھی' اس نے یاسیت سے ٹیچر سے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"بچے میں احساس محرومی پیدا ہو گا' جب وہ دوسروں کو وہ "تین" تین کتابیں گھر لے جاتے دیکھے گا۔" ٹیچر سمجھا رہی تھیں' عام حالات میں شاید ٹیچر یہ بات کہتیں تو صبیحہ گھر کس لیتی اور بچے کا دماغ کھا جاتی' تاکہ وہ کلاس میں پیچھے نہ رہے۔

"ساری کلاس کے بچے ی تک لکھ رہے ہیں' آپ کا بچہ ابھی تک ج بھی صحیح نہیں لکھ رہا' آپ اس پر محنت کریں تو وہ بہت بہتر پرفارم کر سکتا ہے۔" ٹیچر کے کہنے پر بے اختیار صبیحہ نے کہا۔

"میرے باقی بڑے بچوں نے عام اسکول سے پڑھا ہے' جہاں چھ سال سے پہلے لکھائی پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا' چھ سال کی عمر میں بچے ج کی گولائی با آسانی بنا لیتے ہیں۔ آپ کو نہیں لگتا' ہم وقت سے پہلے بچوں کو یہ چیزیں سکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

وہ دھیمے سے مسکرائیں' تھوڑا سا آگے بڑھیں اور کہا۔ "باقی بچوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گی' چار سال کے بچے بخوبی یہ کام کر سکتے ہیں۔"

"ہم اتنا جلدی جلدی بچوں کو سب سکھا کر کیا کریں گے؟ پانچویں میں میٹرک کرا دیں گے' میٹرک میں پی ایچ ڈی' مجھے غلام تیار کرنے کی کوئی جلدی نہیں۔" صبیحہ کافی تلخ ہو رہی تھی۔

"ہمارا واسطہ بڑی ظاہر پرست قوم سے پڑا ہے۔" ٹیچر نے کہا۔

"تربیت اپنا اثر دکھانے میں بڑا وقت لیتی ہے' تعلیم پہلے دن سے نظر آتی ہے' آج A لکھ لیا' کل B جب مائیں پوچھتی ہیں آپ نے کیا کرایا تو ہمیں دکھانا پڑتا ہے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"آج کل یہی ٹرینڈ چل رہا ہے۔"

"ہم نے اپنے بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا ہے۔" صبیحہ نے کہا۔ "ہم کس نحوست کا شکار ہیں' ہم سوچتے کیوں نہیں؟"

ٹیچر کے چہرے پر مخصوص کاروباری [illegible] تھی' یعنی اب آپ رخصت ہو جائیے' ہمارا [illegible] خراب نہ کریں' ایسے اکا دکا ماں باپ [illegible] جن سے نمٹنے کا طریقہ وہ بخوبی جانتی [illegible]

[illegible] دھوپ میں [illegible] کے انتظار میں باہر کھڑی [illegible] کندھے [illegible] "ان کیری" چھوٹے بچے والوں [illegible] بھاری بھرکم فیس [illegible] قیمت پر معیار انتہائی گھٹیا' اس نے [illegible] سوچا' اسکول کے اندر اور باہر دونوں [illegible] کاروباری بیٹھے تھے' مگر اندر والے باہر والوں سے زیادہ پست لوگ تھے' کم از کم وہ تعلیم کا نام لے کر لوگوں کو الو تو نہیں بنا رہے تھے۔

✿



مسلسل سوچ میں رہنا
کسی سے کچھ نہیں کہنا
کسی گوشے میں چھپ کے
خود سے محو گفتگو رہنا
اچانک دل میں کوئی میٹھا میٹھا درد اٹھنا
بے سبب بے چین ہو جانا
اکیلے بیٹھ کر رونا
کبھی [illegible]
[illegible]
وہ [illegible]
[illegible]
[illegible] میں کھو جانا
[illegible] کسی بھی چاپ سے
[illegible] سی پڑنا
[illegible] سامنے سے بچنا
سامنے آنے سے کترانا
سنو پاگل سی اے لڑکی
کبھی اوسان کبھی کے درمیان
سولی پہ لٹکی ہو
تمہیں معلوم ہے تم جان کر
منزل سے بھٹکی ہو؟
یہ مانا تم بہت خوددار ہو
پر یہ حقیقت ہے
انا اک حد تک اچھی ہے
مگر اس حد سے آگے
یہ محض اک خود فریبی ہے
اذیت سہہ رہی ہو اور چپ ہو
کیا قیامت ہے
تم آخر کیوں نہیں کہتیں
تمہیں مجھ سے محبت ہے!

خلیل اللہ فاروقی

آوازوں سے بھر جاتا ہوں' مر جاتا ہوں
اک سرگوشی کر جاتا ہوں' ڈر جاتا ہوں

چمگادڑ کے بچے چھت سے گر جاتے ہیں
جب بھی اپنے گھر جاتا ہوں' ڈر جاتا ہوں

قاتل زندہ کرنے کا گر جان گیا ہے
ہائے جب میں مر جاتا ہوں' ڈر جاتا ہوں

دروازے پر دستک ہوتی ہے ٹھک ٹھک
ڈر جاتا ہوں' ڈر جاتا ہوں' ڈر جاتا ہوں

عمران نزری

پیار کی راہ میں ڈر لگتا ہے
بڑا مشکل یہ سفر لگتا ہے

یہ اداسی کا فسوں ہے شاید
پھیکا پھیکا سا قمر لگتا ہے

شب کا منظر ہے تری زلفوں میں
رخ پہ اک رنگِ سحر لگتا ہے

بڑی خاموش ہے اس گھر کی فضا
کوئی آسیب ادھر لگتا ہے

طائرِ فکر کو از فرش تا عرش
ایک لمحے کا سفر لگتا ہے

میں وہ انسان گزیدہ ہوں جسے
اپنے سائے سے بھی ڈر لگتا ہے

روز کہتا ہوں غزل میں [illegible]
مجھے پیارا یہ [illegible] لگتا ہے

یاور سلیم

بارش ہے آنسوؤں کی زمیں پر جھڑی ہوئی
پھر بھی ہے دل میں درد کی ندی چڑھی ہوئی

باقی تمام عمر بچھڑنے کی بات تھی
ملنے کی گفتگو تو گھڑی دو گھڑی ہوئی

یہ راہ تو چنی تھی جدائی کے واسطے
یہ آرزوئے وصل کہاں آ کھڑی ہوئی

یہ راہ کی نہیں مقدر کی بات ہے
منزل چنی ہے جو وہی منزل کڑی ہوئی

اک پل میں جو ہے دوسرے پل میں [illegible]
ہر اک گھڑی میں عمر [illegible] ہوئی

پہلے ہی [illegible] کو چھپانا محال تھا
اک [illegible] عمر ہماری بڑی ہوئی

آدم ہے اک نوعِ بشر مختلف عدیم
جچتی ہے بات پھر بھی لگی ہے گھڑی ہوئی

عدیم ہاشمی

بے چارگی

"تمہاری یہ جرأت کہ تم [illegible] کو فضول اور بے ہودہ انسان کہہ [illegible] سے اپنے [illegible]
[illegible] ان سے تمہارا رشتہ مانگنے [illegible] میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ [illegible] وہ کہنے لگے کوئی بات نہیں [illegible] کھاؤں گا۔"

ثمرہ اقرا۔ کراچی

فرمائش

وفاقی وزیر پانی و بجلی نے ملک کی اعلا قیادت کے پاس جا کر کہا۔

"جناب! آپ ٹھیک کہتے تھے، یہ محکمہ میری سوچ سے بھی زیادہ سخت ہے، سر کھپانے کی بھی فرصت نہیں ملتی لیکن اب تو خاندان میں کئی شادیوں کے پروگرام ہیں اور پھر مجھے فیملی کے ساتھ ورلڈ ٹور پر بھی جانا ہے۔"

"اچھا... پھر کیا کیا جائے؟" اعلا قیادت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب! مجھے چھ ماہ کے لیے امورِ کشمیر کی وزارت کا قلمدان سونپا جائے۔" وزیر موصوف نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

عائشہ، تحریم۔ گوجرہ

چار دن کی چاندنی

"اتنے پریشان کیوں ہو دوست؟" ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔

"آہ...!" دوست نے ایک گہری سرد سانس لی۔ ایک چھوٹی سی بات پر ہم میاں بیوی میں پیار بھرا جھگڑا ہو رہا تھا کہ میری ساس نے مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ اماں! آپ ہماری باتوں میں دخل نہ دیا کریں۔ بس وہ ناراض ہو گئیں اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ مجھ سے ایک مہینے تک بات نہیں کریں گی۔"

"مگر یہ تو خوشی کی بات ہے۔ کم از کم ایک مہینے تک تم اپنی ساس کی بے تکی باتوں سے محفوظ ہو گئے۔" ان صاحب نے کہا۔

"آہ...!" دوست نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "یار! یہ واقعہ گزشتہ ماہ کا ہے اور آج مہینہ ختم ہو رہا ہے۔"

صائمہ سلیم۔ کراچی

وجہ مرگ

حمید کے پاس ایک کبوتر تھا مگر اسے طوطا پالنے کا شوق ہو گیا تھا۔ بولنے والا طوطا ذرا مہنگا آتا تھا اور ہاتھ تنگ ہونے کی وجہ سے حمید اسے خرید نہیں سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک چھوٹی سبز رنگ کی ڈبیا خرید کر اپنے کبوتر پر رنگ کر کے اسے ہی طوطا بنائے گا اور خود ہی اسے بولنا سکھائے گا۔

دو دن بعد عمران اس سے ملنے پہنچا تو دیکھا کہ کبوتر مرا پڑا تھا اور حمید اس کے قریب اداس بیٹھا تھا۔ عمران ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ پینٹ کرنے سے مر جائے گا۔"

"ابے بے وقوف! یہ پینٹ کرنے سے نہیں مرا۔" حمید نے اسے ڈانٹا۔ "ابھی تو میں پہلا کوٹ کرنے کے

لیے اس پر ریگ مال سے رگڑائی ہی کرنا پڑتا ہے۔ مر گیا۔"

عظمیٰ غلام نبی۔ فیصل آباد

مفہوم

بعض لوگوں کو اپنا مقصد اور مفہوم سمجھانے کے لیے زبان کا درست استعمال ضروری ہوتا ہے۔

ورزش کے سامان کی دکان میں ایک سیلز مین نے ایک بڑے میاں کو ورزش کی سائیکل پر چڑھنے کا طریقہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس پیڈل پر پاؤں رکھیے... اور گھوڑے کی طرح اس پر چڑھ جائیے۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو... " بڑے میاں خفگی سے بولے۔ "گھوڑا بھلا اس سائیکل پر کیسے چڑھ سکتا ہے۔"

نہ پلٹے رفتن

ایک سیاحتی جاگیر دار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وسیع و عریض سرسبز و شاداب میدان میں جا پہنچا جہاں ایک عجیب تماشا ہو رہا تھا۔

ایک نوجوان بڑی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ ایک گڑھے کے پاس سہما ہوا کھڑا تھا۔ نوجوان سے کچھ فاصلے پر ایک بپھرا ہوا بھینسا نوجوان پر حملہ کرنے کے لیے اگلے دونوں پاؤں زمین پر رگڑ رہا تھا۔ دفعتاً یہ وحشی بھینسا اس پر حملہ کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ گڑھے کے قریب پہنچ کر بھینسے نے جست لگائی۔ نوجوان جھٹ گڑھے میں کود گیا اور بھینسا گڑھے کو عبور کر گیا۔ نوجوان گڑھے سے باہر نکل آیا۔ بھینسے نے پلٹ کر پھر نوجوان پر حملہ کیا اور اس نے پھر پہلے کی طرح گڑھے میں کود کر جان بچائی۔ یہ عمل پانچ مرتبہ ہوا۔ بالآخر جاگیر دار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے چلا کر نوجوان سے کہا۔

"خدا کے بندے! تمہیں تکلیف کیا ہے۔ تم گڑھے ہی میں کیوں نہیں رہتے؟"

نوجوان نے بھی چلا کر کہا۔ "کیا کہوں جناب! اس گڑھے میں ایک ریچھ دبکا ہوا ہے۔"

مدیحہ۔ ندا۔ لاہور

یقین دہانی

حماد جب کبھی دوستوں کی محفل میں پہنچتا سب اسے دیکھ کر ناک پر رومال رکھ لیتے۔ کئی بار ایسا ہونے پر آخر حماد نے ایک دوست سے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

"تمہارے موزے بدبودار ہیں۔ انہیں بدل کر نئے موزے پہننا شروع کرو۔"

اگلے روز حماد نئے موزے پہن کر گیا لیکن دوستوں نے حسب معمول ناک پر رومال رکھ لیے۔ حماد کو بہت غصہ آیا۔ وہ تمسخر کے انداز میں بولا۔

"مجھے معلوم ہے تم لوگوں نے کیوں ناک پر رومال رکھ لیے ہیں۔ مگر میں نے پرانے موزے اتار کر نئے پہن لیے ہیں۔ اگر یقین نہ ہو تو دیکھو۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرانے موزے نکال کر دکھائے۔

"خدارا اب تو رومال ہٹا دو۔"

حنا سلیم اعوان۔ آخون باندی ہری پور

دستخط گھوڑا

ایک آدمی نے اپنا گھوڑا گھر کے دروازے کے باہر باندھا ہوا تھا جو کوئی بھی وہاں [illegible] گھوڑے کو گھورنے کے لیے [illegible] اس ڈر سے کہیں گھوڑا ہمارا نہ [illegible] ایک بورڈ لگوا دیا جس پر لکھا [illegible]

"براہ مہربانی [illegible] نہ دیں۔"

منجانب: مالک

چند دنوں [illegible] ایک دوسرا بورڈ اس کے قریب لگا ہوا دیکھا [illegible]

"مالک [illegible] بورڈ پر بالکل دھیان نہ دیں۔"

دستخط: گھوڑا

تعمیل ارشاد

اخبار کے نئے ایڈیٹر نے ایک بار فون پر ایک قصبے کے نامہ نگار کو جھاڑ پلائی۔

"بھئی آپ جو بھی رپورٹیں بھیجتے ہیں ان میں سے اکثر نام اور مقامات گول کر جاتے ہیں۔ اپنی ہر رپورٹ ہر نام اور مقام ضرور لکھا کریں۔"

"جی بہت بہتر۔" نامہ نگار نے کہا۔ اگلی رپورٹ کچھ یوں تھی۔

"گزشتہ رات آسمانی بجلی سے مقامی زمیندار اللہ بخش کا ڈیرہ جل کر تباہ ہو گیا۔ تین بھینسیں جل کر گئیں جن کے نام رانی، گوری اور اللہ دسائی تھے۔ ایک کتا بھی ہلاک ہو گیا جسے ٹی کہا جاتا تھا۔ [illegible] علاوہ ایک گدھا اور آٹھ مرغیاں بھی ہلاک ہو گئیں جن کے نام ابھی تک معلوم نہیں ہو سکے۔"

رضوانہ [illegible] جہلم [illegible]

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک [illegible] سردار جی کی دعوت کی۔ جب [illegible] دروازہ بند تھا اور [illegible] لکھا تھا

"[illegible] بن گیا نا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

[illegible] بھی یہ لکھ کر چلے گئے۔

"[illegible] آیا ہی نہیں۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

سدرہ تحسین۔ چوک اعظم لیہ

وفادار

مالک اپنے باڈی گارڈ سے۔ "تم میری جان بچانے کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

باڈی گارڈ۔ "سر! میں آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

مالک خوش ہو کر بولا۔ "اچھا تو پھر اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے گا تو تم کیا کرو گے؟"

باڈی گارڈ بولا۔ "جناب! میں اپنی آنکھیں بند کر لوں گا۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

بدلہ

دو دوست کشتی پر سوار تھے۔ ایک نے کہا۔

"یار! کشتی ڈگمگا رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈوب ہی جائے۔"

دوسرے نے کہا۔ "ڈوب جانے دو یار! کمبخت نے کرایہ بھی بہت لیا ہے۔"

کرن، وشی۔ کراچی

دعدہ

ایک [illegible] نے دکان دار سے کہا۔

"جب [illegible] نے آپ سے موٹر سائیکل خریدی تھی تو [illegible] وعدہ کیا تھا کہ تین ماہ تک موٹر سائیکل چلانے [illegible] ٹوٹے گا۔ آپ اس کی جگہ دوسرا سامان لگا دیں گے۔"

دکان دار نے کہا۔ "جی ہاں کیا ہوا، فرمائیے کیا ٹوٹ گیا؟"

گاہک بولا۔ "سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے ہیں۔"

لائبہ ایمن۔ آزاد کشمیر

شریفانہ طریقہ

ایک شخص نے اپنے پڑوسی سے پوچھا۔

"آج کل خالد صاحب نظر نہیں آ رہے... وہ خیریت سے تو ہیں؟"

"آپ کو معلوم نہیں... انہیں کار چرانے کے الزام میں تین سال کی سزا ہو گئی ہے۔" پڑوسی نے بتایا۔

"کمال ہے... !" ان صاحب نے حیرت سے کہا۔ "خالد صاحب بھی بڑے بے وقوف آدمی ہیں۔ انہیں بھلا ایسی کیا آفت آ پڑی تھی کہ کار چرانے چل دیے۔ کار حاصل کرنے کے لیے شریفانہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے، یعنی قسطوں پر کار لے لیتے اور قسطیں ادا نہ کرتے۔"

نادیہ۔ گجرات

اچانک واپس

ایک پتنگ باز کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر اس کے ایک دوست نے دریافت کیا۔

"یہ تمہارے سر پر چوٹ کیسے لگ گئی؟"

دوست نے جواب دیا۔ "وہ میرے ساتھ والی چھت پر جو خاتون اکثر نظر آتی تھیں نا؟ وہی جن کا شوہر بیرون ملک رہتا تھا۔"

"ہاں... تو پھر؟" دوست نے پوچھا۔

"کل شام اچانک وہ بیرون ملک سے واپس آگیا۔" پتنگ باز دوست نے جواب دیا۔

شہباز شازے سیال۔ خانیوال

شگفتہ جاہ

باتوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"دنیا (عارضی) فائدے کی چیز ہے اور دنیا کے ساز و سامان میں نیک عورت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔"

فوائد و مسائل۔

1۔ دنیا کی چیزوں سے حلال طریقے سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ ترک دنیا جائز نہیں۔

2۔ دنیا کی چیزیں اس انداز سے استعمال کرنی چاہئیں کہ آخرت میں فائدہ حاصل ہو۔

3۔ نیک عورت ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں بھی اچھی مشیر ثابت ہوتی ہے اچھی شریک حیات ہوتی ہے اور آخرت کے معاملات میں بھی خاوند سے بھی تعاون کرتی ہے۔ اس طرح دونوں کو بلند درجات حاصل ہو جاتے ہیں۔

4۔ نیک مرد بھی عورت کے لیے ایک ایسی ہی نعمت ہے۔

روزی دینے والا

حضرت حاتم ایک مرتبہ سفر پر جانے لگے تو اپنی بیوی سے بولے۔
"میں چار مہینے تک باہر رہوں گا۔ تمہارے واسطے کس قدر خرچا دیا کروں؟"
انہوں نے جواب دیا۔ "جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے۔"
حضرت حاتم نے فرمایا۔ "تمہاری زندگی [illegible] میں نہیں۔"
بیوی نے جواب دیا۔ "میری روزی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

رضوانہ شکیل راؤ۔ لودھراں

خطبہ حضرت علی علیہ السلام

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں لوگوں میں بیان فرمایا۔
"اے لوگو! جو جان بوجھ کر محتاج بنتا ہے وہ محتاج ہو ہی جاتا ہے اور جس کی عمر بہت زیادہ ہو جاتی ہے وہ مختلف بیماریوں اور کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو بلا اور آزمائش کے لیے تیاری نہیں کرتا جب اس پر آزمائش آتی ہے تو وہ صبر نہیں کر سکتا۔ جو کسی پر قابو پالیتا ہے وہ اپنے کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔ جو کسی سے مشورہ نہیں کرتا اسے ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔"
(حیاۃ الصحابہ)

اللہ تعالیٰ کا ڈر

حضرت [illegible] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حبشی [illegible] کی وجہ سے تمام [illegible] پریشان تھے۔ ایک دن حضرت [illegible] اسے مارنے کے لیے کوڑا اٹھایا۔ [illegible]
"اگر مجھے قیامت کے دن کے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے اس کوڑے سے مار مار کے بے ہوش کر دیتا لیکن اب میں تجھے ایسے کے ہاتھ بیچوں گا جو تیری قیمت پوری پوری دے گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ) جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔"
(حیاۃ الصحابہ)

ساتھی کا احترام

حضرت ابراہیم بن نشیط کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے ایک تکیہ تھا انہوں نے اسے [illegible] میری طرف پھینکا اور فرمایا۔
"جو آدمی اپنے ہم نشین کا اکرام نہ کرے اس کا [illegible] احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
(حیاۃ الصحابہ)

زندگی

زندگی [illegible] خوبصورت [illegible] ہر انسان کو در غلاتی ہے پھر [illegible] سے کتنی پیاری ہم ہو جاتی [illegible]
(خلیل جبران)

نمرہ اقصیٰ۔ کراچی

یادگار لمحہ

اختر عباس نے کہا ہے کہ۔
"دنیا میں جو دیتا ہے وہ لینے کا خیال ضرور پال لیتا ہے۔ یہی خیال محبت بن کر زہریلا ہو جاتا ہے اور محبت کو مار ڈالتا ہے۔"

عائشہ۔ گوجرہ

تعبیر

ایک آدمی نے ایک سپنا دیکھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اپنے خواب کی تعبیر کے لیے اپنے مبصر کے پاس پہنچا۔ مبصر نے اس سے کہا۔
"میرے پاس جب اپنے خواب لے کر آؤ گے جنہیں تم نے بیداری میں دیکھا ہو تو ان کی تعبیر میں تمہیں بتا سکوں گا۔ کیونکہ تمہاری نیند کے سپنوں کو نہ تو میری عقل سے کوئی نسبت ہے اور نہ ہی تمہارے تخیل سے کوئی واسطہ۔"
(خلیل جبران)

تبسم شمشاد۔ یزمان

دل کے دروازے

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا۔
تین چیزوں کے ذریعے بند ہونے سے سالک کے دل کے [illegible] دروازے کھل جاتے ہیں۔
1۔ جو عاجزی کی سلطنت لے کر بھی اظہار مسرت نہ کرے کیونکہ [illegible] بو ناخوش ہونے کی دلیل ہے۔
2۔ جب سب کچھ چھن جائے تو غمگین نہ ہو کیونکہ یہ غمگین ہونے کے مترادف ہے۔
3۔ کسی قسم کی عطا پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ یہ پست ہمتی کی دلیل ہے۔

عظمیٰ غلام نبی۔ کراچی

عظیم لوگ، عظیم باتیں

- ہمارے خواب وہ سمندر ہیں جن کی قدر خاموشی سے ہے اور جن کا ہر جذبہ ہمارے قلموں کی روشنائی ہے۔ (خلیل جبران)
- شہرت وہ ہے جو مرد اور عورت ہمارے بارے میں سوچتے ہیں اور کردار وہ جو خدا اور فرشتے ہمارے بارے میں جانتے ہیں۔ (تھامس پین)
- ایمان دار ہونے سے صرف ایک نقصان ہے اور وہ یہ کہ ایسا شخص ہر بات پر اعتبار کر لیتا ہے۔ (فلپ سڈنی)
- اگر تم چاہو تو اپنے خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔ (آسکر وائلڈ)
- کتابوں کے اوراق کی نسبت انسانوں کے چہروں کا مطالعہ زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے۔ (بالموریق)
- جو صرف اپنے آپ کو خوش رکھتا ہے اس کی زندگی بے کار ہے۔ (سری نیواس)
- وسعت نظر زندگی کی ضامن ہے۔ (روپوئن)

ندا فضہ۔ کراچی

کائنات

مشہور فلسفی خلیل جبران سے ایک لڑکی نے سوال کیا جو اس وقت پینٹنگ کرنے میں مصروف تھی۔
"اس کائنات کی صرف سات لفظوں میں تعریف کرو۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ خدا، محبت، امن، زندگی، اللہ ہیں۔ یہ کہہ کر لڑکی خاموش ہو گئی۔
[illegible]

تو اس نے کہا کہ دو سب سے اہم الفاظ "ہم" اور "میں" ہیں۔ کیونکہ اگر یہ دو الفاظ نہ ہوں تو باقی کے پانچ الفاظ کی معنوی حیثیت کچھ نہیں ہو گی۔"

عظمیٰ جبیں، عروج کنول۔ ٹنڈو جان محمد

طاقت، صبر اور غناء

حضرت جنید بغدادی ایک مرتبہ طاقت، صبر اور غنا پر تقریر فرما رہے تھے۔ کسی نے سوال کیا۔

"آپ کے نزدیک طاقت ور کون ہے؟"

آپ نے جواب دیا۔ "وہ جو غصے کو پی جائے۔"

کسی اور نے سوال کیا۔ "صابر کسے کہتے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا۔ "جو اپنے افلاس کو چھپا لے۔"

تیسرے نے پوچھا۔ "غنا کسے کہتے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا۔ "کم مقدار پر قانع ہو جانے کو۔"

کرن شبیر۔ کراچی

قرآن

ایک بزرگ گاڑی سے اترنے والے تھے کہ کسی مسافر ساتھی نے پوچھا۔

"حضرت! آپ قرآن کا خلاصہ کتنے وقت میں بیان کر سکتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "گاڑی سے اتر کر زمین پر قدم رکھنے تک میں تمہیں پورے قرآن کا خلاصہ بیان کر دوں گا۔"

وہ آدمی بڑا متعجب ہوا اور بولا۔ "ایسا کیونکر ممکن ہے؟"

حضرت نے فرمایا۔ "سنو! قرآن کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔ اللہ کی عبادت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، مخلوق کی خدمت۔"

ام عیس۔ بحوالہ

جسم اور روح

جسم ہمارے روح کی پیکنگ [illegible] ہے۔

اس پیکنگ کو سنوارنے میں گزار دیتے ہیں جبکہ جسم کی خوبصورتی اور بدصورتی صرف اس دنیا کی ضرورت ہے۔ اصل خوبصورتی یہ ہے کہ ہم اپنی روح کو کس طرح سنوارتے ہیں۔

ہم جو کچھ بھی ہیں جسم اس کا صرف ایک فیصد ہے۔ ننانوے فیصد ہماری روح ہے۔ اس کی غذا کے لیے ہم کیا کرتے ہیں؟ یہ شاید سب سے اہم سوال ہے مگر اس پر دھیان نہیں دیا جاتا۔

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

خوف خدا

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے ایک باغی کو ہتھکڑیوں میں پیش کیا گیا۔ یہ ایک خطرناک شخص تھا۔ ہارون فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے قتل کر دے گا۔ قتل کا حکم صادر کرنے سے پہلے ہارون نے غضب ناک آواز میں باغی سے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

"وہی سلوک جو خدا آپ کے ساتھ کرے گا جب آپ اس کے سامنے جائیں گے۔"

ہارون الرشید کا غصہ کافور ہو گیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ چند لمحوں بعد درباریوں نے اس کی تھکی ہوئی آواز سنی۔

"اسے آزاد کر دیا جائے۔"

سپاہیوں نے ہتھکڑیاں کھول دیں۔ باغی [illegible] سے چلا گیا۔ درباریوں میں سے کسی نے [illegible] مخاطب کیا۔

"امیر المومنین! آپ نے [illegible] جو [illegible] اسے آزاد کر دیا [illegible] میں سپاہیوں کو [illegible] اس کی رہائی نے [illegible] مل سکتی ہے۔"

ہارون نے [illegible] حکم دیا۔ "باغی کو دوبارہ گرفتار کر لیا جائے۔"

[illegible] باغی اس کے سامنے ہتھکڑیوں میں پہنچا۔ اس نے [illegible] ہارون الرشید سے کہا۔

"حضور! میرے متعلق دوسروں کی رائے پر کان نہ دھریے۔ اگر اللہ آپ کے متعلق دوسروں کی رائے سنتا تو آپ ایک لمحہ بھی خلیفہ نہیں رہ سکتے تھے۔"

ہارون الرشید نے اسے پھر آزاد کر دیا۔

صائمہ سلیم۔ کراچی

شادی کے لیے لڑکی کی رضامندی

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے چند سال بعد حضرت عمرؓ نے ان کی بیٹی ام کلثوم بنت ابوبکرؓ [illegible] رشتہ حضرت عائشہؓ سے مانگا۔ [illegible] سیدہ عائشہؓ نے کہا۔ "امیر المومنین [illegible] آپ کی طلب [illegible] انکار [illegible]"

جب حضرت عمرؓ [illegible] ام کلثوم نے حضرت عائشہؓ سے [illegible] کیا [illegible]

[illegible] ہیں اور ان کی زندگی [illegible] کیسی ہے [illegible] میں تو چاہتی [illegible] کسی نوجوان سے شادی کروں جو دنیا کی [illegible] قدموں میں لا کر رکھ دے۔"

حضرت عائشہؓ نے اپنی بہن کی بات سنی اور خاموش رہیں۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کو بلا بھیجا۔ اور ان کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا۔ انہوں نے کہا۔

"امی جان! آپ فکر نہ کریں۔ میں اس مسئلے کا حل نکالتا ہوں۔"

حضرت عمرو بن العاص امیر المومنین کے پاس پہنچے اور پوچھا۔

"امیر المومنین کوئی نیا نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

فرمایا۔ "ہاں عن قریب۔"

پوچھا۔ "کس عورت کو آپ نے منتخب کیا ہے؟"

جواب دیا۔ "ام کلثوم بنت ابوبکر کو۔"

انہوں نے کہا۔ "آپ کے لیے یہ رشتہ موزوں نہیں ہوگا۔ وہ لڑکی ناز و نعمت میں پلی ہے۔ آپ کے ہاں کی سخت زندگی کی خوگر عادی نہ ہونا گی تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ وہ ابوبکرؓ کی بیٹی ہے اگر اس نے کبھی اپنے باپ کا حوالہ دے کر اپنی مشکلات کا اظہار کیا تو ہم سب کے لیے باعث رنج ہوگا۔"

حضرت عمرؓ بہت ذہین تھے۔ فرمایا۔ "معلوم ہوتا ہے عائشہؓ نے تمہیں بھیجا ہے؟"

کہا۔ "جی ہاں! آپ نے صحیح فرمایا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے ام کلثوم سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا اور طلحہ بن عبیداللہ سے ان کی شادی ہو گئی۔

حضرت عمرؓ کی وسعت قلبی اور ذہانت اس واقعہ سے عیاں ہے۔

اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ شادی کے لیے ایک سربراہ مملکت نے بھی لڑکی کی رضا کا احترام کیا۔

عرقلسمانی۔ عمر بن خطاب

خوشبو ہے ہر لفظ

- ہر چھوڑ کر جانے والا شخص بے وفا نہیں ہوتا اور ہر ساتھ رہنے والا شخص ہمارا اپنا نہیں ہوتا۔
- اگر آپ کو کوئی یاد نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ وہ آپ کو فراموش نہ کرے۔
- کچھ ناتے ایسے بن جاتے ہیں جن کے سامنے خون کے رشتے بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔
- انسان اس سے زیادہ دھوکا کھاتا ہے جس سے زیادہ پیار کرتا ہے۔
- محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے اسے آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسے آزاد کرنے سے دل کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔
- کچھ لوگ تمام عمر دنیا کو جان نہیں پاتے۔ ان کا حال بھیڑ میں گم ہو جانے والے بچے کی مانند ہوتا ہے۔

میرب سحر۔ چونالہ

عورت کی خوبی

خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ عورت کی خوبی دو باتوں میں ہے۔

1. اسے کوئی غیر محرم نہ دیکھے۔
2. وہ بھی کسی غیر محرم کو نہ دیکھے۔

ماہ نور سعید۔ ڈیرہ اسماعیل خان



خالدہ جیلانی

ملنا کسی کا جو ہے مرے دل کو بھا گیا

آمنہ عزیز ———— سوات
مجھ سے توڑ کے رشتہ اب پچھتاتے ہیں
پتے پا کر کے پیچھے آ کر شور مچاتے ہیں
دو چار گھڑی کا ملنا یار غنیمت ہے
تم بھی حال سناؤ، ہم بھی شعر سناتے ہیں

عظمت امین ———— کراچی
سپید پوش پہاڑوں کی وادیوں میں ابھی
اک آفتاب رفاقت کی آمد آمد ہے
مگر میں سوچ رہا ہوں بہت اداس اداس
اس انتظارِ مسلسل کی بھی کوئی حد ہے

ناہید حسن زیدی ———— ملیر کراچی
شاید ابھی پہنچی نہ ہو باب قبولیت تک
ساقی! اک جام دے تو یہ سفر میں ہے

رعنا اختر ———— ناظم کراچی
خود عشق کی گستاخی، سب تجھ کو سکھا لے گی
اے حسن حیا پرور، شوخی بھی شرارت بھی

اسماء ریحان ———— نارتھ ناظم آباد
دل کی دھڑکن میں توازن آ چلا ہے خیر ہو
میری نظریں بجھ گئیں یا تیری رعنائی گئی

ربیعہ نظامانی ———— ٹنڈو جان محمد
یوں موت کے منتظر ہیں باقی
مل جائے گا جیسے چین مر کے

نسرین اختر ———— میٹرو ول کراچی
نادم تمام عمر مجھے تو کئے رہے
دل میں چھپائے داد مرے انتخاب کی

مریم شفیع ———— گلشن اقبال کراچی
شاید کبھی تو دیکھے گا وہ تم کو جھانک کر
ان کی گلی میں روز تماشا کیا کرو

مدیحہ احمد
تعارف کے لیے اپنے بھی اک ... ہے
وہ رستہ چھوڑ دیتا ہوں، جو رستہ ... ملے

کومل عدنان ———— کراچی
تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

غزالہ شہناز ———— کراچی
اس کی جدائی کھا گئی ہمیں گھن کی طرح
ہم سخت جاں پہلے تو یوں کھوکھلے نہ تھے
جو کچھ ہوا ہمارے ساتھ ہوا، یہ بجا تھا
اتنے برے بھی کب تھے، اگر ہم بھلے نہ تھے

ناہید حسن زیدی ———— کراچی
تو کسی در پہ گیا ہو تو خبر ہو تجھ کو
کس قدر کارِ اذیت ہے سوالی ہونا

رخسار سیر ———— چکوال
دور گل رخصت ہوا ہاتھوں میں پتھر رہ گئے
اس قدر بدلا زمانہ لوگ ششدر رہ گئے
جانے کیسے لوگ تھے جو نقش دائم ...
آنکھ سے اوجھل ہوئے پر دل کے اندر ...

شاہدہ شبیر رانا
... کی امید اور ...
ہم نہیں ہوں گے ...
وہ جو اک شخص ...
اب بھلا ... بجھائے محسن

... ———— رینالہ خورد
... میں روشن چراغ آرزو کر دے
... ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

... بٹ ———— رینالہ خورد
کچھ اور بڑھ گئے اندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں طلوعِ سحر سے ہم

کچھ یادیں کچھ باتیں

وہ جو ہم سے بچھڑ گئے

شاہین رشید



معین اختر

معین اختر 1950ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے تین بھائی اور ایک بہن ہیں اور یہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔ ان کے والد محمد ابراہیم ہجرت کرکے پاکستان آئے۔ ہجرت کا یہ سفر "مراد آباد" سے ممبئی اور ممبئی سے کراچی کا رہا اور "جیکب لائن" "ویسٹ وہارف" "ناظم آباد" "گلشن اقبال" اور اب ان کا قیام ملیر کینٹ میں تھا۔ ان کا بچپن اور لڑکپن جیکب لائن ویسٹ وہارف اور ناظم آباد کی گلیوں میں گزرا۔

معین اختر نے اپنی فنی زندگی کا آغاز طالب علمی کے دور سے ہی کر دیا تھا۔ وہ اسکول اور کالج [illegible] سرگرمیوں میں حصہ لیا کرتے تھے اور [illegible] لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نوجوان میں بہت صلاحیت ہے کیونکہ یہ نوجوان جس مقابلے میں بھی جاتا تھا انعام لے کر ہی آتا تھا۔ ان ہی صلاحیتوں کی بنا پر ایک مرتبہ معین اختر کو ڈاؤ میڈیکل کالج کی ایک تقریب میں مدعو کیا گیا اور گویا یہ ہی ان کی ترقی کا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

معین اختر بتاتے تھے کہ گھر کے مالی حالات اتنے اچھے نہیں تھے اس لیے میں چاہتا تھا کہ اپنا جیب خرچ خود نکالوں تب میں نے ریڈیو کا رخ کیا اور ریڈیو پہ آڈیشن دینے چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بڑے اعتماد کے ساتھ آڈیشن دیا۔ میرا آڈیشن یزدانی صاحب نے لیا اور پھر میرے پاس آ کر بولے "بیٹا آپ کیا کرتے ہیں" میں نے کہا کہ پڑھتا ہوں۔ کہنے لگے "تو پھر آپ پہلے اپنی پڑھائی مکمل کریں اور پھر اس طرف آئیے گا۔" [illegible] بہت مایوسی ہوئی۔ میں اسٹیج [illegible] اور اسٹیج پہ مختلف لوگوں کی [illegible] میری انگریزی اچھی تھی [illegible] اس زمانے میں [illegible] ہوا کرتے تھے [illegible] کہ اس وقت [illegible] ریہرسل [illegible] اور بہت محنت کے ساتھ ڈرامہ [illegible] تھے اور سب ہی اپنے کام کے ساتھ [illegible] ہوتے تھے۔ اس وقت قاضی واجد، عرش منیر، ابراہیم راز، نرالا، محبوب عالم، جاوید شیخ، زیبا شہناز، رزاق راجو، اسماعیل تارا، بہروز سبزواری وغیرہ اسٹیج کے منجھے ہوئے فنکار تھے۔ کچھ ہم سے سینئر تھے، کچھ ہم سینئر تھے لیکن ماحول بہت دوستانہ اور اچھا ہوا کرتا تھا اور کئی کئی دن کی ریہرسل کے بعد ہم لوگ ڈرامہ کیا کرتے تھے مگر اب ایسا کچھ نہیں ہے۔ [illegible] ہاتھ کے ہاتھ اسکرپٹ دیکھا اور کام شروع کر دیا۔ اس لیے اب پہلے جیسا معیار نہیں رہا اور نہ ہی اسٹیج ویسا مقبول رہا ہے۔ ہمارا زمانہ تو وہ زمانہ تھا کہ بڑے بڑے فنکار اسٹیج پہ کام کرنا فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ [illegible] قریشی، صبیحہ خانم، نرالا اور لہری [illegible] ہمارے ساتھ اسٹیج [illegible] کام کیا [illegible] انہوں نے عمر شریف کو ڈرامہ [illegible] میں متعارف کروایا تھا۔

معین اختر [illegible] کو یاد کرتے ہوئے بتایا تھا کہ [illegible] 1968ء میں نگار ایوارڈ کی تقریب [illegible] معروف اداکار "محمد علی" کی جب [illegible] وہاں محمد علی صاحب بھی موجود تھے اور [illegible] کہ میری پرفارمنس پہ محمد علی صاحب اتنا خوش ہوئے کہ انہوں نے اسٹیج پر آ کر مجھے شاباش دی اور میری تعریف کی۔

اسٹیج سے ٹی وی تک آنے کا ذکر کرتے ہوئے معین اختر نے کہا کہ مجھے ٹی وی تک لانے میں اس زمانے کی معروف فنکارہ "سنتوش رسل" کا بہت بڑا کردار ہے۔ انہوں نے ہی مجھ سے کہا کہ تم اسٹیج پہ اتنی اچھی لائیو پرفارمنس دے دیتے ہو تو پھر ٹی وی پہ کام کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ کیسے جاؤں کوئی جان پہچان نہیں ہے۔ تب وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئیں اور میری ملاقات امیر امام صاحب سے کروائی اور پہلے ہی تعارف میں انہوں نے مجھے ڈرامہ "چور" کا اسکرپٹ پکڑا دیا اور یوں ٹی وی پہ بھی کام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس فیلڈ میں میری سب سے زیادہ حوصلہ افزائی قاضی واجد کرتے تھے۔ امیر امام صاحب بہت ڈانٹتے تھے لیکن ڈرامہ سیریل "کچ کچ" کے ہٹ ہونے کے بعد انہوں نے ڈانٹنا چھوڑ دیا۔ اور ہاں آپ کو دلچسپ بات بتاؤں کہ جب ٹی وی کے ذریعے میری شہرت بڑھنے لگی تو مجھے ریڈیو والوں نے بلایا تب میں نے ان سے کہا کہ میں آڈیشن نہیں دوں گا اور وہ مان بھی گئے اور یوں ریڈیو پہ آواز کے ذریعے پیش کار کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا جو کافی عرصے تک پروگرام کرنے لگا جو کہ اسٹیج ہوتا تھا۔

1970ء میں پاکستان میں الیکشن ہوئے تو ٹی وی پہ الیکشن پروگرام میں میں نے بہت کام کیا اور بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ ضیاء محی الدین نے مجھے اپنے اسٹیج شو کے لیے منتخب کر لیا۔ انہوں نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ بہت سپورٹ بھی کیا۔

اپنے سب سے مقبول طویل دورانیے کے کھیل "روزی" کا ذکر کرتے ہوئے معین اختر نے کہا کہ "روزی" کا آئیڈیا اگرچہ میرا نہیں تھا مگر روزی پہ کام کرنے کا مشورہ میں نے ساحرہ کاظمی کو دیا تھا۔۔۔ وہ بھی اس طرح کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ایک لانگ پلے کرنا چاہ رہی ہوں۔ بتاؤ کس ٹاپک پہ کروں۔ میں نے ہالی ووڈ کی ایک فلم (Tootsie) کا نام لیتے ہوئے کہ اس پہ کام کریں تو وہ بولیں "تم سنجیدہ ہو اور کام کرو گے۔" میں نے کہا "ہاں کروں گا۔" تب انہوں نے عمران اسلم سے اسکرپٹ لکھوایا اور میں نے روزی کا کردار کیا اور میری خوش قسمتی دیکھیں کہ یہ کردار اتنا سے زیادہ مقبول ہوا اور آج تک لوگ اسے نہیں بھول پائے۔

معین اختر نے انور مقصود صاحب کے ساتھ بہت کام کیا ہے۔ معین اختر نے کہا کہ در حقیقت ہماری کیمسٹری آپس میں بہت ملتی ہے اس لیے ہم اتنے کامیاب ہیں۔ میں نے "لوز ٹاک" میں بہت سے روپ دھارے ہیں، ہر زبان کے لوگوں کے۔ گو کہ مجھے تمام زبانیں نہیں آتیں لیکن ان کا لب و لہجہ اختیار کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ بے شمار کردار "لوز ٹاک" میں کیے ہیں۔ نہ صرف "لوز ٹاک" بلکہ میں نے انور مقصود کے ڈراموں میں بھی کام کیا ہے۔

معین اختر نے کمپیئرنگ بھی کی۔۔۔ ان کی کمپیئرنگ بہت جان دار اور متاثر کرنے والی ہوتی تھی۔ انہیں ان پروگراموں کی کمپیئرنگ کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے جن میں ملک کے نامور سربراہوں نے شرکت کی۔ اگر ابتدا سے دیکھا جائے تو ان

سربراہوں میں ذوالفقار علی بھٹو، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق، بے نظیر بھٹو، میاں نواز شریف، غلام اسحاق خان اور جنرل پرویز مشرف شامل ہیں۔

جو ایوارڈز معین اختر کو ان کی زندگی میں ملے ان میں "پرائڈ آف پرفارمنس" ستارہ امتیاز، پانچ مرتبہ پی ٹی وی ایوارڈز، چار مرتبہ گریجویٹ ایوارڈز، چار نگار ایوارڈ، چھ عوامی ایوارڈز، جرنلسٹ ٹیلنٹ ایوارڈ، بے نظیر بھٹو ٹیلنٹ ایوارڈ، صدر پاکستان لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ اور جنگ ٹیلنٹ ایوارڈ شامل ہیں۔

معین اختر مذہب سے بہت قریب تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر گھر میں کوئی کمانے والا ہوتا تو میں عالم دین ہوتا۔

لیاقت سولجر

لیاقت سولجر 1955ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد احمد علی رنگ و روغن کے کاروبار سے منسلک تھے اور ان کی والدہ تدریس کے شعبے سے وابستہ رہیں انہوں نے میٹرک پاکستان چوک کے اسکول "ماڈل اسکول" سے اور ایس ایم لاء کالج سے انٹر کیا۔ 1970ء میں یہ تھیٹر سے اور پھر پی ٹی وی سے وابستہ ہو گئے۔ تھیٹر تو ان کا اوڑھنا بچھونا تھا جو آخری وقت تک ان کے نام کے ساتھ جڑا رہا۔

لیاقت سولجر کے والدین کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ کر ایک قابل ڈاکٹر بنے۔ لیکن ان کو اداکاری کا شوق تھا للٰہذا وہ اس طرف آ گئے ابتداء میں والدین بہت ناراض ہوئے کہ یہ کس فیلڈ میں چلے گئے ہو مگر بیٹے کا شوق اور لحہ بہ لحہ شہرت دیکھی تو راضی خوشی ہو گئے۔

لیاقت سولجر کا کہنا تھا کہ اس فیلڈ میں اپنے آپ کو منوانے کے لیے بہت جدوجہد کی شروع میں پیسے دے کر رول وصول کیا کرتا تھا۔ [illegible] پولیس کا رول کرنے کا شوق ہوا تو [illegible] 50 روپے دے کر وہ رول حاصل کر لیا [illegible] احساس ہوا کہ اس سے زیادہ اچھا اور پاور [illegible] رول تو بدمعاش کا ہے چنانچہ بچو روپے اور [illegible] نے بدمعاش کا رول حاصل کیا۔

لیاقت سولجر نے بتایا کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں طالب علم تھا۔ ہمارے گھر کے قریب ایک ہوٹل تھا جہاں ٹی وی اور اسٹیج کے ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز چائے پینے آتے تھے۔ میں نے ان سے دوستی کر لی اور پیسے دے کر چھوٹے موٹے رولز حاصل کرنے لگا۔

ابتداء میں پیسے دے کر کام حاصل کرنے والا یہ فنکار اسٹیج ڈرامہ دیکھنے والوں کا پسندیدہ فنکار بن گیا۔ لوگ اس کی عدم موجودگی کو محسوس کرنے لگے تو ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز نے لیاقت سولجر کو بک کرنا شروع کر دیا اور بقول اس فنکار کے کہ جب میں نے دیکھا کہ میں اب پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز کی ضرورت بن گیا ہوں تو میں نے صاف کہہ دیا کہ اب میں نہ مفت کام کروں گا اور نہ ہی پیسے دے کر۔ اب میں پیسے لے کر کام کروں گا۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ مجھے لیں یا نہ لیں۔ تیر نشانے پر بیٹھا اور مجھے معاوضہ ملنے لگا اگرچہ بہت تھوڑا مگر اتنا تو تھا کہ میرا جیب خرچ آسانی سے نکل آتا تھا۔

لیاقت سولجر نے بتایا کہ اس فیلڈ میں [illegible] مرحوم نے ان کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی [illegible] کہتے تھے کہ "لیاقت میں تم کو [illegible] دیکھ رہا ہوں۔ تم اگر [illegible] سے کام کرتے رہے تو بہت ترقی [illegible] نے ان کی سوچ کے مطابق [illegible] دنیا میں نہیں ہیں۔

[illegible] کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ [illegible] انڈیا کے پروگرام لافٹر چیلنج میں حصہ [illegible] قرار پائے۔

1984ء میں ان کی شادی والدین کی پسند سے ہوئی۔ بیگم نے ہر اچھے برے وقت میں ان کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ سب اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

دوسروں کو ہنسانے والا فنکار 30 مارچ 2011ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔

اللہ تعالیٰ لیاقت سولجر اور معین اختر کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)



امداد

1 عالمگیر ان خوش قسمت گلوکاروں میں سے ایک ہیں جن کو ان کے پہلے نغمے نے ہی صف اول کا گلوکار بنا دیا تھا۔ فلم "جہانگیر" کا گایا ہوا یہ گیت "ہم چلے تو ہمارے سنگ سنگ نظارے چلے" اتنا سپرہٹ ہوا کہ فلم "جہانگیر" تو نہیں چلی مگر یہ گانا گلی گلی گونجنے لگا۔ عالمگیر ان دنوں شدید علیل ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق وہ گردوں کے امراض میں مبتلا ہیں اور انہوں نے حکومت سے امداد کی اپیل کی ہے۔

حدیقہ کیانی پر الزام

2 پی ٹی وی ایوارڈ یافتہ جنوبی پنجاب کے لوک فنکاروں جمیل پروانہ اور نصیر پروانہ نے الزام لگایا ہے کہ "حدیقہ کیانی" نے ان کی دھن "ولو جو پیار کتنی رول ڈتوئی" پر اپنا گانا "یاد سجن دی آئی" "اکھ ہنجواں نال بھر آئی" گایا ہے جو کہ بہت مشہور ہوا۔ حدیقہ کے علاوہ دوسرے سنگرز پر بھی یہ الزامات عائد ہو چکے ہیں۔ علاقائی گلوکاروں اور موسیقاروں کی دھنوں کو چرانے کے ساتھ غیر ملکی سنگرز کی دھنوں پر نئے گیت لکھوا کر ریکارڈ کرانا پاپ سنگرز کا معمول بن چکا ہے۔ عاطف اسلم کا مقبول گیت "پہلی نظر میں کیسا جادو کر دیا" کی دھن کورین سنگر کم ہانگ سب نے ریکارڈ کی تھی اور اس گیت کے بول تھے۔ "سارنگ ہیو" عاطف اسلم کے اس گیت کو بھارتی فلم میں بھی شامل کیا گیا۔ اسی طرح کئی سال پہلے سجاد علی نے "دکھ دیا" کو "بے بیا" کے نام سے ریکارڈ کرایا تھا۔





ایک مقامی نجی چینل نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ گلوکار حسن جہانگیر کا گایا ہوا ماضی کا مقبول ترین گیت "ہوا ہوا" بھی ایک فارسی گیت کا چربہ ہے۔ ماضی میں خبروں کی ترسیل کے ذرائع اس قدر فعال نہ تھے لہٰذا اس وقت فنکاروں کی یہ "فنکارانہ جسارت" سمجھ میں آتی بھی ہے۔ مگر آج کل جبکہ میڈیا کی نظریں گوشے گوشے تک جا پہنچی ہیں تو فنکاروں کو سوچنا چاہیے کہ یہ عمل ان کے "اوریجنل" کام کو بھی مشکوک بنا سکتا ہے۔

شاعری پر ستم

3 اداکارہ سعدیہ امام اداکاری کے ساتھ ساتھ ماڈلنگ سے بھی وابستہ ہیں۔ ان شعبوں میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد سعدیہ نے پروڈیوسر و ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کیا۔ تاہم بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ سعدیہ امام شاعرہ بھی ہیں اور یہ کہ ان کی لکھی ہوئی ایک نظم "زندگی سفر میں" معروف گلوکار استاد راحت فتح علی خان نے ایک بھارتی فلم کے لیے گائی ہے۔

(جہاں شاعری پر اتنے ستم ہوئے ہیں وہاں ایک اور سہی)

شاید

4 یہ بات اکثر قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ معروف اداکار منور سعید جوانی میں جب ورزش کیا کرتے تھے تو بیس سے اٹھائیس روٹیاں کھایا کرتے تھے اور ساتھ ہی کئی لیٹر دودھ بھی ان کی غذا میں شامل ہوتا تھا مگر اب آتش جواں نہیں رہا ہے تو اسی حساب سے خوراک بھی احتیاط کے تقاضوں کے ساتھ کافی کم ہو گئی ہے۔

(اچھا ہی ہوا کیونکہ ہوشربا گرانی کے اس دور میں پیٹ تو شاید اٹھائیس روٹیوں اور کئی لیٹر دودھ کا بوجھ سہار سکتا ہے مگر جیب نہیں۔)

ریما کی شادی

5 اداکارہ ریما نے کہا ہے کہ اپنی فلم "لو میں گم" عید پر ریلیز کریں گی اور اس کے بعد ہی شادی رچائیں گی۔ برسوں پہلے ریما کی روحانی استاد محترمہ شمیم آرا نے بھی ایسی ہی بات کی تھی کہ جو کشمیر فتح کرے گا اس سے شادی کریں گی۔ کشمیر تو فتح نہ ہوا البتہ شمیم آرا نے ایک چھوڑ تین شادیاں رچا لیں۔ کشمیر کی فتح کا خواب ابھی تک تعبیر کا منتظر ہے ورنہ



ہو سکتا ہے محترمہ کشمیر فتح کرنے والے سے "ایک اور" شادی رچا لیتیں جہاں تک ریما کا معاملہ ہے تو انھوں نے اعلان کر تو دیا ہے کہ ابھی وہ "لو میں گم" ہیں اور یہ چاند عید پر چڑھ ہی جائے گا۔ (ریما سے شادی کے امیدوار بس تھوڑا انتظار اور۔)

یہ بیان کالمانہ

☆ اردو سے گاندھی جی بہت چڑتے تھے کہتے تھے "یہ قرآن کے لفظوں میں لکھی گئی ہے۔"

(وغیرہ وغیرہ۔ عبداللہ طارق سہیل)

☆ ناروا ہے کہ ... ان کے پاس آٹھ کروڑ ... ہیں جن کے پاس شناختی کارڈ ... لاکھ لوگوں میں سے صرف سات لاکھ آٹھ سو چھیانوے افراد ایسے ہیں جن کی آسائش و عشرت سے بھرپور ہے۔ ان کے بچے بیرون ملک پڑھتے ہیں۔ یہ علاج کے لیے سیرو تفریح کے لیے اور تھوڑی سی ضرورت کے لیے بھی ملک سے باہر جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے کم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ زر مبادلہ وہ کسان کماتا ہے جو چاول اور کپاس اگاتا ہے۔ ٹیکس عام آدمی دیتا ہے جس کے صابن، تیل، "آٹا، چینی" پر ٹیکس ہے۔ بجلی کے بلوں پر بھی ٹیکس ہے۔

ہم وہ بد قسمت لوگ ہیں جو غریبوں کی جیبوں سے ایک ایک روپیہ چھین کر ایک ساتھ لاکھوں روپیہ ان سات لاکھ آٹھ سو چھیانوے لوگوں پر لٹا دیتے ہیں۔

(حرف راز۔ اوریا مقبول جان)

☆ امریکہ یہ جنگ جیت نہیں سکتا۔ ہر عالمی قوت آخر کو مر جاتی ہے مگر ہم ہار رہے ہیں۔ اپنے تعصبات اور جہل کے طفیل۔ راستہ صرف ایک ہے رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اہل علم ہی ان کے وارث ہیں۔ مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں خیر خواہی کا حکم دیا اور ارشاد کیا تھا کہ دانا وہ ہے جو اپنے زمانے کے پیچ و خم سے آشنا ہو' ظاہر ہے



کہ اس کے علوم اور تقاضوں سے۔

(ہارون الرشید۔ ناتمام)

☆ نواز شریف دوبار اقتدار سے فارغ ہوئے اور میاں صاحب اس کی وجہ فوج اور آئی ایس آئی کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی مرتبہ جنرل عبدالوحید کاکڑ نے صدر غلام اسحاق خان کے ساتھ مل کر نواز شریف کو اقتدار سے فارغ کیا اور دوسری بار جنرل پرویز مشرف نے میاں صاحب کی دو تہائی اکثریت کو کھا لیا۔ دونوں مرتبہ آئی ایس آئی نے بھی میاں صاحب کے خلاف ٹھیک ٹھاک کارروائی کی۔

(زیرو پوائنٹ۔ جاوید چوہدری)

☆ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اسامہ کے سانحہ عظیم کو امریکہ کی عظیم فتح قرار دیا ہے۔ جس کی قسمت میں جو تھا وہ اسے مل گیا۔ کسی کو شہادت اور کسی کو قاتلوں اور سامراجیوں کی خوشنودی۔

(غیر سیاسی باتیں۔ عبدالقادر حسن)

اسامہ بن لادن

اسامہ بن لادن 1957ء میں محمد بن لادن کے گھر ان دنوں پیدا ہوئے جب ان کے والد کا شمار سعودی عرب کے گنے چنے امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ 1970ء میں بن لادن کا انتقال ایک ہوائی حادثے میں ہوا جب وہ اپنے ذاتی طیارے میں سفر کر رہے تھے۔ محمد بن لادن "سیلف میڈ" انسان تھے۔ موجودہ شاہی خاندان کے بانی شاہ عبدالعزیز سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ چھوٹے سرمائے سے تعمیرات کا آغاز کرنے والے محمد بن لادن اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر اس مقام پر پہنچے کہ آج مکہ اور مدینہ منورہ کی ہر قابل ذکر عمارت ہی نہیں بلکہ سعودی عرب کی اسی فیصد سڑکیں ان کی تعمیراتی کمپنی نے بنائیں۔

اپنے تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے اسامہ بن لادن نے دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں سے اکنامکس اور بزنس ایڈمنسٹریشن کی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم ان کی ملاقات مسلم دنیا کے نوجوانوں سے ہوتی رہی۔ اسی دوران وہ مصر کے اس نوجوان گروپ سے متعارف ہوئے جو مسلم معاشرے کے قیام کا حامی اور اسلامی دنیا میں بڑھتے ہوئے مغربی اثر و رسوخ کا مخالف تھا۔ ان نوجوانوں نے اسامہ بن لادن کو وہ انقلابی فکر عطا کی جس نے بعد میں انہیں مغربی استعمار کے ایک دشمن کی حیثیت سے نمایاں کیا۔

دسمبر 1979ء میں جب اسامہ بن لادن کی عمر بائیس سال تھی۔ وہ روس کی افغانستان پر [illegible] کے خلاف میدان عمل میں نکل آئے اور سعودی عرب سے افغانستان آ گئے۔ وہ اپنے ساتھ انجینئروں کی ایک ٹیم لائے تھے۔ انہوں نے مجاہدین کے لیے دفاعی اہمیت کی سڑکیں بنائیں، انہیں اسلحہ ذخیرہ کرنے کے لیے "ڈپو" بنا کر دیے۔

افغان جہاد کو ساری دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک خصوصی اہمیت حاصل تھی اور دنیا کے کونے کونے سے مسلمان نوجوان افغان مسلمانوں کی مدد کے لیے آ رہے تھے۔ بعض انٹیلی جنس ایجنسیوں کا دعوا ہے کہ ان دنوں اسامہ بن لادن کا رابطہ سی آئی اے سے بھی ہوا تھا جو ساری دنیا سے مسلمان نوجوانوں کو ترغیب دے کر افغانستان میں جہاد کے لیے بھیج رہی تھی۔ ان مسلم نوجوانوں کو سی آئی اے نے روس کے خلاف تربیت اور اسلحہ دے کر میدان میں اتارا تھا۔

دس سال بعد جب وہ بہترین تربیت یافتہ مجاہد بن کر روس سے فارغ ہوئے تو امریکہ کے خلاف سب سے بڑا خطرہ بن گئے۔ امریکہ آج جس دہشت گردی کا شاکی ہے اس کی بنیاد دراصل اسی نے رکھی تھی۔ سی آئی اے کے تربیت یافتہ ان مجاہدین کی خدمات [illegible] استعماریت کے خلاف مسلم انتہا پسند گروہوں کو حاصل ہو گئیں۔ سی آئی اے نے اس عمل کو Back Blow کا نام دیا۔

پھر اسامہ سوڈان چلے گئے۔ [illegible] نے اپنے ذاتی سرمائے سے [illegible] کی اکانومی بحال کرنے کے لیے [illegible] سوڈان تک تقریباً [illegible] کروائی اس طرح اس ملک کی اکانومی [illegible] مختلف زرعی فارم قائم کیے [illegible] سوڈان خوراک میں خود کفیل ہو گیا اور [illegible] برآمد کرنے لگا۔ اس دوران ان کے نظریات کا پرچار ہونے لگا جس بنا پر سعودی حکومت نے ان کا پاسپورٹ منسوخ کر دیا۔ ان کی اپنی فیملی نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سوڈان میں اسامہ کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ جس پر امریکہ نے سوڈان پر بے پناہ دباؤ ڈالا کہ وہ اسامہ کو ملک بدر کر دے۔ جس کی بنا پر 1996ء میں اسامہ واپس افغانستان آ گئے۔ انہوں نے اپنی دولت چھپا کر رکھی۔ آج بھی سوڈان سے مغربی ممالک کو غذائی ضروریات کے لیے برآمد ہونے والے ایک "نیچر" میں 53 فیصد حصص کے مالک اسامہ [illegible] ان کا بزنس فرنٹ کمپنیوں کے ذریعے [illegible] وہ براہ راست کسی بزنس میں ملوث دکھائی نہیں دیتے تھے۔

اپنے خاندان کے [illegible] تعمیراتی کاروبار میں شریک ہو کر انہوں نے [illegible] مغربی انٹیلی جنس ایجنسیاں [illegible] بن لادن نے اپنی دولت کے [illegible] ایک نہ دکھائی دینے والا مضبوط نیٹ ورک [illegible] کے خلاف قائم کر رکھا ہے۔ لانگ آئی لینڈ [illegible] کے ماہر دہشت گردی کے متعلق کی [illegible] ڈی تھی جب اسے واشنگٹن طلب کیا گیا تو اس نے کہا۔

"بن لادن کے گروپ میں مختلف رنگ و نسل کے دنیا کے مختلف ممالک کے باشندے شامل ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کو ڈھونڈنا یا شناخت کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ 70ء اور 80ء کے عشروں کے درمیان جنم لینے والی دہشت گرد تنظیموں کے برعکس یہ لوگ نہ تو کسی مخصوص ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ کسی مخصوص مقام پر انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی مخصوص ملک ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔"

دنیائے اسلام میں جہاں کہیں جہاد ہو "بن لادن وہاں موجود ہوتے تھے" افغانستان کے غاروں اور ہر مشکل محاذ پر بن لادن خود موجود تھے۔ الجزائر میں انتخاب جیتنے والی اسلامی جماعتوں پر جب فوج چڑھ دوڑی تو امریکہ نے باور کروایا کہ جمہوریت کا تحفظ کرنے والی الجزائری فوج کے مقابلے پر در حقیقت اسامہ ہی ہیں" فوج کو الیکشن میں ہاری ہوئی جنگ بندوقوں کے ذریعے جیتنے نہیں دیتے۔

بوسنیا میں بھی وہ خود نہیں گئے لیکن امریکہ نے بے گناہ مجاہدوں کی طرف انگلیاں اٹھا اٹھا کر دنیا کو بتایا کہ یہ بن لادن کے بھیجے ہوئے مجاہد ہیں مجاہدوں اور بوسنیوں نے سالہا سال تک روس، سابقہ کمیونسٹ یورپ اور جمہوری یورپی امداد کے باوجود سربوں کو جیتنے نہیں دیا۔ اب انہیں مجبوراً "بوسنیا کو آزاد ملک ماننا پڑ رہا ہے۔

عراق وہ کبھی نہیں گئے لیکن امریکی ذرائع ابلاغ دن رات چیخ رہے تھے کہ عراق کا بچہ بچہ مجرم ہے۔ کیونکہ بن لادن ان مجرم بچوں کی بھوک اور بیماری کا مسئلہ دنیا کے سامنے لا رہے تھے۔ کردستان بھی وہ نہیں گئے لیکن امریکہ نے دنیا کو بتایا کہ یہ بن لادن ہی تھے جو غیرت مند کردوں کو تین ملکوں میں تقسیم کر کے انہیں ختم کرنے کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔

امریکہ کے اقتصادی محاصرے سے سوڈان کی معیشت تباہ ہونے لگی تو اسامہ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ملک یمن میں شمال اور جنوب کے اتحاد کے بعد پھر سے خانہ جنگی کرائی گئی تو وہاں پہنچ گئے۔ افغانستان کی خانہ جنگی میں شدت پیدا ہونے لگی تو اسامہ وہاں دوبارہ آ گئے۔ اسامہ بن لادن کا کہنا ہے۔

"مسلمان ممالک میں انتشار پیدا کر کے مغربی ممالک خصوصاً" امریکہ اپنے مفادات حاصل کرتا۔ تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ اسرائیل کے قیام کے لیے مغربی قوتوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کروا کے عالم اسلام کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور پھر انہیں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رکھا۔ ان باہمی اختلاف کی وجہ سے عرب دنیا سالانہ تقریباً" چالیس بلین ڈالر کا اسلحہ خریدتی ہے۔ جس کا 58 فیصد حصہ مغربی ممالک خصوصاً" امریکہ سے خریدا جاتا ہے۔ یہ سارے ہتھیار وہ ہوتے ہیں جو اسرائیل کے خلاف مؤثر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا توڑ اسرائیل کو پہلے ہی دے دیا جاتا ہے۔"

عراق ایران جنگ میں عربوں کو بے پناہ اسلحہ بیچا گیا اور جب روس کی شکست کے بعد نیٹو کو اسلحہ کی

ضرورت نہ رہی تو عراق سے کویت پر حملہ کروا کر امریکہ نے وہ سارا اسلحہ عرب سرزمین پر پھونک دیا اور اس کا بل عربوں سے وصول کرلیا۔ ساتھ ہی اپنے پرانے منصوبے کے مطابق کویت اور سعودی عرب کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کرکے اپنی فوج متعین کردی۔

اسامہ کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ امریکہ عرب ممالک خصوصاً حرمین شریفین کی ارض مقدس سے نکل جائے اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس کی فوجیں عربوں کے ہی خرچ پر ان کے ملکوں میں دندناتی پھریں۔ یہ مطالبہ امریکہ کی نظر میں سب سے بڑی دہشت گردی تھا لیکن مسلمان امریکہ کے اس فکر و نظر سے متفق نہیں ہوسکے' ان کی نظر میں یہ اسامہ کی دہشت گردی نہیں 'اسلام دوستی اور امت مسلمہ سے عشق تھا۔

اسی جدوجہد کے دوران اسامہ نے 1996ء میں دہران (سعودی عرب) میں امریکی ایئر فورس کے مستقر پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں انیس امریکی فوجی لقمہ اجل بنے۔ یہ اقدام کسی حد تک کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد امریکیوں نے اعلان کیے بغیر سعودی عرب میں اپنے تمام فوجی کیمپ اور دفاتر شہروں کے قریب سے دور لے جاکر صحرائی علاقے میں قائم کرلیے تاکہ عام سعودی شہریوں کی نگاہ سے دور رہیں۔

اس سے سعودی شہریوں میں اسامہ کی مقبولیت کا پتا چلتا ہے۔ انہوں نے اپنی ارض وطن سے ناجائز طور پر مسلط غیر ملکی فوجوں کے انخلاء کے مطالبے کو اپنے ہم وطنوں کی نظر میں اتنا مقبول کردیا کہ اب کوشش کی جاتی ہے کہ غیر ملکی فوجی سعودی شہروں کے بازاروں میں چلتے پھرتے نظر نہ آئیں۔

وہ عالم اسلام کو ہر طرح کے استعمار سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بیان کرتے کہ مقدس مقامات سے کافروں کو نکال دیا جائے۔

امریکہ کی صومالیہ یا سوڈان میں مداخلت انہیں پسند نہ تھی۔ وہ اسے مسلمانوں کے خلاف جارحیت خیال کرتے تھے۔

دراصل امریکہ اسلامی قوتوں ہی کو اپنا اصل دشمن اور مدمقابل سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی قوتیں مضبوط ہونے لگتی ہیں تو امریکہ ہی کو سب سے پہلے تشویش ہونے لگتی ہے اور ان قوتوں کو کسی نہ کسی طریقے سے زیر کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔

فلسطین' کشمیر' بوسنیا' افریقہ اور دیگر مقامات پر جہاں کہیں مسلمان مصیبت یا مسائل کا شکار ہیں اس کی بنیادی وجہ امریکہ ہے جو مسلمانوں کی راہ کا بڑا اور بھاری پتھر ہونے کا کردار ادا کرتا ہے۔ جب امریکہ انسانی حقوق کی بات کرتا ہے تو اسے مقبوضہ کشمیر میں پچھلے ساٹھ سال سے انسانی حقوق کی پامالی دکھائی نہیں دیتی۔ اسرائیل کی ناجائز پیدائش کا مقصد بھی یہی تھا کہ فلسطینیوں کو ان کا علیحدہ اور آزاد ملک نہ مل سکے۔

اسامہ بن لادن نے 1997ء میں پیٹر آرینٹ کو دیے گئے انٹرویو میں بنان میں یو این او کے قائم کردہ ریفیوجی کیمپ پر اسرائیل کے حملے کا سوال اٹھایا جس میں سینکڑوں عورتوں اور بچوں کے کٹے ہوئے اعضاء سارے علاقے میں بارش کی طرح برسے۔

بن لادن مشرق وسطیٰ میں مغربی مداخلت کو اسلام کے خلاف خطرہ قرار دیتے۔ 1990ء میں عراق نے کویت پر قبضہ کیا تو بن لادن نے سعودی عرب کے وزیر دفاع شہزادہ سلطان کو پیشکش کی کہ وہ عراقی فوجوں کو کویت سے نکال سکتے ہیں۔ بشرطیکہ امریکہ [illegible] سعودی شہزادہ نے اسامہ بن لادن سے پوچھا کہ وہ عراقی ٹینکوں' راکٹوں' کیمیکل بموں اور خطرناک ہتھیاروں کا جواب کیسے دے پائیں گے تو اس مومجاہد نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہم اپنی قوت ایمانی سے انہیں شکست دیں گے۔"

لیکن سعودی حکومت نے ان کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور وہ احتجاجاً سوڈان منتقل ہوگئے۔ خوست کی پہاڑیوں میں بسیرا کرنے والے اسامہ افغانستان میں اپنی تین بیویوں' چودہ بچوں کے ساتھ افغانستان میں مقیم تھے۔ ان کے ساتھ [illegible] خاندان بھی تین گھروں پر مشتمل ایک کالونی میں رہتے تھے۔ اسامہ پہلے امریکہ کی نظروں میں [illegible] تھے لیکن سعودی عرب میں امریکہ کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے امریکہ کے نزدیک انسانیت کے قاتل قرار پائے۔

پہاڑی [illegible] بن لادن کی رہائش [illegible] مشین اور [illegible] فون اسامہ [illegible] ان سب کا مواصلاتی رابطہ [illegible] فون کے ذریعے دنیا کے کونے [illegible] تھا۔ ان تین مشینوں کے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر امریکہ کی حکومت سے جنگ لڑ رہے تھے۔ انہوں نے جہاد کے لیے فرسودہ طریقے نہیں اپنائے بلکہ جدید ٹیکنالوجی اپنا رکھی تھی۔

سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے اس سعودی شہزادے کی زندگی نے عجب کروٹ بدلی۔ کبھی ان کے دسترخوان پر دنیا بھر کی نعمتیں سجی ہوتی تھیں لیکن ان کے ساتھی اور وہ ڈبل روٹی اور چائے پر گزارہ کرتے۔ ملاقات کرنے والے ایک صحافی نے بتایا کہ اس نے بن لادن اور ان کے چار ساتھیوں کو ڈنر کرتے دیکھا۔ ان پانچ آدمیوں کا ڈنر تھا' چار ابلے ہوئے انڈے۔ جنہیں انہوں نے آپس میں تقسیم کیا اور اپنا ڈنر مکمل کیا۔

2 مئی کی صبح دنیا حیران رہ گئی جب اوباما نے اچانک اعلان کیا کہ اسامہ کو ختم کردیا گیا۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ اسامہ ایبٹ آباد کے ایک گھر میں مقیم تھے۔ امریکی کمانڈوز نے وہاں چالیس منٹ تک کارروائی کرکے انہیں ختم کردیا۔

نہ صرف یہ بلکہ ان کی لاش کو بھی امریکہ نے بارہ گھنٹے کے اندر سمندر برد کردیا۔

اسامہ کی پاکستان میں موجودگی' ان کی پراسرار شہادت ابھی تک شکوک و شبہات میں لپٹی ہوئی ہے۔

ایک سروے کے مطابق 90 فیصد پاکستانی اس پر یقین نہیں رکھتے اور ان کا کہنا ہے کہ امریکہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس بارے میں بہت سے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ ان کی زندگی کی طرح موت بھی ایک پراسرار معمہ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا بھر میں مطلوب ایک اہم ترین شخص ایبٹ آباد کے ایک گنجان آباد علاقے میں پانچ سال سے مقیم رہے اور امریکہ کی ایجنسیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو؟ افغانستان کے کئی علاقوں میں امریکہ کا کوئی کنٹرول نہیں۔ پہاڑوں میں اپنا مسکن بنانے والا ایک گھر میں کیوں چھپتا؟

اسامہ نے امریکہ سے ٹکر لی تھی اور وہ ایک سپر پاور کے مقابل تھے۔ کیا وہ اتنے ہی سادہ اور سیدھے تھے کہ ایبٹ آباد کے ایک ایسے مکان میں چھپتے جو ہر ایک کی نظر میں آجاتا؟ اس علاقہ میں ایسی شاندار حویلی ایک ہی ہے اور اس پر ڈش انٹینا بھی لگا ہوا ہے۔ آپریشن جس انداز سے ہوا اس کی تفصیلات انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ جس شخص کی عمر گزری اسلحہ سے کھیلتے ہوئے وہ ایسے مارا جائے جیسے پنجاب پولیس کسی بے گناہ کو مقابلے میں مار دیتی ہے۔ کوئی مزاحمت نہیں؟ امریکی کمانڈوز ہیلی کاپٹر سے اتر رہے تھے تو اسی وقت اس خطرناک دہشت گرد (بقول امریکہ) کو مقابلہ کے لیے تیار ہوجانا چاہیے تھا۔

امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ نہتے تھے تو پھر انہیں زندہ گرفتار کیوں نہ کیا؟ ان سے امریکہ القاعدہ کے نیٹ ورک کی تفتیش کرسکتا تھا۔ مار دیا تو ان کی لاش کو دریا برد کرنے کی اتنی جلدی کیوں تھی اگر واقعی اسامہ مارے گئے ہوتے تو القاعدہ کے باقی لوگوں کی ہمت پست کرنے کے لیے امریکہ کئی دن ان کی لاش کی نمائش کرتا۔ سمندر برد ایک ہفتہ بعد بھی کیا جاسکتا تھا۔

ایک نہیں متعدد اطلاعات ہیں کہ اسامہ بہت پہلے شہید ہوگئے تھے۔

ویسے بھی ماضی میں جب صدام حسین کو پھانسی دی



گئی تو عین عید کے دن اسے پھانسی دی گئی اور اس کی پھانسی کا منظر ساری دنیا میں دکھایا گیا جبکہ وہ ایک قوم کا صدر تھا۔ اس وقت مسلمانوں اور عراقیوں کے جذبات کا خیال نہیں کیا گیا۔ صدام کے بیٹوں کو ہلاک کیا گیا تو ان کی تدفین بھی چند روز بعد کی گئی۔

خود امریکی صحافی اس مسئلے پر شکوک کا شکار ہیں۔ پال کریگ رابرٹس امریکی وزیر خزانہ اور وال اسٹریٹ جرنل کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون اسامہ بن لادن کی "مفید موت" کے نام سے مضمون لکھا ہے۔

وہ لکھتے ہیں "اسامہ بن لادن نائن الیون کے حملوں کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ یہ بات ابھی تک ثابت نہیں ہو سکی ہے لیکن اس کی موت کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ جس شخص کا سراغ برسوں پہلے لگا لیا گیا تھا اس تک پہنچنے میں اتنی دیر کیوں لگائی گئی؟

گارجین اور دیگر برطانوی اور یورپی اخبارات نے لکھا ہے کہ اسامہ بن لادن کی لاش کا فوٹو جعلی ہے۔ اسامہ کی لاش سمندر برد کی جا چکی ہے" یہ ایک اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ جس طرح عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی بات جھوٹ تھی۔ ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کی بات بھی غلط نکلی اور تو اور ہزاروں ماہرین کے مطابق نائن الیون بھی حقیقت میں کچھ اور ہے۔"

پال کریگ رابرٹس کا کہنا ہے "سچ تو یہ ہے کہ امریکی حکومت کو بجٹ خسارے پر قابو پانے اور افغانستان میں جنگ ختم کرنے کے لیے ایک بہانا درکار تھا۔ اس لیے اسامہ بن لادن کی موت کا ڈراما رچایا گیا۔ امریکیوں کو ان کی فوج کی ایک اور بڑی فتح کا یقین دلایا گیا۔"

جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ کا کہنا ہے۔

"9/11 کا ڈرامہ اس لیے کیا گیا تاکہ مسلم ممالک کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز کیا جا سکے۔ اب 2011 کو اسامہ بن لادن کی موت بھی ڈرامہ اور جھوٹ ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اسامہ کے قتل ایک قیدی کو بگرام کے ایئر بیس سے ایبٹ آباد لایا گیا اور یہاں پر مقیم اس کے اہل خاندان کے سامنے اسے نہایت سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسامہ کو کچھ عرصہ پہلے ہی افغانستان میں قتل کر دیا گیا ہو اور ان کی میت مردہ خانے میں پڑی ہو۔ ان کی کھوپڑی سے چھلنی جو تصویر دکھائی گئی ہے وہ دو سال پہلے کی ہے۔

اینٹی وار میں امریکی صحافی ایرک مارگولس نے لکھا ہے "نائن الیون اور اس سے تعلق کی ساری کہانی ابھی تک دھندلی اور غیر واضح ہے۔"

ایک تہائی امریکی شہری نائن الیون کے متعلق اپنی حکومت کے موقف کو تسلیم نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ میں کسی نہ کسی طرح امریکی حکومت یا اسرائیل ملوث تھا۔"

اب بن لادن کی موت کے بعد ہم شاید حقیقت کو کبھی نہ جان سکیں کیونکہ مردے بولا نہیں کرتے۔ بن لادن ہمیشہ کہتا رہا ہے کہ نائن الیون میں اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اسامہ ختم ہو چکا ہے مگر "اسامہ ازم" زندہ ہے۔ اسامہ کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ مسلمان ملکوں سے مغرب کا غلبہ ختم کیا جائے تاکہ مغربی ممالک مسلمان ملکوں کے قدرتی وسائل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ امریکی صحافی نے لکھا ہے۔

"اسامہ نے بار بار کہا تھا کہ مسلمان ملکوں سے امریکہ کو نکالنے کا واحد راستہ ہے کہ امریکا کو چھوٹی چھوٹی مگر زیادہ اخراجات والی جنگوں میں الجھایا جائے جس سے امریکہ کی معیشت تباہ ہو جائے گی۔

امریکہ اسامہ کے جال میں پھنس گیا اور دیوالیہ پن کے قریب ہونے کے باوجود امریکہ آج افغانستان، عراق، صومالیہ، یمن اور صحرائے اعظم کے ملکوں میں سالانہ کھربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ فوج پر اٹھنے والے بے انتہا اخراجات اور قرضوں کی بھرمار نے امریکہ کو اپاہج بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسامہ کی روح مسکرا رہی ہوگی۔



موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

شربت بادام

ضروری اجزا :

مغز بادام شیریں	دس چھٹانک
الائچی کلاں	چار تولہ
صندل سفید	آٹھ تولہ
چینی	پانچ سو گرام
پانی	مناسب مقدار

ترکیب :

سب سے پہلے مغز بادام الائچی کلاں اور صندل سفید کو کھرل میں ڈال کر سردائی بنالیں اور کپڑے سے چھان کر رکھ لیں۔ اس کے بعد مناسب مقدار میں پانی لے کر قلعی شدہ برتن میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیں اور گرم ہونے پر اس میں چینی ملائیں اور ہلاتے جائیں۔ ایک تار کا قوام تیار ہو جانے پر سردائی ڈال [illegible] قوام بنا کر نیچے اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے [illegible] ڈال کر پیش کریں۔

فالسے کا شربت

اجزا :

فالسے	پانچ سو گرام
چینی	چھ سو گرام
پانی	ایک [illegible]
سٹرک ایسڈ	[illegible]

ترکیب :

فالسوں کو [illegible] صاف کر کے تھوڑے سے پانی میں [illegible] سے مسل کر گٹھلیاں الگ کر لیں [illegible] میں ڈال کر ان کا رس نکال لیں۔ پانی میں [illegible] ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ چینی حل ہو جائے اب اسے چھان کر ایک تار کی چاشنی بنالیں۔ پھر فالسوں کا رس شامل کر کے پکائیں۔ ٹھنڈا ہونے پر سٹرک ایسڈ ملا دیں۔ پیش کرتے وقت برف کی کیوبز ڈال دیں۔ گرمی کے دنوں میں آنے والے مہمانوں کے لیے بہترین مشروب ہے۔

کچے آم کا شربت

اجزا :

ابلے کچے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
بھنا پسا ہوا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
پسا پودینہ	[illegible]
پانی	[illegible]

ترکیب :

پانی اور چینی [illegible] بنالیں پھر ٹھنڈا ہونے پر چھان [illegible] میں ڈال کر اس میں پودینہ اور [illegible] باریک پیس لیں۔ پسے ہوئے کچے آم [illegible] تیار چاشنی میں ڈال دیں۔ صاف بوتل میں [illegible] لیں۔ پیش کرتے وقت ایک حصہ شربت میں تین حصہ پانی اور کرش کی ہوئی برف ملائیں۔

چنے کی دال کا رائتہ

ضروری اجزاء :

دال چنا	(آدھا کلو)
تیل	کھانے کے دو چمچ
دہی	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
گرم مسالا پاؤڈر	چائے کا ایک چمچ
ہری مرچ	دو عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
پیاز	ایک ڈلی

ترکیب :

دال دھو کر ایک گھنٹہ بھگو دیں، پھر اس میں نمک ڈال کر ابال لیں۔ جب گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو اتار کر پیس لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز گلابی کر لیں۔ پسی ہوئی دال نمک ہری مرچیں، سرخ مرچ اور گرم مسالا ڈال کر خوب بھون لیں۔ ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال لیں۔ پھینٹے ہوئے دہی [illegible] مسالا ڈالیے اور اچھی طرح ملائیں۔ دال کا [illegible] رائتہ تیار ہے۔

ملی جلی سبزیوں کا رائتہ

ضروری اجزاء :

مٹر	آدھی پیالی
آلو	ایک عدد
گاجر	دو عدد
مرغی کے ریشے	آدھی پیالی
ٹماٹر	ایک عدد
دہی	ایک کلو
ہرا دھنیا	پودینہ چند پتے
ہری مرچیں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
بھنا ہوا زیرہ	چائے کا ایک چمچ
پسی سیاہ مرچ	چائے کا ڈیڑھ چمچ

ترکیب :

مٹر اور آلو ابال لیں، آلو کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔ ٹماٹر، کھیرے اور گاجر کو بھی چھوٹا چھوٹا چوکور کاٹ لیں۔ دہی میں نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال کر پھینٹ لیں۔ تمام سبزیاں اور زیرہ ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور ٹھنڈا کرلیں یہ رائتہ صحت کے لیے بے حد مفید ہے۔

سرورق کی شخصیت

ماڈل	ایشا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
تصویر	موسیٰ رضا



حسن و صحت

ر۔ گ

پسینہ کیوں کرے پریشان......؟

ویسے تو پسینہ جسم کی تقریباً" ہر جگہ سے نکلتا ہے اور خشک ہوتا رہتا ہے لیکن گردن، پیٹ، بغلوں اور پوشیدہ اعضاء وغیرہ جو کہ ہر وقت کپڑوں سے ڈھکے رہتے ہیں یہاں آنے والا پسینہ آسانی سے خشک نہیں ہو پاتا اس لیے زیادہ تر بدبو ان ہی جگہوں سے آتی ہے۔

زیادہ اور بدبو دار پسینے سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کریں۔

نہانے کے پانی میں تھوڑا سا ڈیٹول، یوڈی کلون یا روح کیوڑہ ملا کر نہانا چاہیے۔

نہاتے وقت اچھی طرح صابن لگا کر جلد کو صاف کریں تاکہ پسینے کے غدودوں کے منہ کھل جائیں۔

نہانے کے بعد کسی روئیں دار تولیے سے رگڑ کر جسم کو صاف کریں تاکہ جلد کی مکمل صفائی ہو جائے۔

نیچے پہننے والے کپڑے سفید اور ہلکے رنگ کے ہونے چاہئیں وہ پتلے اور ایسے دھاگوں سے بنے ہوئے ہونے چاہئیں جو پسینہ کو جذب کر لیں اور ہوا کو آر پار جانے دیں۔

رات کو سونے سے پہلے نیچے پہنے جانے والے کپڑے اتار دینے چاہئیں۔

جن کو پسینہ بہت آتا ہو ان کو ہر ڈ مسین پیس کر اس سے مالش کرکے نہانا چاہیے۔

نہانے کے بعد جسم خشک کرکے پھٹکری بغلوں میں لگائیں پسینہ نہیں آئے گا۔

جامن کے پتوں کو پانی میں ابال لیں۔ اب اس پانی کو سارے جسم پر اچھی طرح ملیں۔ بغلوں [illegible] طور سے اچھی طرح اس پانی سے [illegible] منٹ کے بعد سادہ پانی سے نہا کر [illegible] کر لیں ایسا کرنے سے پسینے کی بدبو آنا بند ہو جاتی ہے۔

گرمی دانے

تقریباً" ہر شخص اس بیماری سے واقف ہے کیونکہ یہ گرم جگہوں پر برسات میں پایا جانے والا ایک عام مرض ہے۔ برسات کے دنوں میں تو پسینہ ویسے ہی زیادہ نکلتا ہے دوسرے ہوا میں زیادہ نمی ہونے کے باعث پسینہ خشک نہیں ہو پاتا جس کے نتیجے میں پسینے کی چپچپاہٹ سے مسام (چھید) بند ہو جاتے ہیں اور وہاں پر چھوٹے چھوٹے سرخ دانے نکل آتے ہیں۔ ان میں خارش بہت ہوتی ہے۔ ویسے تو یہ دانے جسم کے کسی بھی حصے پر نکل سکتے ہیں لیکن دھڑ پر یہ خاص طور سے نکلتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بیمار اور موٹے افراد میں یہ زیادہ پائے جاتے ہیں۔

ان دانوں پر بار بار خارش کرنے سے زخم ہو جاتے ہیں۔ گرمی دانوں یا پت سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

دن میں باقاعدگی سے دو بار نہانا چاہیے۔

نائلون اور مصنوعی دھاگوں [illegible] پسینہ خشک ہونے میں رکاوٹ [illegible] جہاں تک ہو سکے برسات کے موسم [illegible] ڈھیلے اور سوتی کپڑے ہی پہننے چاہئیں۔

کھانے [illegible] مسالے، کافی اور چائے کا استعمال [illegible]۔

[illegible] کے بعد جسم کو خشک کرکے جلد پر کوئی اچھا پاؤڈر چھڑک لینا چاہیے۔

دانوں پر زیادہ خارش نہ کریں ورنہ زخموں میں مواد بھر جائے گا۔ زیادہ خارش ہونے پر ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

اگر آپ کے جسم پر پت اور گرمی میں دانے نکل آئے ہیں تو جسم پر ملتانی مٹی مل کر اسے خشک ہونے دیں۔ [illegible] گھنٹے بعد اسے صاف پانی سے دھو کر اتار دیں۔